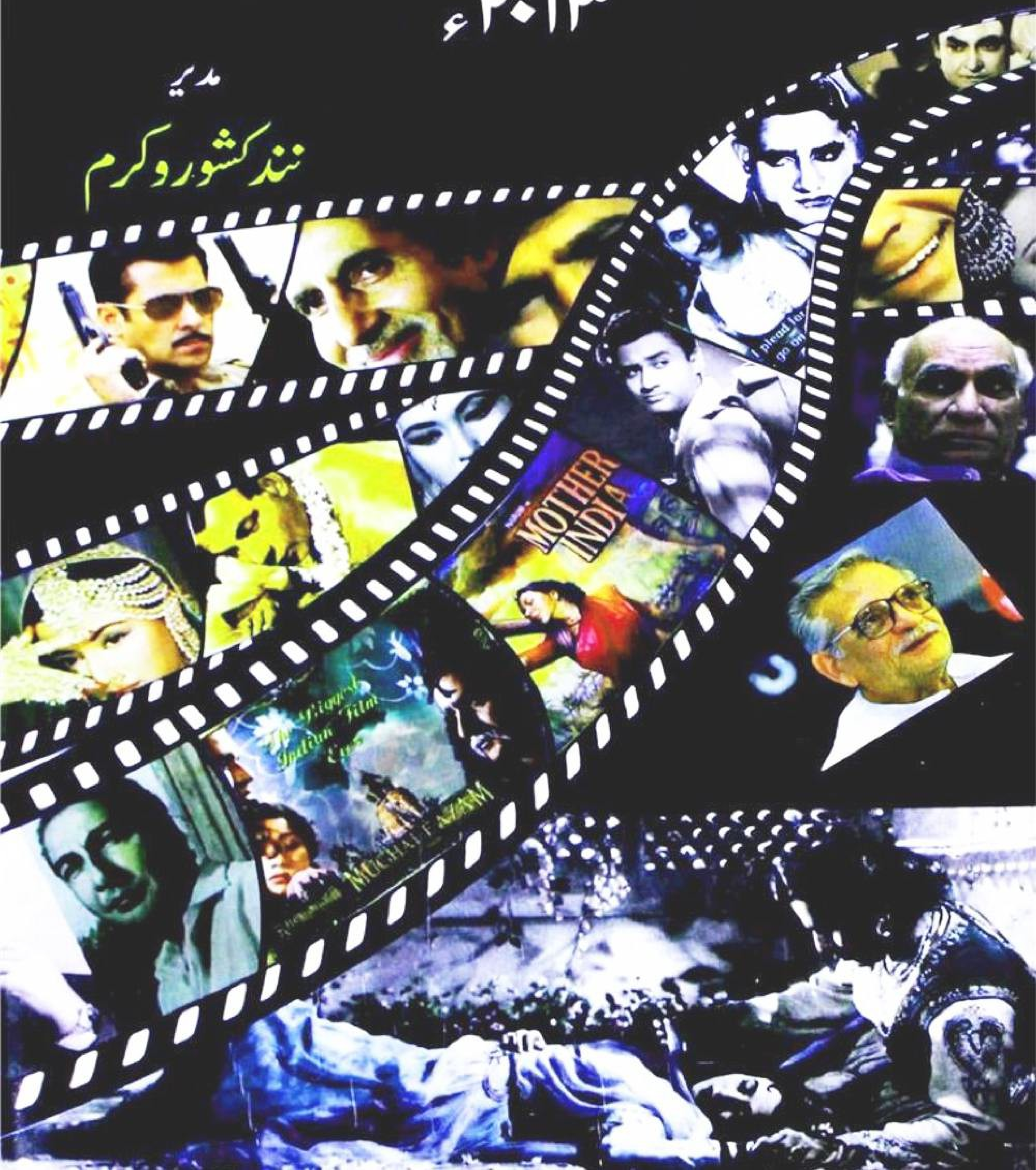
سینما صدی نمبر

عالمی اردو ادب

۲۰۱۳ء

مدیر

نند کشور وکرم



اردو کا واحد حوالہ جاتی مجلّہ

عالمی اُردو ادب

سینما صدی نمبر
اگست ۲۰۱۳ء

جلد نمبر: ۳۵

قیمت: ۳۵۰ روپے

مدیر
نند کشور وکرم

عالمی اُردو ادب

الیف۔۲۱/۱۴(ڈی) کرشن نگر دہلی ۱۱۰۰۵۱

اُن لاکھوں نوجوانوں کے نام

جو

پرتھوی راج کپور، دلیپ کمار راجیش کھنہ اور امیتابھ بچن
بننے کے جوش و جنون میں گھر سے بھاگ کر
بمبئی کلکتہ اور لاہور کی فلمی دنیا میں در در کی ٹھوکریں کھاتے رہے
مگر جنہیں ناکامی و نامرادی کے سوا کچھ نہ ملا۔

نند کشور وکرم

ترتیب

پیش لفظ

سنیما کی تاریخ

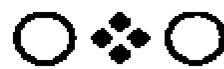
ہماری فلمیں

فلمی ہستیاں

فلمی نغمے اور ان کے خالق

چند اہم فلمیں

کچھ یادگار اردو فلمیں



پیش لفظ

سنیما کے سو سال

اگر مَیں یہ کہوں کہ مَیں نے ہندوستانی سنیما کی پوری صدی اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے تو شاید اسے مبالغہ سمجھا جائے گا مگر اس میں بڑی حد تک سچائی ہے کیونکہ بظاہر ہندوستانی فلمی صنعت مجھ سے صرف سولہ سال بڑی ہے۔ جب میں نے ہوش سنبھالا تو اس کے تذکرے گھروں میں شروع ہو چکے تھے اور والدین کے منع کرنے کے باوجود بھی لوگ چوری چھپے سنیما دیکھنے لگے تھے اور گلیوں، بلکہ گھروں میں بھی سنیما کے گیت گونجنے لگے تھے۔ مَیں بھی شروع شروع چوری چھپے فلمیں دیکھتا رہا ہوں اور اس زمانے تک تو اگر یہ کہا جائے کہ مجھے 'فلمیریا' ہو گیا تھا تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

مگر چوری چھپے فلمیں دیکھنا تو لڑکپن کی باتیں ہیں۔ پہلی بار تو فلم میں نے شاید ۳۳-۱۹۳۲ کے قریب اپنی ماں کے ساتھ دیکھی تھی جو بھگوان کرشن کے متعلق تھی اور جس میں کرشن لیلا دکھائی گئی تھی۔ چونکہ یہ دھارمک فلم تھی لہٰذا سنیما والوں نے عورتوں کے لئے خصوصی شو کا اہتمام کیا تھا۔ وجہ یہ کہ ان دنوں مردوں کے ساتھ عورتوں کا فلم دیکھنا معیوب سمجھا جاتا تھا اور چونکہ یہ دھارمک فلم تھی لہٰذا اسے دیکھنے کے لئے عورتوں کی بھی بڑی خواہش تھی کہ وہ بھی بھگوان کرشن سے متعلق یہ متکلم فلم دیکھیں۔ لہٰذا فلم دیکھنے کے لئے عورتیں دوپہر کے خصوصی شو میں جوق در جوق تھیٹر پر ٹوٹ پڑیں۔ ان دنوں مردوں سے فلم کی اجازت لینا تو بہت مشکل مسئلہ تھا اور میرا خیال ہے کہ زیادہ تر عورتوں نے فلم اپنے شوہروں کو بتائے بغیر یعنی چوری چھپے ہی دیکھی تھی۔ خیر مَیں نہیں جانتا میری والدہ نے اس فلم کے لئے میرے والد سے اجازت لی تھی یا نہیں، میرا خیال ہے نہیں۔ ہاں اتنا وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ انہوں نے میری دادی کی اجازت سے ہی یہ فلم دیکھی ہوگی اور چونکہ میں ان دنوں کمسن بچہ تھا لہٰذا وہ مجھے بھی گودی میں اٹھا کر لے گئیں کیونکہ گھر میں چھوڑنا ذرا مشکل کام تھا۔ دوسرے شاید سوچتی ہوں کہ اس سے میری بھی کچھ تفریح ہو

جائے گی۔مگر صاحب تھیٹر کے اندر بری طرح شور شرابہ تھا۔بچوں کے رونے اور شور وغل مچانے اور عورتوں کی آپسی بات چیت سے کچھ سنائی نہیں دیتا تھا۔ہاں جب فلم شروع ہوئی تو کچھ لمحوں کے لئے ہال میں خاموشی چھاگئی۔پھر کسی کا بچہ رو پڑا اور وہ اسے چپ کرانے کے لئے کھڑی ہوگئی اور پچھلی سیٹ والی عورتوں نے اُسے بٹھانے کے لئے شور مچادیا کہ انہیں فلم دکھائی نہیں دے رہی تھی۔۔خیر وہ عورت تو نہیں بیٹھی۔ہاں سبھی عورتیں کھڑی ہوگئیں اور اس شور شرابے میں کبھی بیٹھ کر اور کبھی کھڑے ہوکر عورتوں اور بچوں کے شور وغل میں اس فلم کو دیکھا گیا۔بہر حال یہ تو شروعات تھی اس کے بعد جب بھی گھر میں کوئی چچا وغیرہ سنیما جانے کی اجازت مانگتا تو ہم بھی ساتھ چلنے کی ضد کرتے اور کبھی کبھی وہ ہمیں چھوٹا سمجھ کر ساتھ بھی لے جاتے تھے کہ ہمارا ٹکٹ نہیں لگتا تھا۔لیکن ایک بار گیٹ کیپر نے منع کردیا کہ یہ چھوٹا بچہ نہیں پانچ سال سے اوپر کا ہے۔نتیجہ یہ ہوا کہ ہم باہر کھڑے کے کھڑے رہ گئے کیونکہ چچا کے پاس ہمارے لئے ٹکٹ خریدنے کے لئے پیسے نہیں تھے۔خیر ہمیں بھی سنیما کا راستہ معلوم ہوگیا تھا اور کچھ برس بعد ہم خود ہی چوری چھپے سنیما جانے لگے۔اور سنیما کا جادو سر چڑھ کر بولتا رہا۔سنیما ملک میں اتنا مقبول ہوگیا کہ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے لڑکے لڑکیاں بھاگ بھاگ کر بمبئی لاہور کلکتہ جانے لگے حالانکہ ایک وقت تھا جب فلموں میں کام کرنا معیوب سمجھا جاتا تھا اور لڑکیوں کے رول مردوں کو ادا کرنے پڑتے تھے۔بٹوارے سے پہلے خزانچی، خاندان، رتن، قسمت، شکنتلا، زینت اور انمول گھڑی ایسی فلمیں تھیں جن کے مسحور کن گانوں نے لوگوں پر جادو سا کردیا تھا اور یہ گلی کوچوں میں اکثر سنائی دیتے تھے۔

برصغیر کی تقسیم کے بعد تو کئی تبدیلیاں دیکھنے کو ملیں۔ملک کی تقسیم کے ساتھ ہی ملک کے آرٹسٹ بھی تقسیم ہوکر رہ گئے اور انہیں ایک ملک سے دوسرے ملک کو ہجرت کرنی پڑی۔نذیر، شوکت حسین رضوی، سورن لتا، نور جہاں، راگنی، ممتاز شانتی، شمیم وغیرہ پاکستان چلے گئے اور دلسکھ پنچولی، پران، اوم پرکاش، منورما، مجنوں، ایس ڈی نارنگ وغیرہ سب کچھ لاہور میں چھوڑ کر ہندوستان آگئے۔میں نے ان سو برسوں میں فلمی دنیا کا بہت بڑا انقلاب دیکھا، جب راتوں رات واگھا پار کے اداکار غیر ملکی پاکستانی بن گئے اور اس پار کے ہندوستانی۔

میں نے جب ہوش سنبھالا تھا تو پرتھوی راج ہمارے ہیرو تھے اور لوگ ان کے دیوانے تھے اور آج زمانہ اتنا آگے بڑھ چکا ہے کہ اُن کی چوتھی پشت فلموں میں کام کررہی ہے اور رنبیر کپور، کرینا کپور اور کرشمہ کپور آج لوگوں کے چہیتے اداکار ہیں۔سو سال میں اداکاروں اور ہدائت کاروں کی دوسری

تیسری نسل پردۂ اسکرین پر راج کر رہی ہے۔

متکلم فلم "عالم آرا" سے پہلے خاموش فلمیں ہی بنتی تھیں مگر اس فلم کی ریلیز کے بعد خاموش فلموں کا زمانہ دیکھتے ہی دیکھتے ختم ہو گیا۔ پھر بھی خاموش فلموں کے زمانے نے ہمیں بہت کچھ دیا یہ اسی زمانے کی دین ہے کہ اس دور میں ایک ہزار تین سو اکتیس خاموش فلمیں منظر عام پر آئیں جو ایک بہت بڑی تعداد ہے۔ اور ہاں اس کے لگ بھگ پچپن سال بعد ۱۹۸۷ء میں کمل ہاسن کی اکلوتی خاموش فلم "پشپک" بھی دیکھنے کو ملی جو ہماری سنیما کی تاریخ کا ایک اہم واقعہ کہا جا سکتا ہے۔

فلموں کے سنیما ہال میں نمائش پر پیش ہونے کے بعد ان کی سلور جوبلی اور گولڈن جوبلی کی بھی شروعات ہو گئی۔ اس سلسلے میں "شعلے" اور "دل والے دلہنیا لے جائیں گے" ایسی فلمیں تھیں جو عالمی باکس آفس پر بے حد کامیاب ہوئیں۔ اس دور میں ایسی ایسی فلمیں آئیں جنہیں دیکھ کر لوگوں کا جی نہیں بھرتا تھا۔ فلم "قسمت" کلکتہ کے راکسی ہال میں تین سال تک چلتی رہی جبکہ شانتا رام کی "شکنتلا" بمبئی کے ایک تھیٹر میں دو سال تک لگاتار دکھائی جاتی رہی۔ اور "شعلے" پانچ سال سے زائد عرصہ تک چلتی رہی اور فلم "دل والے دلہنیا لے جائیں گے" نے تو گزشتہ نوے سال کے ریکارڈ توڑ دیئے ہیں۔ یہ فلم ۲۰ر اکتوبر ۱۹۹۵ء کو ریلیز ہوئی تھی اور اس نے ۱۲۰ اکتوبر کو مراٹھا مندر ممبئی میں سات سو ہفتے پورے کر لئے تھے اور یہ اب تک مذکورہ تھیٹر میں لگاتار چل رہی ہے۔

آج ہماری فلمی صنعت دنیا میں سرفہرست ہے۔ یہاں ہر سال لگ بھگ ایک ہزار فلمیں بنتی ہیں جبکہ امریکہ میں اس سے آدھی یعنی پانچ سو ہی فلمیں نمائش کے لئے پیش کی جاتی ہیں۔ آج ہمارے ملک کی فلمیں دنیا کے لگ بھگ نوے ممالک کو برآمد کی جاتی ہیں۔ جن میں امریکہ، کناڈا، انگلستان، مشرقی افریقہ، خلیجی ریاستیں، انڈونیشیا، سنگاپور، تھائی لینڈ، ماریشس، عرب ممالک وغیرہ شامل ہیں۔

اس سو سال میں کیا دیکھنے کو نہیں ملا۔ پہلے خاموش سے متکلم فلمیں بنتے دیکھا پھر سنیما اتنا ترقی کر گیا ہے کہ اب گزشتہ زمانے کی سیاہ و سفید فلموں کو بھی رنگین لبادہ پہنایا جا چکا ہے۔ مغل اعظم کے بعد نیا دور، چوری چوری، دل تیرا دیوانہ ایسی نہ جانے کتنی فلموں کو رنگین بنا دیا گیا ہے اور مستقبل میں نہ جانے کتنی پرانی فلمیں ہمیں خوبصورت رنگوں سے مزین ملیں گی۔

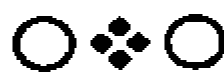
کبھی وہ زمانہ تھا کہ لوگ چوری چھپے سنیما دیکھنے جاتے تھے اور آج ٹی وی کی وساطت سے سنیما

ہمارے گھروں میں گھس آیا ہے اور آج سار کنبہ، باپ، بیٹا، ماں بیٹی اور ساس بہو بیٹھی ہوتی ہے اور سامنے ریپ سین چل رہا ہوتا ہے مگر کوئی ٹی وی بند نہیں کرتا اور سبھی بیٹھے محظوظ ہوتے رہتے ہیں۔ ٹکنیک اتنی ترقی کر گئی ہے سنیما ٹی وی کے ذریعے گھر میں گھسنے کے بعد اب آپ کی مٹھی (موبائیل) میں بند ہو کر رہ گیا ہے۔ یہی نہیں کبھی ہم پرانی کلاسیکل اور نایاب فلموں کو دیکھنے کو ترستے تھے کیونکہ انہیں سنیما پر دکھایا نہیں جاتا تھا مگر اب سی۔ ڈی کمپیکٹ ڈسک (C.D.Compact Disc) کی بدولت ہم سبھی فلمیں کمپیوٹر پر بآسانی دیکھ سکتے ہیں۔

کسی وقت ہمیں ۳-ڈی تھیٹر حیرت واستعجاب میں ڈال دیتے تھے اور اب اب اس فن میں اتنی ترقی ہو چکی ہے کہ ۴-ڈی اور ۵-ڈی تھیٹروں کو پھلانگ کر اب ہم ۱۱-ڈی تھیٹروں میں لطف اندوز ہونے کے قابل ہو گئے ہیں اور ابھی حال ہی میں شائع خبر کے مطابق (۱۸ رجولائی ۲۰۱۳ء) رانچی کے سپر انٹرٹینمنٹ ادارے نے گوز بمپ (Goosebump) تھیٹر میں اس عجوبے کا شو پیش کیا تھا۔ اس تکنیک کی وجہ سے تماشبین تھیٹر میں بیٹھ کر بجلی، بارش، برفباری، ہوائی دھماکے یوں محسوس کریں گے جیسے وہ ان کے سامنے وقوعہ پذیر ہو رہے ہیں۔ وہ برف باری سے ایسی ٹھنڈک محسوس کریں گے کہ وہ کانپنے لگیں گے اور دھماکوں سے وہ لرز اٹھیں گے اور ان کی ٹانگیں کانپ اٹھیں گی اور کسی رقص وسرود کی محفل میں انہیں ایسا محسوس ہوگا کہ وہ اس میں بذاتِ خود شامل ہیں اور وہ اس میں جھوم جھوم اٹھیں گے۔

میں نے اس نمبر میں 'گزشتہ سنیما صدی' کی کچھ جھلکیاں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں نے جب یہ خصوصی نمبر نکالنے کا پروگرام بنایا تھا تو مجھے اس میں آنے والی مشکلات کا احساس نہیں تھا۔ دراصل یہ ایک اکیلے آدمی کا کام نہیں بلکہ ادارے کا کام ہے۔ بہر حال مجھ سے جتنا بھی ہو سکا میں نے کر دیا۔ اور ظاہر ہے اس میں خامیاں ڈھونڈنے والے تو بہت کچھ ڈھونڈ لیں گے۔ مگر یہ میری ایک ادنیٰ کوشش ہے جس سے میں بھی پوری طرح مطمئن نہیں۔ اگر اس میں کوئی اہم شخصیت یا واقعہ رہ گیا ہو یا کوئی خامی در آئی ہو تو ہم اس کے لئے معذرت خواہ ہیں۔

نند کشور وکرم



نند کشور وکرم

ہندوستانی فلموں کا آغاز وارتقاء

گزشتہ ایک صدی میں جو سائنسی ایجادات منظر عام پر آئی ہیں، ان میں سینما کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل رہی ہے اور اسے دنیا کا آٹھواں عجوبہ قرار دیا گیا ہے۔ اگر چہ آج ہمارے لئے سینما عجوبہ نہیں رہ گیا ہے لیکن انیسویں صدی کے آخر میں جب اس کی ایجاد ہوئی تھی تو دنیا کے لئے یہ معجزے سے کم نہ تھا اور اس کی ترقی وارتقاء میں بلاشبہ فوٹو گرافی کا اہم رول رہا ہے کیونکہ اس کی ایجاد سے ہی عکس کو دیرپا بنا دیا گیا تھا لیکن اس کو متحرک بنانے میں کئی برس تک کئی سائنسدان سرگرداں رہے۔ اس لحاظ سے متحرک فلموں کی کہانی کسی الف لیلوی داستان سے کم دلچسپ نہیں ہے۔

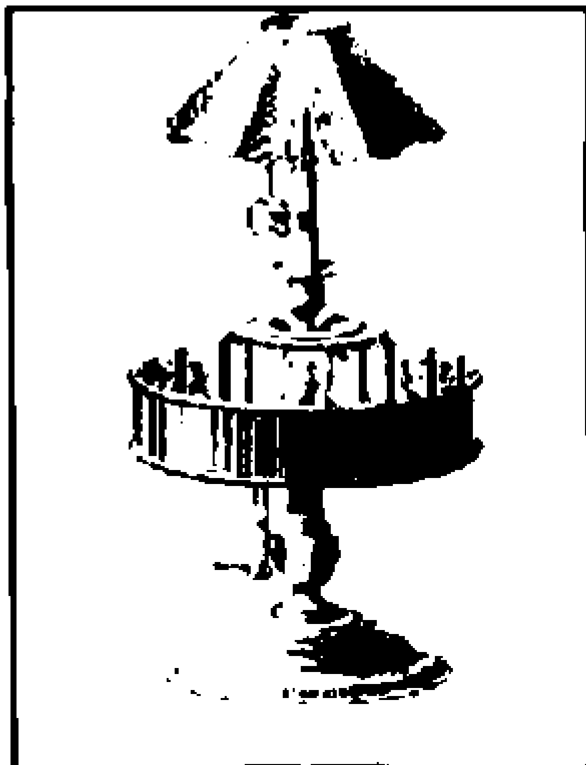
سینما کا پہلا مرحلہ تھا کینما ٹوگراف جو انیسویں صدی کے آخر میں ایجاد کیا گیا۔ کینما (Kinema) دراصل یونانی لفظ ہے جس کے معنی حرکت کرتی ہوئی تصویریں ہیں۔ بہت عرصے تک یورپ میں کینما ٹوگراف لفظ رائج رہا لیکن بعد میں فرانسیسی لفظ ''سینما ٹوگراف'' چل پڑا۔

بعض محققین سینما کی ایجاد کے ابتدائی سلسلے کو سیام، چین، جاپان، اور ہندوستان میں دکھائے جانے والے چھایا ناٹکوں سے وابستہ کرتے ہیں لیکن انہیں زیادہ اہمیت نہیں دی جاسکتی۔ ہاں مشہور جرمن ریاضی داں اتھاناسیس کرچر (Athanasuis Kricher) نے روم میں اپنی میجک لینٹرن (Magic Lantern) کے ذریعہ ہاتھ سے بنائی کچھ تصاویر پردے پر دکھائی تھیں جنہیں سینما کی ایجاد کے سلسلے کی ایک کڑی کہا جاسکتا ہے۔ لیکن اس کے بعد لگ بھگ دو سو برس تک اس طرح کی کوشش یا تجربے کے آثار نہیں ملتے جس سے یہ کہا جاسکے کہ سینما کی ایجاد کے سلسلے میں مسلسل کوشش جاری رہی، لہٰذا یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ سینما کی ایجاد کی کوششوں کا حقیقی سلسلہ انیسویں صدی کے ابتدائی دور سے شروع ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں ۲۴ دسمبر ۱۸۲۴ء کو شہرہ آفاق تصنیف (Thesaurus) کے مصنف پیٹر مارک روجٹ کا متحرک تصاویر سے متعلق لندن کی رائل سوسائٹی میں پڑھا گیا مقالہ (The Persistance Of vision With regard to Moving Object) بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

اس کے کچھ عرصے بعد ایک سائنسداں جان ہرشل نے لکڑی کا ایک چھوٹا سا کھلونا بنایا جسے متحرک

تصویروں کی ایجاد کے سلسلے کی ایک کڑی کہا جا سکتا ہے۔ ہرشل نے موٹے کاغذ کے ایک گول ٹکڑے پر ایک طرف ایک پرندے کی اور دوسری طرف ایک پنجرے کی تصویر بنائی تھی اور دونوں سروں پر ایک دھاگا باندھ دیا تھا جب اس گول ٹکڑے کو تیزی سے گھمایا جاتا تھا تو دیکھنے والوں کو محسوس ہوتا تھا کہ پرندہ پنجرے میں قید ہے حالانکہ ایسا محسوس ہونے کی وجہ یہ تھی کہ تیزی سے گھومنے کی وجہ سے پرندے پر نظر نکلنے سے پیشتر ہی آنکھوں کے سامنے پنجرہ آجاتا تھا۔ ہرشل کے علاوہ ہنری فٹن اور ڈاکٹر مائیکل فیریڈے نے بھی متحرک تصاویر سے متعلق تحقیق میں نمایاں حصہ لیا۔

۱۸۳۲ء میں ڈاکٹر جوزف انٹونی فرڈیننڈ پلیٹو نے بلجیم میں اور ڈاکٹر سائمن رٹز فان سٹیمپفر نے آسٹریا میں بیک وقت تصویروں کو متحرک بنانے کا ایک آلہ تیار کیا جسے سینما کی ایجاد کی جانب ایک اہم قدم قرار دیا جا سکتا ہے اس میں ایک چرخی پر بہت سی تصاویر چسپاں کردی جاتی تھیں۔ اور جب اس چرخی کو گھمایا جاتا تھا تو تصویریں حرکت کرتی محسوس ہوتی تھیں۔ اس کے بعد ۱۸۵۳ء میں آسٹریا کے بیرن فرنیز فان اچٹس نے سیر بین اور چرخی کو ملا کر ایک آلہ تیار کیا۔ اچٹس کے علاوہ لندن کے جارج ہارنر نے بھی اس سلسلے میں اہم کام انجام دیا۔ پلیٹو اور سٹیمپفر کے مشاہدات و تجربات سے فائدہ اٹھا کر زوئے ٹروپ (Zoetrope) نامی آلہ منظر عام پر آیا۔ زوئے ٹروپ میں ایک چرخی پر بہت سی تصاویر چسپاں کردی جاتی تھیں اور اس کے آگے ایک اور چرخی ہوتی تھی جب اس چرخی کو گھمایا جاتا تھا تو تصویر میں حرکت پیدا ہو جاتی تھی

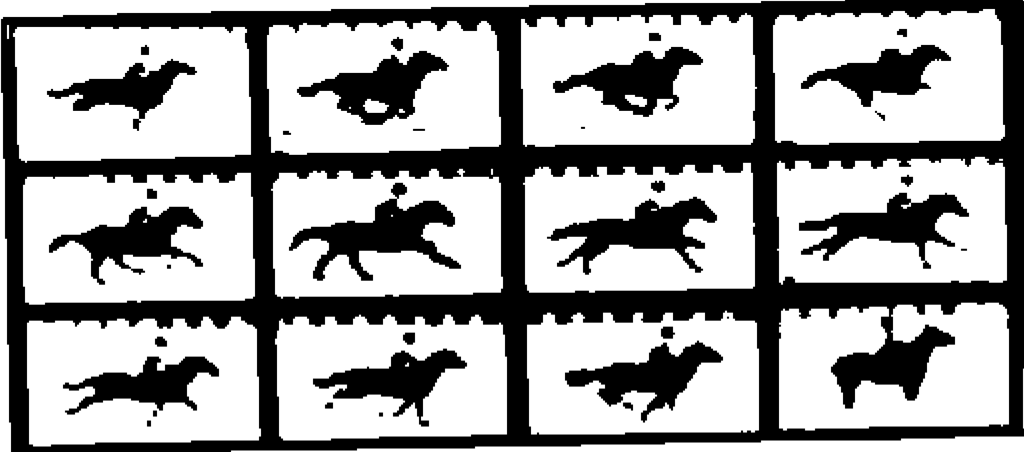


لیکن اس آلے میں ایک نقص تھا کہ تصویریں کیمرے کے بجائے ہاتھ سے بنی ہونے کی وجہ سے یکساں نہیں بنتی تھیں جس سے حرکت میں تسلسل نہیں رہتا تھا اور رکاوٹ پیدا ہو جاتی تھی۔ اس آلے کے ذریعے جانوروں مداریوں اور مسخروں وغیرہ کی تصویریں چلتی پھرتی صورت میں دکھائی جاتی تھیں۔ اس سلسلے میں ایملے رینالڈ کی Praxinoscope کا ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ اس میں اور پہلے کے بنائے گئے آلوں میں کوئی خاص فرق نہیں تھا۔ صرف اس میں دیکھنے والے سوراخوں کی جگہ شیشے لگا دیئے گئے تھے۔ رینالڈ ۱۸۹۲ء تک اس میں مسلسل اضافہ واصلاح کرتے رہے اور آخر انہوں نے پیرس میں ایک تھیٹر کھول لیا جہاں وہ ۱۹۰۰ء تک ان چلتی پھرتی تصویروں کی نمائش



کرتے رہے۔حتیٰ کہ فرانس میں فلموں کی باقاعدہ نمائش شروع ہوگئی اورانہیں اپنے اس کھیل کو مجبوراً بند کرنا پڑا۔

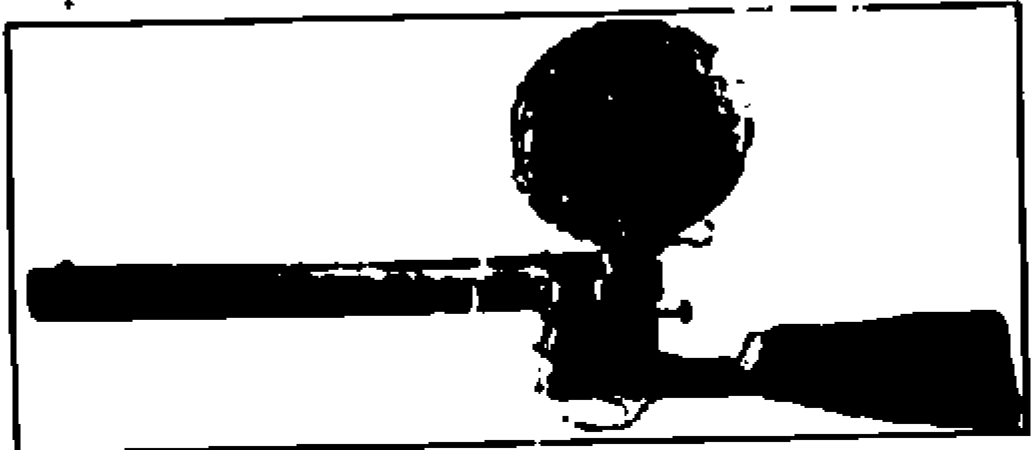
۱۸۶۰ء میں ایک امریکن باشندے ہنری کول مین نے زوئے ٹروپ کی تصویروں میں پیدا ہونے والی رکاوٹ کو دور کردیا۔ ہوایوں کہ ایک دن اس نے اپنے بچے کوایک بکس میں کیل ٹھوکتے ہوئے دیکھااوراس نے دوسرے شیشے کااستعمال کرکے اس کے کئی پوز کھینچ لئے اور انہیں اسٹریو



اسکوپ کے شیشے کے پیچھے گھومنے والے ایک پیڈل ویل پر چپکادیا۔ جس سے حرکت میں پیدا ہونے والی رکاوٹ دور ہوگئی اس سے تقریباً دس برس بعد فلاڈیفیا میں ہنری رینوہیل نامی فوٹوگرافر نے پہلی بار کئی پوز کی تصاویر کوایک طشتری پر چسپاں کرکے متحرک تصاویر کی صورت میں عوام کے سامنے پیش کیا۔اس کے بعد ۱۸۷۷ء میں کیلی فورنیا کے گورنر کی فرمائش پر ایڈورڈ مائی برج نامی فوٹوگرافر نے دوڑتے گھوڑے کی مسلسل ۲۵ تصاویر کھینچ کر متحرک تصاویر کی ترقی میں ایک قدم اورآگے بڑھایا۔ چونکہ ان دنوں آٹومیٹک کیمرے نہیں تھے لہٰذا مائی برج نے ۲۵ کیمروں کوایک قطار میں لگا کران سب کے شٹر دھاگے سے اس طرح باندھے کہ جب دوڑتا ہوا گھوڑا کیمرے کے سامنے سے گزرتا تھا تو یکے بعد دیگرے دھاگا ٹوٹتا جاتا تھااور شٹر کھل کر بند ہوتا جاتا تھاان تصاویر کوایک ساتھ دیکھنے سے گھوڑا دوڑتا ہوامعلوم ہوتا تھا۔

۱۸۸۰ء میں سان فرانسسکو میں ان تصاویر کوایک شیشے کی طشتری کے ذریعے متحرک حالت میں دکھایا گیا۔

۱۸۸۲ء میں اٹینے جیولس میرے نے تصویریں کھینچنے کے لئے Photographic gun ایجاد کی جس سے تصویر کشی میں آسانی ہو جانے سے متحرک تصاویر کوفروغ وترقی دینے میں مزید پیش رفت ہوئی۔



۱۸۸۷ء میں مشہور سائنسداں تھامس ایلوا ایڈیسن نے بھی متحرک تصاویر کے سلسلے میں تجربات شروع کئے اور قلیل عرصے میں ہی انہیں نمایاں کامیابی حاصل ہوگئی حتیٰ کہ ۳راکتوبر ۱۸۸۹ کو نیوجرسی کے علاقے ویسٹ اورنج میں واقع اپنی تجربہ گاہ میں انہوں نے اپنے تجربے کا کامیاب مظاہرہ کیااوراس کا نام انہوں نے کینماٹوگراف (Kinematograph) رکھا۔



انہیں دنوں جب ایڈیسن متحرک تصاویر کے سلسلے میں نئے نئے تجربات کررہے تھے۔ انگلستان میں بہت سے سائنسدانوں نے بھی اس میدان میں قدم رکھا۔ اس میں ولیم فریز گرین کا نام خاص طور پر اہمیت کا حامل ہے۔ انہوں نے ۱۸۸۹ء میں لندن کے مشہور ہائڈ پارک کی متحرک تصاویر کھینچ کر لوگوں کو دکھائیں اور پھر ۱۸۹۰ء میں اپنے اس کیمرے کو پیٹنٹ کرایا اور اب دنیا کا یہ سب سے پرانا موی کیمرے کا پیٹنٹ ہے۔ اگرچہ گرین نے یہ کیمرہ ایجاد کرکے ایک کارنامہ انجام دیا ہے لیکن انتہائی کوششوں کے باوجود بھی وہ اس سے روپیہ نہ کما سکے اور آخر معاشی بحران سے تنگ آکر انہوں نے اسے ایک ہزار روپے میں بیچ دیا۔ گرین کی زندگی پر مبنی فلم "میجک بکس" سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے آخری دن بہت تنگدستی میں گزرے تھے۔

ایڈیسن نے ۱۸۹۱ء میں متحرک تصاویر کھینچنے کے لئے ایک کیمرہ بھی تیار کیا تھا۔ لیکن اس سے کھینچی جانے والی تصاویر شیشے پر اتاری جاتی تھی جس کی وجہ سے بہت وقت صرف ہوتا تھا اور کبھی کبھی وہ پلیٹیں ٹوٹ بھی جاتی تھیں۔ اس نقص کو دور کرنے کے لئے جارج ایسٹ مین نے (جو ایسٹ مین کلر کے موجد ہیں) شیشے کے بجائے سلولائیڈ پر تصاویر کھینچنے کا طریقہ اپنایا۔ اس کے ساتھ ہی ایڈیسن کے کیمرے میں چھوٹے نقص دور کرکے سلولائیڈ پلیٹوں پر چھوٹی چھوٹی تصاویر بنانی شروع کردیں۔ چونکہ ان تصویروں کو ایک وقت میں صرف ایک ہی فرد دیکھ سکتا تھا لہذا جون ۱۸۸۵ء میں تھامس ایرمٹ نامی امریکی سائنسداں نے ایڈیسن اور فرانسیسی سائنسداں لومیئر سے مختلف پروجیکٹر تیار کیا جس کے ذریعے بہت سے افراد پردے پر ان متحرک تصاویر کو دیکھ سکتے تھے۔ اس ایجاد کو "ویٹا سکوپ" کے نام سے موسوم کیا گیا۔ تھامس ایرمٹ کی ایجاد سے ایڈیسن بے حد متاثر ہوئے اور پھر انہوں نے ایرمٹ کے ہی اصرار پر "ایڈیسن ویٹا سکوپ" بنایا۔ تھامس ایرمٹ کے علاوہ لندن کے پال نے بھی ۱۸۹۵ء میں پروجیکٹر بنایا۔ اور ۲۸ فروری ۱۸۹۶ء کو اس کا شاندار مظاہرہ کیا اور اس کا نام "تھیٹر وگراف" رکھا۔

اس سلسلے میں فرانس کے مشہور فوٹوگرافر لوئی لومیئر نے بھی نمایاں خدمات انجام دیں۔ انہوں نے ایک چھوٹی سی متحرک تصاویر کی ریل تیار کی۔ اس کامیابی پر اس کے بھائی آگسٹے لومیئر نے سوچا کہ کیوں نہ اس ریل کو دکھا کر پیسہ کمایا جائے لہذا وہ پیرس آئے اور ۲۸ دسمبر ۱۸۹۵ء کو کیفے کا پوسینے نامی ریستوران میں انہوں نے ایک سو بیس افراد کے سامنے چھوٹی چھوٹی دس فلموں کی نمائش کی جو بیس منٹ

میں دکھائی گئیں۔ یعنی ہر فلم لگ بھگ دومنٹ وقفے کی تھی۔ اس میں ایک چھوٹی سی فلم (The Charge Of the Dragons) بھی تھی۔ اور اس نمائش کی بدولت ہی فرانسیسی عوام پہلی بار سینما سے محظوظ ہوئے۔ اس کے کچھ دنوں بعد ۲۳ اپریل ۱۸۹۶ء کو نیویارک میں ایڈیسن نے ۵۰ فٹ کی ریل عوام کو دکھائی جس نے اہلِ امریکہ کو مسحور کر دیا۔ اس کامیابی پر ایڈیسن بہت خوش ہوئے۔ اب انہیں متحرک تصاویر کا مستقبل روشن دکھائی دینے لگا لہٰذا مزید فلمیں بنانے کے لئے انہوں نے ایک فلم اسٹوڈیو تعمیر کیا جس کی دیواریں سیاہ کاغذ سے ڈھکی تھیں۔ یہ اسٹوڈیو چاروں طرف گھومتا رہتا تھا تاکہ اداکاروں کے چہرے سورج کی روشنی کی طرف رکھے جا سکیں اس اسٹڈیو میں ۱۹۰۳ء میں ایڈیسن نے ''ایک امریکی کی زندگی'' نامی فلم تیار کی۔ اس سال انگلستان میں چارلس کی زندگی اور موت'' نامی فلم تیار کی گئی۔ ۱۹۰۴ء میں امریکہ میں ایڈون ایس پورٹر نے ''دی گریٹ ٹرین رابری'' فلم تیار کی جسے فلمی تاریخ میں پہلی اسٹوری فلم مانا جاتا ہے۔ اس سے ایک سال بعد انگلستان میں ایک ہزار فٹ لمبی ''سکیوذ بائی ریوز'' نامی فلم تیار کی گئی جسے انگلستان کی پہلی فیچر فلم کہا جاتا ہے۔


لیومر برادران

ان فلموں کی نمائش سے دنیا میں تہلکہ مچ گیا اور امریکہ فرانس اور انگلستان جرمنی ایسے ترقی یافتہ ممالک کے ساتھ ساتھ ہندوستان میں بھی چلتی پھرتی فلموں کا چرچا شروع ہو گیا اور اس کے فوری بعد وہاں فلمیں بنانے کی کوششیں بھی شروع ہو گئیں۔

ہندوستان کو فلموں سے متعارف کرنے کا سہرا لومیئر برادران کے سر ہے جنہوں نے ۲۸ دسمبر ۱۸۹۵ء کو پیرس کے گرینڈ کیفے میں سینماٹوگراف کی پہلی نمائش کی تھی۔ ان کی ہی وساطت سے ۷؍ جولائی ۱۸۹۶ کو ہندوستان میں پہلی بار واٹسن ہوٹل میں اس کی نمائش کی گئی۔ ایک ہفتے بعد یعنی ۱۸ جولائی ۱۸۹۶ء سے ناولٹی تھیٹر میں اس کے باقاعدے شو دکھائے جانے لگے۔ اور بمبئی کے عوام کو ڈانسر، ٹرین کی آمد اور سانپ، لندن گرل، ایسی ۲۴ مختصر فلمیں دکھائی گئیں حتیٰ کہ آخر میں ریز روبا س کی ابتداء کے علاوہ شو کی مختلف شرحیں مقرر کی گئیں۔ شروع میں تو شرح ٹکٹ ایک روپیہ تھی لیکن بعد ازاں شرح ٹکٹ چار آنے سے دو روپے تک رکھی گئی۔

NEW ADVERTISEMENTS

THE MARVEL OF THE CENTURY
THE WONDER OF THE WORLD
LIVING PHOTOGRAPHIC PICTURES
IN
LIFE-SIZED REPRODUCTIONS
BY
MESSRS. LUMIERE BROTHERS.
CINEMATOGRAPHE.
FEW EXHIBITIONS WILL BE GIVEN
AT
WATSON'S HOTEL
TO-NIGHT (7th instant).
PROGRAMME will be as under.

1. Entry of Cinematographe.
2. Arrival of a Train.
3. The Sea Bath.
4. A Demolition.
5. Leaving the Factory.
6. Ladies and Soldiers on Wheels.

Entertainment at 6, 7, 8, 9 and 10 p.m.
ADMISSION ONE RUPEE.

اس کے بعد جون ۱۸۹۷ء میں نیٹی تھیٹر پر '' سنورٹ وینو گراف'' کی نمائش شروع ہو گئی۔ علاوہ بریں کالفنٹن اینڈ کمپنی نے اپنے فونو اسٹوڈیو میں فلموں کی نمائش شروع کی۔ آئندہ برس ایک اطالوی ادارے نے آزاد میدان میں جسے ان دنوں اسپلینڈ میدان کہا جاتا تھا، خیمے لگا کر فلمیں دکھانی شروع کیں۔ اس میں ایک ریل بمبئی سے متعلق تھی۔ جس میں بمبئی کے چرچ گیٹ پر ٹرین کی آمد دکھائی گئی تھی۔ ۱۹۰۰ء میں خورشید جی بائلی والا نے بمبئی میں پہلا سنیما ہال '' ناولٹی تھیٹر'' بنایا جسے ہندوستان کا پہلا سنیما ہال ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ اس میں فلمیں دکھانے کا اہتمام کیا گیا جن میں ایک فلم جنگ بوئر سے متعلق تھی۔

۱۹۰۴ء میں ڈی این سمپت نامی ایک ہندوستانی نے ایک پروجیکٹر خرید کر سورت میں فلموں کی نمائش کا دھندہ شروع کیا۔ اسی سال مانک ڈی سٹھانی نے بھی فلمیں دکھانے کا دھندا اپنایا۔ ان فلموں میں سے ایک فلم The Life of the Christ بھی تھی جس سے متاثر ہو کر دادا پھالکے نے '' راجہ ہریش چندر'' بنائی تھی۔

جن دنوں بمبئی میں سینما کی نمائش ہو رہی تھی تو کلکتہ کے اسٹار تھیٹر میں سٹیون نے ایک مختصر شو دکھایا اس کے علاوہ اور بھی بہت سی فلموں کی نمائشیں ہوئی۔ اور پھر بمبئی کی طرح کلکتہ میں بھی سینما ایک عام شئے بن کر رہ گیا۔

بمبئی میں لومیئر برادران کی جانب سے سینما ٹوگراف کی نمائش سے مہاراشٹر کے ایک فوٹو گرافر ہریش چند سکھا رام بھٹ واڈیکر (ساوے دادا) بے حد متاثر ہوئے اور انہوں نے بھی ۲۱ گنی میں لندن سے متحرک تصاویر کھینچنے کے لئے ایک مووی کیمرہ منگوایا اور ۱۸۹۷ء میں بمبئی کے ہینگنگ گارڈن میں ہونے والی کشتیوں کی فلم کھینچ کر اسے ڈیولپ کرانے کے لئے لندن بھیج دیا اور اس طرح انہیں پہلی فلم (The Wrestlers) تیار کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ اسی برس انہوں نے ایک اور مختصر تصویر بندر کے تماشے سے متعلق تیار کی۔ ان فلموں کو شروع شروع میں امیر گھرانوں میں دکھایا جاتا تھا لیکن بعد ازاں ۱۸۹۹ء سے کیٹی تھیٹر میں باقاعدہ ان کی نمائش ہونے لگی۔ شرح ٹکٹ آٹھ آنے سے تین روپے تک تھی اور کبھی کبھی ایک شو میں تین سو روپے تک کی آمدنی بھی ہو جاتی تھی۔

۱۹۰۳ء میں ساوے دادا نے لارڈ کرزن کے دربار کے موقع پر بھی ایک فلم تیار کی۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے بھائی کے ساتھ مل کر بھگوان کرشن سے متعلق ایک فلم بنانے کا منصوبہ تیار کیا لیکن بھائی کی موت سے یہ منصوبہ پایہ تکمیل تک نہ پہنچ سکا اور وہ اس حادثے سے اتنے متاثر ہوئے کہ انہوں نے فلمیں بنانی بند کر دیں اور ۱۹۱۱ء میں اپنا کیمرہ سات سو روپے میں بیچ دیا۔ کہا جاتا ہے کہ ۱۹۰۵ء میں

جیوتش سرکار نامی ایک بنگالی نے بھی ایک مختصر تصویر تیار کی تھی جس میں تقسیم بنگال کے خلاف منعقد ہونے والے جلسے اور جلوس کو فلمایا گیا تھا۔ اس فلم کی بمبئی کے کارونیشن تھیٹر میں کچھ دن تک نمائش ہوئی تھی لیکن بعد ازاں حکومت برطانیہ نے اس پر پابندی عائد کردی۔ اسی سال ایف جے مدن نے کلکتہ میں فلم انڈسٹری کو منظم طور پر شروع کیا جن میں آدھے آدھے اور پون پون گھنٹے کی فلمیں تیار کی گئیں جنہیں فیچر فلمیں کہا جاسکتا ہے۔

مئی ۱۹۱۲ء میں بمبئی کے آر جی تورے اور این جی چترے نے ''سنت پنڈلک'' نامی پہلی فیچر فلم تیار کی اور کارونیشن تھیٹر میں اس کی نمائش کی۔ اس فلم میں تمام اداکار مرد تھے اور فوٹوگرافی کے فرائض ایک غیر ملکی فوٹوگرافر جانسن نے انجام دیئے تھے۔ ادھر بنگال میں ہیرالال سین نے جنہیں ہندوستانی فلم انڈسٹری کے پیش رؤوں میں شمار کیا جاتا ہے، ایک کیمرہ تیار کیا اور اس کے ذریعے ۱۹۰۱ء میں ایک رقص پر مبنی ڈرامہ کے علاوہ ''علی بابا'' ہری راج، دولے لیلا، بدھ، سیتارام اور سرلا ڈرامے بھی فلمائے تھے۔ ان کے علاوہ ۱۹۱۱ء میں منعقد دہلی دربار کو بھی انہوں نے فلمایا تھا مگر بوجوہ اس کی نمائش کا اہتمام نہ ہوسکا۔

اپنے بھائی کی موت کے بعد ۱۹۱۱ء میں ہریش چند، سکھارام بھٹ واڈیکر نے جو کیمرہ بیچا تھا۔ اسے اننت رام پرش رام کارندھر، وی وی دواکر اور ایس این پاتنکر وغیرہ نے خرید لیا اور ایک مشترکہ کمپنی کی بنیاد رکھی اور ۱۹۱۲ء میں ''ساوتری'' فلم بنائی۔ مگر یہ کامیاب نہ ہوئی۔ اس کے بعد انہوں نے نارائن راؤ پیشوا سے متعلق فلم تیار کی۔ جس میں زبیدہ نامی ایک خاتون نے بھی پارٹ کیا تھا۔ اس فلم کی نمائش ہوئی یا نہیں اس کے بارے میں بھی کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

اگرچہ مذکورہ بالا اصحاب نے دعویٰ کیا ہے کہ انہوں نے دادا پھالکے سے بہت پہلے فلمیں تیار کی تھیں مگر اخبارات میں شائع مضامین کے سوا کوئی ایسا ثبوت موجود نہیں جس سے ان کی دعووں کی تصدیق ہوسکے۔ ان فلموں میں سے کسی کا کوئی پرنٹ بھی موجود نہیں، اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان کی سب سے پرانی تصویر (A Panorma of Indian Scenes and procession) ہے جسے ۱۸۹۸ء میں ایک غیر ملکی پروفیسر سٹیونسن نے کلکتہ کی داروک ٹریڈنگ کمپنی کے لئے تیار کیا تھا اور جس کی ۱۸۹۹ء میں لندن میں نمائش بھی ہوئی۔ یہ فلم ابھی تک محفوظ ہے۔ ۱۹۶۱ء میں برٹش فلم انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر جیمز کوئین نے اپنے دورۂ بھارت کے موقعے پر اس فلم کا ایک پرنٹ شری جواہر لال نہرو کو پیش کیا تھا۔

۱۹۱۳ء میں دادا صاحب پھالکے نے ۳۷۰۰ فٹ لمبی فیچر فلم ''راجہ ہریش چندر'' تیار کی جسے ہندوستان کی پہلی فیچر فلم کہا جاتا ہے اور جسے ہندوستانی فلموں کی تاریخ میں ایک اہم مقام حاصل ہے۔ اس تاریخ ساز فلم کے خالق دادا پھالکے کا پورا نام ڈھنڈی راج گووند پھالکے تھا اور وہ ۳۰ر اپریل ۱۸۷۰ء کو ناسک

سے ۱۸ میل دور نرا ملو رمیں پیدا ہوئے تھے۔ ڈراموں اور مصوری سے انہیں بچپن سے ہی دلچسپی تھی۔ انہوں نے بمبئی کے جے جے اسکول آف آرٹس سے فوٹو گرافی کی تعلیم پائی اور پرنٹنگ کا پیشہ اختیار کیا۔ ۱۹۰۳ء میں جب بمبئی میں The Life of Christ کی نمائش ہوئی تو وہ اس سے اتنے متاثر ہوئے کہ انہوں نے بھی حضرت عیسیٰ کی طرح بھگوان کرشن کی زندگی پر مبنی فلم بنانے کا ارادہ کیا۔ کچھ عرصہ وہ انگلستان سے فلم سے متعلق کتابیں اور ساز و سامان منگوا کر مطالعہ و تجربہ میں منہمک رہے۔ بعد ازاں اپنی بیمہ پالیسیوں کو رہن رکھ کر، بیوی کے زیورات بیچ کر اور قرض لے کر انہوں نے دس ہزار روپیہ اکٹھا کیا اور انگلستان چلے گئے اور پھر وہاں سے ولیمسن کیمرہ، پرنٹنگ اور ڈیولپمنٹ کا ساز و سامان لے کر ۱۹۱۲ء میں ہندوستان واپس آ گئے۔



ہندوستان آنے کے بعد انہوں نے ۵۰ فٹ لمبی ایک تجرباتی فلم Growth of a plant تیار کی جو بے حد کامیاب ثابت ہوئی۔ اس کے بعد وہ اپنی تاریخ ساز فلم ''راجہ ہریش چندر'' کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ ان کی انتہائی خواہش تھی کہ اس میں ''رانی تارامتی'' کا رول کوئی خاتون ادا کرے لیکن انتہائی کوشش کے باوجود کوئی طوائف بھی اس کردار کے لئے تیار نہ ہوئی لہٰذا یہ پارٹ ہوٹل کے ایک بیرے راموں سالنکی نے ادا کیا جسے انہوں نے پندرہ روپے معاوضہ پر لیا تھا۔

اس فلم میں راجہ ہریش چندر کا رول دتاتریہ دامودر دابکے (Dattatraya Damodar Dabke)، رشی وشوامتر کا جی وی سانے (G.V.Sane) نے اور روہت کا رول ان کے فرزند بھال چندر نے ادا کیا تھا۔ یہ فلم سات آٹھ مہینوں میں بن کر تیار ہوئی اور اس تاریخ ساز فلم کی نمائش اپریل ۱۹۱۳ء میں بمبئی کے کورونیشن تھیٹر میں ہوئی اور اسے بے حد پسند کیا گیا۔ سالنکی تارامتی کے رول میں اتنا کامیاب ہوا کہ پھالکے نے اسے اپنی اگلی فلم ''لنکا دہن'' میں ڈبل رول عطا کیا یعنی وہ اس فلم میں رام بھی بنا اور سیتا بھی۔ گویا سالنکی ہندوستان کا پہلا اداکار بن گیا جس نے ڈبل رول ادا کیا تھا۔



سے ۱۹۱۲ء کے دوران دادا صاحب پھالکے فلم سازی کے میدان میں تقریباً اکیلے ہی رہے۔ کیونکہ لوگوں کو سائنس کی اس نئی ایجاد کی تجارتی کامیابی پر شک و شبہ تھا لیکن جب پھالکے کو اس

میں غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی تو بہت سے افراد اس جانب متوجہ ہوئے اور ملک میں بڑی تیزی سے فلم سازی کا کاروبار شروع ہو گیا اور جلد ہی فلم کمپنیوں اور سینما گھروں میں اضافہ ہونے لگا۔ اب تک حکومت نے اس نئی صنعت میں کسی قسم کا دخل نہیں دیا تھا اور فلم ساز ہر طرح کی فلم بنا کر اسے نمائش کے لئے پیش کر سکتے تھے مگر ۱۹۱۸ء میں جب سینما گھروں اور فلمی شعبوں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہونے لگا تو حکومت ہند نے انڈین سینماٹوگراف ایکٹ پاس کر کے اس صنعت پر کچھ پابندیاں عائد کر دیں۔ اس قانون کے تحت فلم کی نمائش کے لئے صوبائی سرکار سے لائسنس لینا لازمی قرار دیا گیا اور اس کے ساتھ ہی فلموں کی سنسر شپ کے لئے ۱۹۲۰ء میں بمبئی، کلکتہ، مدراس اور رنگون میں فلم سنسر بورڈ کا قیام عمل میں آیا۔ بعد ازاں جب لاہور میں بھی فلمیں بننے لگیں تو ۱۹۲۸ء میں وہاں بھی سنسر بورڈ قائم کیا گیا۔ اس کے علاوہ جن صوبوں میں سنسر بورڈ کا قیام عمل میں نہیں آیا تھا وہاں صوبائی حکومتوں کو یہ اختیارات دیئے گئے کہ وہ جس فلم پر پابندیاں لگانا چاہیں لگا سکتی ہیں۔ یا کسی فلم کا کوئی بھی قابل اعتراض حصہ حذف کر سکتی ہیں۔

داداصاحب تقریباً ۲۰ برس تک فلمی دنیا سے وابستہ رہے اور انہوں نے لگ بھگ ایک سو فلمیں تیار کیں۔ ان میں راجہ ہریش چندر کرشن جنم، کالیہ مردھن بھسماسر، موہنی، ستیہ وان ساوتری، ستی مہاندا، ستیو بندھن خاص طور قابل ذکر ہیں۔

۱۹۱۸ء میں ناسک میں ہندوستان فلم کمپنی کی بنیاد رکھی گئی اور اس کے ساتھ ہی بمبئی میں ایس این پاٹنکر اور ڈی این سمپت نے فرینڈز اینڈ کمپنی بنائی اور پچیس ہزار کے سرمائے سے دادر (بمبئی) میں ایک اسٹوڈیو قائم کیا۔ فرینڈز اینڈ کمپنی نے رام ون واس' نامی پچیس ہزار فٹ لمبی پہلی سیریل فلم بنائی جس کی طوالت کی وجہ سے اسے تین چار وقفوں میں دکھایا جاتا تھا۔ اس طویل فلم کے بعد فرینڈز اینڈ کمپنی نے مستی دیویانی تیار کی جو بے حد کامیاب رہی۔

ان ہی دنوں بابوراؤ پینٹر اور ان کے بڑے بھائی انت راؤ پینٹر اور فلم ساز فتح لال نے مل کر مہاراشٹر فلم کمپنی کی بنیاد رکھی۔ اس کمپنی نے ۱۹۲۰ء میں سیرندھری (Sairandhri) فلم تیار کی جسے فنی نقطۂ نظر سے ایک اہم فلم کہا جا سکتا ہے۔ اس فلم میں پہلی بار سینکڑوں اداکاروں نے کام کیا تھا۔ اس کے علاوہ یہ پہلی فلم تھی جس کے کچھ مناظر سنسر بورڈ نے کاٹ دیئے تھے۔

فرینڈز اینڈ کمپنی کے حصہ دار ڈی این سمپت نے ایک سال بعد اس کمپنی سے الگ ہو کر ''کوہ نور'' فلم کمپنی کی بنیاد رکھی جو خاموش فلموں کے عہد کا ایک اہم ادارہ تھا اور جس نے ''ستی پاروتی'' اور بھگت ودر'' نامی فلمیں بنائیں۔ ''ستی پاروتی'' میں اداکارہ پربھا نے ہیروئن کا رول ادا کیا تھا اور اسے بہت پسند کیا گیا تھا۔ دوسری فلم ''بھگت ودر'' گاندھی جی کی شخصیت و کردار سے متاثر ہو کر بنائی گئی تھی اور اس کامیاب

فلم کے ہیرو خود سمپت تھے۔ سمپت اپنے عہد کے ایک کامیاب ہدایت کار ہی نہیں اداکار بھی تھے۔ انہوں نے اپنی فلموں میں کئی نئے تجربے کئے اور انہیں حقیقت کا رنگ بخشا۔ "ستی انسویا" جس پر انہیں طلائی تمغہ ملا تھا حقیقت کا رنگ بھرنے کے لئے انہوں نے ہیروئن سکینہ کو تقریباً نیم برہنہ حالت میں پیش کیا تھا۔ اسی طرح انہوں نے ۱۹۲۲ء میں بننے والی اپنی فلم "مالتی مادھو" میں پہلی بار زندہ شیر سے کام لیا تھا۔

۱۹۲۴ء میں کوہ نور کے لئے اداکار ہومی ماسٹر کی زیر ہدایت ایک سماجی فلم "کالا ناگ" کی تخلیق کی گئی تھی۔ اس فلم میں ڈاکو کا پارٹ خود ہومی ماسٹر نے ادا کیا تھا۔ اس تصویر میں حقیقت کے ساتھ کچھ خیالی واقعات جوڑ کر دکھائے گئے تھے کہ انجام کار فتح سچائی اور انصاف کی ہوتی ہے۔ یہ فلم اتنی کامیاب ہوئی کہ بعد میں اس کی ایک دوسری سریل فلم "کالا ناگ کی واپسی" فلمائی گئی۔ یہی نہیں بلکہ جب متکلم فلموں کا دور شروع ہوا تو اس فلم کی مقبولیت و کامیابی کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے دوبارہ فلم بین طبقہ کی تفریح طبع کے لئے پیش کیا گیا۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے بمبئی کے ساتھ ساتھ کلکتہ میں بھی کئی اصحاب نے فلم سازی کی جانب توجہ دی تھی۔ 1915ء میں دیوی گھوش نے "وش ورکھش" تیار کی جو دراصل کلکتہ کے موہن تھیٹر میں کھیلا جانے والا ایک ڈرامہ تھا اور جس کی مقبولیت کو مدنظر رکھتے ہوئے دیوی گھوش نے اسے فلمایا تھا۔ دیوی گھوش نے ایک اور فلم "رتناکر" بھی ۱۳راگست ۱۹۲۱ء کو عوام کے سامنے پیش کی تھی۔ لیکن چونکہ بعض مالی دشواریوں کی وجہ سے اس کی تیاری میں ضرورت سے زیادہ وقت صرف ہوا لہٰذا جب اسے نمائش کے لئے پیش کیا گیا تو اس کی اہمیت بالکل ختم ہو چکی تھی۔ درحقیقت جے ایف مدن ہی وہ عظیم ہستی تھے جنہوں نے بنگال میں فلمی صنعت کی بنیاد رکھی اور اسے غیر معمولی ترقی و فروغ بخشا۔ انہوں نے ۱۹۰۷ء میں کلکتہ میں مدن تھیٹر بائیسکوپ تعمیر کیا اور ۱۹۲۰ء میں "نل دمینتی" فلم بنا کر فلم سازی کی شروعات کی۔ اس فلم میں نل کا رول اطالین اداکار مانیلی نے اور دمینتی کا پارٹ ان کی رفیقۂ حیات نے ادا کیا تھا۔ اس فلم کے بعد مدن تھیٹر نے کئی فلمیں تیار کیں جن میں "بلوامنگل"، "سادھو اور شیطان"، "بھیشم"، "اندرسبھا" اور "سلیو گرل آف آگرہ" خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

۲۷رفروری ۱۹۲۱ء کو کلکتہ میں انڈو برٹش فلم کمپنی کی اولین اور معرکتہ الآرا فلم "انگلینڈ ریٹرنڈ" عوام کو دیکھنے کو ملی جسے ہندوستان کی پہلی سماجی فلم ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اس سے پہلے ہمارے ملک میں جتنی فلمیں بنتی تھیں وہ مذہبی اور تاریخی داستانوں پر مبنی ہوتی تھیں۔ دھریندر گنگولی (۲۶رمارچ، ۱۸۹۳ء۔۔۔ ۱۸رنومبر ۱۹۷۸ء) جنہیں "ڈی جی" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے اور نتش لاہری نے اپنی مشترکہ ہدایت اور محنت و کاوش سے مذکورہ بالا فلم پیش کی تھی اور اس فلم میں ہیرو خود دھریندر گنگولی اور

ہیروئن سوشیلا دیوی تھیں۔ گنگولی اپنے پارٹ میں اس قدر کامیاب ہوئے کہ وہ بنگال کے مقبول ترین اداکار بن گئے۔

۱۹۲۲ء میں مدراس کے شری پی این ونکیا نے اپنے فرزند آر پرکاش کے اشتراک سے اسٹار آف دی ایسٹ فلم کمپنی قائم کر کے ''بھیشم پرتگیا'' تیار کی جس سے جنوبی ہندوستان میں بھی فلمی صنعت کی بنیاد پڑ گئی۔ ۱۹۲۲ء میں ہی سٹار فلم کمپنی نے مہابھارت کے اہم واقعات پر مبنی ایک دلچسپ فلم ''ویرابھمینو'' بنائی جس میں فاطمہ اور ان کی دختر سلطانہ نے اداکاری کی تھی۔ اور اسی دوران کئی کمپنیاں عالم وجود میں آ گئیں، جن میں ایسوسی ایٹڈ فلمز، جنرل پکچرز اور سوریہ فلم کمپنی خصوصاً قابل ذکر ہیں۔

۱۹۲۳ء میں مہاراشٹر فلم کمپنی نے مشہور تصویر ''سنگھ گڑھ'' تیار کی تھی جس میں آج کے مشہور فلم ساز و ہدایت کار وی شانتا رام نے بھی رول ادا کیا تھا۔

۱۹۲۴ء میں کرشنا فلم کمپنی کی تیار کردہ فلم ''باپ کمائی'' (پتا کی کمائی) کی نمائش ہوئی جس میں اداکارہ فاطمہ (بعض لوگ اس کا نام ملکہ جان اور تخلص کلہ بتاتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ وہ شاعری بھی کرتی تھیں) کی بیٹی گوہر نے ہیروئن کا پارٹ ادا کیا تھا۔ اسی سال مہاراشٹر فلم کمپنی سے الگ ہو کر شری آر جی ترنے نے مانک لال جوشی کے اشتراک سے شری کے ایم منشی کے مشہور و معروف تاریخی ناول ''پرتھوی ولبھ'' پر مبنی فلم تیار کی۔ اس فلم میں سلطانہ زبیدہ اور بھال جی پنڈھارکر نے اداکاری کے جوہر دکھائے تھے۔

۱۹۲۴ء میں فلم ایکٹرس سلوچنا، موہن بھونانی کی فلم ''ویربالا'' میں نمودار ہوئیں۔ ان کی آمد فلمی دنیا میں ایک اہم واقعہ کی حیثیت رکھتی ہے کیوں کہ ان سے پیشتر فلموں میں کام کرنے والی اداکارائیں فلم اسٹار کہلانے کا فخر حاصل نہ کر سکی تھیں حالانکہ گزشتہ دس بارہ برس کے عرصے میں پتلی بائی، ناظمہ، جلو بائی، ایرملائن، سکینہ، گلاب اور گوہر نے فلموں میں کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ اسی برس ''ستی انسویا'' بھی دیکھنے کو ملی جس میں اداکارہ سکینہ نے عریاں سین دیا تھا جسے ہندی سنیما کا پہلا عریاں سین کہا جاتا ہے۔

مہاراشٹر فلم کمپنی کی ''مایا بازار'' ہندوستان کی پہلی فلم تھی جس میں فتح لال نے ٹرک فوٹوگرافی کا شاندار مظاہرہ کر کے گھٹوتکچ کو بادلوں میں اڑتے ہوئے دکھایا تھا جو فلم بین طبقے کے لئے معجزے سے کم نہ تھا۔

۱۹۲۴ء کے لگ بھگ بمبئی کلکتہ اور مدراس میں فلموں کی تیاری اور کامیابی سے متاثر ہو کر لاہور ہائی کورٹ کے جج موتی ساگر، دہلی کے مشہور تاجر پریم ساگر اور فلم سٹار دیویکا رانی کے شوہر ہمانسو رائے نے پنجاب میں گریٹ ایسٹرن فلم کارپوریشن کی بنیاد رکھی اور ۱۹۲۵ء میں مہاتما بدھ کی زندگی سے متعلق فلم ''لائٹ آف ایشیا'' نامی فلم تیار کی جس کی کہانی مشہور محب وطن بپن چندر پال کے فرزند نرنجن پال نے

لکھی تھی۔ اس فلم میں مہاتما بدھ کا رول ہمانسورائے نے خود ادا کیا اور یشودھرا کا پارٹ کلکتہ کی اینگلوانڈین اداکارہ سیتا دیوی نے کیا تھا۔ یہ فلم لگ بھگ ایک سال میں پایہ تکمیل کو پہونچی اور اس کی نمائش لندن کے نل ہارمونک ہال میں بھی کی گئی اور اس کی بے حد تعریف وتوصیف ہوئی۔ یہ ہندوستان کی پہلی فلم تھی جسے غیر ممالک میں پیش کیا گیا اور جسے غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی اور سارے یورپ اور ایشیا میں اس کی دھوم مچ گئی یہاں تک کہ جاپان کے شہنشاہ، چین کے صدر اور سیام کے حکمران نے بھی اس فلم کو دیکھا اور پسند کیا۔ اس فلم نے ہندوستان کو عالمی شہرت کے علاوہ ہندوستانی فلموں کے لئے بین الاقوامی تجارت کے دروازے بھی کھول دیئے۔

۱۹۲۵ء میں چندولال شاہ کی زیر ہدایت صرف ۲۱ دن کے قلیل عرصے میں ''گن سندری'' تیار کی گئی۔ جس میں ہیروئن کا رول اداکارہ گوہر نے کیا تھا۔ یہ کامیاب اور مقبول فلم سماجی فلموں کی ایک اہم کڑی مانی جاتی ہے۔ متکلم فلموں کے دور میں اسے دوبارہ Devoted Wife کے نام سے فلمایا گیا، اس کے بعد چندولال شاہ نے ''ٹائپسٹ گرل'' پیش کی۔ ان فلموں کی نمائش کے بعد سماجی فلمیں بھی مذہبی اور تاریخی فلموں کے شانہ بشانہ ترقی اور کامیابی کی منزلیں طے کرنے لگیں۔

۱۹۲۶ء میں خاموش فلموں کی سپر اسٹار زبیدہ اور شہزادی کی والدہ فاطمہ بیگم نے فلم ''بلبلِ پرستان'' نامی فلم ڈائرکٹ کی تھی اور اس سے انہیں خاموش فلموں کے زمانے میں پہلی خاتون ہدائت کار ہونے کا فخر حاصل ہوا۔

۱۹۲۷ء میں ممتاز فلم ساز اردشیر ایرانی نے بمبئی میں امپریل فلم کمپنی کی بنیاد رکھی جسے ہندوستان کی پہلی متکلم فلم بنانے کا ہی شرف حاصل نہیں بلکہ غیر ملکی زبان کی پہلی فلم، پہلی رنگین فلم، اور پہلی انگریزی فلم بنانے کا بھی شرف حاصل ہوا۔ یہی وہ ادارہ تھا۔ جس نے ہمیں محبوب، کاردار اور یعقوب ایسے بڑے فن کار عطا کئے۔ اسی ادارے کی پہلی فلم 'میواڑ کا سنگھ' کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اس کے بعد موہن بھونانی نے اس ادارے کے لئے 'خواب ہستی' تیار کی جسے بے حد کامیابی حاصل ہوئی، اور یہی وہ فلم تھی جس میں پہلی بار رات کی شوٹنگ کا آغاز ہوا تھا۔ اس فلم کے ہیرو ای بلموریا تھے 'خواب ہستی' کے علاوہ ''سینما گرل'' ''مادھوری'' ''فادر انڈیا'' اور ''انارکلی'' بھی اس ادارے کی مشہور ومقبول فلمیں تھیں۔

''لائٹ آف ایشیا'' کی غیر معمولی مقبولیت وشہرت سے متاثر ہوکر ۱۹۲۸ء میں گریٹ ایسٹرن فلم کارپوریشن نے ''انارکلی'' اور مغل شہزادے سلیم کی محبت سے متعلق داستان کو Love of a Mughal prince کے نام سے فلمانے کا پروگرام مرتب کیا۔ اس فلم کی کہانی مشہور ادیب حکیم احمد شجاع کے زورِ قلم کا نتیجہ تھی اور اس کی ہدایت کاری چارو رائے اور پرپھل رائے کو مشترکہ طور پر سونپی گئی۔ اس نیم تاریخی فلم

میں انارکلی کا رول اپنے زمانے کی مشہور و معروف اداکارہ سیتا دیوی کے سپرد کیا گیا۔ کمپنی نے اس فلم کی شوٹنگ پر کثیر سرمایہ صرف کیا۔ شیخوپورہ کے سلطان نے اس کے لئے شاہی لباس اور زیورات فراہم کئے۔ اس کے علاوہ محکمہ آثار قدیمہ نے بھی پورا تعاون دیا لیکن انتہائی محنت، کثیر روپیہ، اور زبردست پبلسٹی کے باوجود یہ فلم بُری طرح ناکام ہوگئی۔ کیونکہ اس فلم کی شہرت سن کر امپریل کمپنی نے صرف ایک ہفتے کی قلیل مدت میں اس داستان کو آر ایس چوہدری کی زیر ہدایت انارکلی (سلوچنا، ڈی بلیموریا، جلوبائی) کے نام سے تیار کرلیا جبکہ اول الذکر فلم کی تیاری میں ایک سال کا طویل عرصہ صرف ہوا تھا۔ چنانچہ آج بھی اس طرح کی فلمی قزاقی جاری ہے۔

دراصل امپریل کو ''لوآف اے مغل پرنس'' کو انارکلی کے نام سے فلمانے میں کسی قسم کی اڑچن یا دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ کیونکہ ایک تو یہ داستان کسی مصنف کی تصنیف نہیں تھی اور دوسرے ان دنوں کاپی رائٹ کا چکر بھی نہیں تھا۔ اس فلم میں انارکلی کا رول اس عہد کی مقبول ترین اداکارہ سلوچنا نے کیا تھا اور اسے بے حد مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس کے بعد جب لوآف اے گریٹ مغل پرنس کی نمائش ہوئی تو انارکلی کی ہی کہانی ہونے کی وجہ سے عوام نے اسے نقل سمجھ کر ناپسند کیا جس سے گریٹ ایسٹرن فلم کمپنی اپنی موت آپ مرگئی۔

۱۹۲۸ء میں ہدایت کار چندولال شاہ نے فلم ایکٹرس گوہر اور سیٹھ پوستا کے اشتراک سے جگدیش فلم کمپنی کی بنیاد رکھی۔ اس ادارے کی پہلی فلم ''وشوموہنی'' میں گوہر نے تین رول ادا کئے تھے اور انہیں بے حد پسند کیا گیا تھا۔ گوہر کا ان دنوں ایک مقبول اداکارہ کے طور پر شمار ہوتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ گوہر تھوڑی بہت شاعری بھی کرتی تھیں اور ان کا تخلص بھی گوہر تھا اُن کی مقبولیت دیکھ کر اکبرالہ آبادی نے کہا تھا کہ

کون آرام سے دنیا میں ہے گوہر کے سوا
سب کچھ اللہ نے دے رکھا ہے شوہر کے سوا

اور اس شعر کے جواب میں گوہر نے کہا تھا:

یوں تو گوہر کو میسر ہیں ہزاروں شوہر
پر پسند اس کو نہیں ایک بھی گوہر کے سوا

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ۸/نومبر ۱۹۰۲ء کو ہندوستان میں پہلا ریکارڈ گوہر جان کی آواز میں ہی ریکارڈ کیا گیا تھا۔

لیکن صرف گوہر کو ہی تین رول ادا کرنے کا فخر حاصل نہیں بلکہ ہندوستانی اسکرین کی ممتاز اداکارہ للتا پوار کو بھی ''ہمتِ مرداں مددِ خدا'' میں تین رول سرانجام دینے کا شرف حاصل ہے۔ انہوں نے مذکورہ

فلم میں ہیروئن کا رول ہی نہیں بلکہ ہیروئن کی ماں کا اور ویمپ کا پارٹ بھی نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا تھا۔ اور فلم بین طبقے سے داد تحسین پائی تھی۔ اس کے علاوہ فلم "شمشیر بہادر" میں للتا پوار نے ایک نوجوان مرد کا پارٹ کر کے بھی اپنا کمال دکھایا تھا۔

تحریک آزادی سے متاثر ہو کر ہدایت کار جینت دیسائی نے اپنی فلم "امریتن" میں بارڈولی تحریک کے چند مناظر پیش کئے جس پر انگریز سرکار نے اس پر پابندی عائد کر دی۔ اس کے علاوہ ہدایت کار آر ایس چودھری نے ایک تہلکہ آمیز سیاسی فلم "بم" تیار کی۔ اس فلم میں پہلی بار مہاتما گاندھی کو پردہ اسکرین پر پیش کیا گیا تھا۔ فلم گاندھی جی کا رول ایک پارسی اداکار کاؤس جی نے ادا کیا تھا۔ اس فلم سے ملک میں آزادی و حریت کی تحریک کو تقویت پہنچنے کا خدشہ تھا لہٰذا حکومت نے اسے نمائش کا اجازت نامہ نہ دیا۔ مجبوراً اس سے متعدد مناظر کاٹ دیے گئے اور اس کا نام بدل کر "خدا کا بندہ" رکھ دیا گیا۔ اس پر اسے عوام کے سامنے پیش کرنے کی اجازت مل پائی۔

اسی سال جے بی ایچ واڈیا اور ہومی واڈیا برادران بھی فلمی دنیا میں وارد ہوئے۔ انہوں نے واڈیا برادرز کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا۔ اس سے پیشتر جے بی ایچ واڈیا وسنت لیلا کی کہانی لکھ چکے تھے۔ اندولال یاگنک کا بھی اسی دور میں ظہور ہوا جنہوں نے بعد ازاں ہندوستانی سیاست میں بھی اہم رول نبھایا۔



ہیر رانجھا میں بوسہ بازی

۱۹۲۹ء میں پربھات فلم کمپنی اور رنجیت فلم کمپنی عالم وجود میں آئیں۔ پربھات کا قیام بابوراؤ پینٹر کے چار ہونہار شاگردوں، شانتا رام، فتح لال، داملے اور دھیبر کی انتھک کوششوں کا نتیجہ تھا۔ چونکہ ان کے پاس سرمایہ کی کمی تھی — لہٰذا انہوں نے ایم اے بھلرکر نامی ایک جوہری کی مالی امداد سے کولہاپور میں اس عظیم ادارے کی بنیاد رکھی جس نے اودے کال، مہاتما تکارام، دنیا نہ مانے، آدمی، پڑوسی، سنت گیانیشور، رام شاستری، ایسی متعدد ناقابل فراموش فلمیں بنائیں۔ کہا جاتا ہے اسی سال شنکر چودھری کی ہدایت میں بنی فلم ہیر رانجھا کے بھی بڑے چرچے رہے کیونکہ اس میں پہلی بار بوسے کا سین فلمایا گیا تھا۔ فلم کے ہیرو ڈی بلیموریا اور ہیروئن سوچنا تھیں۔ اور اسے پردہ اسکرین پر بوسہ پیش کرنے والی پہلی جوڑی مانا جاتا ہے۔ اسی سال مدن تھیٹر نے اپنی لاجواب فلم "کپال کنڈلا" پیش کی جس میں سیتا دیوی، اندرا دیوی، پیشنس کوپر، پربودھ بوس اور نریش مترا اہم اداکار تھے۔ اس بے نظیر تصویر نے کلکتہ میں ۲۵ ہفتے تک چل کر سلور جوبلی کی روایت کو جنم

دیا مگر بمبئی میں یہ فلم ناکام ہوگئی۔ کیونکہ بمبئی والوں کو پنجاب میل، حاتم طائی، خواب ہستی قسم کی فلمیں پسند آتی تھیں۔ رنجیت فلم کمپنی کی بنیاد چندولال شاہ اور اداکارہ گوہر نے رکھی تھی جو پہلے جگدیش فلم کے حصہ دار تھے۔ رنجیت کا ظہور فلمی دنیا کا بہت اہم واقعہ ہے کیونکہ جلد ہی یہ ایک بڑا فلم ساز ادارہ بن گیا اور اس نے لگ بھگ ڈیڑھ سو فلمیں تیار کیں۔ جن میں تین درجن خاموش فلمیں بھی شامل ہیں۔ یہ ادارہ ایک مہینے میں اوسطاً ایک فلم تیار کرلیا کرتا تھا۔ خاموش فلموں میں ''راجپوتانی'' اس ادارے کی ایک قابل ذکر فلم ہے۔ جس میں ڈی بلیموریا اور گوہر نے اداکاری کے جوہر دکھائے تھے۔ ان کے علاوہ ''ریلی''، ''جوبن''، ''کالا جادو''، ''رادھا''، ''مدھر موہنی'' اور ''سنہال دیپ کی پری'' بھی اس ادارے کی مدتوں یاد رہنے والی تصاویر تھیں — ان دنوں لوکمانیہ تلک کے نعرے 'سوراج ہمارا پیدائشی حق' ہے، سے متاثر ہوکر عظیم ہدایت کار وی شانتا رام نے پربھات فلم کمپنی کے لئے 'سوراجیہ ترن' فلم بنائی۔ جس میں شیوا جی کا رول انہوں نے خود ادا کیا تھا لیکن ''سوراجیہ ترن'' نام ہونے کی وجہ سے سنسر بورڈ نے اسے نمائش کی اجازت نہ دی۔ آخر مجبور ہوکر اس فلم کے کئی حصے کاٹ دیئے گئے اور اس کا نام بدل کر ''اودے کال'' رکھ دیا گیا۔

ممتاز سنسکرت ڈرامہ نگار شودرک کے شہرت یافتہ ڈرامہ ''مرچ کاٹکا'' پر مبنی ''وسنت سینا'' بھی خاموش فلموں کے عہد کی ایک اہم ترین فلم تھی جس نے اندرون ملک میں ہی نہیں بلکہ بیرون ملک میں بھی کامیابی حاصل کی۔ انگلستان، جرمنی اور فرانس وغیرہ میں اس کی نمائش ہوئی اور ہر جگہ اسے تعریف وتحسین حاصل ہوئی۔ اس میں ہیروئین کا رول ممتاز بنگالی ادیبہ کملا دیوی چٹوپادھیائے اور چارودت کا پارٹ جے کے نندہ نے ادا کیا تھا۔

رابندرناتھ ٹیگور کی ایک اور کہانی پر مبنی فلم ''بلیدان'' بھی اس عہد کی ایک قابلِ ذکر فلم تھی جس میں زبیدہ، سلطانہ، ماسٹر وٹھل اور جال مرچنٹ نے اداکاری کے جوہر دکھائے تھے۔ ٹیگور کے علاوہ سرت چندر چٹرجی کے ناولوں ''دیوداس'' اور چرترہین کو بھی فلمایا گیا اور یہ فلمیں بے حد پسند کی گئیں۔

۱۹۳۱ء میں پہلی بولتی فلم عالم آرا کی نمائش ہوئی۔ لیکن اس کے بعد بھی چار پانچ سال تک خاموش فلمیں بنتی رہیں۔ لیکن متکلم فلموں کی موجودگی میں ان میں بتدریج کمی واقع ہوتی رہی حتیٰ کہ پانچ سال میں ان کا بننا بالکل بند ہوگیا — بہرحال خاموش فلموں کے زمانے میں بھی سینما ملک میں بے حد مقبول ہو چکا تھا جس کے نتیجے میں جہاں ۱۹۲۱ء میں ۱۲۱ سینما گھر تھے وہاں ۱۹۳۰ء میں ان کی تعداد ۴۰۰ تک پہنچ گئی۔ ان میں سے ۵۵ سینما گھر صرف انگریزی فلموں کی نمائش کرتے تھے۔ یہ سینما گھر ملک کے بڑے بڑے شہروں کلکتہ، بمبئی، دہلی، مدراس اور لاہور تک ہی محدود تھے۔ دوسرے چھوٹے شہروں اور قصبوں

میں ٹورنگ سینما کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ نیز میلے اور تہوار کے موقع پر گاؤں میں چلتے پھرتے سینما کا عارضی طور پر انتظام کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ حکومت سے اجازت لے کر تھیٹروں میں بھی فلمیں دکھائی جاتی تھیں۔ ان دنوں عورتوں کے لئے پردے کا خاص انتظام ہوتا تھا۔ یہی نہیں فلم بینوں کی دلچسپی کے لئے فلم کے ساتھ ساتھ طبلے اور ہارمونیم ایسے ساز بھی بجائے جاتے تھے اور ساتھ ہی کمنٹری بھی دی جاتی تھی۔ کبھی کبھی درمیان میں حاضرین کی تفریح کے لئے رقص وسرود کا پروگرام پیش کیا جاتا تھا۔ مشہور ہدایت کار وی ایم ویاس بھی خاموش فلموں کے ابتدائی دور میں سینما گھر میں ہارمونیم بجایا کرتے تھے۔

ان دنوں اگرچہ ہر فلم ساز کا اپنا نجی اسٹوڈیو ہوتا تھا۔ لیکن اکثر اسٹوڈیو بہت خستہ اور خراب حالت میں ہوتے تھے۔ ان کی چار دیواری گھاس پھوس یا ٹین کی چادروں سے بنی ہوتی تھیں۔ اندرونی حصے میں کپڑے سے گھیر کر اسٹیج بنایا جاتا تھا جس کا بالائی حصہ یا تو بالکل کھلا ہوتا تھا یا اس پر شیشے لگائے جاتے تھے، چھت پر کئی طرح کے پردے لٹکائے جاتے تھے تاکہ جب ضرورت ہو روشنی کا انتظام کیا جا سکے۔ ابتدا میں مصنوعی روشنی کا کوئی انتظام نہ تھا لہٰذا شوٹنگ سورج کی روشنی میں ہی ہوتی تھی۔ بعد ازاں موہن بھونانی اور دیگر ہدایت کاروں نے مصنوعی روشنی کا استعمال شروع کیا اور پھر ۳۰۔ ۱۹۲۹ء میں پہلی بار مشہور ہدایت کار پی سی بروا نے آرک لیمپ کا استعمال کیا۔

ابتدا میں اسٹوڈیو میں سیٹ زیادہ بڑے نہیں ہوتے تھے۔ عموماً جنگلات، محلات اور بازاروں کے منظر پردے پر اُتارے جاتے تھے۔ بعد میں بازاروں کے مناظر کے لئے آؤٹ ڈور شوٹنگ کا رواج پڑا۔ بابو راؤ پینٹر نے مناظر کو حقیقی شکل دینے کے لئے اسٹوڈیو میں مٹی گوبر، درختوں، پودوں، گھاس پھوس، کاغذ گتے اور ٹاٹ وغیرہ استعمال کر کے بڑے بڑے سیٹ تیار کئے جس سے مناظر میں حقیقت کا رنگ جھلکنے لگا۔

ان دنوں ایک فلم کی لمبائی آٹھ دس ہزار فٹ ہوا کرتی تھی اور اس کی تیاری میں ڈیڑھ دو ماہ لگ جاتے تھے۔ بعض نے تو ہفتے بھر میں ہی فلمیں بنا ڈالیں "لائٹ آف ایشیا" اور "لو آف اے مغل پرنس" ان چند فلموں میں سے تھیں، جن کی تیاری میں چھ مہینے سے ایک سال کا عرصہ لگا۔ ہر فلم کے عموماً تین پرنٹ تیار کئے جاتے تھے۔ اس کی تیاری پر دس پندرہ ہزار روپیہ صرف ہوتے تھے اور پندرہ بیس ہزار کی آمدنی ہونے کو منافع سمجھا جاتا تھا اور پچیس تیس ہزار روپے کی آمدنی ہونے پر فلم کو 'ہٹ' سمجھا جاتا تھا۔

شروع میں لوگ فلموں میں کام کرنے کو معیوب سمجھتے تھے۔ کافی عرصے تک اسٹیج کے نچلے درجے کے اداکار اور نچلے طبقے کے افراد فلموں میں کام کرتے رہے بعد ازاں جب 'ویر بالا' میں سلوچنا اور "بائی کمائی" میں گوہر آئیں تو اداکاروں کی شہرت ملک کے گوشے گوشے میں پھیلنے لگی اور شریف اور معزز

گھرانے کے نوجوان بھی فلمی دنیا کا رخ کرنے لگے۔ ۱۹۲۵ء کے بعد موہن بھونانی، ہمانسو رائے، دیو کی بوس، نرنجن پال، پرتھوی راج کپور، جے راج، نتن بوس، پی سی بروا، بی این سرکار، اینا کشی راما راؤ، جے کے نندہ، چارو رائے جیسے لوگ فلمی دنیا میں آئے اور اس پیشے کو وقار و عظمت بخشی۔ اب ایسی رو چلی کہ فلموں کے شوق میں بڑے بڑے گھرانوں کے لڑکے لڑکیاں گھروں سے بھاگ کر بمبئی اور کلکتہ پہنچنے لگے۔ اس دور کی مشہور اداکاراؤں میں سلوچنا، گوہر، زبیدہ، پتلی بائی، جلوہ بائی، سیتا دیوی، سلطانہ، جمنا، موتی، تارا، گلاب، شہزادی، ارملائن، پیشنس کو پر قابلِ ذکر ہیں۔

اداکاروں میں ماسٹر وٹھل، ای بلیموریا، ڈی بلیموریا، خلیل، ڈبلیو ایم خان ہمانسو رائے، دھرمیندر گنگو پادھیائے، جال مرچنٹ، جے راج، پرتھوی راج کپور، راجہ سینڈو، اور جگدیش سیٹھی مقبول اور جانے پہچانے اداکار تھے۔ ہدایت کاروں میں دادا پھالکے، موہن بھونانی، بابوراؤ پینٹر، چندولال شاہ، پرفلا گھوش، چارو رائے، آر ایس چودھری، نول گاندھی، دیوکی بوس، شانتا رام اور مصرا کے نام فلم بین طبقہ میں کافی مشہور ہو گئے۔ اگرچہ خاموش فلموں کے آخری دور میں کچھ اداکاروں نے کنٹریکٹ بھی کئے تھے۔ مگر فری لانسنگ سسٹم رائج نہ تھا اور یہ طریقہ دوسری جنگ عظیم میں رائج ہوا۔ ان دنوں زیادہ تر اداکار اور دیگر فن کار ماہانہ تنخواہوں پر ملازم رکھے جاتے تھے۔ اداکاروں کو عموماً چار پانچ سو روپیہ ماہوار ملتا تھا۔ سلوچنا، گوہر اور زبیدہ اس دور کی ایسی اداکارائیں تھیں جنہیں ایک ہزار روپے سے زائد تنخواہ ملتی تھی۔ اداکار عموماً سوڈیڑھ سو روپیہ ماہوار پاتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ مشہور اداکارہ سیتا دیوی کو "چتوڑ کی پدمنی" میں ہیروئن کا رول ادا کرنے پر پانچ روپے یومیہ اور مجنوں کو صرف آٹھ آنے یومیہ معاوضہ ملا کرتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی جس دن شوٹنگ نہیں ہوتی تھی اس دن تنخواہ نہیں ملتی تھی۔ ماسٹر وٹھل اس زمانے کے مقبول ترین ہیرو تھے اور انہیں آخری دنوں میں ایک ہزار روپیہ ماہانہ ملا کرتا تھا مگر عموماً تنخواہیں کم ہی تھیں۔ ابتدائی زمانے میں سب سے زیادہ معاوضہ پانے والوں میں جنوبی ہند کی سندرا بال ہیں جنہیں ایک لاکھ روپیہ ایک ہی فلم میں کام کرنے کے لئے دیا گیا۔

ابھی ہمارے ملک میں خاموش فلمیں بننی بھی شروع نہ ہوئی تھیں کہ یورپ اور امریکہ کے سائنسدان خاموش فلموں کو متکلم بنانے میں کامیاب ہو چکے تھے۔ دراصل متحرک فلموں کے آغاز سے ہی سائنسداں انہیں آواز عطا کرنے کی کوششوں میں منہمک ہو گئے تھے۔ ۱۸۷۱ء میں Doninsthrope کی وجہ سے انگلستان کے کئی موجدوں کے ذہن میں متکلم فلمیں بنانے کا خیال پیدا ہوا۔ امریکی سائنسداں ایڈیسن نے بھی اس سلسلے میں کئی تجربات کئے لیکن "ایمپلیفائر" کے نہ ہونے کی وجہ سے انہیں مسلسل ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا بہر حال دیگر سائنسداں اس سلسلے میں کوشش کرتے رہے اور آخر فرانسیسی

موجد گے ماؤں نے اس حیرت انگیز ایجاد کو پیرس کے عوام کے سامنے پیش کر دیا۔ ۱۲ر دسمبر ۱۹۰۲ء کو انہوں نے فرنچ فوٹوگرافک ایسوسی ایشن کے اجلاس میں ایک مختصر فلم دکھائی جس کے کرداروں کو انہوں نے زبان عطا کرنے کا معجزہ کر دکھایا تھا۔ اس کے بعد گے ماؤں نے کئی طرح کے تجربات کئے اور ۲ر ستمبر ۱۹۱۰ء کو انہوں نے باقاعدہ عوام کے سامنے اپنی متکلم فلم کی نمائش کی جسے دیکھ کر لوگ عش عش کر اُٹھے۔ لیکن اس کے باوجود لگ بھگ تیس برس کے طویل عرصے تک متکلم فلمیں نہ بن سکیں۔ ۱۹۰۷ء میں فلموں کے مکالموں اور پلاٹ کو سمجھانے کے لئے سب ٹائٹل کا طریقہ اپنایا گیا تاکہ فلموں کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

ابتدائی طریقہ کار میں فلم کے ساتھ ریکارڈنگ سسٹم لگایا گیا تھا۔ ایک موجد نے تو آلہ صوت نگار (Phonograph) کو پروجیکٹر کے ساتھ منسلک کر دیا تھا۔

۱۹۱۲ء میں انگلستان میں یوجین لاسٹ (Eugene Laust) نے فلم میں آواز بھرنے کا ابتدائی طریقہ ایجاد کیا لیکن چونکہ سینما ہال میں رش زیادہ ہوتا تھا لہٰذا گراموفون کی آواز سے کام نہیں چلتا تھا۔ پہلی جنگ عظیم سے پیشتر ڈے فارسٹ نامی سائنسداں نے ایمپلیفائر ایجاد کیا جس سے آواز ایک جگہ سے دوسری جگہ سننے میں آسانی ہوگئی۔ ریڈیو اور ٹیلیفون کی ایجاد و ترقی کی جانب بھی یہ ایک اہم قدم تھا۔

۱۹۲۳ء میں ڈے فارسٹ نے Phono films کا مظاہرہ کیا۔ تین برس بعد ۶ر اگست ۱۹۲۶ء کو وارنر برادران کی کئی فلمیں یکے بعد دیگرے ناکام ہوگئیں۔ اس لئے انہیں خدشہ تھا کہ وہ مالی بحران کا شکار ہو کر دیوالیہ ہو جائیں گے۔ لہٰذا اس دشوار صورت حال سے نپٹنے کے لئے انہوں نے عوام کے سامنے ایک ''معجزہ'' پیش کرنے کی سوچی لہٰذا ''ڈان دوان'' دنیا کی پہلی متکلم فلم سمجھی جاتی ہے۔

اگرچہ یہ فلم بہت کامیاب ہوئی لیکن کچھ اندرونی نقائص کے سبب بولتی فلمیں ابتداء میں ایک دم مقبول نہ ہو سکیں۔ پہلی خامی تو یہ تھی کہ آواز فلم میں نہیں بھری جاتی تھی بلکہ فلم کے ساتھ مکالموں کے ریکارڈ بھر لئے جاتے تھے جنہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے میں ٹوٹ جانے کا خدشہ ہوتا تھا۔ خاموش فلم کے ٹوٹ جانے پر تو اسے جوڑ لیا جاتا تھا۔ مگر ٹوٹے ہوئے ریکارڈ جوڑنا ممکن نہیں تھا۔ چنانچہ وارنرز نے اپنی آئندہ تصویر ''دی سنگنگ فول'' کے کچھ حصے کے تو ریکارڈ تیار کئے اور کچھ حصے میں آواز فلم کے ساتھ ہی بھری جس میں انہیں خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔ اس کامیابی سے مطمئن ہو کر ریکارڈنگ کے طریقے کو چھوڑ کر فلم میں ہی آواز بھرنے کے طریقے کو اپنا لیا گیا اور ۱۹۲۹ء میں اس طریقہ کار کے تحت ''دی لائٹ آف نیویارک'' تیار کی گئی جس نے متکلم فلموں کے لئے راستہ ہموار کر دیا اور امریکہ کے بعد یورپ میں بھی متکلم فلموں کا دور شروع ہوگیا۔

یورپ کے زیادہ تر ممالک میں بھی متکلم فلموں کا آغاز ۱۹۲۹ء میں ہی ہوا تھا۔ فرانس نے اسی سال

''سائنس لیس ٹائمس ڈی پیرس'' کے ساتھ بولتی فلموں کی مہورت کی۔ انگلستان بھی اس دوڑ میں پیچھے نہ رہا۔ الفریڈ ہچکاک کی پہلی فلم ''بلیک میل'' انگلستان کی پہلی بولتی فلم تھی۔ جرمنی کی بولتی فلم'' آئی کس یور ہینڈ میڈیم'' بھی اسی سال منظر عام پر آئی اس کے ایک برس بعد اٹلی نے ''کونن ڈائل کے معاشقے'' کے نام سے ایک بولتی فلم بنائی۔ ۱۹۳۰ء اور ۱۹۵۲ء کے دوران آواز کو بہتر طریقہ کار سے پیش کرنے کے لئے کئی تبدیلیاں کی گئی۔ آخر ۱۹۵۲ء میں سنے راما (Cinerama) کی ایجاد ہوئی جس میں آواز پردے کے پیچھے سے آنے کے بجائے آڈیٹوریم کی چاروں سمتوں سے آتی ہے۔ اس کے ایک سال بعد سینما سکوپ منظر عام پر آیا۔

امریکہ اور یورپ کے اس انقلابی اور حیرت انگیز ایجاد کی خبریں ہندوستان پہنچیں تو یہاں کے عوام بھی بولتی فلموں سے لطف اندوز ہونے کے لئے بے قرار ہوا تھے لیکن افسوس کسی فلم ساز نے'' ٹاکی'' بنانے کی جانب توجہ نہ دی۔ آخر جب کلکتہ کے اسپلینڈ پکچر پلیس میں'' میلوڈی کوئین'' کی نمائش ہوئی تو ہندوستانی فلم سازوں نے بھی سنجیدگی سے اس پر غور کیا اور متکلم فلمیں پیش کرنے کے لئے کمر بستہ ہو گئے۔

اس میں شک نہیں کہ'' عالم آرا'' ہندوستان کی پہلی ٹاکی فیچر فلم ہے۔ لیکن اس سے پیشتر بھی کئی مختصر ٹاکی فلمیں بنائی گئی تھیں۔ اس سلسلے میں شاردا فلم کمپنی کی ناکام کوشش کا ذکر دلچسپی سے خالی نہیں۔ شاردا فلم کمپنی نے اس فلم کے لئے ساز وسامان غیر ممالک سے منگوایا۔ فلم کی کہانی اور مکالمے ممتاز مراٹھی ادیب ماماوار یرکر سے لکھوائے اور ہدایت کاری بھوگی لال دوبے نے کی۔ لیکن موسم ناموافق ہونے کے سبب سارے نیگٹو خراب ہو گئے۔

شاردا کے علاوہ کلکتہ کی مدن فلم کمپنی نے رقص وموسیقی اور ڈرامے پر مبنی ایک فلم تیار کی تھی۔ جسے ۴ر فروری ۱۹۳۱ء کو بمبئی کے ایمپائر تھیٹر میں عوام کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ اس فلم میں اس عہد کی مشہور مغنیہ منی بائی نے'' اپنے مولا کی میں جوگن بنوں گی'' گیت پیش کیا تھا جسے لوگوں نے بے حد پسند کیا تھا۔ اس فلم کی نمائش کے ایک مہینے بعد بمبئی کے میجسٹک سینما میں ہندوستان کی پہلی ٹاکی فیچر فلم'' عالم آرا'' کی نمائش ہوئی جسے دیکھنے کے لئے عوام کا جم غفیر سینما پر ٹوٹ پڑا۔ اس دن اگرچہ فلم کا شو تین بجے دوپہر کو تھا لیکن لوگ سویرے ہی سے ہزاروں کی تعداد میں سینما کے باہر جمع ہو گئے تھے۔ پولیس بھی ہجوم پر قابو نہ پاسکی اور ایک ایک روپے کا ٹکٹ پچاس پچاس روپے بلیک میں خریدا گیا۔ گویا یہ کہا جاسکتا ہے کہ بلیک کی ابتداء ہمارے ملک میں بولتی فلموں کے آغاز کے ساتھ ہی شروع ہوگئی۔ اس پہلی بولتی فلم کے خالق خان بہادر اردشیر ایرانی نے اس فلم کی تیاری کے لئے باہر سے ساز وسامان منگوایا۔ اس مشین کو چلانے اور آواز کی تکنیک سے ہندوستانی کارندوں کو روشناس کرنے کے لئے ہزاروں روپے ماہوار تنخواہ پر فرانسیسی

نے مشین کو بنایا۔ مشہور ہے کہ جب یہ مشین ہندوستان پہنچی تو اخبارات میں اس کی تصاویر چھاپی گئیں اور اشتہار یوں دیا گیا کہ فونو مشین اپنی آواز بھی واپس دے سکتی ہے۔ لیکن سب سے پہلی ہستی جس کی آواز اس مشین پر بھری گئی وہ اشتہار کے ایک طوطے کی تھی۔


عالم آرا کا ایک منظر

"عالم آرا" کی تخلیق ہمارے ملک کی تاریخ میں اہم واقعہ ہے۔ اس نے ایک دور ختم کیا اور دوسرے دور کو جنم دیا۔ چند برسوں کے اندر خاموش فلمیں خاموشی کی موت مر گئیں اور بولتی فلموں کا شور و غوغا شروع ہو گیا۔ جو لوگ پہلے تھیٹر کے رسیا تھے اب تھیٹر کو ترک کر کے فلموں کے شیدائی بن گئے۔ اور اس طرح ایک دور جو ڈرامہ اور تھیٹر کا تھا، دونوں کو موت سے ہمکنار کر کے "بولتی فلم" اپنی ترقی کی راہ پر نکل پڑی۔

عالم آرا اردشیر ایرانی نے "ٹینار" سسٹم پر تخلیق کیا تھا جس کے تحت فلم کے ریکارڈ کے ساتھ ساتھ آواز فلم کے چوتھے حصے میں بھی بھری جاتی تھی۔ فلم کی تکمیل کے بعد اس کی نمائش بھی ایک بہت بڑا مسئلہ تھا۔ کیونکہ اس وقت تک کسی بھی سینما میں اس کی نمائش کا انتظام نہ تھا۔ لہذا بمبئی کے مشہور فلم ڈسٹری بیوٹر فضل بھائی نے اس کی نمائش کے لیے امریکہ سے ساؤنڈ پروجیکٹر منگوایا اور پھر ایک مؤثر [illegible] میں اس کی آزمائش کرنے کے بعد میجسٹک سینما میں اسے نصب کرایا گیا۔

اردشیر ایرانی کی ہدایت میں تیار ہونے والی اس فلم میں ماسٹر وٹھل، زبیدہ، پرتھوی راج کپور، جلّو بائی، جگدیش سیٹھی، سوشیلا اور وزیر محمد خان نے کام کیا تھا۔ فوٹو گرافی عادل ایرانی کے سپرد تھی اور فلم کی کہانی اور مکالمے مشہور ڈرامہ نگار جوزف ڈیوڈ نے لکھے تھے۔ فلم کی ابتدا میں ہدایت کار ایرانی سکرین پر نمودار ہوتے تھے اور انہوں نے اپنی مختصر تقریر میں کہا تھا کہ اس فلم کی زبان نہ اردو ہے نہ ہندی بلکہ ایک ملی جلی زبان ہے — اور یہ روایت آج تک ہماری فلموں نے قائم رکھی ہے۔ مذکورہ فلم کی کہانی ایک گھرانے کے بارے میں تھی۔ اور اس میں متعدد گانے بھی تھے جن میں سے کئی تو بے حد مقبول ہوئے اور جلد ہی عوام کے ہونٹوں پر گائے جانے لگے۔ فلم کی ہیروئن زبیدہ کا گانا "بدلا دلا دے یارب تو ستم گروں سے" اور فقیر بنے (وزیر محمد خان) کا گانا۔

دے دے خدا کے نام پہ پیارے طاقت ہو گر دینے کی
چاہے اگر تو مانگ لے مجھ سے ہمت ہو گر لینے کی

لوگ مدتوں تک فراموش نہ کر سکے۔ ایک ہزار روپے ماہانہ تنخواہ لینے والے ماسٹر وٹھل اس فلم کے

ہیرو تھے۔ لیکن مزے کی بات تو یہ ہے کہ پوری فلم میں انہوں نے ایک مکالمہ بھی ادا نہ کیا تھا شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ابھی اُردو کی ریاضت کر ہی رہے تھے کہ فلم مکمل ہوگئی۔ اس فلم پر چالیس ہزار روپے لاگت آئی تھی۔

''عالم آراء'' کی کامیابی سے متاثر ہو کر مدن تھیٹر نے بھی ٹاکی فلم ''شیریں فرہاد'' پیش کی۔ جس میں ماسٹر نثار نے فرہاد کا رول ادا کیا، جو اس سے پیشتر تھیٹر میں عورتوں کے رول ادا کرتے تھے اور ہیروئن کا پارٹ مس کجن نے کیا۔ آغا حشر کاشمیری نے اس کی کہانی لکھی تھی۔ اس فلم میں لگ بھگ ۴۲ گانے تھے۔ فلم ہٹ ثابت ہوئی۔ اور اس کے نتیجے کے طور پر ایک اور عشقیہ داستان ''لیلیٰ مجنوں'' کو سلولائڈ پر اُتارا گیا جس میں مجنوں کا رول ماسٹر نثار نے اور لیلیٰ کا رول جہاں آرا نے ادا کیا تھا اس فلم میں بھی بے شمار گانے تھے۔

''عالم آراء'' کے بعد امپیریل فلم کمپنی نے دوسری متکلم فلم ''نور جہاں'' بنائی جسے موہن بھونانی نے ڈائرکٹ کیا تھا۔ اس تاریخی فلم میں ہیروئن سلوچنا اور ہیرو ڈی بلیموریا تھے۔ ابتدا میں یہ خاموش فلم بنائی گئی تھی۔ لیکن عالم آراء کی کامیابی پر اسے بھی زبان عطا کردی گئی ـــ اور اسے اردو کے علاوہ انگریزی اور فارسی میں بھی پیش کیا گیا۔

شروع سے ہی ہندوستانی فلموں میں گیتوں کو غیر معمولی اہمیت حاصل رہی ہے اور گیت ایک طرح سے کامیابی کے ضامن خیال کئے جاتے رہے ہیں۔ ابتدائی دور میں ہندی اور مراٹھی میں بننے والی پربھات فلم کمپنی کی ''اجودھیا کا راجہ'' کی کامیابی کی وجہ بھی اس کے سریلے گیت اور انہیں پیش کرنے کا انداز تھا۔ حالانکہ کہانی بڑی گھسی پٹی تھی اور اسے خاموش دور میں دادا پھالکے ''راجہ ہریش چندر'' کے نام سے پہلے بھی پیش کرچکے تھے۔ اس کے ہیرو اور موسیقار تھے گوندراؤ ٹینبے۔ اس کے بعد ایک اور فلم ''شام سندر'' آئی جس میں شانتا آپٹے نے رادھا اور شاہو مودک نے کرشن کا رول ادا کیا تھا۔ ان دونوں کے

گیت اور اداکاری لوگوں کو بے حد پسند آئی جس کے کارن اس فلم نے سلور جوبلی منائی۔

یہاں فلم ''زرینہ'' کا ذکر کرنا دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا۔ اس کے خالق عذرا میر تھے جو ان ہی دنوں ہالی وڈ میں فلم سازی کی تربیت لے کر لوٹے تھے۔ اگرچہ اس فلم کی کہانی ہندوستانی تھی لیکن اس میں غیر ہندوستانی ماحول اور روایات کو اپنایا گیا۔ اگرچہ اس سے پیشتر کئی ہندوستانی فلموں میں بوسہ بازی کے مناظر پیش کئے گئے مگر عذرا میر نے اس فلم میں بوسہ بازی کی حد کردی۔ بلیمور یہ، زبیدہ اور یعقوب اس فلم کے اہم اداکار تھے۔ یہ ایک ایسی فلم تھی جس نے سنسر شپ کا مسئلہ کھڑا کردیا۔ اس کے خلاف لاہور میں زبردست مظاہرہ ہوا اور سینما کا پردہ جلا دیا گیا۔ ۱۹۳۲ء میں ہی پہلی مذاحیہ فلم ''چار چکرم'' منظر عام پر آئی جس میں ذکشت نے مذاحیہ رول ادا کیا تھا اور اسے ہی پہلا ہندی کامیڈین ہونے کا فخر حاصل ہوا۔

۱۹۳۳ء میں پربھات فلم کمپنی نے ''سیرندھری'' (Sairandhri) کی ناکامی کے بعد ایک دوسری فلم ''مایا مچھندر'' پیش کی جسے بے حد کامیابی حاصل ہوئی۔ یہ پہلی ہندی فلم تھی جس میں مشہور اداکارہ درگا کھوٹے پردۂ اسکرین پر جلوہ افروز ہوئی تھیں۔

جے بی ایچ واڈیا کی متکلم تصویر ''لال یمن'' کے ذکر کے بغیر یہ داستان ادھوری رہ جائے گی۔ جال کھمبات اور فیروز دستور اس کے اہم اداکار تھے۔ فیروز دستور کے گانے اس فلم کی کامیابی کی ایک اہم وجہ تھے۔ جب اس فلم کو غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی تو واڈیا نے دستور کو ایک ہزار روپیہ اور طلائی تمغہ عطا کیا۔

مدن تھیٹرز کے بعد نیو تھیٹرز کلکتہ کا ایک اہم فلمی ادارہ تھا جس نے ''پورن بھگت'' ''ودیا پتی'' ''کاشی ناتھ'' ''دیوداس'' ''ہمراہی'' اور ''چھوٹا بھائی'' ایسی متعدد قابل ذکر فلمیں عوام کے سامنے پیش کیں۔ اور نتن بوس، دیوکی بوس، بمل رائے، کیدار شرما، فنی مجمدار ایسے قابل ہدایت کار اور کندن لال سہگل، پرتھوی راج کپور، پہاڑی سانیال، کمار جیسے اداکاروں کو بھی ہمیں عطا کیا۔



نیو تھیٹرز کی پہلی تصویر ''راج رانی میرا'' تھی جس میں درگا کھوٹے اور پرتھوی راج نے کام کیا تھا۔ فلم بری طرح فیل ہوئی۔ اس کے بعد اس ادارے نے دیوکی بوس کی زیر ہدایت ''پورن بھگت'' تیار کی جس میں کمار، سہگل، انوری کے سی ڈے نے کام کیا تھا۔ پنجاب کے شہر سیالکوٹ سے متعلق یہ لوک کتھا اپنے مدھر اور سریلے گیتوں کی وجہ سے بے حد کامیاب ہوئی اور اس کے موسیقار آر سی بورال کی شہرت بھی ملک کے گوشے گوشے

میں پھیل گئی۔ اس ممتاز موسیقار کا ۲۵ رنومبر ۱۹۸۱ء کو کلکتہ میں انتقال ہو گیا۔

آغا حشر کاشمیری کے ''ڈرامے یہودی کی لڑکی'' پر بھی ان ہی دنوں پہلی بار فلم تیار کی گئی جس میں رتن بائی، سہگل، نواب، کمار، پہاڑی سانیال اور رادھا رانی نے کام کیا۔ اس میں یہودی کا رول ادا کرنے کے لئے اداکار نواب نے اپنے تمام دانت اکھڑوا دیئے تھے۔ اس فلم کے مکالموں اور گیتوں نے عوام کا دل لوٹ لیا۔ خصوصاً جدن بائی کا گیت ''اپنے مولا کی میں جوگن بنوں گی'' بہت مقبول ہوا۔ اس کے علاوہ سہگل نے اپنی مسحور کن آواز سے غالب کی غزل ''نکتہ چیں ہے غم دل'' کو لافانی بنادیا۔

چونکہ ان دنوں سنسر بورڈ عریاں اور فحش فلموں پر اعتراض نہیں کرتا تھا اس لئے خاموش فلموں کے بعد جب بولتی فلموں کا رواج ہوا تو ابتدائی دور میں اکثر ایسی گھٹیا فلمیں بنائی گئیں جن میں بازاری گانے اور مکالموں کے علاوہ بوس و کنار کے مناظر بھی پیش کئے جاتے تھے۔

خاموش فلموں کے عہد میں ڈسٹری بیوٹر اداروں کی کمی تھی۔ سارے ملک میں تقریباً تین درجن ایسے ادارے تھے جو صرف غیر ملکی فلموں کی نمائش کا اہتمام کرتے تھے۔ ہندوستانی فلموں کی نمائش کا اہتمام کمپنیاں خود کرتی تھیں۔ صرف کچھ مشہور فلم کمپنیوں نے بڑے بڑے شہروں میں اپنے نمائندے رکھے ہوئے تھے بولتی فلموں کی کامیابی نے ڈسٹری بیوٹروں کو بڑھاوا دیا اور آج وہ فلمی صنعت میں غیر معمولی اہمیت کے حامل بن گئے ہیں۔

۱۹۳۴ء تک جتنی بھی فلمیں منظر عام پر آئیں ان میں ڈرامائی اسلوب اور غیر ملکی فلموں کی بھونڈی نقل ہوتی تھی۔ لیکن جب ہدایت کار شانتا رام نے پربھات فلم کمپنی کے لئے چندر موہن اور شانتا آپٹے جیسے اداکاروں کو لے کر ''امرت منتھن'' پیش کی تو سینما کو تھیٹریکل انداز سے نجات ملی۔ ''امرت منتھن'' میں انسانوں اور جانوروں کی قربانی کے خلاف زبردست آواز اُٹھائی گئی تھی۔ اس فلم میں چندر موہن کی آنکھیں اور اس کی گرجتی آواز کو لوگ آج بھی فراموش نہیں کر سکے۔ اس فلم میں پہلی بار کیمرہ مین نے فلم بین طبقے کو کلوز اپ سے متعارف کرایا تھا۔

یہ وہ دور تھا جب گاندھی جی ملک کی سیاست پر پوری طرح چھا چکے تھے لہٰذا چھوت چھات کے خلاف ان کی مہم کے بارے میں شانتا رام نے ''سنت ایک ناتھ'' کی زندگی سے متعلق ''مہاتما'' فلم پیش کی۔ لیکن سنسر بورڈ نے یہ نام رکھنے کی اجازت نہ دی کیونکہ ''مہاتما'' سے مراد گاندھی جی ہی تھے۔ لہٰذا اس کا نام بدل کر ''دھرماتما'' رکھا گیا۔ بعد میں گاندھی جی کے خیالات و افکار سے متاثر ہو کر اور بہت سی فلمیں بنیں جن میں ''اچھوت''،

۱۹۳۳ء میں ہندوستان کی طویل ترین سیریل فلم ''حاتم طائی'' بنی جس میں مادھولال .

ماسٹر ماروتی، گلاب، شانتا کماری، اور سوشیلا نے کام کیا تھا۔ یہ فلم چار حصوں پر مشتمل تھی اور اس کو دیکھنے کے لئے لوگ سینما گھروں پر ٹوٹ پڑے۔ بھارت مووی ٹون نے اس سے کم از کم ڈھائی لاکھ روپیہ کمایا۔ جو اس زمانے میں ایک بہت بڑی رقم تھی۔

فلم کی تاریخ میں یہ سال کئی لحاظ سے ایک اہم سال تھا۔ اسی برس کئی انقلابی اقدام اُٹھائے گئے جن میں سے ایک ''لائٹ آف ایشیا'' کے ہیرو اور مستقبل کی بمبئی ٹاکیز کے بانی ہمانسو رائے کی ہندی اور انگریزی فلم ''کرم'' کی تخلیق تھی جس میں پہلی بار مشہور اداکارہ دیوکا رانی پردے پر آئیں اس فلم کے کئی مناظر لندن میں فلمائے گئے۔ دہلی میں اس کے افتتاح کے موقع پر وائسرائے لارڈ ولنگڈن بھی موجود تھے۔ اس فلم کو ہندی میں بھی ''ناگن کی رانی'' کے نام سے فلمایا گیا تھا۔

ان ہی دنوں منشی پریم چند اجنتا سینے ٹون کی دعوت پر آٹھ ہزار روپے سالانہ کی تنخواہ پر بمبئی آئے اور ''مل مزدور'' کی کہانی لکھی جس میں جے راج، بِبّو، نیام پلی اور تارا بائی کے علاوہ خود منشی جی نے بھی ایک معمولی سا کردار ادا کیا تھا۔ برطانوی حکومت کے اعتراض پر فلم کے کئی حصے حذف کر دیئے گئے اور اسے ''غریب مزدور'' کے نام سے پیش کیا گیا۔ فلم میں اتنی تبدیلیاں کی گئی تھیں کہ خود پریم چند جی کو اس میں شک تھا کہ اس کی کہانی انہوں نے لکھی ہے۔ یہی احساس انہیں اپنے ناول ''بازار حسن'' پر مبنی فلم ''سیوا سدن'' دیکھ کر ہوا تھا۔ ان باتوں سے مایوس ہو کر پریم چند فلمی دنیا سے کنارہ کش ہو کر بنارس واپس چلے گئے۔

اگر چہ پریم چند نے فلمی دنیا ترک کر دی لیکن بعد ازاں ان کی کئی کہانیاں اور ناول فلمائے گئے جن میں ''رنگ بھومی''، غبن، ہیرا موتی، گودان، قابل ذکر ہیں — دھارمک فلموں میں جن کا ابتدا ہی سے بول بالا رہا، ایسٹ انڈیا فلم کارپوریشن کی ''سیتا'' ایک اعلیٰ پائے کی تصویر سمجھی جاتی ہے۔ دیوکی بوس کی بنائی اس فلم میں پرتھوی راج کپور، اور درگا کھوٹے نے اداکاری کی۔ اس کے بعد ''بھرت ملاپ'' ''رام راجیہ'' وغیرہ کامیاب اور قابل دید فلمیں بنیں۔


کے ایل سہگل اور جمنا فلم دیوداس میں

خاموش فلموں کے زمانے میں بھی سرت چندر چٹرجی کے ناول ''دیوداس'' پر مبنی فلم بنائی گئی تھی۔ لیکن ۱۹۳۵ء میں اس المیہ پر جو فلم بنائی گئی تھی اس نے اس دور کی نسل کو غیر معمولی طور پر متاثر کیا۔ یہاں تک کہ بعد ازاں بہت سے فلم سازوں نے

اس طرح کی فلمیں پیش کیں ان میں منموہن (سریندر بو) خصوصاً قابل ذکر ہے۔ جس کا گانا تم ہی نے مجھ کو پریم سکھایا'' آج بھی بڑی عمر کے لوگوں کی زبان پر ہوگا۔

دیوداس کے ہدایت کار پی سی بروا آسام کی ریاست گوری پور کے راجکمار تھے۔ ہندوستانی فلمی صنعت کی ترقی میں انہیں اہم مقام حاصل ہے۔ انہوں نے ہی پہلی بار اسٹوڈیو میں آرک لیمپ کی مصنوعی روشنی کا استعمال کیا۔ بروا نے ہندی سے پیشتر بنگالی میں ''دیوداس'' تیار کی اور خود ہی اس میں ہیرو کا رول ادا کیا۔ اس کے بعد انہوں نے ہندی میں دیوداس کا رول کندن لال سہگل اور پارو کا رول اپنی بیوی جمنا کو سونپا۔ سہگل کے گیتوں نے ملک بھر میں دھوم مچا دی۔ دراصل دیوداس حقیقی معنوں میں ہندوستان کی پہلی سوشل فلم تھی جس میں عوام نے اپنے دور کے سماج کی ایک جھلک دیکھی۔ اور اس کے ساتھ ہی آتش عشق اور دردِ ہجر کو بھی شدت سے محسوس کیا۔ اس فلم میں ''دکھ کے دن بیتت بیں نا ہیں''۔ اور ''بالم آن بسو مورے من میں'' ایسے گیت آج برسوں گزر جانے پر بھی ہندوستانی عوام فراموش نہیں کر سکے۔ اس تاریخ ساز سماجی تصویر نے ہماری فلمی دنیا میں زبردست انقلاب رونما کیا اور آج تک اس ناول پر مبنی آدھی درجن سے زائد فلمیں بن چکی ہیں۔ بنگلہ اور ہندی کے بعد ۱۹۵۳ء میں اسے تمل اور تلگو میں بھی فلمایا گیا۔ بعد ازاں ۱۹۵۵ء میں دلیپ کمار وجینتی مالا اور موتی لال ایسے اداکاروں کو لے کر بمل رائے نے جو کہ پہلی 'دیوداس' میں کیمرہ مین تھے اسے دوبار عوام کے سامنے پیش کیا، اگرچہ تکنیک ہدایت اور اداکاری میں یہ فلم اعلیٰ پائے کی تھی۔ لیکن اس سے بھی سہگل کی دیوداس کی اہمیت میں فرق نہیں پڑا۔ اس کے بعد سنجے بھنسالی نے شاہ رخ خان اور ایشوریہ رائے کو لے کر پھر ''دیوداس'' بنائی اور اب گزشتہ سال پاکستان میں بھی ''دیوداس'' فلمائی گئی تھی مگر بوجوہ اس کی نمائش نہیں ہوسکی۔ مذکورہ سال مرحوم ہمانسو رائے نے بمبئی ٹاکیز کی بنیاد رکھی جس نے دنیائے فلم کو دیوکا رانی لیلا چٹنس، اشوک کمار، ایس مکر جی، شاہد لطیف ایسے بہت سے باکمال اور چوٹی کے اداکاروں اور ہدایت کاروں کے علاوہ سعادت حسن منٹو، عصمت چغتائی، پردیپ، بھگوتی چرن ورما اور نریندر شرما ایسے ادیبوں اور گیت کاروں سے روشناس کرایا۔

اس ادارے کی پہلی پیش کش ''جوانی کی ہوا'' (دیوکا رانی، نجم الحسن) اور دوسری تھی ''اچھوت کنیا'' جس میں چھوت چھات کے خلاف آواز اٹھائی گئی تھی۔ یہ اشوک کمار کی پہلی فلم تھی جس میں انہوں نے دیوکا رانی کے ساتھ بطور ہیرو کام کیا۔

محبوب خاں جنہوں نے ۱۹۲۹ء سے فلموں میں اداکاری کرنی شروع کی تھی، ۱۹۴۶ء میں اپنی پہلی فلم ''الہلال'' ڈائرکٹ کی اور جلد ہی اُن کا شمار صف اول کے ہدایت کاروں میں ہونے لگا۔ ۱۹۳۸ء میں پربھات کی فلم ''سنت تکارام'' کو تین بہترین فلموں میں سے ایک گنا گیا۔ اس سے پیشتر ''امرت

آف ایشیا'' وسنت سینا، اور کرم وغیرہ کئی ہندوستانی فلموں کو غیر ممالک میں سراہا گیا تھا۔

۱۹۳۶ میں شانتارام نے ''امر جیوتی'' پیش کر کے پھر ایک بار سماجی مقصدیت کو اہمیت بخشی۔ اس فلم کو باہر بھی بے حد سراہا گیا۔ یہ پہلی ہندی فلم تھی جس میں عورت کا باغیانہ روپ عوام کے سامنے آیا تھا۔ اسی سال بمبئی ٹاکیز کی فلم ''اچھوت کنیا'' منظر عام پر آئی جس میں دیویکا رانی کو بطور اچھوت کنیا پیش کیا گیا تھا۔ اس میں دیویکا رانی کی اداکاری دیکھ کر جواہر لال نہرو نے تعریفی خط بھی لکھا تھا۔ یہ فلم بڑی کامیاب ثابت ہوئی اور اس نے سلور جوبلی بھی منائی تھی۔ اچھوت کنیا کے علاوہ اس سال نیو تھیٹر کی فلم ''دھوپ چھاؤں'' بھی آئی۔ ان دونوں فلموں میں دکھائی دینے والے ہیرو ہیروئن کے لئے کسی دیگر گلوکار نے اپنی آواز دی تھی۔ اچھوت کنیا میں موسیقار سرسوتی دیوی نے فلمی دنیا کے لئے پہلا گانا ''کت گئے ہو کھیون ہار'' ریکارڈ کیا جسے فلم کی ہیروئن چندر پربھا پر فلمایا گیا تھا۔

۱۹۳۷ میں ہندوستان کی پہلی رنگین فلم ''کسان کنیا'' منظر عام پر آئی اور اسے پیش کرنے کا شرف بھی ہندوستان کی متکلم فلم بنانے والے امپریل فلم کمپنی کے اردشیر ایرانی کو ہی حاصل ہوا۔ اگر چہ اس فلم کو نہ کوئی کامیابی ملی لیکن پھر بھی ہندوستان کی فلمی صنعت کی تکنیکی ترقی میں اس کا نمایاں ہاتھ ہے۔ اسی سال شانتارام کی فلم ''دنیا نہ مانے'' نے ملک کے گوشے گوشے میں، حسب معمول پہلے کی طرح اس بار بھی شانتارام نے ایک بامقصد اور صاف ستھری فلم پیش کر کے اپنی عظمت وشہرت میں چار چاند لگائے۔ اس فلم کی ہیروئن شانتا آپٹے کی شادی ایک بوڑھے سے ہو جاتی ہے مگر وہ اس کے ساتھ رہ کر بھی اسے اپنا رفیق حیات نہیں مانتی۔


شانتا آپٹے دنیا نہ مانے میں

۱۹۳۷ء میں امپا یعنی انڈین موشن پکچرز پروڈیوسرایوسی ایشن کا قیام عمل میں آیا جو فلموں کے رجسٹریشن کے فرائض انجام دیتا ہے۔ اسی سال بچوں کی پہلی فلم بنگالی زبان میں بنائی گئی۔ نرنجن پال نے یہ فلم ''آر بروا چیز'' کے نام سے بنائی تھی۔

۱۹۳۸ء میں ہندوستان میں فلمی صنعت کے قیام کے ۲۵ برس پورے ہو گئے تھے اس لئے بڑے جوش وخروش سے اس کی سلور جوبلی کی تقریب کا انعقاد کیا گیا۔ اس سال کی دو اہم فلمیں فنی مجمدار کی اسٹریٹ سنگر، اور بروا کی ادھیکار تھیں۔ ۱۹۳۹ء میں ''آدمی'' پیش کر کے ایک بار پھر شانتارام بازی

جیت گئے۔ اگرچہ اس سے پہلے بھی طوائف کی زندگی سے متعلق متعدد فلمیں بن چکی تھیں لیکن وہ سبھی وی شانتارام کی اس فلم کے مقابلے میں ہیچ تھیں۔

اسی سال بروا نے فلم ''مکتی'' تیار کی۔ جس میں ہیرو کا رول بھی خود بروا نے ادا کیا۔ اس میں ہیروئن بنی تھیں کانن دیوی۔ طبقاتی کشمکش پر مبنی اس فلم کی اچھوتی اور عمدہ کہانی نے عوام کے دلوں میں گھر کر لیا۔ اسی سال سہراب مودی کی تاریخی فلم ''پکار'' منظر عام پر آئی۔ اس سے پہلے ۱۹۳۵ میں شیکسپیئر کے ڈرامے پر مبنی فلم ہملٹ (خون کا خون) دیکھ کر عوام سہراب مودی کے نام سے روشناس ہو چکے تھے۔ ''پکار'' نے سہراب مودی کو ملک گیر شہرت بخشی اور وہ صف اول کے ہدایت کار بن گئے۔ ''پکار'' کی کہانی عدل جہانگیر سے متعلق داستان پر مبنی تھی اور اس کی شوٹنگ فتح پور سیکری اور دوسرے محلوں اور قلعوں میں کی گئی تھی۔ اس فلم میں نور جہاں کا رول کرنے پر ہی نسیم کو ''پری چہرہ'' کا لقب ملا اور یہی وہ فلم تھی جس میں چندر موہن نے جہانگیر کا رول اس بے مثال ڈھنگ سے ادا کیا جیسا آج تک کوئی اداکار نہیں کر سکا۔ اس فلم میں کمال امروہوی کے مکالمے آج تک فلمی مکالموں کا اعلیٰ ترین معیار بنے رہے ہیں۔ اس کے بعد ۱۹۴۱ میں سہراب مودی نے ''سکندر'' نامی دوسری اہم تاریخی فلم عوام کے سامنے پیش کی جس میں پرتھوی راج بحیثیت سکندر اور سہراب مودی پورس کے رول میں آئے۔ اس فلم میں جنگی مناظر بڑی عمدگی سے پیش کئے گئے تھے۔



ان تصاویر کے علاوہ ''جیلر'' اور ''پرتھوی ولبھ'' بھی سہراب مودی کی قابل ذکر تصویریں ہیں۔ ۱۹۶۰ میں انہوں نے ''جیلر'' کو رنگین فلم بنا کر دوبارہ پیش کیا۔ یہ فلم تکنیک کے لحاظ سے اول الذکر سے بہتر تھی لیکن عوام نے اسے زیادہ پسند نہ کیا۔ نیو تھیٹرز کا ''دشمن'' اور ''کپال کنڈلا'' بھی اس سال کی قابل ذکر تصویریں ہیں۔ ''دشمن'' تپ دق کے خلاف ہندوستانی عوام کو بیدار کرنے کے سبب اہمیت رکھتی ہے۔ یہ نتن بوس کی زیر ہدایت تیار کی گئی تھی۔ اس کی مقصدیت اور موسیقی نے اس فلم کو ہر دلعزیز بنا لیا۔

بنکم چندر چٹرجی کے شہرت یافتہ ناول پر مبنی ''کپال کنڈلا'' میں نجم الحسن جگدیش سیٹھی ... لیلا دیسائی

اور کملیش کماری اہم اداکار تھے اور اس فلم میں ممتاز مغنی اور موسیقار پنکج ملک کا گایا گیت ''پیا ملن کو جانا'' آج بھی سامعین پر وجد طاری کر دیتا ہے۔

۱۹۴۱ء میں منظر عام پر آنے والی تصویریں نیو تھیٹرز کی 'زندگی' نیشنل اسٹوڈیو کی 'عورت' بمبئی ٹاکیز کی 'بندھن' پر بھات کی ''سنت گیا نیشور'' پرکاش کی ''نرسی بھگت'' اور ہدایت کار کیدار شرما کی ''چتر لیکھا'' قابل ذکر ہیں۔ ہدایت کار بروا کی ''زندگی'' ایک ٹھکرائی ہوئی شادی شدہ عورت شریمتی اور بے کار نوجوان رتن کے عشق کی سنجیدہ کہانی کے محور پر گھومتی ہے جنہیں سماج بدنامی اور پریشانیوں کے علاوہ کچھ نہیں دیتا۔ فلم نہایت سنجیدہ تھی اور فن کا نمونہ۔

محبوب کی ''عورت'' نے جسے ۱۸ سال بعد انہوں نے ۱۹۵۷ء میں ''مدر انڈیا'' کے نام سے دوبارہ عوام کے سامنے پیش کیا تھا اپنے عہد کی ایک اعلیٰ معیاری فلم تھی۔ محبوب نے اسے بڑے حقیقت آمیز ڈھنگ میں پیش کیا تھی۔

بمبئی ٹاکیز کی ''بندھن'' ہمانسو رائے کی آخری پیش کش تھی کیوں کہ اس کے بعد وہ ایک قلیل مدت کی بیماری کے بعد ۱۴ مئی ۱۹۴۰ء کو انتقال کر گئے جس سے ملک ایک عظیم فلمی ہستی سے محروم ہو گیا۔ ''بندھن'' میں لیلا چٹنس اشوک کمار پہلی بار ایک ساتھ فلم میں آئے اور اس کے بعد جب ''کنگن اور ''جھولا'' میں بھی وہ ہیرو ہیروئن بن کر پیش کئے گئے تو وہ فلمی جوڑی کی حیثیت سے مشہور ہو گئے۔ گویا ''بندھن'' نے ہی فلمی جوڑیوں کو رواج دیا اور اس کے بعد متعدد فلمی جوڑیاں مشہور ہوئیں۔ جیسے کامنی کوشل۔ دلیپ کمار، ثریا۔ دیوانند، نرگس۔ راج کپور وغیرہ۔ مذکورہ فلم کا ایک گیت ''چل چل رے نوجوان'' بہت عرصے تک لوگوں کی زبان پر رہا۔

'سنت گیا نیشور' بھگتی کے موضوع پر ایک کامیاب تصویر تھی جس میں پر ہلادت کی ٹرک فوٹو گرافی کو بے حد پسند کیا گیا۔

شانتا رام کی اس زمانے کی سب سے اہم فلم '''پڑوسی'' تھی جس میں فرقہ وارانہ کشیدگی اور فسادات کے خلاف آواز اٹھائی گئی تھی۔ اس میں مسلم اداکار مظہر خاں نے ہندو ٹھاکر کا اور ہندو اداکار گجانن جاگیردار نے مسلمان مرزا کا رول اس خوبی اور فطری انداز میں ادا کیا تھا کہ لوگ اسے برسوں یاد کرتے رہے۔ نیز اس فلم کے فوٹوگرافر پر ہلادت نے اس میں بند کے ٹوٹنے کا آخری منظر اس حقیقت آمیز ڈھنگ سے فلمایا تھا کہ غیر ملکوں میں بھی اس کی تعریف کی گئی۔

اسی سال بھگوتی چرن ورما کے مشہور ناول ''چتر لیکھا'' کو کیدار شرما نے بڑے عمدہ پیرائے میں پیش کیا۔ اس میں مہتاب کی ''بحیثیت چتر لیکھا'' اداکاری لاجواب تھی۔ اور اس کی ایک خاصیت یہ تھی کہ اس

کے موسیقار جھنڈے خاں تھے اور انہوں نے اس کے سارے گیت راگ بھیروی میں صدا بند کئے تھے۔ بعدازاں ۱۹۶۴ء میں کیدار شرما نے اسے دوبارہ کلر میں بنایا مگر اس میں پہلے والی 'چتر لیکھا' والا تاثر نہیں تھا۔

اس زمانے کی ایک اور پیشکش ''خزانچی'' (پنچولی پروڈکشن) میں غلام حیدر نے موسیقی کے نئے تجربات کئے اور فلمی موسیقی کو کلاسیکیت سے ہٹا کر عوامی دھنوں سے قریب کر دیا۔ اس کا گانا ''ساون کے نظارے ہیں'' اور ''دیوالی پھر آ گئی سجنی'' بے حد مقبول ہوئے۔ ۱۹۴۶ء میں محبوب کی انمول گھڑی (نور جہاں، ثریا سریندر اور ظہور راجہ) اپنے گیتوں کی وجہ سے بے حد مقبول ہوئی۔ اسی برس شانتا رام نے ڈاکٹر کوٹنس کی ''امر کہانی'' ایسی بے نظیر فلم بنائی جس کی کہانی خواجہ احمد عباس کی انگریزی تخلیق



دھرتی کے لال کا منظر

The One Did Not Come Back پر مبنی تھی۔ ہدایت کار خواجہ احمد عباس کی ''دھرتی کے لال'' نے ہندوستانی فلموں کو حقیقت سے زیادہ قریب کیا۔ انڈین پیپلز تھیٹر ایسوسی ایشن کی جانب سے بنائی گئی اس تصویر میں مشہور اداکار بلراج ساہنی اور ان کی رفیقہ حیات دمینتی ساہنی نے ہیرو ہیروئن کا پارٹ ادا کیا تھا اس فلم کو روس اور کئی دیگر ممالک میں بے حد پسند کیا گیا۔ اسی برس چیتن آنند کی پیش کش ''نیچا نگر'' کو ۱۹۴۶ء کے کینس فیسٹی ول میں دکھایا گیا جہاں اسے تعریف و توصیف حاصل ہوئی۔ اس میں سرمایہ داری کے استحصال اور گاندھی واد کی مقبولیت کی اچھی حقیقت افروز تصویر پیش کی گئی تھی۔ اس میں مشہور اداکارہ کامنی کوشل پہلی بار پردے پر آئیں۔ ان کے علاوہ حمید بھٹ اور رفیق انور نے بھی اس میں اداکاری کی۔



پریم چند کے ناول پر مبنی ''رنگ بھومی'' کے علاوہ گیان جاگیردار نے جنہوں نے ''رام شاستری'' ایسی تصویر پیش کی تھی۔ ایک تاریخی فلم ''بیرم خاں'' بنائی، اور خود ہی بیرم خاں کا رول ادا کیا۔ اس میں ہیروئن تھی مہتاب۔ ۱۹۴۷ء میں کشور ساہو کی سیندور (ہیروئن شمیم) کو بھی بے حد پسند کیا گیا۔ یہ ہندوستان کی پہلی تصویر تھی جس کو سال کی بہترین فلم قرار دے کر سائن کوالٹی موشن پکچرز ایوارڈ دیا گیا۔ اس کے علاوہ راج کمل کی رام جوشی بھی ملک میں غیر معمولی طور مقبول ہوئی۔ اس میں مہاراشٹر کے عوامی گیتوں اور رقص کو بہت خوش اسلوبی سے فلمایا گیا تھا۔

فلم خزانچی نے لاہور کو فلموں کا ایک اہم مرکز بنا دیا اور اس کے علاوہ بمبئی میں بھی خزانچی طرز کی فلمیں بننے لگیں۔ بعد ازاں لاہور میں خاندان، زمیندار، پونجی، داسی اور شیریں فرہاد ایسی کامیاب فلمیں بنیں۔

واڈیا مووی ٹون کی انگریزی فلم 'کورٹ ڈانسر' ۱۹۴۱ء میں بننے والی ایک اہم تصویر تھی۔ ہندی میں اس کا نام ''راج نرتکی'' رکھا گیا۔ اگرچہ جنگ کی وجہ سے یورپ اور امریکہ میں اس کی نمائش نہ ہو سکی۔ تاہم ہندوستانی عوام نے اسے بہت پسند کیا— سادھنا بوس کے رقص اور پرتھوی راج کی اداکاری اس فلم کی جان تھی۔

دوسری جنگ عظیم کا آغاز تو ۱۹۳۹ء میں ہوا۔ لیکن اس کا اثر فلموں پر ۱۹۴۱ء میں بڑی شدت سے محسوس کیا گیا چونکہ خام مال اور فلموں کی برآمد میں مشکلات تھیں لہٰذا مارچ ۱۹۴۲ء میں فیچر فلم کی طوالت کی حد گیارہ ہزار فٹ اور ٹریلر کی حد ۴۰۰ فٹ مقرر کر دی گئی۔ اس کے بعد ۱۷ر جولائی ۱۹۴۳ء کی حکومت نے خام مال پر کنٹرول عائد کر دیا۔ جس کا نتیجہ کنٹرول کے زمانے میں بننے والی فلموں پر پڑا اور ان کا معیار گر گیا۔ یہ پابندی ۱۵ر دسمبر ۴۵ء تک لاگو رہی۔ اس بحرانی دور میں فلموں کی تعداد میں کمی واقع ہوئی نیز مقبول فلموں نے اس عرصہ میں جوبلیاں منائیں۔ بمبئی ٹاکیز کی ''قسمت'' جس کی کہانی پرمیندر مترا نے تحریر کی تھی، بڑی مقبول ہوئی اور ایک سینما پر دو سال سے زائد چل کر اس نے ہندوستانی فلموں کا ریکارڈ توڑ دیا۔ اسی طرح شکنتلا (چندر موہن جے شری) بھی ایک سینما پر دو سال تک چلتی رہی۔ قسمت اور شکنتلا کے علاوہ رنجیت کی تان سین (سہگل، خورشید) رام راجیہ (پریم ادیب، شوبھنا سمرتھ) پرتھوی ولبھ (سہراب مودی۔ درگا کھوٹے) اس بحرانی دور کی مقبول فلمیں تھیں۔

۱۹۴۵ء میں جب ملک میں فرقہ وارانہ کشیدگی بڑھ رہی تھی، ہدائت کار کے آصف نے ہندو مسلم اتحاد پر ملٹی اسٹار فلم ''پھول'' بنائی جس میں ثریا نے پرتھوی راج کپور کی ہندو بہن کا کردار ادا کیا تھا۔ اسے ملک کی پہلی ملٹی اسٹار فلم کہا جاتا ہے جس میں پرتھوی راج کپور، وینا، ثریا، ستارہ دیوی، درگا کھوٹے، یعقوب، واسطی، مظہر خاں، جلو بائی، ڈکشت، اشرف خاں، آغا اور ایم اسمٰعیل ایسے متعدد نامور ستارے ایک ساتھ پیش کئے گئے تھے۔

۱۹۴۶ء میں اے آر کاردار کی یادگار فلم ''شاہجہان'' دیکھنے کو ملی جو پہلی گیوا کلر فلم تھی اور جس میں کندن لال سہگل، راگنی، رحمان، نسرین وغیرہ اہم اداکار تھے۔ اس فلم میں سہگل کے گانوں نے عوام کا دل جیت لیا اور گلی گلی میں، ......ہم جی کے کیا کریں گے جب دل ہی ٹوٹ گیا...... چاہ برباد کرے گی ہمیں معلوم نہ تھا، گونجنے لگے۔ اس فلم کو غیر معمولی کامیابی نصیب ہوئی۔

جنگ کے خاتمے کے بعد فرقہ وارانہ فسادات اور پھر اس کے بعد ہندوستان کی تقسیم کے بعد فلمی

صنعت کو مزید بحران کا شکار ہونا پڑا۔ ملک میں اس وقت ۲۳۰۲ سینما گھر اور ۱۵۵ اسٹوڈیو تھے جن میں سے ۲۳۰ سینما گھر اور ۱۴ اسٹوڈیو پاکستان میں رہ گئے ۔ ممتاز شانتی ، خورشید ، سورن لتا ، نور جہاں ، راگنی ، شمیم ایسی مشہور مقبول ایکٹرسیں اور نذیر ، غلام محمد شاہنواز ، ایم اسمٰعیل اور صادق علی ایسے مقبول اداکار اور شوکت حسین رضوی ، فضلی ، ایس ایف حسنین ، ڈبلیو زیڈ احمد ایسے ہدایت کاروں کے علاوہ غلام حیدر ایسے میوزک ڈائرکٹر سے بھی ہندوستان محروم ہو گیا ۔ علاوہ ازیں مشرقی بنگال پنجاب سندھ ، بلوچستان اور صوبہ سرحد کی ۸ کروڑ آبادی کے الگ ہو جانے سے ہندوستانی فلموں کا حلقہ بھی پہلے سے محدود ہو گیا ۔ جس سے عارضی طور پر فلمی صنعت کی آمدنی میں غیر معمولی کمی واقع ہوگئی ۔

۱۹۴۷ء فلمی دنیا کے لئے انتہائی منحوس تھا ۔ اسی برس ۱۸ جنوری کو دنیائے فلم کے عظیم اداکار کندن لال سہگل ایک طویل علالت کے بعد اس عالم فانی سے رحلت کر گئے ۔ ان کی موت سے ہندوستان ایک ایسے گلوکار سے محروم ہو گیا جس کی سحر انگیز آواز سے کروڑوں افراد اپنی روحانی غذا حاصل کرتے تھے اور جنہیں سُن کر آج بھی ہم پر وجد طاری ہو جاتا ہے ۔

اور پھر اس زمانے میں نمودار ہوئے راج کپور جو پہلی دفعہ بمبئی ٹاکیز کی ہماری بات (جے راج ۔ دیوکا رانی) میں معمولی رول میں آئے تھے ۔ بعد میں اداکار و ہدایت کار کے روپ میں انہوں نے ایک اہم مقام حاصل کر لیا ۔ آر کے فلمز کی فلمیں ' آگ ' ' برسات ' ' آوارہ ' مقبول عام ہوئیں اور ایک نیا فلمی مزاج پیدا ہوا جس کی انتہا ۱۹۵۷ء میں ' جاگتے رہو ' تھی جسے کارلووی ویری میں اعلیٰ ترین انعام ملا ۔

۱۹۴۸ء میں جیمنی کی شہرت یافتہ تصویر '' چندر لیکھا '' منظر عام پر آئی جسے غیر معمولی پبلسٹی نے ملک میں نمائش سے پیشتر ہی مقبول بنا دیا تھا ۔ اس فلم کے بعد جنوبی ہندوستان کے فلم ساز ہندی فلمیں بنانے لگے ۔ اور انہوں نے کئی کامیاب تصاویر پیش کیں ۔

اسی برس اودے شنکر بھٹ کی بیلے پر مبنی تجرباتی فلم '' کلپنا '' پیش کی گئی ، جس کے گانے ہندی کے مشہور و معروف شاعر سمترا نندن پنت نے تحریر کئے تھے ۔ یہ ایک اعلیٰ پائے کی تصویر تھی لیکن سادھنا بوس اور اودے شنکر کے عمدہ رقص کے باوجود اسے عوام نے پسند نہ کیا اور یہ فلم ناکام ہوگئی ۔

انہی دنوں ہدایت کار رمیش کول کی تصویر '' گوپی ناتھ '' بھی دیکھنے کو ملی جس میں راج کپور کی اداکاری اپنے عروج پر تھی ۔ اس فلم کی کہانی بہت ہی دردناک تھی اور بے حد متاثر کرنے والی ۔ اس میں راجکپور کے علاوہ لینا (گوپ کی اہلیہ) اور ترپتی مترا نے بھی کام کیا تھا ۔

ان کے علاوہ سرت چندر چٹرجی کے ناول '' پتھ کے دعویدار '' پر مبنی '' سویہ ساچی (بیرا پریش اور کمل) اور رابندر ناتھ ٹیگور کے ناول '' ناؤ کا ڈوبی پر مبنی فلم '' ملن '' (دلیپ کمار ، میرا ، رنجنا) بھی اچھی فلمیں تھیں ۔

کیدار شرما کی سہاگ رات (گیتا بالی۔ بھارت بھوشن) بھی اسی برس دیکھنے کو ملی۔ اس میں گیتا بالی کے حسن اور عمدہ اداکاری نے اسے صف اول کی اداکارہ بنا دیا۔

ان ہی دنوں فلم اسٹار شیام، منور سلطانہ کے ساتھ فلم ''مجبور'' میں ہیرو کی حیثیت سے پیش ہوئے یہ ایک مسلمان نوجوان اور ہندو لڑکی کے عشق کی دردناک کہانی تھی۔ اس فلم کے گیت پریم دھون نے لکھے تھے اور اس میں پہلی بار لتا منگیشکر نے پلے بیک گیت گائے تھے۔ اسی سال پہلی غیر ملکی بالی ووڈ کی فلم ''تھیف آف بغداد'' کو ہندی میں ڈب کر کے ہندوستانی عوام کے لئے پردہ اسکرین پر پیش کیا گیا، جو بڑی کامیاب رہی۔



۱۹۴۹ء کی قابل ذکر تصاویر میں کمال امروہوی کی فلم ''محل'' کو خاص مقام حاصل ہے۔ اس کی پراسرار کہانی اور دلکش گیتوں نے عوام پر جادو سا کر دیا اور اسے بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ مدھو بالا کو اس فلم نے بام شہرت پر پہنچا دیا اور اسے ہندوستانی فلموں کی وینس کہا جانے لگا۔ اسی سال سنسر شپ کو صوبائی حکومتوں کی بجائے مرکزی حکومت کے تحت لایا گیا۔

۱۹۴۲ء میں جنگ کے پیش نظر برطانوی حکومت نے انڈین مووی نیوز نام سے خبریں پیش کرنے کا سلسلہ شروع کیا جنہیں فلموں کو ہر فیچر کے ساتھ دکھانا لازمی قرار دیا گیا۔ مگر جنگ کے خاتمے کے بعد اسے بند کر دیا گیا۔ ۱۹۴۸ء میں اس کی از سر نو بنیاد رکھی گئی اور اس کا نام فلمز ڈویژن رکھا گیا۔

۱۹۵۰ء کی اعلیٰ فلموں میں کیدار شرما کی ''جوگن'' کو خاص مقام حاصل ہے۔ کیدار شرما کی ہدایت کاری، نرگس اور دلیپ کی اداکاری اور میرا کے بھجنوں نے اس فلم کو بڑی گہرائی عطا کی اور اس فلم میں عشق و روحانیت کے جذبے نے فلم بینوں پر عجیب و غریب تاثرات چھوڑے۔ اسی برس ہدایت کار چیتن آنند نے روسی ادیب گوگول کی تصنیف انسپکٹر جنرل پر مبنی تصویر ''افسر'' کی تخلیق کی جس میں دیو آنند اور ثریا اہم اداکار تھے اور اس میں فلمائے گئے بوس و کنار کے مناظر کا خوب چرچا رہا۔

ہدایت کار نتن بوس نے بنکم چندر چٹرجی کے ناول پر مبنی فلم ''مشعل'' (اشوک کمار) پیش کی جس کی دلچسپ کہانی اور رسیلے گیتوں نے اسے ایک عمدہ تصویر بنا دیا۔ ان ہی دنوں بمل رائے نے نیو تھیٹر کے لئے ''پہلا آدمی'' کی ہدایت کاری کے فرائض انجام دیئے جس کی کہانی مشہور اداکار نذیر حسین کے زور قلم کا نتیجہ تھی۔

اسی برس مشہور ادیب اور سیاسی رہنما مینو مسانی کی تصنیف Our India کو جرمن ہدایت کار پال زلز نے ''ہمارا ہندوستان'' کے نام سے فلمایا۔ اس فلم میں اس دور کے متعدد ممتاز اداکاروں مثلاً پرتھوی راج کپور، جے راج، دیو آنند، سریندر، پریم ناتھ، ڈیوڈ، کے این سنگھ، درگا کھوٹے اور للتی جیونت نے کام کیا تھا۔ مگر فلم کامیاب نہ ہوئی ــــ

اسی برس ہدائت کار'کے بی لال' کی فلم ''ہنستے آنسو'' بھی ریلیز ہوئی جس میں مدھو بالا، موتی لال اور گوپ اہم اداکار تھے۔ یہ ہندوستان کی پہلی فلم تھی جسے سنسر بورڈ نے 'A' سرٹی فکیٹ دے کر اس کی نمائش نابالغوں کے لئے ممنوع قرار دے دی تھی اور جسے صرف بالغ ہی دیکھ سکتے تھے۔

۱۹۵۱ میں ہدایت کار ضیاء سرحدی کی تصویر ''ہم لوگ'' (بلراج ساہنی، نوتن، انور) نے فلم بینوں کو بے حد متاثر کیا۔ اس میں ایک متوسط گھرانے کی دکھ بھری کہانی بیان کی گئی تھی۔ اس فلم کی مقبولیت کے بعد ضیاء سرحدی نے ''فٹ پاتھ'' (دلیپ کمار، مینا کماری، انور حسین) پیش کی۔ مگر اسے ''ہم لوگ'' جیسی شہرت نہ مل سکی۔

اسی برس 'ہم لوگ'' سے زیادہ راجکپور کی فلم ''آوارہ'' کو غیر معمولی شہرت و تشہیر حاصل ہوئی اور ہندوستان کے علاوہ غیر ممالک میں بھی اسے بے حد پسند کیا گیا۔ اس کے گیت مدتوں عوام کی زبان پر رہے خصوصاً ''آوارہ ہوں، یا گردش میں ہوں آسمان کا تارہ ہوں''۔

۱۹۵۲ء میں محبوب کی فلم ''آن'' (دلیپ کمار، نمی، نادرہ، اور پریم ناتھ) نمائش کے لئے پیش کی گئی ــــ ہندوستان کی پہلی ٹیکنی کلر تصویر ہونے کی وجہ سے نمائش سے پہلے ہی اس کا چرچا شروع ہو گیا تھا اور اسے اچھی کامیابی نصیب ہوئی۔ اسی برس چیتن آنند کی فلم ''آندھیاں'' (دیوانند، نمی، کلپنا کارتک، درگا کھوٹے، کے این سنگھ) بھی پسندیدگی کی نظر سے دیکھی گئی۔ اس فلم کی خاص خصوصیت اُستاد علی اکبر خاں کے گائے گیت تھے۔ اسی سال وجے بھٹ کی تصویر ''بیجو باورا'' (مینا کماری، بھارت بھوشن، سریندر) نے بھی موسیقی کی تاریخ میں ایک ریکارڈ قائم کیا اور یہ فلم اپنی دلکش موسیقی کی بدولت ہٹ ثابت ہوئی۔

ان ہی دنوں کلکتہ سے کرتک چیٹر جی کی ''یاترک'' دیوکی بوس کی ''رتن دیپ'' (ابھی بھٹاچاریہ) کالی پرشاد گھوش کی ''ودیا ساگر'' (پہاڑی سانیال، اہندو چودھری چھبی وشواش مولینا) جیسی تصویریں پیش کی گئیں۔ ''یاترک'' پربودھ کمار سانیال کے 'مہا پرشانت ساگر' پر مبنی فلم تھی جس میں ہیرو (وسنت چودھری) سکون کی تلاش میں مختلف تیرتھ استھانوں میں گھومتا پھرتا ہے لیکن اسے کہیں بھی من کی شانتی نصیب نہیں ہوتی۔

ان ہی دنوں ماڈرن تھیٹر نے ایک امریکن پروڈیوسر کے اشتراک سے انگریزی فلم ''جنگل'' کی تخلیق کی جس میں غیر ملکی اداکاروں نے کام کیا تھا۔ ان کے علاوہ ایس چکرورتی کی داغ (دلیپ کمار، نمی، اوشا کرن) اور آنند مٹھ (پرتھوی راج، پردیپ کمار، گیتا بالی) بھی اس سال کی قابل ذکر تصویریں تھیں۔

۱۹۵۳ء میں سہراب مودی کی لاکھوں روپے خرچ کر کے تیار کی گئی ٹیکنی کلر ''جھانسی کی رانی'' منظر عام پر آئی لیکن اسے ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔

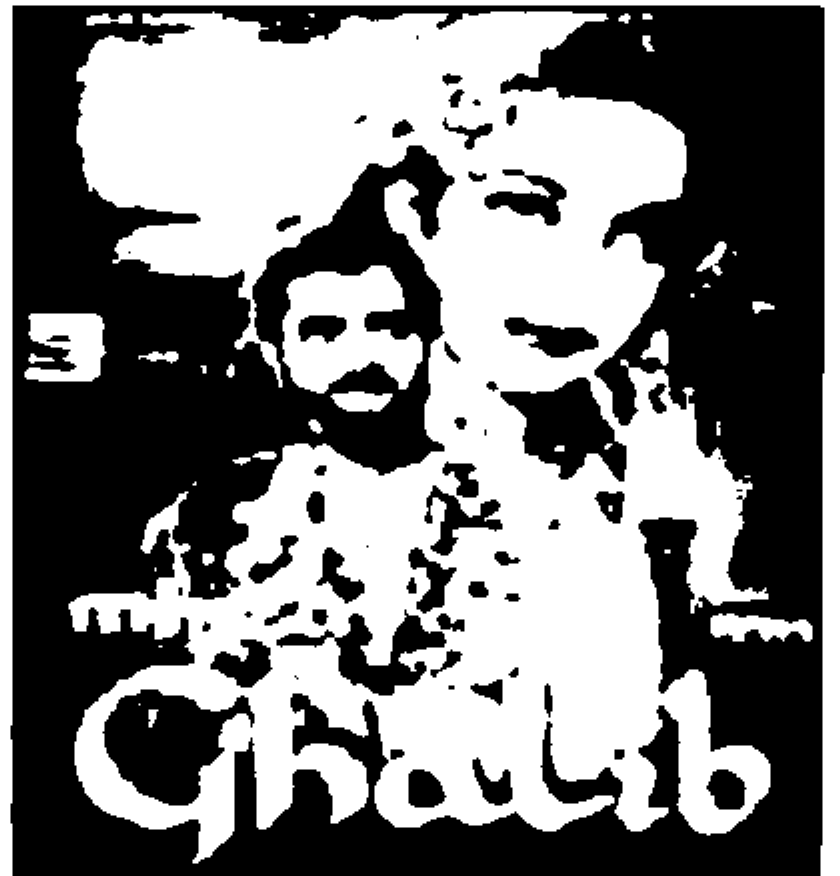

دو بیگھہ زمین کا منظر

اس سال کی سب سے زیادہ قابل ذکر فلم بمل رائے کی ''دو بیگھہ زمین'' تھی۔ اس تصویر میں نہ اداکاری میں کہیں تصنع تھا اور نہ کہانی میں۔ اسے اندرون ملک ہی نہیں بیرون ملک بھی پسند کیا گیا اور اسے کئی اعزازات سے نوازا گیا۔

اسی سال خواجہ احمد عباس کی ڈائریکشن ملک راج آنند کے انگریزی ناول Three Leaves and a Bud پر مبنی فلم ''راہی'' اور آر کے نرائن کے ناول ''مسٹر سمپت'' پر مبنی فلمیں توجہ کا مرکز بنی رہیں۔ ''مسٹر سمپت'' میں ہیرو موتی لعل تھے اور انہوں نے اپنی عمدہ اداکاری سے عوام کو بے حد محظوظ کیا تھا۔

شرت چندر چٹر جی کی تخلیقات پر بھی اس سال تین قابل تعریف و تحسین فلمیں چھوٹی ماں (پہاڑی سانیال، میرا مشرا، شکور، مولینا دیوی) ''شکست'' (اشوک کمار، نلنی جیونت) اور ''پرنیتا'' فلمائی گئیں۔ پرنیتا میں مینا کماری اور اشوک کمار کے رول کو بے حد پسند کیا گیا۔

اسی برس عذرا میر نے انگریزی میں ہندوستان کی پہلی گیوا کلر فلم ''پاپوش'' کشمیر میں رہ کر تخلیق کی۔ ۱۹۵۴ء میں سہراب مودی نے اردو کے عظیم شاعر مرزا اسد اللہ خاں غالب کی زندگی سے متعلق فلم ''میرزا غالب (بھارت بھوشن، ثریا الیاس، نگار سلطانہ) پیش کی۔ اس میں پیش کی گئی غزلوں کو بھی بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ اور اسے بڑا پسند کیا گیا اور ۱۹۵۵ء میں حکومت ہند نے اسے گولڈ میڈل سے بھی نوازا۔



اسی برس خواجہ احمد عباس کی فلم ''منا'' بھی دیکھنے کو ملی۔

یہ ایک ایسی تجرباتی فلم تھی جس میں کوئی گیت نہیں تھا۔ دراصل یہ جاپانی فلم 'یوکی وارسو' سے متاثر ہوکر بنائی گئی تھی۔ اس فلم کی نسبت ہدایت کار پرکاش اروڑہ کی بوٹ پالش'' (بے بی ناز، رتن کمار اور ڈیوڈ) اپنے مدھر اور رسیلے گیتوں کی وجہ سے زیادہ پسند کی گئی۔ ان دو تصاویر کے علاوہ بچوں سے متعلق ہدایت کار ستن بوس کی فلم ''جاگرتی'' بھی منظر عام پر آئی۔ اس فلم کی بامقصد کہانی اور قومی جذبات سے پُر پردیپ کے گیتوں نے اسے ہر جگہ کامیابی سے دوچار کیا، حتیٰ کہ پاکستان میں اس کی نقل کی گئی اور اسے ''بیداری'' کے نام سے پیش کیا گیا۔ اسی دوران ہدایت کار چیتن آنند کی فلم ''ٹیکسی ڈرائیور'' بھی سینما بینوں کی توجہ کا مرکز بنی جس کا گانا ''جائیں تو جائیں کہاں'' بے حد مقبول ہوا۔ ۱۹۵۴ء میں حکومت نے بچوں کی فلمیں بنانے کے لئے چلڈرن فلم سوسائٹی کی بنیاد رکھی جو آج تک ۱۴۱ فیچر فلمیں ۴۵۔ انیمیشن فلمیں، نو کٹھ پتلی فلمیں اور باون مختصر دستاویزی فلمیں تخلیق کر چکی ہے۔ جن میں سے کئیوں کو ملکی اور غیر ملکی انعامات بھی مل چکے ہیں۔

۱۹۵۵ء میں ''دیوداس'' اور ''شری ۴۲۰'' کے علاوہ راجندر سنگھ بیدی کی فلم ''گرم کوٹ (بلراج ساہنی نروپا رائے جینت) نے فلم بینوں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ ''دیوداس'' جسے اس سے پیشتر ہدایت کار پی سی بروا نے پیش کیا تھا، اس بار اُن کے اسسٹنٹ بمل رائے نے دوبارہ پردۂ اسکرین کی زینت بنایا اور اس میں دلیپ کمار نے دیوداس کا رول قابل تحسین انداز سے نبھایا تھا اور پارو کا کردار سچترا سین نے اور چندرمکھی کا وجینتی مالا نے ادا کیا تھا۔ راجکپور کی فلم ''شری ۴۲۰'' بھی اس سال کی ایک یادگار فلم تھی جس میں راجکپور اور نرگس ہیرو ہیروئن تھے اور نادرہ بطور ویمپ نمودار ہوئی تھی۔ فلم کا گیت 'میرا جوتا ہے جاپانی......' عوام میں بڑا مقبول ہوا اور اس کا شمار حب الوطنی سے بھرپور گانوں میں ہونے لگا۔ اگرچہ ''گرم کوٹ'' کو زیادہ کامیابی نہیں ملی تاہم یہ حقیقت پر مبنی ایک عمدہ فلم تھی۔ اسی برس ستن بوس کی فلم 'پریچے' اپنی عمدہ کہانی کی وجہ سے لوگوں کو پسند آئی۔ یہ ایک ایسی گونگی لڑکی کی کہانی تھی جس سے ہیرو غلط فہمی میں شادی کر لیتا ہے۔ اس میں 'پرنیتی گھوش نے گونگی لڑکی کا کردار ادا کرنے میں کمال کر دیا تھا۔



۱۹۵۶ء میں وی شانتا رام کی ٹیکنی کلر 'جھنک جھنک پائل باجے (سندھیا، گوپی کرشن) ستن بوس کی بندش (اشوک کمار، مینا کماری، ڈیزی ایرانی) ہیم

چندر کی "بندھن" (پردیپ کمار، موتی لعل، اور مینا کماری) اور امیہ چکرورتی کی "سیما" (نوتن، بلراج ساہنی) خصوصاً قابل ذکر ہیں۔ "جھنک جھنک پائل باجے" کی کمزور کہانی کے باوجود، اس کے مسحور کن رقص، گلش رنگ اور وجد آفریں موسیقی نے اسے اعلیٰ پائے کی تصویر بنا دیا اور ۱۹۵۷ء میں اسے سلور میڈل عطا کیا گیا۔

۱۹۵۷ء میں بھی شانتا رام کی جرائم پیشہ قیدیوں پر بنائی گئی تصویر "دو آنکھیں بارہ ہاتھ" نے ملک کے باشعور طبقے کو جھنجوڑ دیا۔ یہ ایک ایسے جیلر کی کہانی تھی جو خطرناک جرائم پیشہ قیدیوں کو سدھارنے کی کامیاب کوشش کرتا ہے۔ اس میں جیلر کا کردار خود شانتا رام نے انجام دیا تھا اور اس کے دیگر اداکاروں میں سندھیا، اور الہاس شامل تھے۔ گاندھیائی فلسفے پر مبنی اس فلم کو حکومت ہند نے طلائی تمغے سے سرفراز کیا تھا اور یہ پہلی ہندوستانی فلم تھی جسے گولڈن گلوب کے اعزاز سے نوازا گیا۔ علاوہ بریں کارلووی ویری اور برلن کے فلمی میلوں میں بھی اسے بڑا سراہا گیا۔



۱۹۵۷ء میں ہی محبوب خاں کی زیر ہدایت بنی فلم "مدر انڈیا" منظر عام پر آئی جس میں نرگس اور سنیل دت پہلی بار جلوہ گر ہوئے تھے اور نرگس نے سنیل دت کی ماں کا رول نبھایا تھا۔ اس میں راجکمار نے نرگس کے شوہر کا رول کیا تھا اور اس میں کنہیا لال کی اداکاری لاجواب تھی۔ اس کی قابل ذکر بات یہ تھی کہ اس سے پیشتر محبوب خاں کی فلم "عورت" میں بھی کنہیا لال نے بنئے کا رول نبھایا تھا۔

ہدایت کار گورو دت کی فلم "پیاسا" بھی اس سال کی قابل ذکر فلموں میں سے تھی جس میں ساحر لدھیانوی کے گیتوں کو ایس ڈی برمن کی موسیقی نے چار چاند لگا دیئے تھے۔ اس میں گیتا دت اور محمد رفیع کی آواز میں ریکارڈ کئے گئے گیت یہ کوچے یہ بازار، سر جو تیرا چکرائے، جانے کیا تم نے کہی جانے کیا، آج بھی لوگ نہیں بھولے۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ ساحر لدھیانوی کی زندگی پر مبنی کہانی پر فلمائی گئی تھی۔


دلیپ کمار اور وجینتی مالا نیا دور میں

اسی سال ہدایت کار بی آر چوپڑہ کی دلیپ کمار، وجینتی مالا اور اجیت کو لے کر بنائی گئی فلم "نیا دور" بڑی مقبول ہوئی اور اس کے گیتوں نے تو ملک بھر میں

دھوم مچادی، خاص کر'' یہ دیس ہے ویر جوانوں کا...... اور اُڑیں جب جب زلفیں تیری' نے تو عوام کو مسحور کر دیا تھا اور یہ گیت آج بھی لوگ نہیں بھولے۔

اسی سال شمبھومترا اور امت میوترا نے مشترکہ ہدایت کاری کے فرائض سرانجام دے کر بنگلہ اور ہندی میں معرکتہ الآرا تصویر'' جاگتے رہو'' پیش کی جسے راج کپور کی بطور اداکار بہترین تصویروں میں شمار کیا جاتا ہے۔فنی اعتبار سے یہ ایک اعلیٰ پائے کی تصویر تھی جس میں ایک وسیع وعریض عمارت کے اندر ہونے والے حالات کی روشنی میں شہری سماج کی زندگی پر طنز کیا گیا تھا۔

اور پھر اسی تاریخی سال روس اور بھارت کے فن کاروں کے اشتراک سے فلم'' پردیسی'' کی تخلیق ہوئی جس میں روسی اداکارا ولیگ سنکر اجنیف کے علاوہ نرگس بلراج ساہنی، پرتھوی راج، جے راج اور پدمنی نے کام کیا تھا۔فلم ہندوستان میں آنے والے پہلے روسی سیاح افناسی کی ہندوستان کی آمد اور سیاحت سے متعلق تھی یہ ہندوستان کی پہلی تصویر تھی جسے Scope Precess and Colour میں بنایا گیا تھا۔

اسی برس عصمت چغتائی کی کہانی پر مبنی فلم'' سونے کی چڑیا'' دیکھنے کو ملی۔شاہد لطیف کی ہدایت کاری اور نوتن اور بلراج ساہنی کی اداکاری نے فلم کو اعلیٰ درجے کی تصویر بنادیا تھا۔ اس میں ایک ایکٹرس کی زندگی کی بڑے اچھے ڈھنگ سے عکاسی کی گئی تھی۔

رمیش سہگل نے اس سال دوستوسکی کے ناول پر مبنی فلم'' پھر صبح ہوگی'' فلمائی۔جس میں راج کپور، مالا سنہا، اور رحمان اہم اداکار تھے۔اس کی دردناک اور اچھوتی کہانی، راج کپور کی اداکاری، رمیش سہگل کی ہدایت کاری اور ساحر کے گیتوں نے اسے بڑی پُرتاثیر اور دلچسپ تصویر بنادیا۔ ۱۹۵۸ء میں فلم '' چلتی کا نام گاڑی ہے'' منظر عام پر آئی جس میں کشور کمار کے مدِمقابل مدھوبالا ہیروئن تھیں اور اس میں کشور کمار کے دونوں بھائیوں اشوک کمار اور انوپ کمار نے بھی اداکاری کی تھی۔ یہ ایس ڈی برمن کی ایک کامیاب فلموں میں سے ہے۔اور اس میں کشور کمار نے کئی گانے آشا بھونسلے کے ساتھ گائے تھے ...... '' ایک لڑکی بھیگی بھیگی سی'' اور'' منو تیرا ہوا اب میرا کیا ہوگا'' ایسے گانے فلم بینوں میں بے حد مقبول ہوئے۔اسی سال بمل رائے کی ہدایت میں بنی فلم'' مدھومتی'' پردہ اسکرین پر پیش کی گئی جسے مذکورہ سال فلم فیئر کے متعدد ایوارڈوں سے نوازا گیا۔ پنر جنم پر مبنی اس کہانی میں دلیپ کمار اور وجینتی مالا اہم کردار تھے۔

۱۹۵۹ء میں بمل رائے کی چھوت چھات کے خلاف بنائی گئی قابل تعریف تصویر'' سجاتا'' کا چرچا رہا۔اس کی ہدایت کاری اور موسیقی لاجواب تھی۔اور اسے باشعور طبقے نے بے حد پسند کیا۔

اسی سال ہدایت کار کرشن چوپڑہ نے پریم چند کی کہانی پر مبنی'' ہیرا موتی'' (بلراج ساہنی ،نروپا رائے، شوبھا کھوٹے) پیش کی جسے عام سطح سے ہٹ کر اعلیٰ معیار کی فلم قرار دیا گیا۔ ان کے علاوہ

خواجہ احمد عباس کی چار دل چار راہیں'' — امیہ چکرورتی کی ''اناڑی'' (راج کپور، نوتن، للتا پوار) جیمنی کی ''پیغام'' (دلیپ کمار، وجینتی مالا) بی آر چوپڑہ کی ''دھول کا پھول'' (مالا سنہا، راجندر کمار) اور دیویندر گوئل کی ''چراغ کہاں روشنی کہاں'' (مینا کماری، راجندر کمار اور مینو ممتاز) بھی قابل ذکر تصاویر تھیں۔ اسی سال فلم ''گونج اٹھی شہنائی'' (راجندر کمار، امیتا، انیتا گوہا اور آئی ایس جوہر) بھی دیکھنے کو ملی جو پہلی فلم تھی جس میں ڈائرکٹر وجے بھٹ کے بے حد اصرار پر بھارت رتن بسم اللہ خان صاحب نے شہنائی بجائی تھی۔ اس فلم میں وسنت ڈیسائی نے میوزک دیا تھا جو بڑا مقبول ہوا۔

گرودت کی ''کاغذ کے پھول'' بھی اسی سال نمائش کے لئے پیش کی گئی۔ یہ ہندوستان کی پہلی سینما سکوپ فلم تھی۔ گرودت کی اعلیٰ ہدایت کاری اور وحیدہ رحمان کی عمدہ اداکاری کے باوجود اسے کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ ہاں اس میں کیفی اعظمی کا تحریر کردہ گیت ''وقت نے کیا کیا حسیں ستم'' لوگ آج بھی نہیں بھولے۔

اسی سال امرجیت اور دیوآنند کی مشترکہ ہدایت میں بنی فلم ''ہم دونوں'' دیکھنے کو ملی جس میں دیوآنند نے ڈبل رول ادا کیا تھا۔ اور جسے پچاس سال بعد کمپیوٹر کی مدد سے رنگین بنا کر بھی پیش کیا گیا۔ اس میں جے دیو کی موسیقی نے بھی اس کی کامیابی میں اہم کردار نبھایا تھا۔

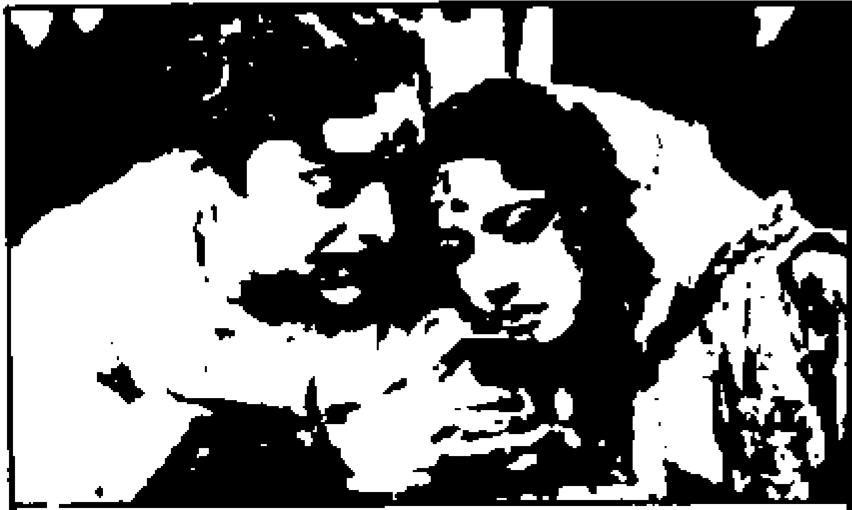
اگرچہ ۱۹۶۰ء سے پہلے بھی انارکلی اور شہزادہ سلیم کے عشق سے متعلق متعدد تصاویر بن چکی تھیں لیکن کے آصف کی ''مغل اعظم'' نے گزشتہ تمام ریکارڈ توڑ دیئے۔ فلم میں دلیپ کمار، مدھو بالا، پرتھوی راج کپور اور درگا کھوٹے اہم اداکار تھے اور نوشاد کی موسیقی نے اس کے بعض گیتوں کو سدا بہار بنا دیا تھا۔ اس فلم کو دیکھنے کے لئے فلم بین سنیما ہالوں پر ٹوٹ پڑے اور اس کے گیت ''پیار کیا تو ڈرنا کیا'' کو بے حد مقبولیت حاصل ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ چونکہ مدھو بالا کو رقص نہیں آتا تھا لہٰذا مشہور ڈانسر گوپی کرشن نے کاسٹیوم پہن کر ان کی جگہ ڈانس کیا تھا۔ یہ ہندوستان کی پہلی فلم تھی جس کے مکالموں اور کہانی کا آڈیو کیسٹ پہلی بار تیار کیا گیا تھا جسے ملک کے عوام نے بے حد پسند کیا۔



رشی کیش مکرجی کی ''انورادھا'' کو ۱۹۶۰ء کی بہترین تصویر کا ایوارڈ ملا تھا۔ اس میں لیلا نائیڈو، بلراج ساہنی اہم اداکار تھے۔ ستار نواز روی شنکر کی موسیقی اس فلم کی ایک خاص خاصیت تھی۔ اس میں ایک ایسی خاتون کی دردآمیز تصویر پیش کی گئی تھی جو اپنے رفیق حیات کی خوشنودی کے لئے اپنی زندگی

سے عزیز موسیقی کو بھی ترک کر دیتی ہے۔اسی طرح کی ایک دوسری تصویر بمل رائے کی ''پرکھ'' بھی اسی سال پیش کی گئی جس میں جدید انتخابات اور اس میں استعمال کیے جانے والے حربوں پر بہت تیکھا طنز تھا۔

۱۹۶۱ء میں رابندر ناتھ ٹیگور کی شہرہ آفاق کہانی ''کابلی والا'' کو ہدایت کار بمل رائے نے سلولائیڈ پر اُتارا۔اس فلم میں بلراج ساہنی نے کابلی والا کا رول بڑی عمدگی سے ادا کیا تھا۔ اس کے علاوہ شانتارام کی استری، نتن بوس کی ''گنگا جمنا'' بی آر چوپڑہ کی ''دھرم پتر'' بھی اس سال کی قابل دید تصاویر تھیں۔ ''دھرم پتر'' فرقہ وارانہ فسادات پر ایک زبردست طنز تھا اور فلم کا مقصد ہندو مسلم اتحاد تھا۔


مینا کماری اور رحمان فلم صاحب بی بی اور غلام میں

۱۹۶۲ء میں ہدایت کار ابرار علوی کی ''صاحب بی بی اور غلام'' کی ملک میں بڑی دھوم مچی۔اس فلم کی کہانی برطانوی راج میں بنگال میں انحطاط پذیر جاگیردارانہ نظام پر مبنی تھی۔گورودت، مینا کماری اور وحیدہ رحمان کی عمدہ اداکاری ہیمنت کمار کی موسیقی اور دل کش گیتوں اور عمدہ کہانی نے اسے انتہائی بلند پایہ تصویر بنا دیا تھا جسے بے حد پسند کیا گیا۔اسی طرح ہدایت کار بھیم سنگھ کی ''میں چپ رہوں گی'' میں مینا کماری کی اداکاری قابل تعریف تھی۔فنی مجمدار کی آرتی (اشوک کمار مینا کماری، پردیپ کمار، ششی کلا) ہیرن ناگ کی ''بیس سال بعد'' (بسواجیت، وحیدہ رحمان، مدن)اور ہدایت کار رام کمار کی رنگولی (کشور کمار، وجینتی مالا، درگا کھوٹے، نذیر حسین) محبوب خاں کی ''سن آف انڈیا'' (ساجد، کم کم، کمار، جنیت) اور مہیش کول کی ''سوتیلا بھائی'' (گورودت، پرنیتی بھٹا چاریہ، راجکمار) بھی اس سال کی قابل ذکر تصاویر تھیں۔ خواجہ احمد عباس کی ''شہر اور سپنا'' کو سال کی بہترین فلم قرار دیتے ہوئے حکومت ہند نے طلائی تمغے سے نوازا تھا۔


بندنی میں نوتن اور اشوک کمار

بمل رائے کی ''بندنی'' میں نوتن نے ایک مجرم عورت کا رول بڑی عمدگی سے نبھایا تھا اور اس کی عمدہ اور بامقصد کہانی، مسحور کن گیتوں اور ایس ڈی برمن کی موسیقی نے اسے چار چاند لگا دیئے تھے۔

دل ایک مندر (راج کمار، مینا کماری اور راجندر کمار، محمود، شوبھا کھوٹے) ایک بڑی جذباتی اور المناک کہانی پر مبنی تصویر تھی۔جس میں مینا کماری اور راج کمار کی اعلیٰ پایہ کی اداکاری نے فلم بینوں پر گہرے تاثرات چھوڑے تھے۔

ان ہی دنوں ہدایت کار موہن بھنا چاریہ نے "مجھے جینے دو" (سنیل دت، وحیدہ رحمان، نرو پارائے، درگا کھوٹے) پیش کی جس کی کہانی کا مقصد ڈاکوؤں کو بھی اچھی زندگی گزارنے کا موقع عطا کرنا تھا۔ ہدایت کار جیمز آئیوری نے اس برس گھر بار پیش کی۔ جسے House Holder کے نام سے انگریزی میں فلمایا گیا۔ اس کے موسیقار استاد علی اکبر خاں تھے۔ یہ فلم کئی لحاظ سے روایتی فلموں سے ہٹ کر تھی۔

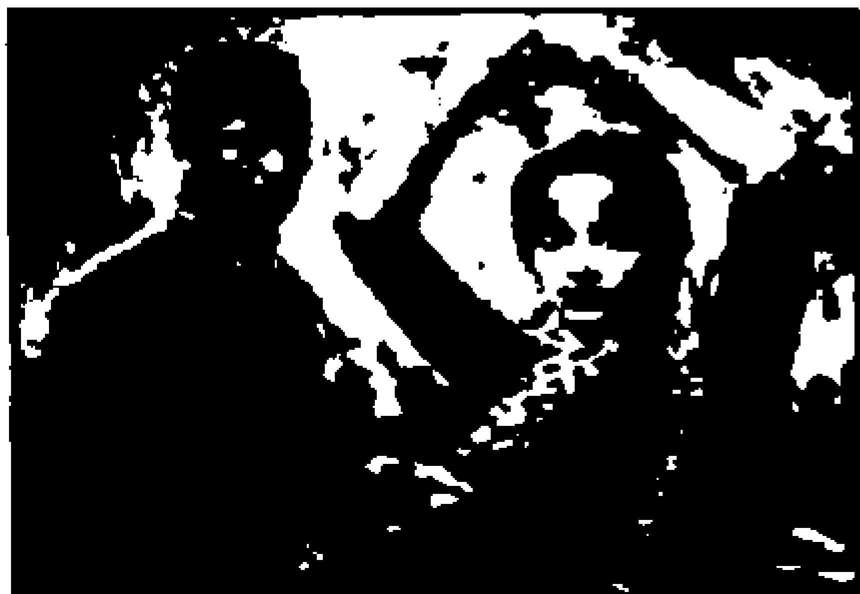
ہندوستان پر کئے گئے چینی حملے نے ہندوستان کے ہر طبقے کو متاثر کیا تھا اور اس جذبے کے تحت ہدایت کار چیتن آنند نے "حقیقت" (بلراج ساہنی، دھرمیندر، وجے آنند پریہ، اندرانی مکرجی، جلیت) میں ہندوستانی فوجیوں کی جانبازی کی منظر کشی کی تھی۔ اس کے گیتوں نے بھی عوام کو بے حد متاثر کیا تھا۔

اگرچہ ہندوستان میں نئے سینما کی تحریک ۱۹۶۸ء کے بعد چلی لیکن سنیل دت نے صرف ایک ہی اداکار پر مختصر اور عمدہ تجرباتی فلم "یادیں" چار سال پیشتر ۱۹۶۴ء میں بنائی تھی۔ اگرچہ یہ فلم بری طرح ناکام رہی۔ بہرحال یہ ایک معیاری اور عمدہ تجرباتی فلم تھی اور اسے غیر ممالک میں بہت سراہا گیا۔ سنیما کی تاریخ میں یہ سال اس وجہ سے بھی یادگار ہے کہ اس سال حکومت ہند نے پربھات اسٹڈیو پونے کی عمارت میں فلم آرکائیو کی بنیاد رکھی تاکہ آنے والی نسلوں کے لئے ماضی کی ہی نہیں بلکہ آنے والی فلموں کو بھی محفوظ رکھا جاسکے۔

ستین بوس کی "دوستی" اپنی عمدہ کہانی اور دل کش گیتوں کی وجہ سے بے حد مقبول ہوئی۔

موتی لعل ایک بہت منجھے ہوئے اداکار تھے اور وہ برسوں "چھوٹی چھوٹی باتیں" (موتی لعل، نادرہ، موتی سہاگر، نجو، کمار) فلمانے کا پروگرام بناتے رہے۔ آخر ۱۹۶۵ء میں بڑی دشواریوں کے باوجود انہوں نے اس فلم کو مکمل کیا لیکن ایک عمدہ تصویر ہوتے ہوئے بھی یہ عوامی معیار پر پوری نہ اتری اور پٹ گئی۔ بہرحال حکومت نے اسے ۱۹۶۵ء کی ایک عمدہ تصویر قرار دے کر ۲۰ ہزار روپیہ انعام دیا لیکن اس وقت تک موتی لعل مرحوم بن چکے تھے اور وہ اس قدر و منزلت کو دیکھنے سے محروم رہ گئے۔

مشہور انقلابی بھگت سنگھ کی زندگی سے متعلق ہدایت کار رام شرما کی "شہید" بھی اس برس کی قابل تعریف تصویر تھی۔ منوج کمار نے اس میں ہیرو کا رول بڑی عمدگی سے ادا کیا تھا اور حب الوطنی کے جذبات سے پر اس تصویر کی کہانی اور گیتوں نے عوام پر اپنے امٹ نشان چھوڑے تھے۔


وحیدہ رحمان اور دیو آنند فلم گائیڈ میں

اسی برس ہدایت کار چیتن آنند نے آر نارائن کے ناول پر مبنی فلم "گائیڈ" پیش کی جس میں دیو آنند، وحیدہ رحمان، کشور ساہو، لیلا چٹنس، جاگیر دار اور

انور اہم اداکار تھے۔ یہ فلم مذہب اور سادھوؤں، سنتوں پر کورانہ عقیدت رکھنے والوں پر زبردست طنز تھی اور اسے ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ غیر ممالک بھی سراہا گیا تھا اور اسے متعدد اعزازات بھی حاصل ہوئے۔ اس کے علاوہ خواجہ احمد عباس کی فلم ''آسمان محل'' (پرتھوی راج دلیپ راج، سریکھا، ڈیوڈ، انور، نانا پلیسکر) بھی زوال پذیر جاگیردارانہ نظام کی عکاسی کرنے والی ایک عمدہ تصویر تھی اور اس میں اس عہد کے شکار ایک نواب کی کردار نگاری بہت عمدگی سے کی گئی تھی۔ اسی سال فنی مجمدار کی آکاش دیپ (اشوک کمار، مینا کماری، پردیپ کمار، کامنی کوشل) بھیم سنگھ کی رنگین فلم خاندان'' (سنیل دت، نوتن، ممتاز، پران) اور یش چوپڑہ کی وقت (سادھنا راج کمار، سنیل دت، بلراج ساہنی، شرمیلا ٹیگور، ششی کپور، موتی لعل) بھی قابل دید فلمیں تھیں۔ موخرالذکر فلم میں بلراج ساہنی کی اداکاری قابل دید تھی اور اس کا گیت ''اے میری زہرہ جبیں' ہندوستانی سنیما کا ایک کلاسیک گیت بن چکا ہے اور آج برسوں گزر جانے پر بھی لوگ اسے بھول نہیں پائے۔

اسی سال کرشن چوپڑا اور رشی کیش مکر جی کی مشترکہ ہدایت میں منشی پریم چند کے ناول ''غبن' پر مبنی فلم پیش کی گئی مگر اس کا کینوس بڑا ہونے کی وجہ سے ہدائت کار اس سے زیادہ انصاف نہ کر سکے اور عوام کو بھی یہ زیادہ پسند نہ آئی۔


وحیدہ رحمان اور راجکپور تیسری قسم میں

ہدایت کار باسو بھٹا چاریہ کی فلم ''تیسری قسم'' (راج کپور، وحیدہ رحمان) کو سال کی بہترین فلم قرار دیتے ہوئے حکومت ہند نے طلائی تمغہ عطا کیا تھا۔ اس فلم کی کہانی ایک نوٹنکی میں کام کرنے والی عورت اور ایک سیدھے سادے اور بھولے بھالے بیل گاڑی چلانے والے دیہاتی کی معصوم محبت کے اردگرد گھومتی ہے۔ اس فلم کو بڑی حد تک حقیقت کے قریب لایا گیا تھا اور اس میں راجکپور کی اداکاری اور شیلندر کے گیتوں نے اسے یادگار فلم بنا دیا تھا جس کا ذکر ہندوستانی سنیما کی تاریخ میں ناگزیر ہے۔

۱۹۶۶ میں چیتن آنند نے دنیا کے سب سے کم سن اداکار 'بنٹی' کو اپنی معرکتہ الآرا تصویر 'آخری خط' میں پیش کر کے اپنی ہدایت کاری کی دھاک جما دی۔ اس فلم کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ اس میں مرحوم راجیش کھنہ پہلی بار نمودار ہوئے تھے جو بعد ازاں ہماری فلموں کے سپر اسٹار بن گئے۔ اسی سال رشی کیش مکر جی کی فلم ''انوپما'' کو بھی بے حد پسند کیا گیا۔ اس کی کہانی ایک ایسی لڑکی سے متعلق تھی جس کی پیدائش پر اس کی ماں مر جاتی ہے اور اس وجہ سے اُس کا والد اسے منحوس تصور کرتا ہے۔ شرمیلا ٹیگور، دھرمیندر،

ششی کلا، اس کے اہم اداکار تھے۔ اسی برس شمی کپور اور آشا پارکھ کو لے کر راک اینڈ رول پر مبنی فلم ''تیسری منزل'' بنائی گئی جو ہٹ ثابت ہوئی اور جس کے گانے عوام میں بڑے مقبول ہوئے جیسے ''او حسینہ زلفوں والی آجا آجا''۔

اس کے علاوہ اس سال اشت سین کی فلم ''ممتا'' (اشوک کمار، دھرمیندر سچترا سین) کہانی کے لحاظ سے ایک اچھوتی فلم ثابت ہوئی جس میں سچترا سین اپنے ڈبل رول میں بڑی کامیاب رہی تھی۔ یہ فلم بنگلہ میں ''اتر پھالگی'' کے نام سے پہلے بن چکی تھی۔

۱۹۶۷ء میں سنیل دت اور نوتن کو لے کر بنائی گئی فلم ''ملن'' ریلیز ہوئی جو کہ اس سے پہلے تلگو میں بنی فلم آدرتھی (Adhurthi) پر مبنی تھی جو سبا راؤ کی تلگو میں بنی فلم ''موگا مناسلو (Mooga Manasulu) کا ''ری میک'' تھی۔ اس کی کہانی پنر جنم کے موضوع پر مبنی تھی اور لکشمی کانت پیارے لال کی دھنوں نے اس فلم کی کامیابی میں ایک اہم رول ادا کیا تھا۔

دلیپ کمار کی فلم ''رام اور شیام'' بھی اس سال کی بڑی مقبول اور چرچا میں رہنے والی فلم تھی جس میں دو جڑواں بھائی پیدائش کے وقت ہی بچھڑ جاتے ہیں اور ان دونوں کی زندگی اور مزاج کے تانے بن مختلف ماحول میں بنتے ہیں۔ یہ فلم الیگزینڈر ڈوماس کی فلم کارسکن برورس (Corsican Brothers) پر مبنی تھی جس میں دلیپ کمار کا ڈبل رول اور ان کی اداکاری لوگوں کو بے حد پسند آئی تھی۔ اس فلم کے اہم اداکار وحیدہ رحمان، پران، اور ممتاز تھے۔

۱۹۶۷ ہی میں منوج کمار کی زیرِ ہدایت فلم ''اُپکار'' بھی منظر عام پر آئی جس نے انہیں ''مسٹر بھارت'' اور ایک حب الوطن شخصیت کے روپ میں اُبھارا اور جس کا گیت ''میرے دیش کی دھرتی سونا اُگلے، اُگلے ہیرے موتی'' نے ملک گیر مقبولیت حاصل کی اور آج بھی زائد از نصف صدی بیت جانے پر بھی اکثر سنائی دیتا ہے اور اسے سُن کر لوگ حب الوطنی کے سرور میں جھوم جھوم اُٹھتے ہیں۔ اس فلم میں منوج کمار کے مد مقابل آشا پارکھ نے ہیروئن کا کردار نبھایا تھا۔ یہی نہیں اس فلم میں پران کی اداکاری کو بھی کبھی فراموش نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس میں پہلی بار انہوں نے نہ صرف گانا گایا تھا بلکہ ویلن کے رول سے ہٹ کر گاؤں کے ایک ملنگ قسم کے آدمی کا رول بڑے خوبصورت انداز میں نبھایا تھا۔

دیوآنند جنہوں نے کئی ہٹ فلمیں ہندوستانی سینما کو عطا کی ہیں اس سال ''جیول تھیف'' پیش کی، جس میں وجینتی مالا ان کی ہیروئن تھیں۔ یہ فلم باکس آفس پر ہٹ ثابت ہوئی۔ اس نے اچھا کاروبار ہی نہیں کیا بلکہ نئی فلم فیسٹیول دہلی میں بھی اسے پیش کیا گیا۔

۱۹۶۸ء میں پیش کی گئی فلموں میں ہدایت کار رشی کیش مکر جی کی فلم ''آشیرواد'' عوام کو بڑی پسند آئی

جس میں اشوک کمار، سنجیو کمار، سمتا سانیال، ابھی بھٹا چاریہ، لیلا گاندھی، جگن اور وینا اہم اداکار تھے اور جس کی موسیقی وسنت ڈیسائی نے ترتیب دی تھی۔

۱۹۶۹ء میں ہدایت کار مرنال سین کی فلم ''بھون شوم'' منظر عام پر آئی جو نئے سینما کی تحریک کی ابتدا کہی جاتی ہے۔ اس فلم کو سال کی بہترین فلم قرار دیتے ہوئے حکومت ہند نے طلائی تمغہ دیا۔ لیش چوپڑا کی ''اتفاق'' مختصر اور بغیر گیتوں کے ہوتے ہوئے بھی ایک عمدہ اور سنسنی خیز تصویر تھی جسے اچھی کامیابی ملی۔ اسی برس بمل آہوجہ نے بتیا ایک آکار کی At Five Past Five انگریزی اور ہندی میں پیش کی جو گاندھی جی کی شہادت اور اُن کے نقطۂ نظر کی وضاحت کرنے والی تقریباً ۳۶ منٹ کی فلم تھی جسے صرف ۱۶ دن میں تیار کیا گیا تھا۔ اور اسے ملک میں ہی نہیں غیر ممالک میں بھی پسند کیا گیا تھا۔

اسی طرح اس سال ''سارا آکاش'' بھی اپنے موضوع کی وجہ سے بہت پسند کی گئی۔ اس کے علاوہ ''خاموشی'' اور ستیہ کام بھی اپنے موضوع اور اداکاری کی وجہ سے ممتاز فلموں میں شمار ہوئیں۔ آخر الذکر فلم میں سنجیو کمار کی اداکاری خصوصی طور پر قابل ذکر تھی اور اس بامقصد اور آدرش وادی کہانی نے عوام پر گہرا تاثر چھوڑا تھا۔

مرنال سین کی بھون شوم'' کے بعد نئے سینما کی تحریک کے زیر اثر نئی فلمیں مثلاً بابورام اشارہ کی ''چتینا'' (ریحانہ سلطان، سنجیو کمار اور انور حسین) ''اس کی کہانی'' (بغیر فلمی ستاروں کے بنی فلم) وغیرہ منظر عام پر آئیں جنہیں باشعور طبقے نے بڑا پسند کیا مگر بزنس کے لحاظ سے ان میں سے زیادہ تر کامیاب نہ ہوئیں۔ تاہم ان فلموں سے ۱۹۷۰ء کے بعد سے ہماری فلموں میں ایک نئی تبدیلی کے آثار ملتے ہیں اور ان کی بدولت نئی نسل ہر شعبہ میں داخل ہوئی اور نئی طرح کی فلمسازی میں مصروف ہوئی۔

۱۹۷۰ء میں رشی کیش مکرجی کی تحریر کردہ اور ان ہی کی ہدایت میں بنی فلم ''آنند'' پردۂ اسکرین پر پیش کی گئی جس میں پہلی بار راجیش کھنہ اور امیتابھ بچن ایک ساتھ جلوہ گر ہوئے تھے۔ فلم اپنی کہانی کی وجہ سے باکس آفس میں بڑی کامیاب ثابت ہوئی اور اسے کئی فلم فیئر ایوارڈ کے علاوہ بہترین مووی کا بھی ایوارڈ ملا۔ یہ ایک اعلیٰ پایہ کی یادگار تصویر تھی جسے فلم بینوں نے بہت پسند کیا اور جس کے گانے بھی ہٹ ثابت ہوئے۔ اس کے علاوہ اے بھیم سنگھ کی ہدائت میں بنی فلم ''گوپی'' (دلیپ کمار، سائرہ بانو، اوم پرکاش نروپا رائے) کھلونا (سنجیو کمار، ممتاز) اور پوتر پاپی (اجے ساہنی، تنوجہ) بھی قابل دید تصاویر تھیں۔


راجیش کھنہ اور امیتابھ بچن فلم آنند میں

گزشتہ دو تین برسوں سے ہندوستانی سینما میں ایک نئی لہر آئی ہے اور بہت سی ایسی فلمیں بن چکی ہیں اور بن رہی ہیں۔ جو عام فارمولے سے ہٹ کر ہماری زندگی اپنے اصلی اور بھرپور روپ میں پیش کرتی ہیں۔

سال ۱۹۷۱ء میں دیو آنند کی زیر ہدایت بنی فلم" ہرے راما ہرے کرشنا" منظر عام پر آئی جس میں دیو آنند کے بالمقابل ہیروئن زینت امان تھیں۔ اس کے علاوہ اس میں ممتاز اور پریم چوپڑہ نے بھی اداکاری کے جوہر دکھائے تھے۔ اس میں آشا بھونسلے کا گایا گیت" دم مارو دم بے حد مقبول ہوا"۔

۱۹۷۱ء میں کمال امروہوی کی برسوں سے بن رہی فلم" پاکیزہ" مکمل ہونے کے بعد ریلیز ہوگئی جسے اس کے سیٹنگ، مکالموں، گانوں اور مینا کماری اور راجکمار کی شاندار اداکاری کی بدولت عوام میں بے حد مقبولیت حاصل ہوئی اور جسے آج بھی لوگ فراموش نہیں کر پائے۔ اس فلم کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ بنگلہ دیش کے قیام کے بعد جب شملہ کانفرنس منعقد ہوئی تو پاکستانی وفد کو یہ فلم بھی دکھائی گئی تھی اور اس پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک پاکستانی صحافی نے لکھا تھا کہ ہمارے ہاں" کھڑکی توڑ" فلم کہا جاتا ہے تو اسے" دروازے توڑ" فلم کہا جا سکتا ہے اگر یہ فلم ہمارے ملک میں دکھائی جائے تو فلم بینوں کا اتنا رش ہو جائے کہ سینما کی کھڑکی نہیں بلکہ سینما ہال کے دروازے بھی ٹوٹ جائیں۔ لکھنوی تہذیب اور طوائفوں کی زندگی پر بنی یہ فلم ایک یادگار فلم تھی۔ افسوس کہ اس فلم کی ریلیز کے کچھ مدت بعد ہی مینا کماری اپنے لاکھوں پرستاروں کو داغ مفارقت دے کر اس دنیا سے رخصت ہوگئیں۔ اسی سال شکتی سامنت کی زیر ہدایت بنی فلم" امر پریم" بھی منظر عام پر آئی جس کی کہانی بھبھوتی بھوشن بندو پادھیائے کی بنگلہ کہانی" نشی پدما" پر مبنی تھی۔ اس میں راجیش کھنہ، شرمیلا ٹیگور، راکھی، ونود مہرہ اور اوم پرکاش نے اپنی اداکاری کے جوہر دکھائے تھے۔ آنند بخشی کے گیتوں کا بھی اس فلم کی کامیابی میں ایک اہم رول تھا۔ چنگاری کوئی بھڑکے...... اور بڑا نٹ کھٹ ہے کرشن کنہیا ایسے گیتوں کا آج بھی لوگ حوالہ دیتے ہیں اور اکثر گنگناتے ہیں۔



پاکیزہ میں مینا کماری

۱۹۷۲ء میں بنی فلموں میں ڈائرکٹر رمیش سپی کی فلم" سیتا اور گیتا" ایک اہم فلم تھی جو باکس آفس پر ہٹ ثابت ہوئی اور جس میں شری دیوی کے ڈبل رول کو عوام نے بڑا پسند کیا تھا۔ اس کے علاوہ شکتی سامنت کی" انوراگ" (اشوک کمار، ونود مہرہ، موسمی چیٹرجی)، رشی کیش کی" باورچی" (راجیش کھنہ، جیا بہادری، درگا کھوٹے، اوشا کرن) لیش چوپڑہ کی داستان (دلیپ کمار، شرمیلا ٹیگور، پریم چوپڑہ) گلزار اور این سپی کی ہدایت میں بنی کوشش (سنجیو کمار، جیا بہادری، اسرانی، اوم شو پوری اور دینا پاٹھک) خاص

طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ آخرالذکر فلم گونگے بہرے افراد کے مسائل پر ایک اچھی فلم تھی اور اس میں سنجیو کمار اور جیا بھادری نے گونگے بہرے کا رول بڑی عمدگی سے نبھایا تھا۔

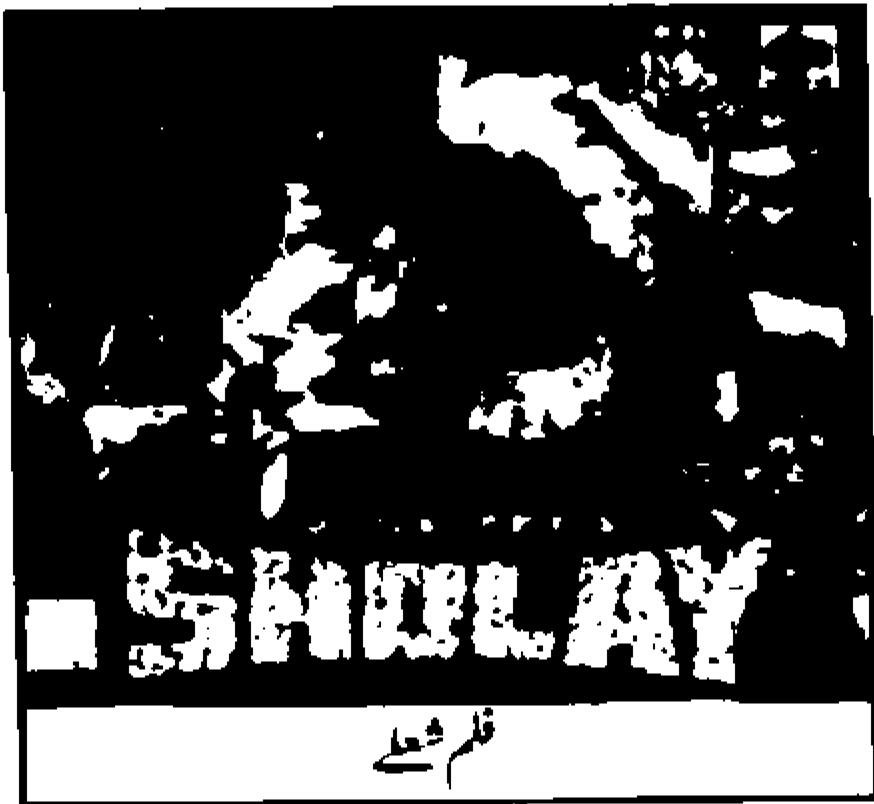
۱۹۷۳ء میں ہدایت کار یش چوپڑہ کی فلم ''داغ'' نے فلم بینوں کو بڑا متاثر کیا۔ اس فلم کے اہم اداکار راجیش کھنہ، شرمیلا ٹیگور، بلراج ساہنی اور راکھی تھے۔ یہ تھامس ہارڈی کے شہرہ آفاق ناول ''میئر آف دی کیسٹر برج'' کی کہانی پر مبنی تھی اور اسے فلم بینوں نے بے حد پسند کیا۔

اسی دوران امی تابھ بچن اور جیا بہادڑی کو لے کر فلم ''زنجیر'' بنائی گئی جس نے امیتابھ بچن کو 'اینگری ینگ مین'' کا لقب عطا کر دیا اور اس فلم نے رومانی فلموں کے بجائے ایکشن فلموں کے دور کو رواج دیا۔ اسی دوران ڈائرکٹر اور پروڈیوسر پرمود چکرورتی نے فلم ''جگنو'' پیش کی جس میں دھرمیندر اور ہیما مالنی اہم کردار تھے۔ فلم نے کلاسیکی حیثیت اختیار کی اور اس کا گیت '''' دیپ دیوالی کے جلتے'' فلم بینوں میں بہت ہی مقبول ہوا۔ اس سال کی مقبول ترین فلم راج کپور کی فلم ''بوبی تھی' جس میں انہوں نے اپنے بیٹے رشی کپور کو پہلی بار بطور ہیرو پیش کیا تھا اور اس کے بالمقابل ڈمپل کپاڈیہ نے ہیروئن کا کردار نبھایا تھا۔ نوخیز نوجوان بچوں کے درمیان پنپ رہے والہانہ محبت پر بنائی گئی فلم، جن کے درمیان امیری اور غریبی کی دیواریں حائل تھیں۔ یہ رومانی فلم لوگوں نے بے حد پسند کی اور آج بھی اس کی بعض گیت جیسے ...... جھوٹ بولے کوا کاٹے...... ہم تم اک کمرے میں بند ہوں...... لوگ فراموش نہیں کر پائے۔

۱۹۷۴ء میں منوج کمار کی فلم ''روٹی کپڑا اور مکان'' منظر عام پر آئی جو اس دور میں ہندوستان کے سیاسی جلسوں میں گونج رہے نعرے پر مبنی تھی جسے بعد ازاں پاکستان کے رہنما اور وزیر اعظم ذوالفقار بھٹو نے سیاسی نعرے کا روپ دیدیا تھا۔ اس فلم میں اہم کردار امیتابھ بچن، زینت امان، ششی کپور اور خود منوج کمار نے ادا کیے تھے۔ اسی برس شیام بینیگل کی ہدایت میں بنی ان کی پہلی فلم 'انکور'' منظر عام پر آئی جس میں بہت سے سماجی معاملات کو روشنی میں لایا گیا تھا۔ شبانہ اعظمی کی لاجواب اداکاری نے اسے ایک ایسی فلم بنا دیا جس کا ذکر آج بھی اچھی فلموں کے ذکر کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

۱۹۷۵ء میں پردہ اسکرین پر گلزار کی زیر ہدایت بنی فلم ''آندھی'' جلوہ گر ہوئی جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ مرحوم وزیر اعظم اندرا گاندھی کی زندگی پر مبنی فلم ہے۔ اس متنازعہ فیہ فلم میں سچترا سین نے اہم رول نبھایا تھا اور اس کے بالمقابل ہیرو تھے سنجیو کمار۔ آر ڈی برمن کی موسیقی اور گلزار کے گیتوں ''تم آگئے ہو نور آگیا ہے...... تیرے بنا زندگی سے...... اس موڑ سے جاتے ہیں ...... نے بھی عوام پر گہرا تاثر چھوڑا تھا۔

اسی سال ہدایت کار یش چوپڑہ کی فلم ''دیوار''، رکیش مکرجی کی فلم ''چپکے چپکے'' اور سب سے زیادہ



فلم شعلے

چرچا میں رہنے والی مقبول ترین فلم "شعلے منظر عام پر آئی جس نے کئی ریکارڈ توڑے۔ رمیش سپی کی زیر ہدایت بنی اس فلم میں اہم کردار امیتابھ بچن، دھرمیندر، ہیما مالنی، سنجیو کمار، جیا بہادری نے ادا کئے تھے اور باکس آفس پر یہ زبردست ہٹ ثابت ہوئی تھی۔ اور یہ برٹش انسٹی ٹیوٹ کے پول میں منتخب ہوئی دس ٹاپ ہندوستانی فلموں میں سرفہرست رہی تھی۔ ہدائت کار یش چوپڑہ کی "دیوار" میں امیتابھ بچن، ششی کپور، نیتو سنگھ، پروین بوبی اور نروپا رائے اہم اداکار تھے اور اس کے موسیقی بھی بڑی موثر تھی جسے فلم بینوں نے بہت پسند کیا۔ ہدایت کار رشی مکرجی کی فلم "چپکے چپکے" پہلے بنگلہ میں چھدمابیشی (Chhadmabeshi) نام سے بن چکی تھی اور یہ اس کا ہندی روپ تھا جس میں دھرمیندر، شرمیلا ٹیگور، امیتابھ بچن اور اوم پرکاش نے اپنی اداکاری کے جوہر دکھائے تھے اور جو اپنے طنز و مزاح کی بدولت فلم بینوں میں بہت مقبول ہوئی۔

۱۹۷۶ میں امیتابھ بچن، راکھی، ششی کپور ایسے اداکاروں کو لے کر یش چوپڑہ نے فلم "کبھی کبھی" پیش کی جسے خیام کی موسیقی اور ساحر لدھیانوی کے گیتوں کی بدولت غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی۔ اس فلم کی موسیقی پر خیام کو فلم فیئر کی جانب سے بہترین موسیقار کا بھی ایوارڈ ملا۔ اور اس کا گیت (نظم) کبھی کبھی میرے دل میں خیال آتا ہے" آج بھی زبان زد خاص و عام ہے۔ اس کے علاوہ امیتابھ بچن کی ہیرا پھیری، ہدائت کار شکتی سامنت کی "محبوبہ" بھی اس سال کی قابلِ ذکر فلمیں ہیں۔

۱۹۷۷ء میں "امر اکبر انتھونی" فلم نے بھی کامیابی کے جھنڈے گاڑے جو تین بھائیوں کی کہانی پر مبنی تھی جو بچپن میں الگ ہو جاتے ہیں اور جنہیں الگ الگ مذہب کے افراد نے اپنا کر پالا پوسا تھا۔ فلم کے اہم کردار امیتابھ بچن، رشی کپور، ونود کھنہ، اور نیتو سنگھ تھے اس کے کئی گیت بھی بڑے مقبول ہوئے۔ اسی سال ستیہ جیت رے کی فلم "شطرنج کے کھلاڑی" بھی منظرِ عام پر آئی جو پریم چند کی مشہور کہانی پر مبنی تھی مگر اسے وہ مقبولیت نہ ملی جس کی توقع کی جارہی تھی۔

۱۹۷۸ میں فلم "ڈان" کو بھی بڑی کامیابی نصیب ہوئی۔ اس فلم میں امیتابھ بچن اور زینت امان کے علاوہ سنیل دت، کل بھوشن کھربندہ نے بھی اداکاری کے جوہر دکھائے تھے۔ اس کے علاوہ اس برس امیتابھ بچن کی فلم "مقدر کا سکندر" بھی دیکھنے کو ملی جس نے زبردست کمائی کی اور جو اس دہے میں "شعلے"

کے بعد سب سے بڑی ہٹ فلم تھی۔اس فلم میں اہم رول امتیابھ بچن اور ریکھا نے ادا کیا تھا۔

۱۹۷۹ء میں ریلیز ہونے والی کامیڈی فلموں ''گول مال'' اور ''باتوں باتوں میں'' کو بھی اچھی کامیابی حاصل ہوئی۔اول الذکر میں امول پالیکر، اتپل دت نے اپنی اداکاری سے ناظرین کو مسحور کر دیا تھا اور اس میں امول پالیکر نے ڈبل رول بہت عمدگی سے نبھایا تھا اور اس سے لوگ بے حد محظوظ ہوئے تھے۔دوسری فلم ''باتوں باتوں میں'' میں امول پالیکر کے بالمقابل ہیروئن ٹینا منیم تھی۔ اس مذاحیہ رومانی فلم کی کہانی ایک ایسے نوجوان جوڑے کے ارد گرد گھومتی ہے جو ٹرین میں ملتے ہیں اور انہیں ایک دوسرے سے پیار ہو جاتا ہے اور کئی نشیب و فراز دیکھنے کے بعد آخر انہیں اپنے پیار میں کامیابی ملتی ہے۔

۱۹۸۰ میں ہدایت کار سبھاش گھئی کی فلم 'قرض' نے کامیابی کے جھنڈے گاڑے اور باکس آفس پر ہٹ ثابت ہوئی۔اس فلم کی کہانی بھی پنر جنم پر مبنی تھی اور اس میں رشی کپور، ٹینا منیم اور سمی گریوال نے اداکاری کے جوہر دکھائے تھے۔

رسوا کے ناول امراؤ جان ادا پر کئی فلمیں بن چکی ہیں۔ ۱۹۵۸ء میں ہدایت کار ایس ایم یوسف نے ''مہندی'' کے نام سے اسے فلمایا تھا جس میں جے شری، اجیت دینا اور للتا پوار اہم اداکار تھے۔مگر اس فلم کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ پھر ۱۹۸۱ء میں ہدایت کار سید مظفر علی نے اسے امراؤ جان کے نام سے بنایا جسے غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی۔ ریکھا، فاروق شیخ، نصیرالدین شاہ اور راج ببر کو لے کر بنائی گئی اس فلم میں ریکھا نے بطور طوائف اس میں جان ڈال دی اور اس کے اداکارانہ جوہر نے عوام کو اس کا گرویدہ بنا دیا نیز اس میں اُردو کے معروف شاعر شہر یار کی غزلوں اور خیام کی موسیقی نے وہ جادو جگایا کہ لوگ آج بھی انہیں سنتے اور سر دھنتے ہیں۔اس کے ۲۵ برس بعد ۲۰۰۶ء میں جے پی دتا نے اسے پھر ''امراؤ جان'' (ابھیشیک بچن، ایشوریہ رائے، شبانہ اعظمی) کے نام سے ہی فلمایا مگر اچھی موسیقی اور ہدایت کے باوجود وہ مظفر علی کی امراؤ جان کے مقابلہ میں پھیکی پھیکی سی محسوس ہوئی حالانکہ موصوف نے اس کے بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی اور موسیقی بھی بڑی دل نشیں تھی۔



امراؤ جان ادا

اسی سال راجندر کمار نے اپنے بیٹے کمار گورو کو فلمی دنیا میں متعارف کرانے کے لئے فلم ''لو اسٹوری'' پروڈیوس اور ڈائرکٹ کی جسے باکس آفس پر اچھی کامیابی حاصل ہوئی۔بنگلہ کی ہٹ فلم چھدما بیشی

(Chhadmabeshi) کی کہانی پر مبنی اس فلم میں کمار گورو کے بالمقابل وجیتا پنڈت نے ہیروئن کا کردار نبھایا تھا اور نوخیز جوانیوں کے والہانہ محبت پر بنی اس رومانی فلم کی کامیابی میں آر ڈی برمن کی موسیقی کا بھی بڑا ہاتھ تھا۔

اسی سال ہدایت کار کے بال چندرا کی بنائی فلم ''ایک دوجے کے لئے'' نے تو کامیابی کے ایسے جھنڈے گاڑے کہ لوگ آج بھی اس فلم کو نہیں بھولے۔ عشق و محبت کی اس انوکھی اور یادگار داستان نے لوگوں کو مسحور ہی نہیں کیا بلکہ کمل ہاسن تمل۔ تلگو فلموں کا ہی نہیں ہندی فلموں کا بھی معروف ہیرو بن گیا۔ اس کی اداکاری اور رقص کے ساتھ فلم کی ہیروئن رتی اگنی ہوتری کی اداکاری کو بھی عوام نے بے حد پسند کیا نیز اس فلم میں لکشمی کانت پیارے لال کی موسیقی نے بھی اپنا ایسا کمال دکھایا کہ اس کے ہٹ گانوں نے عوام کے دلوں پر جادو سا کر دیا اور آج بھی اس کے گانوں کو لوگ نہیں بھولے۔ اس کے علاوہ اس سال دیپتی نول اور فاروق شیخ کو لے کر بنائی گئی رومانی کامیڈی ''چشم بددور'' کو بھی باکس آفس پر اچھی کامیابی نصیب ہوئی۔ اس فلم میں راج کمل کی موسیقی نے بھی فلم بینوں کو بڑا متاثر کیا۔

اسی سال سہراب مودی نے مینا کماری کی زندگی پر مبنی فلم ''مینا کماری کی امر کہانی'' پردہ اسکرین پر پیش کی جس میں ڈولی نے مینا کماری کا رول ادا کیا تھا اور سونا نے مدھو بالا کا۔ دیگر اہم اکاروں میں بھارت بھوشن بھی شامل تھے۔ اس میں مینا کماری کی فلموں غزل، آزاد، شاردا، پاکیزہ، چندن کا پالنا کے مکالمے اور اس پر فلمائے گئے کچھ گیت بھی شامل کئے گئے تھے۔ مگر فلم کو کوئی خاص اہمیت نہیں ملی۔

۱۹۸۲ء میں بی۔ سبھاش کی ہدایت میں بنی فلم ''ڈسکو ڈانسر'' بڑی مقبول ہوئی اور متھن چکرورتی کے ڈسکو ڈانس اور بپھی لہری کی موسیقی میں تیار اس کے ڈسکو گانوں کو عوام نے بہت پسند کیا۔ اس فلم کو ساؤنڈ ٹریک پر چین میں گولڈ ایوارڈ بھی ملا تھا۔

اسی سال گووند نہلانی کی یادگار فلم ''اردھ ستیہ'' نے بھی عوام کی توجہ اپنی جانب مبذول کی جس میں سمتا پاٹل، اوم پوری، امریش پوری، نصیر الدین شاہ، شفیع انعامدار، سداشیو امراپورکر نے اداکاری کے جوہر دکھائے تھے۔ اس فلم کو اپنے موضوع کے اعتبار سے ہندوستانی سینما میں ایک سنگ میل قرار دیا جاتا ہے اور پولیس والوں کے ہتھکنڈوں اور کارروائیوں پر بنی اس فلم کو ملک کی بہترین فلموں میں شمار کیا جاتا ہے۔

اس سال گلزار کی ہدائت میں بنی مزاحیہ فلم ''انگور'' بھی لوگوں کو بڑی پسند آئی۔ اس میں سنجیو کمار اور دیون ورما کا ڈبل رول تھا جس سے فلم میں سسپنس پیدا ہو گیا تھا۔ ان اداکاروں کے علاوہ موسمی چیٹر جی، دیپتی نول ارونا ایرانی اور اتپل دت بھی اس فلم کے اہم اداکار تھے۔

اسی سال یش چوپڑہ کی فلم ''نکاح'' (راج ببر، دیپک پراشر، سلمیٰ آغا، مظہر خان) بھی بڑے چرچا میں رہی۔ پہلے اس کا نام 'طلاق طلاق طلاق' رکھا گیا تھا مگر بعض افراد اور اداروں کے اعتراض پر اسے بدل کر نکاح کر دیا گیا۔ اس فلم میں پیش کی گئی غزلوں کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ جیسے دل کے ارماں آنسوؤں میں بہہ گئے...... بیتے ہوئے لمحوں کی کسک ساتھ تو ہوگی...... چپکے چپکے رات دن آنسو بہانا یاد ہے...... چہرہ چھپالیا ہے کسی نے حجاب میں وغیرہ۔

ان فلموں کے علاوہ منگل پانڈے (شتروگھن سنہا پروین بوبی، نیتا مہتہ، قادر خان) نمک حلال (امیتابھ بچن، سمتا پاٹل، ششی کپور، وحیدہ رحمان) پریم روگ (رشی کپور، رشی کپور، پدمنی کولہاپوری) شکتی (دلیپ کمار۔ امیتابھ بچن، راکھی) شوقین (اشوک کمار متھن چکرورتی۔ راکھی) سوامی دادا (دیوانند، متھن چکروتری، پدمنی کولہاپوری اور رتی اگنی ہوتری) بھی قابل دید فلمیں تھیں۔



ارتھ میں کھڑبندہ، شبانہ اعظمی اور سمتا پاٹل

۱۹۸۳ء میں مہیش بھٹ کی نیم سوانحی فلم ''ارتھ'' منظر عام پر آئی جو اس کے اور فلم اسٹار پروین بوبی کے extramarital تعلقات پر مبنی تھی۔ فلم میں شبانہ اعظمی، سمتا پاٹل اور کل بھوشن کھڑبندہ کی اداکاری بہت ہی قابل تعریف تھی اور اس کے گیت بھی بے حد مقبول ہوئے۔ خاص کر جگجیت کا...... ''تم اتنا جو مسکرا رہے ہو''۔

اسی سال شیکھر کپور کی ہدایت میں بنی فلم ''معصوم'' عوام کو بے حد پسند آئی۔ جس میں شبانہ اعظمی، نصیرالدین شاہ اور سعید جعفری نے اہم کردار نبھائے تھے۔ اس فلم کی کہانی ایک سکھی میاں بیوی کے ارد گرد گھومتی ہے جو اپنی دو بچیوں کے ساتھ ہنسی خوشی زندگی بسر کر رہا تھا کہ اچانک شوہر کا ناجائز بچہ وارد ہو جاتا ہے۔ فلم میں بچوں (ارملا اور جگل) کا رول بھی قابل تعریف تھا اور اس میں آر ڈی برمن کی موسیقی نے اس کے گیتوں کو بھی یادگار بنا دیا۔ خصوصاً ''لکڑی کی کاٹھی، لکڑی کا گھوڑا''۔

۱۹۸۴ء میں یادگار کامیڈی ''جانے بھی دو یارو'' منظر عام پر آئی جس میں نصیر الدین شاہ، روی بسوانی، بھگتی بھاروے، ستیش شاہ، پنکج کپور، نینا گپتا، راجیش پوری اور اوم پوری نے اپنی منفرد اداکاری سے لوگوں کو اسے بار بار دیکھنے پر مجبور کیا۔ کندن شاہ کی ہدایت میں بنی اس فلم میں ملک میں پھیلی بدعنوانی پر زبردست طنز تھا اور اسے ہندوستانی فلموں میں کلاسیک کا درجہ حاصل ہو گیا۔ اسی سال انوپم کھیر کی فلم ''سارانش'' ریلیز ہوئی جس میں اس کی اداکاری نے فلم بینوں کا دل جیت لیا اور اس کی اداکاری کی گہری چھاپ نے اسے راتوں رات ایک کیرکٹر ایکٹر کی صف میں کھڑا کر دیا۔ ہدایت کار مہیش بھٹ کی اس فلم

کی بڑی تعریف وتوصیف ہوئی اور اسے اکیڈمی کی بہترین غیر ملکی زبان کی فلم برائے آسکر ایوارڈ ۱۹۸۵ء کے لئے ہندوستان کی جانب سے سرکاری طور پر داخلہ ملا تھا۔ اسی سال "آج کا ایم ایل اے" نامی طنزیہ فلم بھی آئی تھی جس میں راجیش کھنہ، شبانہ اعظمی، دیون ورما اور اوم شو پوری اہم اداکار تھے۔ اس فلم میں موجودہ دور کی سیاست اور جوڑ توڑ پر ایک بھرپور طنز کیا گیا تھا اور موجودہ دور کے سیاستدانوں کی ہیرا پھیریوں اور کرپشن کو بے نقاب کیا گیا تھا۔

۱۹۸۵ء میں ڈائرکٹر رمیش سپی کی فلم ساگر (رشی کپور، کمل ہاسن، ڈمپل کپاڈیا اور نادرہ) ایک اچھی کامیاب فلم تھی مگر اس میں "شعلے" والی کوئی لپک نہیں تھی۔ اسی طرح اس سال ریلیز ہونے والی راجکپور کی فلم "رام تیری گنگا میلی" (راجیو کپور، دویا رانا، منداکنی اور سید جعفری) میں بھی راجکپور والی کوئی بات نہیں تھی اور نہ ہی ان کا بیٹا راجیو بھی کوئی غیر معمولی کارنامہ انجام دے سکا۔ تاہم راوندر جین کی موسیقی نے اسے یادگار بنا دیا اور اس کے کئی گیت بڑے مقبول ہوئے۔ اسی طرح اس سال ڈاکرکٹر راہل راویل کی "ارجن" فلم بھی منظر عام پر آئی جس میں سنی دیول، ڈمپل کپاڈیا اور راج کرن اور سپریا پاٹھک اہم اداکار تھے۔ ان کے علاوہ اس سال کی اہم فلمیں تھیں: "انصاف میں کروں گا" "بادل"، اور ڈائرکٹر ناصر حسین کی "زبردست"۔

۱۹۸۶ء میں ڈائرکٹر سبھاش گھئی کی فلم "کرما" کو اچھی کامیابی ملی اور اس نے باکس آفس پر بھی اچھی کمائی کی۔ اس فلم میں دلیپ کمار، نوتن، جیکی شراف، انل کپور نصیرالدین شاہ اور شری دیوی ایسے اداکاروں کی موجودگی نے اسے اور بھی قابل یادگار بنا دیا۔ اسی سال مہیش بھٹ کی فلم "نام" (نوتن، کمار گورو، سنجے دت، پونم ڈھلوں اور امرتا سنگھ) کو بھی بڑا پسند کیا گیا۔ سمتا پاٹل اور راجیش کھنہ کو لے کر ڈائرکٹر موہن کمار کی فلم "امرت" بھی لوگوں کو پسند آئی جس میں بزرگوں یعنی سینئر سٹی زن کے مسائل کو بڑے خوبصورت انداز میں پیش کیا گیا۔ مگر اسے ان کی فلم "اوتار" والی کامیابی ومقبولیت نہ ملی۔ ایک رکا ہوا فیصلہ، آخری راستہ، ادھیکار، انوکھا راستہ، چمیلی کی شادی بھی اس سال کی کچھ قابل دید فلمیں تھیں

۱۹۸۷ء میں شیکھر کپور کی زیر ہدایت بنی فلم "مسٹر انڈیا" نے کامیابی کے جھنڈے گاڑ دئے۔ اور یہ "حکومت" کے بعد سال مذکور کی دوسری بڑی ہٹ تھی۔ انل کپور، سری دیوی، امریش پوری اشوک کمار، ستیش شاہ اس فلم کے اہم اداکار تھے اور امریش پوری کا یہ فقرہ کہ "موگمبو خوش ہوا" اور شری دیوی کا رقص "ہوا ہوائی" فلم بین آج بھی نہیں بھولے۔

اسی سال ہدائت کار کیتن مہتہ کی فلم "مرچ مسالہ" کئی وجوہ سے چرچا کا موضوع رہی۔ اس میں سمتا پاٹل، امریش پوری، نصیرالدین شاہ سریش اوبرائے، دیپتی نول دینا پاٹھک اور اوم پوری کی اداکاری

قابلِ دید تھی۔ اسے کئی ملکی اور غیر ملکی ایوارڈ حاصل ہوئے۔ اسے ماسکو کے پندرہویں فلم فیسٹیول میں گولڈن پرائز کے لئے بھی نامزد کیا گیا تھا۔

۱۹۸۸ء میں رومیو جولیٹ کی عشقیہ کہانی پر مبنی ہدایت کار منصور خاں نے فلم ''قیامت سے قیامت تک'' پیش کی جس میں عامر خاں اور جوہی چاولہ پہلی بار پردۂ اسکرین پر نمودار ہوئے اور دونوں ہی فلم کی ریلیز کے ساتھ ہی راتوں رات اسٹار بن گئے۔ اس کے گانے بھی عوام میں بڑے مقبول ہوئے خاص کر آنند ملند کی موسیقی میں تیار کردہ گیت۔ ''پاپا کہتے ہیں بڑا نام کرے گا۔''

اسی سال این چندرا کے زیرِ ہدایت بنی فلم ''تیزاب'' کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی اور اس کا گانا ''ایک دو تین...... '' ہٹ ہوگیا اور اس کی ریلیز کے ساتھ ہی مادھوری ڈکشت ملک کی مقبول ہیروئنوں میں شمار ہونے لگی۔ اس فلم میں مادھوری ڈکشت کے علاوہ انل کپور، چنکی پانڈے، سریش اوبرائے وغیرہ نے اداکاری کے جوہر دکھائے تھے۔ یہ فلم باکس آفس پر ہٹ ثابت ہوئی اور سینما گھروں پر پچاس پچاس ہفتے چلتی رہی۔

۱۹۸۹ء میں سلمان خان کی بطور ہیرو فلم ''مَیں نے پیار کیا'' ریلیز ہوئی جس نے سلمان خان کو شہرت بخشنے کے علاوہ کامیابی کے بھی ریکارڈ توڑ دیئے اور اسے آٹھویں دہے کی کامیاب ترین فلموں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس میں سلمان خاں کے ساتھ بھاگیہ شری،، آلوک ناتھ، راجیو ورما، ریما لاگو اور منیش بہل نے بھی اداکاری کے جوہر دکھائے تھے۔ اس فلم کے علاوہ، تری دیو، رام لکھن، چالباز اور ایشور کو بھی عوام نے پسند کیا۔

۱۹۹۰ء ہدایت کار مُکل آنند کی فلم ''اگنی پتھ'' پردۂ اسکرین کی زینت بنی جسے لیش جوہر نے پروڈیوس کیا تھا۔ جس میں امیتابھ بچن اور متھن چکرورتی اہم اداکار تھے۔ اس کا ٹائٹل ہری ونش رائے کی کویتا اگنی پتھ سے لیا گیا تھا۔ اسی سال ہدایت کار راجکمار سنتوشی کی فلم ''گھائل'' کو بھی اچھی کامیابی حاصل ہوئی جسے اداکار دھرمیندر نے پروڈیوس کیا تھا۔ اس فلم کا ہیرو تھا سنی دیول اور ہیروئن میناکشی ششادری۔ اس فلم کو فلم فئیر ایوارڈ کی جانب سے سات ایوارڈ عطا کئے گئے۔ علاوہ ازیں مذکورہ سال دل، باغی، باپ نمبری بیٹا دس نمبری، بھی چرچا میں رہیں۔

۱۹۹۱ء میں سری دیوی اور انل کپور کی فلم ''لمحے'' منظرِ عام پر آئی جس کی کہانی نے ناظرین کو بے حد متاثر کیا۔ یش چوپڑا کی ہدایت میں بنی یہ فلم ہٹ ثابت ہوئی اور اسے فلم فئیر کی طرف سے بہترین فلم کا ایوارڈ سے نوازا گیا۔ اس کے علاوہ فلم...... ہم،...... سڑک، پھول اور کانٹے۔ دل ہے کہ مانتا نہیں اور ساجن بھی اس سال کی قابلِ ذکر فلمیں تھیں۔

۱۹۹۲ء میں ہدایت کار منی رتنم کی فلم ''روجہ'' نے کامیابی کے جھنڈے گاڑ دیے اور اسے عوام نے بے حد پسند کیا۔ اس میں اہم کردار اروند سوامی اور مدھو نے نبھائے تھے اور اے آر رحمان کی موسیقی نے اسے ایک ہٹ فلم بنا دیا تھا۔ اس فلم کو سال رواں میں تین قومی اعزازت عطا کئے گئے۔ اسی برس ہدایت کار منصور خان کی فلم ''جو جیتا وہی سکندر'' کو فلم بینوں نے بڑا پسند کیا جس میں عامر خان کے مدِ مقابل عائشہ جھلکا نے ہیروئن کا کردار نبھایا تھا۔ فلم کے کئی گیت جیسے پہلا نشہ اور ''یہاں کے ہم سکندر'' بے حد مقبول ہوئے اور آج بھی لوگوں کی زبان پر ہیں۔ ۱۹۹۲ء میں ہی ساجن، دیوانہ، کھلاڑی، شعلہ اور شبنم بھی عوام کی پسندیدہ فلمیں تھیں جنہیں بار بار دیکھا گیا۔

۱۹۹۳ء میں شاہ رُخ کی فلمیں ''بازی گر'' اور'' ڈر'' کو اچھی شہرت ملی ان کے علاوہ، دامنی، گردش، ہم ہیں راہی پیار کے بھی اس سال کی قابلِ ستایش فلمیں تھیں۔

۱۹۹۴ء میں سلمان خان اور مادھوری ڈکشت کو لے کر بنائی گئی فلم ''ہم آپ کے ہیں کون'' بے حد کامیاب فلم ثابت ہوئی اور باکس آفس پر اسے غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی۔ اس سے پیشتر یہ فلم ''ندیا کنارے'' کے نام سے ۱۹۸۲ء میں پیش کی جا چکی تھی۔ راج شری کے ذریعہ دوبارہ بنائی گئی اس فلم نے ۱۳۵ کروڑ روپے کا کاروبار کیا۔ اور اس وقت تک بننے والی سب فلموں سے سرِ فہرست رہی۔ اسی سال ''انداز اپنا اپنا'' ریلیز ہوئی تو اسے باکس آفس پر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تاہم بعد میں اس طرح کی فلموں کا ایک سلسلہ ہی شروع ہو گیا۔ پھولن دیوی کی زندگی پر شیکھر کپور نے فلم ''بینڈٹ کوئین'' بنائی جس کا ایک مدت تک چرچا ہوتا رہا۔ اس میں سیما بسواس نے پھولن دیوی کا کردار نبھایا تھا جسے بے حد پسند کیا گیا۔ اس کی موسیقی اُستاد نصرت فتح علی خاں نے ترتیب دی تھی۔ ان کے علاوہ اس سال مہرہ، کرانتی ویر اور آتش بھی اچھی فلموں میں شمار ہوئیں۔

۱۹۹۵ء میں منی رتنم کی فلم ''بمبئی'' منظرِ عام پر آئی جو ہندی سے پیشتر تمل میں پردۂ اسکرین پر پیش کی جا چکی تھی جو چنئی فلم انڈسٹری کی سب سے زیادہ روپیہ کمانے والی فلم ثابت ہوئی۔ اس فلم کو کئی بین اقوامی فلمی میلوں میں دکھایا گیا اور اس کی بڑی تعریف و توصیف ہوئی۔

یش راج بینر تلے بنی ''دل والے دلہنا لے جائیں گے'' اس سال کی ہی نہیں بلکہ گزشتہ برسوں میں پیش کی گئی فلموں میں ایک کامیاب ترین فلم تھی جسے عوام آج بھی نہیں بھولے اور جس نے سینما گھروں پر کامیابی کے گزشتہ تمام ریکارڈ توڑ دئے ہیں اور جو آج بھی ممبئی کے مراٹھا مندر تھیٹر میں دکھائی جا رہی ہے حالانکہ اس سے پیشتر یہ ریکارڈ فلم ''شعلے'' کا تھا جو کلکتہ کے جیوتی سینما میں لگاتار چھ سال تک چلی تھی۔ شاہ رُخ خان اور کاجول کو لے کر بنائی گئی اس سب سے زیادہ چلنے والی فلم کے گانوں...... تجھے

دیکھا تو یہ جانا صنم...... مہندی لگا کے رکھنا...... گھر آ جا پردیسی...... میرے خوابوں میں...... نے بھی اس کی کامیابی میں ایک رول نبھایا۔ اس فلم کی کہانی برطانیہ میں آباد دو ہندوستانی نژاد نوجوانوں کی داستان عشق ہے جنہیں سویٹزرلینڈ کی سیر و سیاحت کے دوران ایک دوسرے سے محبت ہو جاتی ہے لیکن لڑکی کے والد (امریش پوری) پرانے وچاروں کے ہیں اور وہ اپنی بیٹی کی اس سے شادی کرنے کے خلاف ہیں اور وہ پنجاب جا کر اپنے دوست کے بیٹے سے اس کی شادی کرنا چاہتے ہیں۔

بزنس کے لحاظ سے ہدائت کار ڈیوڈ دھون کی فلم ''قلی نمبر۔ ۱'' اور راکیش روشن کی فلم ''ارجن کرن'' بھی اس سال کی کامیاب فلمیں تھیں۔ ان میں اول الذکر میں گووندا، کرشمہ کپور اور قادر خان اہم اداکار تھے اور موخر الذکر میں راکھی گلزار، سلمان خاں اور شاہ رُخ خان۔

۱۹۹۶ء کی قابلِ ذکر فلموں میں ''گھاتک''، ''ماچس''، ''چاہت''، ''اگنی ساکشی''، ''تیرے میرے سپنے'' اور ''دیوانہ مستانہ'' کا نام لیا جا سکتا ہے۔ ان میں گلزار کی ''ماچس'' کو بڑی مقبولیت ملی جس میں تبو، اوم پوری، چندر چوڑ سنگھ اور جمی شیر گل اہم اداکار تھے۔ یہ اس دور کے پنجاب کی ایک دردناک کہانی ہے جب بلیو اسٹار، وزیر اعظم اندرا گاندھی کا قتل، اور اس کے ردِ عمل میں سکھوں کا بیدردی سے وحشیانہ قتل اور پنجاب میں دہشت گردی کے واقعات رونما ہوئے تھے۔ اس فلم کو نیشنل فلم ایوارڈ کی جانب سے گولڈن لوٹس ایوارڈ عطا کیا گیا تھا۔



۱۹۹۷ء میں ''دیوانہ مستانہ''، ''یشونت''، ''عشق''، ''گپت'' اور ''بارڈر'' فلموں کا ذکر بار بار آیا۔ ان میں آخر الذکر فلم ''بارڈر'' ایک یادگار فلم تھی جس نے اپنا نقش ایسا ثبت کیا کہ برسوں بیت جانے پر بھی اسے فراموش نہیں کیا جا سکا۔ اسے ہندو پاک جنگ کے پس منظر میں ڈائرکٹر جے پی دتا نے بڑے خوبصورت انداز میں پیش کیا تھا اور اس کے جنگی مناظر اور اس کے دلپذیر گیتوں نے فلم بینوں کا دل موہ لیا تھا۔ اس فلم کے اہم کلاکار تھے: سنی دیول، سنیل شیٹی، اکشے کھنہ، جیکی شراف، کل بھوشن کھر بندہ، تبو، پوجا بھٹ، اور راکھی۔ اس فلم پر جے پی دتا کو بہترین ہدائت کار کا ایوارڈ ملنے کے علاوہ اس فلم کو مختلف زمروں میں اعزازات سے نوازا گیا تھا اور اس نے لگ بھگ ۶۱ کروڑ کا کاروبار کیا۔

۱۹۹۸ء میں رام گوپال ورما کی زیرِ ہدایت بنی فلم ''ستیہ'' پردۂ اسکرین پر پیش کی گئی جس کا اسکرین پلے انوراگ کشیپ کے زورِ قلم کا نتیجہ تھا۔ اس میں اہم کردار جے ڈی چکرورتی، منوج باجپائی اور اُرملا

متوندکر نے ادا کیے تھے۔ اسی سال شاہ رُخ خان اور کاجول کو لے کر ہدیت کار کرن جوہر نے فلم'' کچھ کچھ ہوتا ہے'' پیش کی جس میں رانی مکرجی نے معاون کردار نبھایا تھا۔ یہ فلم باکس آفس پر ہٹ ثابت ہوئی اور اسے فلم بینوں نے بے حد پسند کیا۔ اسی برس ہندوستان کی پہلی 3-D فلم'' چھوٹا چیتن'' پردۂ اسکرین پر پیش کی گئی جسے جیجو پنوس (Jijo Punnoose) نے ڈائرکٹ کیا تھا۔ یہ فلم پہلے ۱۹۸۴ء میں ملیالم میں'' مائی ڈیئر کٹی چیتن'' کیا نام سے بنی تھی جسے ہندی میں ڈب کر کے'' تھری ڈی'' میں پیش کیا گیا تھا۔

اس کے علاوہ اسی سال مکیش بھٹ اور وکرم بھٹ کی ہدائت کردہ فلم'' غلام'' بھی دیکھنے کو ملی جس کے اہم اداکار عامر خان اور رانی مکرجی تھے۔ اس فلم کی تحریک و ترغیب ایلیا کازان کی فلم'' آن دی واٹر فرنٹ'' سے ملی تھی۔ اور یہ مذکورہ فلم کی دوسری ری میک تھی۔

عامر خان اور رانی مکرجی 'غلام' میں

اس سے پیشتر اسی پر سنجے دت کی فلم'' قبضہ بن چکی تھی۔ یہ فلم باکس پر ہٹ ثابت ہوئی اور اس نے بیس کروڑ کا بزنس کیا۔

۱۹۹۹ء کا سال فلموں کی کوالٹی کے لحاظ سے مایوس کن تھا اور صرف چند فلمیں ہی باکس آفس پر کامیاب ہو پائیں۔ غیر ملکوں میں بھی ان کی نمائش کا معاملہ بھی غیر تسلی بخش رہا۔ ان میں سلمان خاں، انل کپور، کرشمہ کپور، سشمتا سین اور تبو کو لے کر بنائی گئی فلم'' بیوی نمبر 1 '' اپنی دلچسپ کہانی اور مزاح کی وجہ سے باکس آفس پر کامیاب رہی اور اسی انداز کی ان کی دوسری ہدائت کردہ فلم '' حسینہ مان جائے گی (سنجے دت) کو بھی عوام نے پسند کیا۔ مذکورہ سال میں سبھاش گھئی کی تال (انل کپور اور ایشوریہ رائے) بھی لوگوں کی دلچسپی کا موجب بنی اور اسے بھی فلم بین طبقے نے اچھی فلم قرار دیا۔ مگر ان سب سے الگ تھلگ تھی عامر خان اور منیشا کوئرالا کو لے کر بنائی گئی فلم مان (Mann) جس کا موضوع عام فلموں سے ہٹ کر تھا۔ ان کے علاوہ سنجے لیلا بھنسالی کی فلم'' ہم دل دے چکے صنم' (سلمان خان، اجے دیوگن اور ایشوریہ رائے)' رام گوپال ورما کی '' کون'' (اُرملا متوندکر، منوج باجپائی) سنتھوش، آرزو، واستو، تھکشک (اجے دیوگن، تبو، امریش پوری) ''۱۹۴۷ء ارتھ'' (عامر خان، نندتا داس، راہل کھنہ) وغیرہ بھی اس سال کی قابل ذکر فلمیں تھیں جن کا اس سال چرچا رہا۔

سال ۲۰۰۰ء میں'' ہیرا پھیری'' اور'' کہونہ پیار ہے'' کے خوب چرچے رہے۔ اول الذکر فلم کے ہدائت کار تھے پریہ درشن اور اس کے اہم اداکار تھے اکشے کمار، پریش راول، سنیل شیٹی اور تبو۔ اس فلم نے ہنسی مذاق کے موضوع پر بنی تمام فلموں کے ریکارڈ توڑ دئے اور یہ اتنی کامیاب ہوئی کہ اس کے بعد'' ہیر

پھیری'' ۔ ۱، ۲، ۳ اور ۴ بھی بنائی گئیں ۔ تاہم اس فلم کی کامیابی میں پریش راول کا رول بڑا اہم ہے۔ کیونکہ وہ اس فلم میں مزاح کی جان تھے اور ان کی مزاحیہ اداکاری فطری تھی۔ اس فلم نے آمدنی کے لحاظ سے بھی ایک سو کروڑ کما کر اپنے آپ کو کامیاب مذاحیہ فلموں میں سرِ فہرست بنالیا۔

اس سال کی دوسری قابلِ ذکر فلم تھی ہدائت کار راکیش روشن کی رومان جرم اور ایکشن کے امتزاج سے بنائی فلم۔ ''کہونا پیار ہے'' (رتک روشن، ایشا پٹیل اور انو پم کھیر) جس نے مذکورہ سال میں تجارتی طور پر زبردست کامیابی حاصل کرنے کے علاوہ کئی ایوارڈ بھی حاصل کیئے۔ اس فلم کا بجٹ ۱۸ کروڑ کا تھا اور اس نے باکس آفس پر ۶۱،۵ کروڑ کا بیوپار کر کے کامیابی کے جھنڈے گاڑ دئے۔ علاوہ ازیں یہ فلم رتک روشن کی پہلی فلم تھی اور اس میں انہوں نے اپنی اداکاری اور رقص سے اپنا ایسا سکہ جمایا کہ وہ پہلی فلم سے ہی اسٹار بن گئے۔ علاوہ ازیں اس فلم کے موسیقار راجیش روشن کا میوزک بھی لوگوں کو پسند آیا۔ خاص کر اس کے گانے...... کہونا پیار ہے...... ناتم جانو نا ہم...... اور...... ایک پل کا جینا۔

۲۰۰۱ء میں برِصغیر کی تقسیم پرمبنی فلم ''غدر...... ایک پریم کتھا'' پردۂ اسکرین پر پیش کی گئی جس میں سنی دیول کے مدِ مقابل ہیروئن ایشا پٹیل تھیں اور امریش پوری ویلن ۔ یہ سال میں اچھا بیوپار کرنے والی فلم ثابت ہوئی اور اس کے چرچے زبان زدِ خاص و عام ہوئے۔ ملک کے بٹوارے پرمبنی ایک عشقیہ کہانی پر بنی یہ فلم سال رواں کی ہی نہیں بلکہ دہے کی بھی کامیاب فلموں میں شمار ہوئی۔ اسی سال عامر خان اور گریسی سنگھ کو لے کر ہدایت کار آشوتوش گووارکر نے ''لگان'' بنائی جسے بہترین غیر ملکی زبانوں کی فلم کی حیثیت سے آسکر ایوارڈ کے لئے بھی نامزد کیا گیا تھا۔ مگر افسوس کہ انتہائی پُر امید ہونے کے باوجود بھی اسے ایوارڈ نہ مل سکا۔ اس کے ساتھ ہی عامر خان کی فلم ''دل چاہتا ہے'' بھی اس سال پیش کی گئی جسے فرحان اختر نے ہدایت دی تھی اور جس میں پریتی زنٹا، سیف علی خاں اور اکشے کھنہ اہم اداکار تھے۔ اسے سال کی بہترین ہندی فیچر فلم کا نیشنل ایوارڈ بھی ملا تھا۔

۲۰۰۲ء میں سنجے لیلا بھنسالی کی ہدائت میں بنی فلم ''دیوداس'' منظر عام پر آئی جس میں شاہ رخ خاں نے دیوداس کا اور ایشوریہ رائے نے پارو (پاروتی) کا رول ادا کیا تھا اور مادھوری ڈیکشت نے چندرمکھی کا۔ اس سے پیشتر نیو تھیٹر نے بھی پی سی بروا کی ہدائت میں کے ایل سہگل اور جمنا کو لے کر پہلی بار یہ فلم تیار کی تھی پھر بمل رائے نے دلیپ کمار اور وجینتی مالا کو لے کر بڑے خوبصورت اور دل کش انداز میں اسے



دوبارہ پیش کیا تھی۔ تاہم سنجے بھنسالی کی فلم بھی ایک یادگار فلم تھی اور اس میں شاہ رخ خاں کی قابل تعریف اداکاری کے ساتھ ساتھ ایشوریہ رائے اور مادھوری ڈیکشت کی اداکاری اور رقص نے بھی تماش بینوں پر گہرے تاثر چھوڑے تھے۔ یہ فلم تکنیک کے لحاظ سے بھی پہلی فلموں سے بہت آگے تھی اور اس کے سیٹ بھی کروڑوں روپے خرچ کر کے بنائے گئے تھے۔ اس فلم میں چھ سیٹ بنانے کے لئے بیس کروڑ روپے کے اخراجات ہوئے تھے۔ اور اندرون اسٹوڈیو لگائے گئے سیٹ پر نو کروڑ روپے خرچ ہوئے تھے۔ اس میں مادھوری ڈکشت کے لباس پر پندرہ لاکھ کے اخراجات ہوئے تھے اور اس کے ایک گھاگھرے کا وزن ۳۵ کلو تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک لاکھ بیس ہزار کانچ کے ٹکڑوں سے حویلی میں پارو کے لئے ایک کمرہ بنایا گیا تھا جو تین کروڑ روپے کی لاگت سے تیار ہوا تھا اور چندر مکھی کا کوٹھا ماؤنٹ آبو کے دلواڑہ مندروں کے طرز پر بارہ کروڑ کی لاگت سے تعمیر ہوا تھا۔

۲۰۰۳ میں راجکمار ہرانی کی زیر ہدایت پروڈیوسر ودھو نود چوپڑہ کی فلم ''منا بھائی ایم بی بی ایس'' ریلیز ہوئی جس میں سنجے دت اور ارشد وارثی کی مذاحیہ اداکاری کو بہت پسند کیا گیا۔ اس فلم کی کامیابی نے ہی بعد ازاں ۲۰۰۶ ء میں انہی اداکاروں کو لے کر گاندھی جی کے اصول عدم تشدد کو مدِ نظر رکھ کر فلم ''لگے رہو منا بھائی'' بنائی گئی جس پر کئی ریاستوں سرکاروں نے انٹرٹینمنٹ ٹیکس بھی معاف کر دیا تھا۔ یہ اول الذکر فلم سے بھی زیادہ پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھی گئی اور اسے باکس آفس پر بھی بڑی کامیابی حاصل ہوئی۔ اس سال کی ایک اور یادگار اور کامیاب فلم ہدایت کار روی چوپڑہ کی فلم ''باغبان'' تھی جس میں امیتابھ بچن اور ہیما مالنی اہم اداکار تھے اور جس میں موجودہ نو نتے مشترکہ پریواروں کا المیہ اور بوڑھے والدین کے مسائل کو بڑے خوبصورت انداز میں پیش کیا گیا تھا اور جسے عوام نے بہت پسند بھی کیا حالانکہ سے دیکھتے ہوئے راجیش کھنہ کی فلم 'اوتار' بار بار یاد آتی ہے جو اس موضوع پر برسوں پہلے بنائی گئی تھی۔

اس کے علاوہ ''جسم'' کو بھی اس سال بوجوہ بڑی مقبولیت ملی۔

سال ۲۰۰۴ ء میں شاہ رخ خان کی فلم پروڈکشن 'ریڈ چلیز انٹرٹینمنٹ' کے بینر تلے فرح خان کی ہدایت میں بنائی گئی فلم ''مَیں ہوں نا'' ایک کامیاب فلم تھی جس کے کافی چرچے ہوتے رہے۔ اس میں شاہ رُخ کے علاوہ سشمتا سین، نصیر الدین شاہ، زیاد خان، اور امرتا راؤ نے بھی اداکاری کے جوہر دکھائے تھے۔ یہ فلم اندرون ملک بیرون ملک بڑی مقبول ہوئی اور اس نے اچھا بزنس بھی کیا۔ اس میں انو ملک کا میوزک بھی پسند کیا گیا اور کئی گانے جیسے مَیں ہونا...... تمہیں جو مَیں نے دیکھا...... یہ فضائیں......وغیرہ بھی پسند کی گئیں۔

ہدایت کار یش چوپڑہ کی فلم ''ویر زارا'' (شاہ رُخ خان، پریتی زنٹا، امریش پوری، رانی مکرجی، کرن


ویر زارا میں شاہ رُخ خان اور پریتی زنٹا

کھیر، دویادتا) بھی ۲۰۰۴ء سال کی ایک کامیاب فلم تھی جس میں امیتابھ بچن اور ہیما مالنی خصوصی طور پر جلوہ گر ہوئے تھے۔ برصغیر کے بٹوارے کے پس منظر بنی یہ ایک ایسی رومانی کہانی ہے جس میں ہندوپاک کے دو نوجوان اپنی محبت کی خاطر کیا کیا مصائب جھیلتے ہیں۔ ہیرو اپنی محبوبہ کو پانے کے لئے جان کی بازی پر لگا کر پاکستان جاتا ہے جہاں اسے اپنی محبوبہ کو لانے کے بجائے برسوں پاکستانی جیل میں گزارنے پڑتے ہیں۔ اس فلم کے سیٹ بھی اعلیٰ معیار کے تھے اور مدن موہن رنجیو کوہلی کی موسیقی نے اسے اور دلکش بنا دیا تھا۔ اس کے کئی گانے بہت ہی مقبول ہوئے۔ جیسے...... میں یہاں ہوں تو وہاں...... ایسا دیش ہے میرا...... آیا تیرے در پر تیرا دیوانہ...... تم پاس آ رہے ہو وغیرہ۔

اس فلم کو ہندوستان میں ہی نہیں غیر ممالک میں بھی بڑا پسند کیا گیا اور اسے متعدد اعزازات سے نوازا گیا۔ اس کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ اسے فلم فیئر ایوارڈ کے لئے پندرہ زمروں میں نامزد کیا گیا۔ اسے حکومت کی جانب سے بہترین پاپولر تفریحی فلم کا ایوارڈ ملنے کے علاوہ اسٹارڈسٹ، اسٹار اسکرین ایوارڈ، زی سائن ایوارڈ، گلوبل انڈین فلمز ایوارڈز وغیرہ سے نوازا گیا۔

اس سال کی ایک اور قابلِ ذکر فلم تھی ہدائت کار وشال بھاردواج کی فلم ''مقبول'' جو شیکسپیئر کے ڈرامے ''میکبتھ'' پر مبنی کہانی پر بنی تھی اور جس کے اہم اداکار تھے پنکج کپور، عرفان خان، تبو، معصومہ مکھیجہ، نصیرالدین شاہ، اوم پوری۔ یہ فلم پردہ اسکرین پر زیادہ نہیں چل پائی لیکن ٹورونٹو فلم فیسٹی ویل میں اسے بڑا سراہا گیا اور وشال بھاردواج کو بحیثیت ہدایت کار بین اقوامی شہرت ملی۔ ہدائت کاری کے علاوہ انہوں نے اس فلم کے گانے بھی کمپوز کئے جو گلزار کے تحریر کردہ تھے۔ اس میں پنکج کپور کی اداکاری کمال کی تھی اور انہیں بہترین اداکاری کی بدولت فلم فیئر کی جانب سے بہترین اداکار کا ایوارڈ ملا تھا۔ اس کے علاوہ انہیں بہترین معاون اداکار کا نیشنل فلم ایوارڈ بھی عطا کیا گیا تھا۔



۲۰۰۵ء میں ایک منفرد کہانی پر مبنی ہدایت کار سنجے لیلا بنسالی کی فلم ''بلیک'' کو امیتابھ بچن اور رانی مکرجی کی اداکاری کی بدولت بے حد پسند کیا گیا اور اسے بہترین فیچر فلم کا نیشنل ایوارڈ کے علاوہ گیارہ فلم فیئر ایوارڈز بھی حاصل ہوئے۔ اس سال

شرت چندر چیٹر جی کی کہانی ''پرنیتا'' پر ہدائت کار پردیپ سرکار نے ایک بار پھر فلم بنائی جو پہلے بمل رائے کی ڈائرکشن میں ۱۹۵۳ء میں بن چکی تھی اور جس میں اشوک کمار اور مینا کماری اشت برن اہم اداکار تھے۔ موجودہ فلم کے اہم اداکار ودیا بالن، سنجے دت اور سیف علی خان تھے۔

ان کے علاوہ ابھی شیک بچن کی فلم ''سرکار'' اور ناگیش ککونور کی ''اقبال'' بھی اس سال چرچا میں رہیں۔ ''اقبال'' کی کہانی ایک گونگے بہرے لڑکے اقبال (شریاس تلپاڈے) کے ارد گرد گھومتی ہے جو زندگی میں کرکٹ کا کھلاڑی بننے کے خواب دیکھتا ہے، لیکن اس کا باپ اس کی حوصلہ شکنی کر کے اسے اپنی طرح ایک کسان بنانا چاہتا ہے۔ مگر وہ ہمت نہیں ہارتا اور کرکٹر موہت کی تربیت سے آخر کار وہ اپنے نصب العین میں کامیاب ہو جاتا ہے اور آندھرا پردیش رنجی ٹرانی میں شامل ہو جاتا ہے۔

اس فلم کو کئی ایوارڈز سے نوازا گیا۔ شریاس تلپاڈے کو بہترین اداکار کے آئیفا (IFA) ایوارڈ اور زی سینما کرٹک ایوارڈ سے نوازا گیا جبکہ حکومت نے اسے بہترین فلم کا نیز اس کے اداکار نصیرالدین شاہ کو بہترین معاون اداکار کا نیشنل ایوارڈ عطا کیا۔

۲۰۰۶ء میں راکیش اوم پرکاش کی تحریر کردہ اور اسی کی زیر ہدایت بنی فلم ''رنگ دے بسنتی'' نے کامیابی کے جھنڈے گاڑ دیئے اور اس سپر ہٹ فلم کو کئی ایوارڈ عطا کئے گئے، جن میں بہترین موویکا فلم فئیر ایوارڈ بھی شامل ہے۔ اسی کے علاوہ رواں سال میں ہدایت کار دیباکر بینر جی کی ہدایت میں بنی فلم ''کھوسلہ کا گھوسلہ'' کو بھی اس کے طنز کی وجہ سے عوام نے بے حد پسند کیا۔ گو اسے چھوٹے بجٹ میں تیار کیا گیا تھا تاہم باکس آفس پر بھی اسے اچھی کامیابی ملی۔ ''ہزاروں خواہشیں ایسی'' بھی اس سال کی ایک قابل ذکر فلم تھی۔

۲۰۰۶ء میں ہدائت کار راج کمار ہرانی کی فلم ''لگے رہو منا بھائی؟'' کو اندرون مملکت اور بیرون ملک بہت ہی سراہا گیا اور عوام نے اسے بہت زیادہ پسند کیا۔ مہاتما گاندھی کے اصولوں پر مبنی اس فلم کے اہم اداکار سنجے دت، ارشد واسطی، ودیا بالن اور بومن ایرانی تھے۔ اور اس نے ۱۱۹ کروڑ روپے کا بیوپار کرنے کے علاوہ متعدد قومی اور عالمی اعزازات بھی حاصل کئے۔ ۲۰۰۷ء میں اسے کینس فلم فیسٹیول میں شامل کیا گیا نیز یہ پہلی ہندی فلم تھی جسے اقوام متحدہ میں بھی دکھایا گیا اور جس کی وزیر اعظم ہند ڈاکٹر منموہن سنگھ نے بھی تعریف و توصیف کی۔ اس فلم کی قومی اہمیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کئی ریاستوں نے اس پر تفریحی ٹیکس بھی معاف کر دیا۔ یہ ایک ایسی فلم تھی جس نے لوگوں میں گاندھی جی سے متعلق کتابیں خصوصاً ان کی سوانح عمری پڑھنے میں غیر معمولی دلچسپی پیدا کی۔

اسی سال شاہ رخ خان کی فلم ''ڈان'' کا بھی خوب چرچا رہا جو ۱۹۷۸ء میں بنی ڈان کی کہانی پر مبنی

تھی۔اس میں شاہ رخ خان کے مدمقابل ہیروئن پرینکا چوپڑہ تھیں۔ فرحان اختر کی زیرِ ہدائت بنی اس فلم کے دیگر اداکار تھے ارجن رامپال، ایشا کوپیکر اور بومن ایرانی۔اس فلم کی زیادہ تر شوٹنگ ملایشیا میں کی گئی تھی اور اس کے کچھ مناظر جزیرہ لینگ کوی (Langkawi) اور پیٹرونا س ٹون ٹاورز (Pertronas Twin Towers) اور کچھ جالان مسجد انڈیا میں فلمائے گئے جسے 'منی ہندوستان' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔اس فلم کو اچھی کامیابی ملی اور اس نے زائد از ایک سو کروپے کا بزنس کیا جس سے متاثر ہوکر فرحان اختر نے ۲۰۱۱ء میں ڈان۔۲ بنانے کی جسارت کی جس نے پہلی فلم سے بھی زیادہ کامیابی حاصل کی اور جسے کئی اعزازات سے نوازا گیا اور جس نے ۲۳۶ کروڑ کا مجموعی کاروبار کیا۔

۲۰۰۷ء میں شاہ رُخ خان کی فلم ''چک دے انڈیا'' کو بھی عوام نے بہت پسند کیا اور اس کا گانا ''چک دے انڈیا'' لگ بھگ ہمارے ملک میں اسپورٹس کا قومی ترانہ ہی بن گیا جسے کھلاڑیوں میں جوش بھرنے کے لئے استعمال کیا جاتا رہا ہے۔شمیت امین (Shimit Amin) کی ہدایت میں تیار ہوئی اس فلم میں ہماری ہاکی میں گرتی ساکھ کو مدِ نظر رکھ کر اور اسے کامیابی سے دوچار کرنے کی تھیم پر بنایا گیا تھا اور اس نے باکس آفس پر بھی اچھی کامیابی حاصل کی۔تاہم اس سال کی قابل ذکر اور اہم فلم عامر خاں کی 'تارے زمین پر'' تھی جسے ایک منفرد تھیم پر بنایا گیا تھا اور جس میں اداکاری کرنے کے علاوہ انہوں نے ہدایت کاری کے فرائض بھی انجام دیئے تھے۔یہ فلم خاص و عام میں پسند کی گئی اور اسے کئی اعزازات سے بھی نوازا گیا۔یہ ۲۰۰۹ء میں ہندوستان کی اکیڈمی ایوارڈ کے لئے سرکاری طور پر داخل کی گئی تھی۔اس فلم کے گیتوں نے بھی عوام کی توجہ اپنی جانب مبذول کی اور اس کا گانا ''مجھے اندھیرے سے ڈر لگتا ہے ماں'' ہٹ ہوگیا جسے فلم بین طبقے نے بے حد پسند کیا۔

اسی برس شاہد کپور اور کرینا کپور کی جوڑی کو لے کر بنائی گئی فلم ''جب وی میٹ'' ایک ہٹ فلم ثابت ہوئی۔پنجابی ماحول میں بنائی گئی اس فلم کے اہم اداکار تھے، دارا سنگھ، پون ملہوترا، کرن جنیجہ، ترن اروڑہ اور راجندر کالا۔یہ فلم زبردست ہٹ ہوئی اور اس نے اچھا کاروبار کیا۔لہٰذا اس کی کامیابی کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کے تقسیم کاروں نے اسے جنوبی ہند کی چار زبانوں میں بنانے کا بھی فیصلہ کیا۔

لائف ان میٹرو بھی ۲۰۰۷ء کی ایک قابل ذکر فلم تھی۔

۲۰۰۸ میں عامر خان کی ''گجنی'' بھی نئی منفرد کہانی کی بدولت عوام کو بڑی پسند آئی۔ اے آر۔ مورگاداس کی تحریر کردہ اور زیرِ ہدائت بنی اس فلم کو پہلے ۲۰۰۵ء میں تمل زبان میں بنایا گیا تھا اور اس کے ہیرو سوریہ سوکمار تھے۔اس فلم کی کہانی ایک امیر شخص کے اردگرد گھومتی ہے جو ایک پُر تشدد تصادم میں اپنی ماڈل محبوبہ کلپنا کی ہلاکت کے بعد انٹروگریڈ امنیشیا (Anterograde amnesia) کا شکار ہوجاتا

ہے۔وہ بدلہ لینے کے لئے پولورائڈ کیمرے کی مدد لیتا ہے۔اوراپنے جسم پر ٹیٹو بنواتا ہے۔اس ایکشن اور نفسیاتی فلم کے اہم اداکار تھے۔اسین، پردیپ راوت، جیا خان، ریاض خان، ٹینو آنند اور سنیل گروور۔اس فلم میں اپنے آپ کو رول کے لئے موزوں بنانے کی غرض سے عامر خان ایک سال تک جیم (Jym) میں تربیت حاصل کرتے رہے۔کہا جاتا ہے کہ اس فلم کو امریکن فلم ''میمنٹو'' سے متاثر ہو کر لکھا گیا تھا جبکہ مذکورہ فلم خود بھی میمنٹو مون(Memento mon) نامی کہانی سے اخذ کی گئی تھی۔

ہدائت کار انیس بزمی کی فلم ''سنگھ از کنگ'' بھی اس سال کی ایک اہم فلم تھی جس میں اکشے کمار اور کٹرینا کیف کے علاوہ اوم پوری، کرن کھیر، نیہا دھوپیا، جاوید جعفری، رن ویر شوری اور سونو سود نے بھی اداکاری کے جوہر دکھائے تھے۔کامیڈی اور مار دھاڑ سے بھر پور اس فلم کی زیادہ تر شوٹنگ گولڈ کوسٹ اور کوئین لینڈ (آسٹریلیا) میں ہوئی تھی۔اکشے کمار اس فلم میں اپنی مذاحیہ اداکاری اور مار دھاڑ سے فلم میں چھا گئے اور انہیں ان کی شاندار کارکردگی پر تیسرا ایشین فلم ایوارڈ بھی ملا۔اس فلم کی موسیقی پریتم چکرورتی نے ترتیب دی تھی اور اس میں ''سنگھ از کنگ'' گانا برٹش بھانگڑا بینڈ'' آر ڈی بی'' نے کمپوز کیا تھا اور اس کا گانا ''جی کردا'' کو بھی بڑی مقبولیت ملی جس میں کٹرینا کیف منی اسکرٹ کے ساتھ رقص کرتی ہے۔باکس آفس پر یہ بڑی کامیاب رہی اور اس نے پہلے ہفتے میں صرف اندرون ملک ۷۷،۵۹ کروڑ روپے کا روبار کر کے اوم شانتی اوم کا ۴۱ کروڑ روپے کا ریکارڈ توڑ دیا تھا۔

رتک روشن اور ایشوریہ رائے کو لے کر بنائی گئی تاریخی فلم ''جودھا اکبر'' بھی اس سال کی چرچت فلم تھی جسے آشوتوش گوواریکر نے ڈائرکشن دی تھی جو اس سے پہلے اکادمی کے ایوارڈ کے لئے نامزد ہوئی مشہور فلم ''لگان'' کو ڈائرکٹ کر چکے تھے۔اس فلم کے اہم اداکاروں میں سونو سود، رضا مراد، کل بھوشن کھربندہ وغیرہ شامل تھے۔ مغل بادشاہ اکبر اور راجپوت شہزادی جودھا بائی کے عشق کی نیم تاریخی کہانی پر بنی اس فلم پر کئی اداروں خصوصاً راجپوت کمیونٹی نے کئی اعتراض کئے تھے جس سے راجستھان، اُتر پردیش، ہریانہ اور اُترا کھنڈ میں اس پر پابندی لگا دی گئی تھی، جسے بعد ازاں سپریم کورٹ نے ہٹا دیا اور ان ریاستوں میں بھی اس کی نمائش کے دروازے کھل گئے۔اس فلم کی شوٹنگ کے دوران ۸۰ ہاتھی، ایک سو گھوڑے اور ۵۵ اونٹ استعمال کئے گئے اور ''عظیم الشان شہنشاہ'' نامی گانے کی شوٹنگ میں ایک ہزار رقاصوں نے روائتی کاسٹیوم میں حصہ لیا تھا۔ اس کے سیٹ بھی شاندار تھے اور اس میں سونے اور کندن کے زیورات پر بھی بہت روپیہ صرف کیا گیا جسے کنشک نے تیار کیا تھا۔اس فلم کی تیاری میں لگ بھگ چالیس کروڑ روپے خرچ ہوئے۔

''گول مال'' اور ''جنت'' بھی اس سال کی قابل ذکر فلمیں تھیں۔

۲۰۰۹ء میں عامر خان کی فلم ''تھری ایڈیٹ'' نے کامیابی کے ریکارڈ توڑ دیے۔ نمائش کے لئے پیش کیئے جانے کے دس دن کے اندر اندر ملک میں ایک سو کروڑ کا کاروبار کر کے اس نے گزشتہ ریکارڈ توڑ دیئے اور بھارت میں یہ سب سے زیادہ کاروبار کرنے والی فلم بن گئی۔ چیتن بھگت کے ناول ''فائیو پوائینٹ سم ون'' پر مبنی اس فلم کے ڈائرکٹر راجکمار ہرانی تھے اور اہم اداکار کرینا کپور، ریا، آر۔ مادھون، شرمن جوشی، اومی وئیدیا، مونا سنگھ، پریکشت ساہنی اور بومن ایرانی تھے۔ اس فلم کی ایک خوبی یہ تھی کہ ہر بہترین زمرے کا ایوارڈ اسے ملا اور سب اداروں نے اسے ایوارڈ سے نوازا اور اس کو متعدد ملکی اور غیر ملکی ایوارڈ ملے اور اس کی تعریف وتوصیف بھی بے حد ہوئی۔

اس سال کی دوسری قابلِ تعریف فلم ''پا'' تھی جسے آر بالکی نے ڈائرکٹ کیا تھا اور جس کے اداکار امیتابھ بچن، ودیا بالن، ابھیشیک بچن اور پریش راول تھے۔ یہ فلم نایاب جینیٹک (Genetic) حالت جسے پروگیریا (Progeria) کہتے ہیں پر مبنی ہے۔ اور یہ باپ بیٹے کے رشتے سے متعلق ہے۔ پروگیریا بیماری کا بچہ زیادہ مدت زندہ نہیں رہ پاتا کیونکہ اس کی عمر بڑھی تیزی سے بڑھتی ہے۔ یوں تو ابھیشیک امیتابھ بچن کے بیٹے ہیں مگر اس میں انہوں نے باپ کا رول ادا کیا ہے۔ کہانی کے مطابق اورو (امیتابھ بچن) کی پیدائش امول آرتے (ابھیشیک بچن) اور ودیا (ودیا بالن) کے پیار کا نتیجہ ہے۔ امول یہ بچہ نہیں چاہتا اور وہ ودیا کو حمل گرانے کے لئے کہتا ہے مگر وہ نہیں مانتی۔ اور وہ اس بچے کو جنم دے کر اس کی پرورش و پرداخت کرتی ہے اور امول اس سے الگ ہو جاتا ہے۔ بعد ازاں امول کی اورو سے دوستی ہو جاتی ہے اور وہ اسے راشٹر پتی بھون دکھانے دہلی بھی لے جاتا ہے۔ آخر میں اورو بیمار ہو جاتا اور اس کے بچنے کی کوئی امید نہیں رہتی لیکن مرنے سے پیشتر وہ اپنے والدین کو قریب لانے کا موجب بنتا ہے۔ اور وہ آخری الفاظ بولتا ہے۔ ''ماں اور'' پا'' اور اس وقت اس کے چہرے پر پُر امید مسکراہٹ ہوتی ہے۔ اس فلم میں منفرد انداز کا رول کرنے پر امیتابھ بچن کو کئی ایوارڈ ملے تھے جن میں بہترین اداکاری پر نیشنل فلم ایوارڈ بھی شامل ہے۔

۲۰۱۰ء میں ارباز خاں کی پہلی پروڈیوس کی گئی فلم ''دبنگ'' نے ریلیز ہوتے ہی کامیابی کے جھنڈے گاڑ دیئے اور ۴۲ کروڑ روپے کی لاگت سے بنائی گئی اس فلم نے ۲۱۵ کروڑ روپے کا غیر معمولی کاروبار کر کے ملک کی زبردست کاروبار کرنے والی فلموں میں اپنے کو شمار کرالیا۔ اس میں سلمان خان کی اداکاری کو بھی پسند کیا گیا۔

۲ دسمبر ۲۰۱۱ء کو جنوبی ہند کی اداکارہ 'سلک سمتھ' کی زندگی پر مبنی فلم 'دی ڈرٹی پکچر' ریلیز کی گئی جو کہ ان کا یوم ولادت تھا۔ پروڈیوسر ایکتا کپور کی اس فلم کو عوام نے بے حد پسند کیا۔ اس فلم میں ودیا بالن کی

اداکاری کو ہر کہ ومہ نے سراہا اور وہ اپنی منفرد اداکاری کی بدولت سرفہرست اداکاروں میں شمار ہونے لگی اور اسے کئی اعزازات سے نوازا گیا۔ اس فلم کو تین نیشنل ایوارڈ عطا کئے گئے جن میں ودیا بالن کو دیا گیا بہترین ایکٹرس کا ایوارڈ بھی شامل تھا۔ ودیا بالن کے علاوہ نصیرالدین شاہ اور تشار کپور بھی اس فلم کے اہم کردار تھے۔

اگست ۲۰۱۲ء میں سلمان خاں اور کترینا کیف کی فلم ''ایک تھا ٹائیگر'' ریلیز ہوئی جس کی ہدایت کے فرائض کبیر خاں نے انجام دئے تھے اور جس نے سارے ملک میں اپنی کامیابی کے جھنڈے گاڑ دئے۔ اس فلم نے پہلے ہی دن ۳۲ کروڑ ۹۳ لاکھ روپے کی کمائی کر کے گزشتہ ایک صدی کے تمام ریکارڈ توڑ دئے۔ اس سے پیشتر فلم اگنی پتھ نے پہلے دن ۲۱ کروڑ روپے کی آمدنی دکھائی تھی جبکہ شاہ رُخ خان کی راون نے دوسرے دن ۲۲ کروڑ روپے کی آمدنی کا ریکارڈ قائم کیا تھا۔ اس سے پیشتر سلمان خان کی گزشتہ تین فلموں دبنگ (۱۴۷ کروڑ)، ریڈی (۱۲۲ کروڑ) باڈی گارڈ (۱۴۷ کروڑ) نے بھی آمدنی کے لحاظ سے ریکارڈ کمائی کر کے تہلکہ مچا دیا تھا۔ اس سال رنبیر کپور اور پرینکا چوپڑا کی فلم ''برفی'' نے بھی اچھا بزنس کیا اور عوام کے علاوہ خواص نے بھی اسے پسند کیا جس بنا پر اسے سرکاری طور پر غیرملکی زبانوں کی فلموں کے زمرے میں بالی وڈ کے آسکر ایوارڈ کے لئے نامزد کیا گیا۔

سری دیوی شادی کے بعد کوئی ڈیڑھ دہے تک فلمی پردے سے غائب رہی اور کسی فلم میں نمودار نہیں ہوئی اور اب اتنی مدت بعد اب وہ ہدایت کار گوری شنڈے کی فلم انگلش ونگلش میں جلوہ گر ہوئی جسے ناظرین نے بے حد پسند کیا ہے اور جس نے بزنس بھی اچھا کیا ہے۔

مذکورہ بالا سال میں دیوالی کے موقع پر دو فلمیں ''او مائی گاڈ'' اور ''سن آف سردار'' ریلیز کی گئیں جن کا پریس میں بڑا چرچا رہا کیونکہ ''او مائی گاڈ'' کی ریلیز پر اجے دیوگن نے اعتراض کیا تھا کہ اسے اس کی فلم ''سن ف سردار'' کے ساتھ نمائش کی اجازت نہ دی جائے۔ تاہم دونوں فلمیں ایک ساتھ ہی پردہ اسکرین پر پیش کی گئیں۔ اکشے کمار کے علاوہ پریش راول اور متھن چکرورتی بھی ''او مائی گاڈ'' کے اہم کردار تھے۔ اور اسے عوام نے بے حد پسند کیا تھا کیونکہ اس میں مذہب اور خدا کے نام پر کئے جانے والے ڈھکوسلوں اور سادھوسنتوں کے پاکھنڈوں پر بڑا تیکھا طنز کیا گیا تھا اور ساتھ ہی ان کا پول بھی کھولا گیا تھا۔

لیش چوپڑہ کی فلم ''جب تک ہے جان'' جس میں شاہ رُخ خان، کترینا کیف اور انوشکا شرما نے اداکاری کے جوہر دکھائے تھے، کا بھی بڑا چرچا رہا۔ فلم کے ہدایت کار لیش چوپڑہ کی اچانک وفات نے اسے خبروں اور الیکٹرانک میڈیا کی سرخی بنا دیا اور اسے خوب پبلسٹی حاصل ہوئی۔ اور رومانی فلم ہونے کی

وجہ سے باکس آفس پر بھی کامیاب رہی۔

سال کے آخر میں عامر خان پروڈکشن کی فلم "تلاش" پیش کی گئی جس میں عامر خان کے علاوہ رانی مکرجی، کرینا کپور، نوازالدین صدیقی، راج کمار یادو، شرناز پٹیل، شیبا چڈھا، نے بھی کام کیا تھا۔ اس فلم کی کہانی بڑی دلچسپ اور پُراسرار تھی اور اس میں ناظرین کی دلچسپی آخر تک قائم رہتی ہے۔ یہ فلم باکس آفس پر سپرہٹ رہی اور اس نے ۱۴۷ کروڑ کا مجموعی کاروبار کیا۔

ان کے علاوہ فلم ہیروئن (کرینا کپور، ارجن رامپال، رندیپ ہڈا)، ایکھی (نانی، سامنتھ پربھو، سدیپ)، راوڑی راٹھور، اگنی پتھ، اور کہانی (ہیروئن ودیا بالن) کا بھی فلمی دنیا میں بڑا چرچا رہا۔

۲۰۱۳ کی مئی کی ابتدا میں سنجے گپتا کی فلم "شوٹ آوٹ ایٹ وڈالا" اور امیتابھ بچن کی ۱۹۷۳ میں بننے والی مقبول فلم زنجیر" کاری میک دیکھنے کو ملی جس میں امیتابھ بچن کا رول رام چرن تیجا نے اور جیا بچن کا کردار پرینکا چوپڑا نے ادا کیا تھا۔ ہدائت کار آنند ایل رائے کی فلم رانجھنا بھی اس سال نمائش کے لئے پیش کی گئی جس میں سونم کپور، دھنش اور ابھے دیول کی اداکاری قابل ذکر تھی۔ اس فلم پر پاکستان سنسر بورڈ نے کچھ اعتراض کی وجہ سے ریلیز کرنے میں منائی کردی، تاہم یہ فلم کامیاب ثابت ہوئی اور اس نے پہلے ہفتے میں ہی ۳۴ کروڑ کا کاروبار کیا۔ اس کے علاوہ آیان مکرجی کی فلم "یہ جوانی ہے دیوانی" (رنبیر پور، دیپیکا پاڈوکون) کے علاوہ یملا پگلا دیوانہ، گھن چکر (ودیا بالن، عمران ہاشمی)، فکرے، جاٹ اینڈ جولیٹ، لٹیرا (رن ویر سنگھ، سوناکشی سنہا)، پولیس کیری (سنجے دت، پراچی ڈیسائی، پرکاش راج) وغیرہ بھی پردۂ اسکرین کی زینت بنیں۔

ہندوستان میں سوانحی فلمیں (Biopics) بہت کم بنائی گئی ہیں اور موجودہ دور کی ہستیوں میں مہاتما گاندھی، سبھاش چندر بوس، کندن لال سہگل شہید بھگت سنگھ وغیرہ معدودے چند ہی شخصیات کو یہ شرف حاصل ہوا ہے کہ ان پر سنیما نے توجہ دی ہو۔ تاہم سنیما صدی کے اس سال کے دوران فلم "رنگ دے بسنتی" کے ڈائرکٹر راکیش اوم پرکاش مہرہ نے مشہور ہندوستانی ایتھلیٹ ملکھا سنگھ کی زندگی کے واقعات پر مبنی سوانحی فلم "بھاگ ملکھا بھاگ" بنا کر ایک قابلِ تحسین قدم اُٹھایا ہے۔ اس فلم میں فرحان اختر نے ملکھا سنگھ کا کردار قابل تحسین انداز میں نبھایا ہے کہ بعض مقام پر اصل اور نقل میں امتیاز مشکل ہوجاتا ہے۔ فرحان اختر کے علاوہ اس فلم میں سونم کپور، پون ملہوترا اور دویا دتا بھی اہم کردار ہیں۔ ناقدین کا کہنا ہے اگر اسے کچھ مختصر بنایا جاتا تو بہتر ہوتا کیونکہ اس فلم کی لمبائی کچھ حد تک اس کی بوریت کا موجب بن گئی ہے۔

اور اب مستقبل قریب میں بہت سی فلمیں پردہ اسکرین پر پیش کی جانی متوقع ہیں جن میں شاہ رُخ

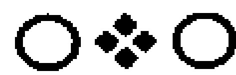
خان کی چنئی ایکسپریس ،سلمان خان کی ''مینٹل'' (ڈیزی شاہ،ثنا خان)،اور'' کِک'' (جیکولین فرنڈیز) رتک روشن کی'' بینگ بینگ'' (کٹرینا کیف) ستیہ گرہ (اجے دیوگن،کرینا کپور) کرن جوہر کی فلم ''گوری تیرے پیار میں (کرینہ کپور۔عمران) اوپپی نیوائیرر (انکیتا لاکھانڈے،دیپکا پاڈوکون) لیلا (دیپکا پاڈوکون۔رن ویر) یسوراج کمار کی پھٹا پوسٹر نکلا جوکر (شاہد کپور) ونس اُپان اے ٹائم ممبئی دوبارہ ،ویلکم بیک،پریتی زنٹا کی ''عشق ان پیرس''، پربھودیوا کی ''رمیاوستاوییا''، ہدائت کار ڈیوڈ دھون کی ''میں تیرا ہیرو (ورون دھون،سونم کپورایلان ڈی کروز) سبھاش گھئی کی'' کانچی رے کانچی''، جان ڈے (نصیرالدین شاہ) غنڈے (رن ویر سنگھ، ارجن کپور) میری کوم،ملن ٹاکیز،، دھوم۔۳ (کٹرینا کیف) فائینڈنگ فنی،مدراس کیفے (نرگس فاخری) بارڈر۔۲ وغیرہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

گزشتہ ایک صدی میں سینما کی تکنیک میں غیر معمولی ترقی وفروغ ہوا ہے۔وہ فلم جو بھاری بھرکم کیمروں سے شروع ہوئی تھی اب اتنے چھوٹے ویڈیورموی کیمروں میں سے بنائی جاتی ہے جوآپ کی ہتھیلی میں سما سکتے ہیں۔یہی نہیں ڈجیٹیل امیج پراسینگ (Digital Image Processing) کی بدولت اب پرانی بلیک اینڈ وائٹ فلموں کو رنگین فلموں میں تبدیل کرنے کے ہنر کی بدولت ہم بہت سی کلاسیک اور یادگار فلموں کو رنگین شکل میں دیکھنے کے قابل ہوگئے ہیں۔اس سمت میں پہلا قدم کے آصف کی فلم مغلِ اعظم،(۱۹۶۰ء) کو رنگین بنا کر پیش کرنا تھا۔اوراب ۴۴ سال بعد ۲۰۰۴ء میں ہم مغل اعظم کے علاوہ دیگر کئی فلموں کے رنگین پرنٹ دیکھنے کے قابل ہوگئے ہیں۔مغل اعظم کے علاوہ نیا دور (۱۹۵۷ء/۲۰۰۷ء) ہم دونوں (۱۹۶۱/۲۰۱۱ء) حقیقت (۱۹۶۰/ ۲۰۱۱ء) چوری چوری (۱۹۵۶ء) دل تیرا دیوانہ (۱۹۶۲ء) اور ہاف ٹکٹ وغیرہ کئی ہندی فلمیں رنگین پرنٹ میں پیش کی گئی ہیں اوراس سے پروڈیوسرس کو اچھی آمدنی بھی ہوئی ہے۔یہی نہیں کبھی ہم پرانی کلاسیکل اور نایاب فلموں کو دیکھنے کو ترستے تھے کیونکہ اب سی۔ڈی کمپیکٹ ڈسک (C.D.Compact Disc) کی بدولت اب ہم ملک میں بنی سبھی فلمیں کمپیوٹر پر بآسانی دیکھ سکتے ہیں۔

کسی وقت ۳۔ڈی تھیٹرز ہمیں حیران کن لگتے تھے اوراب اس فن میں اتنی ترقی ہو چکی ہے کہ ۴۔ڈی اور ۵۔ڈی۔تھیٹروں کو پھلانگ کر اب ہم ۱۱۔ڈی تھیٹروں میں لطف اندوز ہونے کے قابل ہوگئے ہیں اورابھی حال ہی میں شائع خبر کے مطابق (۱۸رجولائی ۲۰۱۳ء) کورانچی کے سپرا انٹرٹینمنٹ ادارے نے گوزبمپ (Goosebump) تھیٹر میں اس عجوبے کا شو پیش کیا تھا۔اس تکنیک کی وجہ سے تماشبین تھیٹر میں بیٹھ کر بجلی، بارش، برفباری،ہوائی دھماکے یوں محسوس کریں گے جیسے وہ ان کے سامنے وقوعہ پذیر ہورہے ہیں۔وہ برف باری سے ایسی ٹھنڈک محسوس کریں گے کہ وہ کانپنے لگیں گےاور

دھاکوں سے وہ لرز اُٹھیں گے اور ان کی ٹانگیں کانپ اٹھیں گی اور کسی رقص وسرود کی محفل میں انہیں ایسا محسوس ہوگا کہ وہ اس میں بذاتِ خود شامل ہیں اور وہ اس میں جھوم جھوم اُٹھیں گے۔

فلموں میں اب نئے نئے اداکار پردۂ اسکرین پر نظر آنے لگے ہیں جن میں زیادہ تر پرانے اداکاروں کے بیٹے بیٹیاں ہیں نیتو۔رشی کپور کا بیٹا رنبیر کپور، انل کپور کی بیٹی سونم کپور، کمل ہاسن کی بیٹی شرتی ہاسن، شترو گن سنہا کی بیٹی سوناکشی سنہا، عامر خان کا بھانجا عمران خان، دھرمیندر کا بھتیجا ابھے دیول، اپرنا سین کی بیٹی کن کن سین، بونی کپور کا بیٹا ارجن کپور، ڈیوڈ دھون کا بیٹا ورن دھون، پرینکا چوپڑہ کی چچازاد بہن (پرنیتی چوپڑہ) جنوبی ہند کے چرنجیو کا بیٹا رام چرن تیجا، رجنی کانت کا داماد دھنش، جیکی شراف کا بیٹا (ٹائیگر شراف) (سنیل شیٹی کی بیٹی (آتھیا شیٹی) خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ان کے علاوہ کچھ ایسے اداکار بھی فلموں میں نظر آئے جن کا براہِ راست فلم انڈسٹری سے کوئی رابطہ نہیں جیسے نوازالدین صدیقی، ہما قریشی، رن ویر سنگھ، انوشکا شرما، سُشانت سنگھ راجپوت، ساشا آغا، پریہ آنند، وغیرہ۔



یاسین گوریجہ

پاکستان کی فلمی تاریخ

(اگست ۱۹۴۷ تا ۱۹۹۶)

فلمی صنعت کے ابتدائی حالات کا جائزہ لیا جائے تو ۱۴؍اگست کو لاہور میں کوئی بھی اسٹوڈیو نہیں کھلا تھا۔ ستمبر میں سب سے پہلے پردھان اسٹوڈیو اپرمال کھولا گیا جو ابھی تک سیٹھ دلسکھ ایم پنچولی کے قبضے میں تھا اور دیوان سرداری لال اس کے منتظم تھے۔ سیٹھ دلسکھ ایم پنچولی جولائی میں لاہور سے بمبئی چلے گئے اور وہ دوبارہ ستمبر میں لاہور تشریف لائے اور مندرجہ بالا اسٹوڈیو کو چالو کیا گیا۔ سب سے پہلے اس اسٹوڈیو میں ہدایت کار عاشق بھٹی کی فلم 'دو کنارے' کا افتتاح کیا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ 'شاہدہ' اور 'تیری یاد' بننا شروع ہوئیں لیکن جو فلم سب سے پہلے ریلیز ہوئی وہ 'تیری یاد' تھی جو مقامی پربھات سینما (موجودہ صنوبر سینما) میں ۲ستمبر کو ریلیز ہوئی۔ تمام فلم اسٹارز ٹیکنیشنز کے علاوہ اسٹوڈیو ورکرز نے اس فلم کے افتتاح میں حصہ لیا لیکن یہ فلم بری طرح فلاپ ہوئی۔ اس دوران میں ہدایت کار نذیر نے پنجاب آرٹ اسٹوڈیو مسلم ٹاؤن میں 'ہیر رانجھا' شروع کی۔

اپرمال کے اسٹوڈیو میں مصری شاہ لاہور کے شیخ محمد حسین نے 'ہچکولے' کا آغاز کیا۔ کاسٹ کریڈٹ کے اعتبار سے 'شاہدہ' بھی اچھی فلم تھی جو اس دور میں بنی۔ 'ہچکولے' اور 'شاہدہ' ایک ہی روز لاہور کے پیلس اور پیٹل میں ریلیز ہوئیں۔ لیکن انڈین فلموں کی اندھا دھند آمد کی وجہ سے دونوں فلمیں فلاپ ہوگئیں۔ فنی اعتبار سے شاہدہ اچھی فلم تھی نذیر کی 'ہیر رانجھا' اس وجہ سے رک گئی کہ اس کی تکمیل کے دوران میں ولی صاحب کی 'ہیر رانجھا' اور اے آر کاردار کی 'دل لگی' ریلیز ہوگئیں جو ایک ہی کہانی پر مبنی تھیں۔ ویسے بھی 'ہیر رانجھا' نذیر کے بھانجے ملک باری کے فنانس سے شروع ہوئی تھی اور دونوں ماموں بھانجے میں گھریلو تنازعہ شروع ہوگیا اس وجہ سے یہ فلم بند کردی گئی اور نذیر نے 'سچائی' کے نام سے ایک فلم بنا ڈالی جو ۷ مئی ۱۹۴۹ء کو ریلیز ہوئی لیکن ناکام ہوگئی۔ اس فلم کو آپ پہلی چربہ فلم بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ نذیر صاحب کی اپنی ہی ایک فلم 'چھیڑ چھاڑ' کی نقل تھی۔ 'سچائی' کے بعد دیوان سرداری لال کی 'غلط فہمی' ریلیز ہوئی جسے کیمرہ مین احمد للہ اجمیری نے ڈائریکٹ کیا تھا لیکن یہ فلم بھی بری طرح پٹ گئی۔ ۱۹۴۶ء میں نور جہاں اور نذیر کی ایک فلم 'گاؤں کی گوری' بے حد سپر ہٹ گئی تھی اور اس سے پہلے ۱۹۴۵ء میں 'پہلی

پنجابی فلم شیلا عرف پنڈ دی کڑی' بھی سپر ہٹ گئی تھی۔ ان دونوں فلموں کی کہانیاں ایک ہی تھیں۔ نذیر نے اسی کہانی کو بابا عالم سیاہ پوش سے دوبارہ لکھوایا اور اسے پنجابی زبان میں' پھیرے' کے نام سے پیش کر دیا۔ یہ ایک آموزدہ کہانی تھی جسے ہندستانی مارکیٹ کو سامنے رکھتے ہوئے ہندو پس منظر پر ہندو کیریکٹروں پر ہی بنایا گیا۔ یہ فلم جب انڈین فلموں کے مقابلے میں ۳ راگست ۱۹۴۹ء کو ریلیز ہوئی تو اس کے سپر ہٹ نغمات نے دھوم مچا دی۔ اس فلم نے نہ صرف پاکستان بلکہ انڈیا میں بھی زبردست بزنس کیا۔ یہ پہلی پاکستانی فلم تھی جس نے ایک ہی سینما پر سلور جوبلی منائی۔ اس کامیابی کو دیکھتے ہوئے انڈین فلموں کے مشہور تقسیم کار آغا جی اے گل پروڈکشن میں آئے اور انہوں نے داؤد چاند کو لے کر' مندری' شروع کی۔ اُن کی آمد کے ساتھ ہی چوہدری معراج الدین نے، جو لاہور کی کجر فیملی سے تعلق رکھتے تھے، ایورنیو فلمز کے نام سے تقسیم کار ادارہ قائم کیا اور پاکستانی فلموں کو فنانس کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس طرح' چلو ے' کے فلم ساز شیخ محمد حسین جن کا مصری شاہ لاہور میں چمڑے کا بزنس تھا، کے چچازاد بھائی شیخ لطیف فلمی صنعت میں بطور فنانس تشریف لائے انہوں نے' شاہدہ' میں بطور معاون کام کرنے والے نوجوان انور کمال پاشا کو فنانس کرنے کا فیصلہ کیا۔ نو بہار فلمز کے نام سے کمپنی بنی۔ کہانی حکیم احمد شجاع پاشا نے لکھی۔ ڈائریکٹر انور پاشا کو لیا گیا اور' دو آنسو' بنائی گئی۔ یہ فلم ۱۷ر اپریل ۱۹۵۰ء کو ریلیز ہوئی اور فنی اعتبار سے ناقص ہونے کے باوجود اپنی کہانی اور زوردار مکالموں کی وجہ سے کامیاب ہوئی۔ یہ پہلی پاکستانی اردو فلم تھی جس نے سلور جوبلی منائی۔ اسی دوران ممبئی سے نقل مکانی کر کے آنے والے ہدایت کار نذیر ظہور راجہ نے کشمیر کی جنگ کو موضوع بناتے ہوئے' جہاد' بنائی لیکن ناکام رہی۔ مسعود پرویز جو ممبئی میں شالیمار اسٹوڈیو کے ہدایت کار تھے اور' غلامی' وغیرہ ڈائریکٹ کر کے آئے تھے۔ انہوں نے' بیلی' بنائی لیکن زبردست پبلسٹی کے باوجود فلم ناکام ہوئی۔ ان ہی دنوں نیلا گنبد لاہور کے سائیکلوں کے ڈیلر آغا غلام محمد و لاہور کے مشہور حکیم محمد دین آرائیں کے بیٹے الراعی نے فلم بنانے کے لیے اپروچ کیا۔ انہوں نے' ہماری بستی' کے نام سے فلم بنائی لیکن یہ بھی ناکام گئی۔ یاد رہے' بیلی' لاہور کے ریجنٹ اور' ہماری بستی' نشاط سینما میں ریلیز ہوئی تھیں۔ ان ناکام فلموں کی بدنامی کا داغ' دو آنسو' کی کامیابی سے دھل گیا۔ اندازہ ہوا کہ ہمارے ہاں گو حالات خراب تھے لیکن صلاحیتوں کی کمی نہیں تھی۔' دو آنسو' کے فوری بعد لاہور میں سب سے پہلے شروع ہونے والی فلم' دو کنارے' بھی بُری طرح ناکام گئی۔ ان فلموں کی ناکامی سے بددل ہو کر دو مشہور ہیرو ناصر خان اور سریش لاہور سے ممبئی چلے گئے۔

پاکستانی فلمی صنعت کے حالات کا جائزہ لینے کے لیے ممبئی سے اے آر کاردار اور محبوب صاحب بھی ۱۹۴۸ء میں پاکستان آئے۔ کاردار اور محبوب کی خواہش تھی کہ کہ شوری اسٹوڈیو سے کاردار اسٹوڈیو ممبئی کا

تبادلہ ہو جائے اور محبوب اسٹوڈیو کے بدلے پنچولی اسٹوڈیو لاہور انہیں مل جائے لیکن شوری اسٹوڈیو نور جہاں کو الاٹ ہو چکا تھا اور پردھان اسٹوڈیو پر دیوان سرداری لال کا قبضہ تھا لہٰذا دونوں حضرات واپس چلے گئے البتہ انہوں نے کاردار پکچرز اور محبوب پکچرز کے نام سے فلم ڈسٹری بیوشن آفس قائم کر دیئے۔ کاردار پکچرز کے کنٹرولر اسماعیل نور تھے جو کاردار کے بہنوئی تھے اور محبوب پکچرز کے مالک محبوب کے بھائی محمد آر خان بن گئے۔ یاد رہے ان دونوں فلم سازوں کی فلمیں پاکستانی علاقے میں انڈیا فلمز بیورو میں آتی تھیں۔ انڈیا فلمز بیورو نے قیام پاکستان کے کچھ دیر بعد کاروبار بند کر دیا تو مندرجہ بالا دونوں ادارے قائم کئے گئے۔ انڈیا فلمز بیورو نے لاہور آفس بند کر دیا جب کہ کراچی آفس اپنے کراچی آفس کے منیجر نثار مراد کو دے دیا جنہوں نے پاکستان فلمز کے نام سے ادارہ قائم کیا۔

۱۹۵۰ء میں ممبئی سے نذیر اجمیری اور ماسٹر غلام حیدر نقل مکانی کر کے لاہور آ گئے۔ ان دونوں کی فلم 'مجبور' ریلیز ہو چکی تھی جسے بمبئی ٹاکیز نے بنایا تھا۔ اس کریڈٹ پر انہوں نے لاہور آ کر ڈیوس روڈ پر ایک کوٹھی میں فلم ساز کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جس میں تیسرے حصہ دار ایس گل تھے۔ ایس گل سندھ کے ایک جاگیردار تھے اور وہ فلموں میں بطور ہیرو آ رہے تھے۔ ساتھ ساتھ وہ ماسٹر جی سے موسیقی کی تعلیم بھی حاصل کر رہے تھے۔ ان تینوں کے اشتراک سے 'بے قرار' بننا شروع ہوئی۔ 'بے قرار' ۱۷ جولائی ۱۹۵۰ء کو ریلیز ہوئی لیکن اپنے سپر ہٹ میوزک کے باوجود ناکام ہو گئی۔ حالانکہ کاسٹ کریڈٹ کے اعتبار سے اچھی فلم تھی۔ ۱۹۵۰ء میں ملکہ پکھراج نے ممبئی سے آ کر پردھان اسٹوڈیو اپنے نام الاٹ کرا لیا۔ پردھان اسٹوڈیو سیٹھ دلسکھ ایم پنچولی کے ممبئی چلے جانے پر متروکہ پراپرٹی قرار دے دیا گیا تھا۔ ملکہ پکھراج نے آتے ہی پنجابی فلم 'شمی' کے نام سے بنائی۔ منشی دل جو ممبئی کے شہر یافتہ مصنف و ہدایت کار تھے۔ وہ کراچی میں الائٹ تھیٹرز میں ڈرامہ ڈائریکٹر تھے۔ انہیں لاہور بلوایا گیا اور شمی کی ڈائریکشن انہیں سونپی گئی۔ ماسٹر عنایت حسین کی ترتیب شدہ سپر ہٹ موسیقی بھی شمی کو کامیاب قرار نہ دے سکی۔ ان دنوں پاکستانی فلموں کی ناکامی کی بڑی وجہ انڈین فلموں کی نمائش تھی۔ انڈین سپر اسٹار کاسٹ کی فلموں کے سامنے پاکستانی فلم ٹھہرتی ہی نہیں تھی لیکن اس کے باوجود ہمارے فلم سازوں کا حوصلہ دیکھیں کہ کوئی بھی فلم ساز ناکام ہو کر یا بددل ہو کر انڈسٹری چھوڑ کر نہیں گیا بلکہ تگ و دو جاری رہی۔

۱۹۵۰ء میں تیرہ پاکستانی فلمیں نمائش کے لیے پیش کی گئیں جن میں سے ایک پنجابی فلم 'لارے' اور اردو فلم 'دو آنسو' نے کامیابی حاصل کی۔ باقی سب ناکام گئیں۔ اس سال نذیر کی اردو فلم 'انوکھی داستان' بھی لگی جو درمیانہ درجے کی رہی۔ نذیر صاحب کو سب سے بڑا فائدہ یہ تھا کہ ان کے برادر نسبتی کیلاش جالندھر میں ڈسٹری بیوٹر تھے۔ ان کی ہر فلم انڈیا میں بھی اچھا بزنس کر جاتی تھی۔ بعد میں ان

فلموں کے بدلے 'شیریں فرہاد' اور 'جوانی کی ہوا' جیسی کامیاب فلمیں بھی انڈیا سے درآمد کی گئیں جن سے نذیر صاحب نے لاکھوں کمائے۔ 'دو آنسو' میں شیخ لطیف کا فنانس تھا۔

۱۹۵۰ میں سید عطاء اللہ شاہ ہاشمی دوبارہ فلمی صنعت میں بحیثیت ایک فلم ساز تشریف لائے۔ قیام پاکستان سے قبل کارواں پکچرز کے بینر تلے انہوں نے 'تہذیب' شروع کی تھی جو بند ہوگئی تھی۔ اس کا نگیٹو اسی فلم کے پارٹنر کرشن کمار ممبئی لے گئے۔ اور وہاں سے 'وہ کنیز' کے نام سے بن کر ریلیز ہوئی۔ عطاء اللہ ہاشمی شروع ہی سے انڈین لابی کے نمائندے تھے انہوں نے 'اکیلی' بنائی جس کی ڈائریکشن کے لئے ایم ایم مہرہ انڈیا سے آئے۔ مشہور انڈین ہیروئن نینا اس فلم کی ہیروئن تھی۔ کاسٹ کریڈٹ بہتر ہونے کے باوجود یہ فلم نرم گئی۔ قیام پاکستان سے قبل ۱۹۴۶ء میں نجم الحسن نے 'ریت' کے نام سے فلم شروع کی تھی جو تین سال بعد مکمل کی گئی اور اسے 'عید' کے نام سے ریلیز کیا گیا۔ اس فلم کو مکمل کرانے کے بعد سریش ممبئی چلے گئے اور فلم کی ہیروئن زرینہ سے خود نجم الحسن نے شادی کرلی۔ اس کی قابل ذکر اور کامیاب فلم 'چن وے' تھی۔ سید شوکت حسین رضوی نے ۱۹۴۸ء میں شاہ نور اسٹوڈیوز کی بنیاد رکھی اور ساتھ ساتھ پانچ فلمیں بنانے کا اعلان کیا اور الگ الگ پانچ یونٹ بنائے۔

دو نمبر ہدایت کاروں کا سلسلہ پاکستانی فلمی صنعت کی ابتداء میں ہی شروع ہوگیا تھا۔ پہلی فلم 'دو کنارے' کے ہدایت کار عاشق بھٹی بھی ایسے ہی تھے۔ ان کا تعلق شوری اسٹوڈیو میں اکاؤنٹ ڈپارٹمنٹ سے تھا۔ وہ پاکستان آتے ہی ہدایت کار بن گئے اسی طرح ملک امین ممبئی میں ایکسٹرا رول ادا کرتے تھے۔ ان کا تعلق میک اپ کے شعبے سے تھا، انہوں نے 'جدائی'' کی ڈائریکشن دی۔ ''جدائی'' فرسٹ رن میں بھاٹی گیٹ کے ملک تھیٹر میں چلی اور بُری طرح فلاپ گئی۔ اسی طرح ۱۹۵۱ء میں فرخ بخاری سامنے آئے۔ یہ اداکارہ مایا دیوی کے شوہر تھے۔ اس سال قیام پاکستان سے پہلے کی دو فلمیں 'ڈائریکٹر' اور 'بت تراش' یکے بعد دیگرے ریلیز ہوگئیں اور فلاپ گئیں۔ انور کمال پاشا نے خود ہیرو آنے کا تجربہ کیا 'دلبر' بنائی اور بری طرح ناکام رہے۔ ملک امین نے 'غیرت' اور 'پنجرہ' کے نام سے دو فلمیں ڈائریکٹ کیں۔ 'پنجرہ' نذیر اجمیری کی تحریر کردہ فلم تھی۔ بے حد اچھی کہانی تھی لیکن اس کا مرکزی ڈبل رول خود ملک امین نے کیا۔ دونوں فلمیں میکلوڈ روڈ پر چار چار ہفتے چلیں۔ 'غیرت' کے پروڈیوسر ایم اے ساقی تھے جو ممبئی سے آئے تھے۔ ان کے ساتھ رائل پارک کے شیخ حاتم اور برانڈرتھ روڈ لاہور کے وحید سنز کے مالک میاں عبداللہ تھے۔ گویا ملک امین نے دو فلموں میں چار فنانسرز کا تختہ کردیا۔

۵۲ء کی پہلی فلم 'بھیگی پلکیں' تھی جو ۲ جنوری کو ریلیز ہوئی۔ اس کے ہدایت کار شریف نیر تھے جو ممبئی سے ہی نذیر صاحب کے ساتھ کام کرتے آئے تھے۔ لیکن یہ فلم خاص بزنس نہ کرسکی۔ اس فلم کی ناکامی

نے ثابت کردیا کہ نذیراب ہیرو بننے کے لائق نہ تھے جب کہ سورن لتاان کی دو بیٹیوں کی ماں بن چکی تھیں۔اسی سال 'شعلہ' ریلیز ہوئی اس کے ہدایت کار خادم محی الدین تھے جو ۱۹۳۹ء کے گریجویٹ تھے۔ مشہور زمانہ فلمیں 'خزانچی'، زینت اور جگنو' کے اسکرین پلے رائٹر رہے تھے۔اس فلم میں پاکستان سے پہلے کی ہیروئن ارشاد اور ممبئی سے ہجرت کرکے آئے ہوئے ہیرو مسعود مرکزی کرداروں میں تھے لیکن یہ فلم ناکام ہوگئی۔

اس سال کی کامیاب اور قابل ذکر فلم 'دوپٹہ' تھی جسے سبطین فضلی نے ڈائریکٹ کیا تھا اور اس کا ہر نغمہ سپر ہٹ تھا۔فضلی صاحب نے اپنی ممبئی کی روایت کو برقرار رکھا اور پاکستان میں بھی زبردست کامیابی حاصل کی۔ اس فلم کی کامیابی سے پاکستانی فلمی صنعت کی ساکھ قائم رہی۔ یہ فلم شاہ نور اسٹوڈیو جو فیروز پور روڈ پر واقع تھا، زمان خان، شفیع اعجاز وغیرہ کو الاٹ ہوگیا۔ اس کا نام اسکرین اینڈ ساؤنڈ اسٹوڈیو رکھا گیا۔ بیڈن روڈ لاہور کے ایک سیمنٹ ڈیلر تصدق حسین ریاض نے سنٹرل کوآپریٹو بینک سے غالباً تین لاکھ روپے قرض لے کر اس اسٹوڈیو کو



سدھیر اور نور جہاں فلم دوپٹہ میں

شروع کیا۔اس اسٹوڈیو کی پہلی فلم 'نتھ' جسے شفیع اعجاز نے ڈائریکٹ کیا تھا، ۲۳/اکتوبر ۱۹۵۲ء کو ریلیز ہوئی حفیظ جہاں اس کی ہیروئن تھیں۔ جو فلم 'سانوریا' میں کام کے لئے لاہور آچکی تھیں۔ یہ فلم قیصر سینما لاہور میں ریلیز ہوئی اور بری طرح ناکام رہی۔۱۹۵۲ء کی آخری فلم 'نوکلی' جو ۲۳ دسمبر کو ریلیز ہوئی انور بیگ نے بنائی تھی۔انور بیگ ممبئی سے ہجرت کرکے آئے تھے' حاتم طائی کا بیٹا' میں ہیرو تھے۔یہاں آکر حیدر شاہ کو لے کر 'کروٹیں' کے نام سے فلم شروع کی لیکن بعد میں اس فلم کا نام بدل کر 'نوکلی' رکھا گیا۔ نوکلی اتنی بری طرح فلاپ ہوئی کہ صرف کراچی سرکٹ میں ہی ریلیز ہوسکی۔

۱۹۵۳ء کی پہلی فلم 'غلام' انور کمال پاشا کی ذاتی پروڈکشن تھی۔آغا جی اے گل اس کے فنانسر تھے۔ شاہ نور اسٹوڈیو میں یہ فلم بنی۔اس فلم کی تکمیل کے دوران آغا جی اے گل نے پنجاب آرٹ اسٹوڈیو مسلم ٹاؤن کرایہ پر حاصل کرلیا اور اس کا نام ایورنیو اسٹوڈیو رکھا۔اس فلم کی کامیابی سے انور کمال پاشا نے ایورنیو پکچرز کے لیے ایک فلم 'گمنام' بنائی۔ یہ فلم بھی بے حد کامیاب گئی۔رشید عطرے نے اس کی موسیقی دی تھی۔تمام کے تمام گانے سپر ہٹ ہوئے۔رشید عطرے جو 'بیلی' کی ناکامی کے بعد پس پردہ چلے گئے تھے اس فلم کی کامیابی سے دوبارہ منظر عام پر آئے اور جب تک زندہ رہے بہترین موسیقی ترتیب دیتے

رہے۔اس سال کی قابل ذکر فلم 'گلنار' بھی تھی۔ گلنار شاہ نور اسٹوڈیو اور کریسنٹ فلمز کے اشتراک سے بنائی گئی تھی۔ ماسٹر غلام حیدر کی پاکستان میں یہ آخری فلم تھی۔ سید امتیاز علی تاج اس کے ہدایت کار تھے اور مثنوی ''زہر عشق'' پر اس کی کہانی کی بنیاد رکھی گئی۔ ماحول کی عکاسی اور ڈائرکشن اور پروڈکشن کے اعتبار سے یہ لاجواب فلم تھی لیکن فلاپ گئی۔ اسکرین اینڈ ساؤنڈ اسٹوڈیو کے مالک تصدق حسین ریاض کی دوسری فلم 'آغوش' بھی اسی سال ریلیز ہوئی لیکن ناکام گئی 'تڑپ' بھی اس سال کی ایک اور درمیانے درجے کی فلم تھی جسے اسلم ایرانی نے ڈائریکٹ کیا۔ اسلم ایرانی اس سے پہلے نیلا مندر اسٹوڈیو میں بطور معاون ہدایت کار کام کرتے تھے، 'تڑپ' اُن کی پہلی فلم تھی جو بہر حال حوصلہ دینے کا باعث بنی۔ ۱۹۵۳ میں فلم کو آپریٹو کے نام سے ادارہ بنا جس نے ملک اسٹوڈیو کرایہ پر لے کر چار فلموں کا آغاز کیا۔ ۱۹۵۴ء کی پہلی فلم 'دیوار' مقامی قیصر سینما کی مالکہ بیگم ملک شریف کی فلم تھی جسے ملک امین نے ڈائریکٹ کیا۔ یہ فلم بری طرح ناکام گئی۔ لیکن اس سے اگلے ہفتے انور کمال پاشا کی 'گمنام' کی کامیابی سے نہ صرف ایورنیو بلکہ فلمی صنعت کو بھی سہارا ملا۔ ایورنیو اسٹوڈیو بڑی آن بان سے شروع ہوا۔ آغا جی اے گل نے اچھے فلم سازوں کو سہولتیں دینا شروع کیں۔ اس سال کی کامیاب ترین فلم 'سسی' تھی جسے جے سی آنند نے پروڈیوس کیا اور داؤد چاند اس کے ہدایت کار تھے۔ یہ ایک بڑی پروڈکشن تھی جو بزنس میں بھی بڑی ثابت ہوئی۔ اس نے نہ صرف پاکستان بلکہ انڈیا میں بھی زبردست بزنس کیا۔ اس سال ڈبلیو زیڈ احمد جو برصغیر کے نامور ہدایت کار تھے۔ ان کی فلم 'روحی' مقامی پیلس سینما میں ریلیز ہوئی۔ اس کے پروڈیوسر سی آر گولانی تھے جو کسی دور میں اداکارہ لیلا چٹنس کے خاوند تھے۔ قیام پاکستان کے بعد وہ لاہور میں ہی رہائش پذیر رہے۔ ۱۹۵۳ء میں فلم کو آپریٹو لمیٹڈ نے جو چار فلمیں شروع کی تھیں۔ روحی ان میں سے پہلی فلم تھی۔ روحی کی نمائش پر یہ ادارہ باہمی جھگڑوں کا شکار ہوگیا۔ جھگڑے کی وجہ سے روحی سے فلم اسٹار ہمالیہ والا کا کام کاٹ دیا گیا یہ فلم معیاری ہونے کے باوجود ناکام گئی۔ اور بعد میں بنک کا قرض ادا نہ کرسکنے کی وجہ سے بنک نے اپنے قبضے میں کر لی اور اب تک نمائش کی منتظر ہے۔ ۶/اگست کو ایک فلم ''پرواز'' ریلیز ہوئی جس کے پروڈیوسر اشفاق ملک تھے جو اے آر کاردار کے بھانجے تھے۔ ممبئی میں انہوں نے 'نوجوان' کے نام سے فلم پروڈیوس کی تھی پاکستان میں 'پرواز' ان کی پہلی فلم تھی۔ بے حد پروگریسو قسم کے نوجوان تھے۔ اداکار یوسف خان کی یہ پہلی فلم تھی لیکن یہ فلم خاطر خواہ بزنس نہ کرسکی۔ اس سال کی آخری فلم 'مجرم' کے پروڈیوسر مشتاق ملک تھے۔ قیام پاکستان سے پہلے وہ ستارہ ٹاکیز لمیٹڈ میں بطور نمائندہ کام کرتے تھے۔ انتہائی محنتی نوجوان تھے۔ بڑی آرزوئیں لے کر اس صنعت میں آئے لیکن ان کی فلم اچھا بزنس نہ کرسکی۔

۱۹۵۵ء میں پہلی فلم 'قاتل' آغا جی اے گل کے فنانس سے انور کمال پاشا نے بنائی جو ۲۳ جنوری کو

ریلیز ہوئی اور اپنی دلکش موسیقی ڈرامائی کہانی کی بدولت کامیاب گئی۔ اس فلم میں مسرت نذیر اور اسلم پرویز کو متعارف کرایا گیا۔ یہ انور کمال پاشا کا دور تھا جب کہ ان کے یونٹ میں سیف الدین سیف، خلیل قیصر، بابا عالم سیاہ پوش، شیخ اقبال، جعفر ملک اور آغا حسینی جیسے ورکر شامل تھے۔ ۲۲ فروری کو 'شرارے' کے نام سے ایک فلم ریلیز ہوئی جسے افضل جہانگیر نے پروڈیوس اور ڈائریکٹ کیا تھا۔ افضل بے حد تعلیم یافتہ نوجوان تھے یہ فلم بری طرح ناکام رہی کیونکہ یہ کسی کی سمجھ میں ہی نہیں آئی۔ اس فلم کے ساتھ ہی افضل جہانگیر جو قیام پاکستان سے پہلے سے فلمی صنعت سے منسلک تھے انڈسٹری سے آؤٹ ہو گئے۔

۲۵ مارچ کو ہدایت کار نذیر کی 'خاتون' ریلیز ہوئی یہ فلم انہوں نے اسماعیل نور کے لیے بنائی لیکن ناکام ہو گئی۔ 'سسی' کی زبردست کامیابی کے بعد ایورریڈی پکچرز نے پہلے سے بھی زیادہ طمطراق سے 'سوہنی' بنائی۔ اس فلم میں انڈر واٹر شارٹس کے تجربے بھی کیے گئے۔ اس فلم کو پہلے منشی دل ڈائریکٹ کر رہے تھے لیکن فلم سازوں کے اختلاف پر وہ چھوڑ گئے اور ان کے معاون ہدایت کار ایم جے رانا نے اسے مکمل کیا۔ سابقہ کریڈٹ کے باجود یہ فلم بری طرح ناکام رہی حالانکہ یہ اس دور کی مہنگی ترین فلم تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ فلم ساز شیخ لطیف کی 'چن' نمائش کے لیے پیش کی گئی جو اپنی اعلیٰ کہانی اور گانوں کی وجہ سے بے حد کامیاب گئی۔ ہدایت کار لقمان کی خوبصورت ڈائریکشن کی فلم تھی اسی تاریخ کو پاکستان میں پہلی گولڈن جوبلی فلم 'نوکر' ریلیز ہوئی اس کے ہدایت کار کرشن کمار تھے۔ چونکہ وہ انڈین نیشنل تھے لہٰذا اُن کے بجائے ڈائریکشن میں بھی عطاء اللہ ہاشمی کا نام دیا گیا۔ یہ اس دور کی سپر اسٹار کاسٹ کی فلم تھی۔ یہ فلم موسیقی اور کہانی کے اعتبار سے مضبوط فلم تھی۔ اس نے زبردست بزنس کیا جس سے پاکستان میں چربہ فلموں کی داغ بیل بھی ڈالی گئی اور آئندہ کے لیے دوسروں کو راستہ بھی دکھایا گیا۔ اس فلم نے انڈیا میں بھی زبردست کامیابی حاصل کی۔

اس دور میں پاکستانی فلمیں بھارت بھی جاتی تھیں اور ان کے بدلے انڈین فلمیں درآمد کی جاتی تھیں لہٰذا فلم کی ناکامی کی پروا نہیں کی جاتی تھی اور اسی وجہ سے ایسے ادارے بھی پروڈکشن میں آئے جو صرف انڈین فلم منگانے کے چکر میں تھے۔ ایسے ہی ایک ادارے محبوب پکچرز کراچی نے 'ہماری زبان' کے نام سے فلم بنائی یہ ایک ڈاکومینٹری ٹائپ کی کمرشل فلم تھی جو صرف کراچی میں ہی ریلیز ہو سکی لیکن اس کے بدلے انڈین فلم ضرور منگوائی گئی۔ اسی طرح اس سال کی بیگم ملک شریف کی 'بلبل' تھی جو کیم جولائی کو ریلیز ہوئی۔ یہ ۱۹۴۶ء میں بننے والی فلم 'پرائے بس میں' کاری میک تھی اسے داؤد چاند نے ڈائریکٹ کیا۔ یہ فلم فلاپ گئی لیکن اس کے بدلے میں انڈیا سے 'ہلاکو' جیسی کامیاب فلم درآمد کی گئی۔ فلم ساز چوہدری معراج دین کی فلم 'محفل' بھی اس سال کی ایک خوبصورت فلم تھی جسے شریف نیر نے ڈائریکٹ کیا

تھا لیکن انڈین فلموں کے مقابلے میں یہ خاطر خواہ بزنس نہ کرسکی۔ 'نذرانہ' اور 'جلن' اس سال کی دو ایسی فلمیں تھیں جو فنانس کمپنیوں کے سرمائے سے بنیں۔ شہباز لمیٹڈ اور سیر بین لمیٹڈ کے نام سے فنانس کمپنیاں تھیں۔ چنانچہ شہباز لمیٹڈ کے سید فقیر حسین شاہ نے نذرانہ بنائی جس کے ہدایت کار مرتضیٰ جیلانی تھے۔ نذرانہ ناکام رہی تو مرتضیٰ جیلانی یہ لائن چھوڑ کر تعلیم کے میدان میں چلے گئے اور کسی کالج میں لیکچرار لگ گئے۔

'جلن' کے پروڈیوسر شباب کیرانوی تھے اس کے ہدایت کار کیمرہ مین بھائیا حمید تھے چونکہ ناتجربہ کار یونٹ تھا لہٰذا یہ فلم توقع کے مطابق بزنس نہ کرسکی یوں ان فلموں میں عوام کا سرمایہ ڈوب گیا۔

'قاتل' کے بعد انور کمال پاشا نے نگار پکچرز کراچی کے سید مختار احمد کے لیے 'انتقام' بنائی جو ۲۳ ستمبر کو ریلیز ہوئی۔ یہ ایک خوبصورت اور کامیاب فلم تھی جو ایک غیر ملکی ناول پر مبنی فلم تھی۔ اس کہانی پر انڈیا میں اس دور میں بی آر چوپڑہ نے ''افسانہ'' بھی بنائی تھی۔ 'بے قرار' کے بعد فلم ساز ہیرو ایس گل نے 'التجا' کے نام سے ایک فلم بنائی جس کی ڈائریکشن کے لیے انڈیا سے شنکر مہتہ تشریف لائے۔ عوامی احتجاج کے پیش نظر اس فلم کے ٹائٹل پر اس فلم کے چیف اسسٹنٹ ڈائریکٹر چوہدری اے گل کا نام دیا گیا۔ فلم کی موسیقی بھی ایس گل نے ترتیب دی جو ماسٹر غلام حیدر کے شاگرد تھے۔ اس فلم کی ناکامی سے بددل ہوکر چوہدری اے گل واپڈا کے فلم ڈپارٹمنٹ میں چلے گئے اور جوائنٹ سکریٹری کی پوسٹ پر پہنچ کر ریٹائر ہوئے۔ اس سال کی دو اہم اور قابل ذکر فلمیں 'ہیر' اور 'پاٹے خاں' تھیں 'ہیر' کراچی میں بنی تھی۔ جے سی آنند اس فلم کے پروڈیوسر تھے یہ فلم اپنی سپرہٹ موسیقی کی وجہ سے بے حد کامیاب رہی اور رشید عطرے کے معاون موسیقار صفدر کے لیے بھی کامیابی کا پیغام لائی۔ 'پاٹے خان' ایسی فلم تھی جسے بالکل نیا یونٹ کہہ سکتے ہیں۔ ایم اے رشید ایم اے پاس نوجوان تھے انہوں نے بغیر کسی استاد کی شاگردی کئے اسے ڈائریکٹ کیا اس دور کی ٹاپ کلاس کاسٹ کو لیا گیا۔ نئے موسیقار اختر حسین نئے رائٹر حزیں قادری کی یہ سپرہٹ فلم تھی۔ اس کے فنانسر ملتان کے بایزید خان تھے۔ اس سال کی آخری فلم 'انتخاب' جو ۳۰ ستمبر کو ریلیز ہوئی اس کے ہدایت کار ہمایوں مرزا بھی پہلی بار منظر عام پر آئے۔ وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان تھے اس فلم میں نئی ہیروئن جمیلہ رزاق کو متعارف کرایا گیا جو گئے دور کی ہیروئن سلطانہ کی بیٹی تھی۔ اعلیٰ موسیقی کے باوجود یہ فلم خاطر خواہ بزنس نہ کرسکی۔


فلم ہیر کا منظر

۲۱ جنوری ۱۹۵۶ء کو ایک نئی فلم 'انوکھی' لگی۔ یہ واقعی انوکھی فلم تھی۔ اس کے لیے شیلا رامانی کو ممبئی سے

بلوایا گیا جو فلم کے پروڈیوسر شیخ لطیف حسین کی بھانجی تھی۔ اداکار لہری کی بھی یہ پہلی فلم تھی۔ کلکتہ کے موسیقار تمر برن نے اس کی موسیقی دی تھی۔ اداکار شاہ نواز نے اس کی ڈائریکشن دی تھی اور اس فلم کی موسیقی بے حد اچھی تھی۔ انگلش فلم 'جیولیس سینوریٹا' کی یہ کاپی تھی لیکن یہ فلم زیادہ بہتر بزنس نہ کر سکی البتہ اس کی انڈیا برآمد سے پروڈیوسر نے بے حد فائدہ اُٹھایا۔ اس سال انڈیا کی ایک سپر ہٹ فلم کو دو اداروں نے بیک وقت نقل کرنا شروع کیا۔ فلم 'حمیدہ' کے ہدایت کار منشی دل تھے جب کہ اسی کہانی پر مبنی فلم 'لختِ جگر' کو لقمان ڈائریکٹ کر رہے تھے۔ مقابلہ ایور نیو پکچرز اور ایور ریڈی پکچرز میں تھا جس میں ایور ریڈی پکچرز جیت گئی کیونکہ حمیدہ ۱۰ فروری کو ریلیز ہو کر سپر ہٹ گئی جب کہ 'لختِ جگر' ۷ فروری کو ریلیز ہو کر ناکام گئی۔ دونوں فلموں کی موسیقی بے حد اچھی تھی۔ حمیدہ میں اعجاز اور لختِ جگر میں حبیب کو متعارف کرایا گیا۔

اس سال کی ایک اور کامیاب فلم 'قسمت' ۱۶ مارچ کو ریلیز ہوئی یہ بے حد عمدہ، گھریلو اور مزاحیہ فلم تھی جسے کہنہ مشق اسکرین پلے رائٹر اور ڈائریکٹر نذیر اجمیری نے ڈائریکٹ کیا تھا اور اسماعیل نور نے پروڈیوس کیا تھا۔ یہ طلاق کے موضوع پر بے حد خوبصورت فلم تھی جس میں ایم اسماعیل کا خبطی بوڑھے کا رول مثالی تھا۔

قسمت میں ایم اسماعیل نے بہترین اداکاری پر صدارتی ایوارڈ لیا۔ اس سال کی ایک اور کامیاب فلم 'ماہی منڈا' تھی۔ ایم جے رانا نے اسے ڈائریکٹ کیا۔ اس فلم نے اس زمانے میں ریکارڈ بزنس کیا۔ اس کی آمدنی سے باری ملک نے ایور نیو اسٹوڈیو ملتان اور شاہ نور اسٹوڈیو کا درمیانی رقبہ جو تقریباً ۷۰ کنال تھا، خرید لیا اور وہاں باری اسٹوڈیو کی بنیاد رکھی۔ یاد رہے کہ ۵۶ء میں ایور نیو اسٹوڈیو تیار ہو گیا تھا اسے نیو ایور نیو اسٹوڈیو کہا جاتا تھا۔ کراچی سے اوپر تلے دو فلمیں 'فنکار' اور 'کارنامہ' ریلیز ہوئیں جو بری طرح ناکام گئیں۔ اس دور کی ملکہ موسیقی خورشید 'فنکار' میں ہیروئن تھی۔ اس سال اس کی دوسری فلم 'منڈی' بھی ناکام گئی جس سے اس نے فلمی صنعت کو خیر باد کہہ دیا اور ایک کاروباری شخصیت یوسف بھائی سے شادی کر لی اور اس کے بعد اسے کسی محفل میں نہیں دیکھا گیا۔ اسی سال کی ایک اور چربہ فلم 'چھوٹی بیگم' زبردست کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔ ڈائریکشن کرشن کمار نے دی لیکن نام سید عطاء اللہ ہاشمی کا دیا گیا۔ اس کے پروڈیوسر منروا سینما فیصل آباد کے مالک شیخ محبوب احمد تھے۔ اس سال کی انتہائی قابلِ ذکر فلم 'انتظار' تھی جو ایک اچھے یونٹ نے بنائی۔ خواجہ خورشید انور اس فلم کے موسیقار تھے۔ پیراماؤنٹ سینما لاہور کے مالک میاں سلطان جیلانی اس کے پروڈیوسر تھے اور مسعود پرویز ہدایت کار۔ 'نور جہاں' سنتوش کمار کی اس دور کی بہترین میوزیکل فلم تھی جس نے نہ صرف پاکستان بلکہ بھارت میں بھی زبردست بزنس کیا۔


نور جہاں فلم انتظار میں

نگار پکچرز کے لیے انور کمال پاشا نے اس سال ایک اور کامیاب کاسٹیوم فلم 'سرفروش' بنائی جس میں انڈین آرٹسٹ مینا شوری نے کام کیا۔ اس فلم کی نمائش کے بعد وہ مستقل طور پر لاہور میں رک گئی اور شوری صاحب جو جگدیش چند آنند کے لیے 'مس ۵۶ء' بنانے آئے تھے روتے پیٹتے واپس چلے گئے۔

اسی سال ایک اور تجربہ پہلی بار کیا گیا۔ تجربہ ایک ناتجربہ کار اور نوآزمودہ ٹیم نے کیا تھا، جو بے حد کامیاب رہا۔ گمبٹ سندھ کے فقیر صلاح الدین نے 'جبرو' کے نام سے فلم بنائی جو مکمل طور پر آؤٹ ڈور میں بنی۔ لاہور کے ایک میک اپ مین اکمل خان کو اس میں ہیرو لیا گیا جب کہ دوسرے درجے کی اداکارہ یاسمین اس کی ہیروئن تھی یہ فلم انگریز کے خلاف جہاد کرنے والے مجاہد کی کہانی پر مبنی فلم تھی۔ اس فلم کا سبجیکٹ پہلی بار فلم بند کیا گیا۔ اس کے ہدایت کار مظفر طاہر بھی نئے اور موسیقار عاشق حسین بھی نئے تھے لیکن دونوں کا کام بے حد پسند کیا گیا۔ مظفر طاہر کا تعلق لاہور سے تھا اور یہ اداکارہ منور سلطانہ کے بھائی تھے۔ کافی عرصہ ممبئی میں گزارنے کے بعد پاکستان آئے تو انہیں ڈائریکشن کے لیے یہ فلم مل گئی۔ اسی سال نذیر کی ایک اور فلاپ فلم 'صابرہ' آئی جس کے ہدایت کار رفیع چوہدری تھے۔ رفیع چوہدری ممبئی اور کلکتہ کے دور کے ہدایت کار تھے۔ آج کی مشہور سماجی سیاسی لیڈر مہناز رفیع کے والد تھے۔ اس سال کی ایک اور زبردست فلم 'باغی' تھی جسے اشفاق ملک نے ڈائریکٹ کیا تھا یہ ویسٹرن اسٹائل کی پہلی فلم تھی جو ایکشن ڈرامہ کی وجہ سے سپرہٹ گئی۔ اس کی کہانی فضلی برادران کی ایک پرانی فلم 'قیدی' سے اخذ کی گئی تھی۔ یہ پہلی پاکستانی فلم تھی جس کی نمائش چین میں کی گئی۔ مسرت نذیر، سدھیر اور اشفاق ملک پر مشتمل ایک وفد بھی سرکاری طور پر چین گیا تھا۔

۵۶ء کا سال پاکستانی فلمی صنعت کے لیے سنہرا سال تھا اس سال ۳۱ فلمیں بنائی گئیں جن میں سے ۱۲ فلموں نے کامیاب ترین بزنس کیا یعنی کامیابی کا تناسب چالیس فیصد کے قریب رہا۔ مجموعی طور پر یہ سال خوش آئند ثابت ہوا۔

۵۷ء کا سال پاکستانی فلمی صنعت کے لیے پہلے سے بہتر رہا۔ فلموں کی پروڈکشن میں اس لیے بھی زیادتی ہوئی کہ انڈین فلموں کی درآمد پر کنٹرول ہو چکا تھا۔ اس سال کل ۲۷ فلمیں ریلیز ہوئیں جن میں سے ۸ فلمیں بے حد کامیاب رہیں۔ کامیابی کا تناسب ۳۴ فیصد رہا۔ اس سال کی پہلی فلم آرٹ ڈائریکٹر این ایم خواجہ کی کاسٹیوم فلم 'سیتان' تھی۔ اچھی کاسٹ کے باوجود فلاپ گئی۔ یہ بھارتی فلم 'ناستک' کی نقل تھی جو فلاپ گئی۔ ایم اے رشید نے آس پاس کے نام سے چونکا دینے والی سیمی آرٹ کمرشل فلم بنائی۔ لیہ کے ایک ایگزبیٹر اے منور اس فلم کے پروڈیوسر تھے۔ انور بٹالوی کی ترقی پسند کہانی پر مبنی اس فلم میں ٹائیٹل رول علاء الدین نے کیا تھا۔ ڈرائی سبجیکٹ ہونے کی وجہ سے اسے عوام نے پسند نہیں کیا فلم

ناکام گئی۔ اس سال کی پہلی کامیاب ترین فلم 'یکے والی' تھی جسے باری ملک نے بنایا۔ اس دور میں یہ فلم ایک ٹرینڈ سیٹر ثابت ہوئی۔ اس کی آمدنی کا اندازہ اس بات سے لگالیں کہ اس کی کمائی سے باری اسٹوڈیو تعمیر کیا گیا۔ کیمرہ مین جعفر شاہ بخاری نے بحیثیت پروڈیوسر 'انجام' بنائی۔ ایک فنانس کمپنی کے مالک اجمل قریشی نے اسے فنانس کیا۔ 'انجام' ناکام ہوئی تو جعفر شاہ بخاری کراچی منتقل ہو گئے۔ عشق لیلیٰ اور لیلیٰ مجنوں کے نام سے دو فلمیں بیک وقت مقابلے میں بننا شروع ہوئیں۔ ایک کے ہدایت کار منشی دل تھے جو کئی برسوں سے دو تین مرتبہ یہ کہانی لکھ چکے تھے۔ اور اس کے مقابلے میں اسی کہانی پر لیلیٰ مجنوں انور کمال پاشاہ نے بنائی۔ دونوں فلمیں ایک ہی روز لگیں۔ 'عشق لیلیٰ' سپر ہٹ گئی جبکہ 'لیلیٰ مجنوں' بری طرح فلاپ گئی۔ عشق لیلیٰ کی موسیقی آج چالیس برس گزرنے کے باوجود سپر ہٹ ہے۔ اس سال کی ایک اور یادگار فلم ڈبلیو زیڈ احمد کی فلم 'وعدہ' تھی جسے کریسینٹ فلمز کے مالک میاں احسان نے پروڈیوس کیا۔ 'وعدہ' بلاشبہ ایک معیاری کامیاب ترین فلم تھی جو ڈائریکشن کا اعلیٰ ترین نمونہ تھی۔ اس فلم کو پاکستان کی چند معیاری فلموں میں ایک فلم کہا جاسکتا ہے۔ جو ڈائریکشن میں اکیڈمی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ شباب کیرانوی کی 'ٹھنڈی سڑک' منظر عام پر آئی جس میں کمال پہلی بار ہیرو آئے اور علی سفیان آفاقی بطور کہانی نویس متعارف ہوئے۔ 'پاٹے خان' کی کامیابی کے بعد اسی ادارے نے دوسری فلم 'بھولے خان' بنائی۔ علاء الدین نے مرکزی رول ادا کیا لیکن یہ فلم خاطر خواہ بزنس نہ کر سکی۔ اسی طرح سبطین فضلی کی 'آنکھ کا نشہ' اور سیف الدین سیف کی فلم 'باپ کا گناہ' بھی ایک ہی کہانی پر بنائی گئیں۔ دونوں فلمیں اعلیٰ کاسٹ کریڈٹ کے باوجود نرم گئیں۔ آنکھ کا نشہ میں سدھیر نے کیریکٹر رول ادا کیا تھا۔ ٹھنڈی سڑک کے بعد کمال کی دوسری فلم ہدایت کار داؤد چاند کی 'مراد' بھی فلاپ گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ مشہور ہدایت کار اور اسکرین پلے رائٹر نذیر اجمیری کی فلم 'شہرت' ریلیز ہوئی لیکن کامیاب نہ ہوسکی اور نذیر اجمیری جیسا اعلیٰ پائے کا ہدایت کار گمنامی کے پردے میں چلا گیا۔ اس سال نعیم ہاشمی نے بطور ہدایت کار 'نگار' کے نام سے ایک فلم بنائی جو بری طرح ناکام گئی۔ روزنامہ جنگ کراچی کے ایڈیٹر میر خلیل الرحمٰن بھی اس سال ایم اے ایس ڈار کے ایما پر فلم انڈسٹری میں آئے۔ انہوں نے 'سردار' کے نام سے فلم بنائی جس کے پروڈیوسر میر صاحب کی طرف سے سمیع دہلوی تھے۔ ماہنامہ 'رومان' کے غنی دہلوی بھی اس فلم میں پارٹنر تھے۔ یہ فلم بے حد کامیاب گئی۔ اس


عشق لیلیٰ

سال کی تین مزید فلمیں سات لاکھ، نوراسلام اور بیداری بے حد کامیاب گئیں۔ 'سات لاکھ' سیف الدین سیف کی فلم تھی۔ سپرہٹ موسیقی کی وجہ سے یہ فلم بے حد کامیاب گئی۔ اسی طرح نوراسلام نذیر صاحب کی ہٹ فلم ثابت ہوئی۔ اس فلم کی تنویر نقوی کی لکھی ہوئی نعت شاہ مدینہ بے حد سپرہٹ گئی جو آج تک مقبول عام ہے۔ اس سال شریف نیر کی ایک فلم 'معصوم' بھی آئی جو شانتارام کی فلم 'دیا اور طوفان' کی کاپی تھی۔ ماسٹر عنایت حسین کی اچھی موسیقی کے باوجود یہ فلم نرم گئی۔ اس سال کی آخری فلموں میں پاسبان ایک کاسٹیوم فلم تھی جسے حیدرشاہ نے ڈائریکٹ کیا تھا لیکن یہ فلم ناکام گئی۔ 'بیداری' انڈین فلم 'جاگیرتی' کی ہو بہو نقل تھی حتیٰ کہ اس کے گانے بھی بھارتی گانوں کی دھنوں پر لکھے گئے۔ پاکستان میں یہ ان کی پہلی فلم تھی۔ اس سال بیداری، مسکہ پالش اور بڑا آدمی کراچی کی پروڈکشن تھی۔ ان میں بڑا آدمی مناسب رہی جبکہ مسکہ پالش بری طرح ناکام گئی۔ مسکہ پالش کے ہیرو ایاز لاہور منتقل ہو گئے جہاں انہوں نے 'پیامبر' اور 'ممتاز' فلموں میں کام کیا۔

۱۹۵۸ء میں کل ۳۳ فلمیں نمائش کے لیے پیش کی گئیں جن میں سے آٹھ فلمیں کامیاب رہیں کامیابی کا تناسب ۲۰ فیصد رہا۔ اس سال کی پہلی فلم 'شیخ چلی' تھی جس کے ہدایت کار انور کمال پاشا یونٹ کے مزاحیہ اداکار آصف جاہ تھے۔ فلم کا مرکزی کردار بھی انہوں نے ہی ادا کیا تھا۔ اس سال کی پہلی فلم اگر کامیابی سے ہمکنار ہوئی تو اس کے بعد آنے والی سات فلمیں چنگیز خان، بے گناہ، نیا زمانہ، نیا دور کچیاں کلیاں، لکھ پتی، تمنا اور دل میں تو بری طرح فلاپ گئیں۔ گو اس کے بعد آنے والی مزید تین فلمیں جان بہار، زہر عشق اور حسرت فنی لحاظ سے اعلیٰ ترین فلمیں بنائی گئیں لیکن وہ بھی ناکام رہیں۔ 'جان بہار' سید شوکت حسین رضوی کی فلم تھی جس میں سدھیر نے کریکٹر رول ادا کیا۔ حسن کی دریافت اس میں آئی۔ خوبصورت فلم ناکام گئی۔ اسی طرح خورشید انور کی سپرہٹ موسیقی اور مسعود پرویز کی اعلیٰ ڈائریکشن کے باوجود 'زہر عشق' ناکام رہی۔ قیام پاکستان سے چند سال پہلے ممبئی میں رنجیت موویٹون نے ایک ہٹ فلم 'شادی' بنائی تھی جس کے مصنف منشی دل تھے۔ منشی دل نے اسی کہانی پر ایور ریڈی پکچرز کے لیے 'حسرت' بنائی۔ اچھی کاسٹ کے باوجود یہ فلم فلاپ گئی۔ 'کچیاں کلیاں' کی ناکامی کے بعد ملک امین کی اردو فلم نئی لڑکی آئی جس میں نیلو جو مختلف فلموں میں ثانوی کردار ادا کرتی آرہی تھی اسے ہیروئن لیا گیا۔ ابراہیم جلیس اس فلم کے رائٹر تھے لیکن یہ فلم بھی ناکام رہی۔ کراچی کے فلم تقسیم کار سید مختار احمد نے فلمسازی کا آغاز لاہور سے کیا اور انور کمال پاشا سے 'انارکلی' بنوائی۔ سپرہٹ موسیقی کی بدولت یہ فلم درمیانے درجہ کا بزنس کر سکی البتہ اس کے نغمات آج تک مقبول عام ہیں۔ اس فلم کے تین نغمات کی موسیقی ماسٹر عنایت حسین نے جبکہ باقی گانوں کی موسیقی رشید عطرے نے ترتیب دی تھی۔ کراچی میں شیدا امام جو کلکتہ کی اعلیٰ

فیلی سے تعلق رکھتے تھے انہوں نے مووی میکرز کے نام سے ادارہ قائم کر کے 'ستاروں کی دنیا' فلم بنائی۔ جس میں مینا شوری نے مرکزی رول ادا کیا۔ برصغیر کے نامور اداکار چارلی نے بھی اس فلم میں اداکاری کی لیکن یہ فلم بھی ناکام گئی۔ شیخ فضل دین جنہوں نے اپنی جوانی کا کافی عرصہ ممبئی میں گزارا تھا اور کاردار پروڈکشنز سے بھی منسلک رہے تھے۔ انہوں نے 'رخسانہ' کے نام سے فلم بنائی جسے خود ہی ڈائریکٹ کیا۔ اچھی کاسٹ کے باوجود فلم فلاپ گئی۔ فضل دین مشہور مسلم لیگی لیڈر شیخ رفیق کے بھائی تھے اور آج کے لیگی لیڈر سعید رفیق کے چچا تھے۔ اس سال پہلی تبلیغی اسلامی فلم ''توحید'' منظر عام پر آئی جسے صغیر جعفری نے بنایا۔ صغیر جعفری کا تعلق دہلی سے تھا وہاں دونوں صاحبان جگت ٹاکیز میں ملازم تھے۔ پاکستان آکر انہوں نے پارٹنرشپ میں ایس جے پکچرز کے نام سے ادارہ قائم کیا۔ انڈین فلموں کی ڈسٹری بیوشن کے ساتھ انہوں نے یہ پہلی فلم پروڈیوس کی۔ جو کمرشلی اتنی ہٹ تو نہیں گئی بہرحال اسے فلاپ بھی نہیں کہا جاسکتا۔ موسیقار خورشید قیس کی یہ پہلی فلم تھی۔ اسی طرح اے جی مرزا نے 'پہلا قدم' کے نام سے اردو فلم بنائی۔ جو بری طرح ناکام رہی، بلکہ یوں کہا جائے کہ صرف کراچی میں ہی اس کی نمائش ہوسکی۔ اس سال کی قابل ذکر فلم 'بھروسہ' آئی جو اپنی کہانی مکالموں کے اعتبار سے ایک کامیاب فلم تھی۔ ریاض شاہد پہلی بار اس فلم میں منظر عام پر آئے۔ بھروسہ معاشرتی گھریلو فلم تھی جسے کئی سال بعد اس کے پروڈیوسر جعفر بخاری نے دوبارہ 'سماج' کے نام سے بنایا اور سال ۱۹۹۹ء میں یہ فلم پھر ایک بار 'سماج' کے نام سے ہی بنی تھی۔ کیمرہ مین ہدایت کار ریاض احمد کی فلم 'دربار' بھی اس سال کی کامیاب فلم تھی جس میں پہلی بار ہیرو کو شیر سے پنجہ آزمائی کرتے دکھایا گیا۔ اسی سال محمد علی کے نام سے ایک ہدایت کار فلم 'ممتاز' کے ہدایت کار کے طور پر سامنے آئے۔ کسی دور میں انہوں نے فلم 'وادی' میں بطور آفس بوائے کام کا آغاز کیا۔ سید امتیاز علی تاج ڈبلیو زیڈ احمد، نذیر احمد اجمیری وغیرہ کے معاون رہے۔ ممتاز ان کی پہلی ڈائریکٹ کردہ فلم تھی جو ناکام رہی۔ وزیر علی نے 'بیداری' کے بعد پھر ایک کاپی فلم 'واہ رے زمانے' بنائی جو کامیاب گئی۔ بیداری اور واہ رے زمانے۔ اسی دور میں اسمگلرز کی فلم انڈسٹری میں آمد شروع ہوئی۔ 'بھروسہ' میں فنانس کے بعد چوہدری اصغر علی نے فلم 'آخری داؤ' کو فنانس کیا لیکن مارشل لاء کی وجہ سے اسمگلرز کی گرفتاریوں پر آخری داؤ بھی لپیٹ میں آگئی۔ ریلیز کے ساتھ ہی حکومت نے اس پر قبضہ کرلیا۔ اسی دور میں کراچی سرکٹ میں ابو سیٹھ وغیرہ نے انڈین فلموں کے گانوں کی ناجائز نمائش کا سلسلہ شروع کیا۔ ذکی سیٹھ نے انڈیا سے 'چلتی کا نام گاڑی' وغیرہ فلمیں منگوائی جسے مقامی ایسٹرن اسٹوڈیو میں فرضی طور پر ڈب کیا گیا۔ ویکلی 'تازیانہ' کے احتجاج پر دونوں صاحبان پر مقدمہ چلا اور انہیں مارشل لاء کورٹ سے سزائیں دی گئیں، یوں یہ سلسلہ بند ہوا۔ ہدایت کار لقمان نے 'آدمی' کے نام سے فلم بنائی جس کی

کہانی دلیپ کمار کے بھائی نے لکھی تھی۔حبیب نے اس فلم میں ڈبل رول ادا کیا تھا۔معیاری فلم ہونے کے باوجود یہ فلم بزنس نہ کرسکی۔اس سال کی آخری فلم 'آخری نشان' تھی جسے 'باغی' کے پروڈیوسر اشفاق ملک نے بنایا تھا۔اشفاق ملک اس دور میں اپنا ذاتی اسٹوڈیو اے ایم اسٹوڈیو کے نام سے قائم کر چکے تھے۔'آخری نشان' ایک کامیاب فلم تھی۔

۱۹۵۹ء میں کل ۳۵ فلمیں نمائش کے لیے پیش کی گئیں جن میں سے دس فلموں نے کامیابی حاصل کیں۔گویا کامیابی کا تناسب ۲۵ فیصد سے بھی زائد رہا۔اس سال کی پہلی فلم ''عالم آرا'' کا موضوع وہی تھا جو ۱۹۳۱ء میں بننے والی پہلی بولتی فلم 'عالم آرا' کا تھا لیکن یہ فلم نہ چل سکی۔حالانکہ داؤد چاند جیسے کہنہ مشق ہدایت کار اس کے ڈائریکٹر تھے۔دوسری فلم سوسائٹی ایور ریڈی پکچرز کے منیجر ایم اے خان جونیئر نے پروڈیوس اور ڈائریکٹ کی۔گو یہ فلم انڈیا کی مشہور فلم کی نقل تھی لیکن کامیاب نہ ہوسکی۔'مسکراہٹ' اس سال کی تیسری فلم تھی جو اجمل قریشی کے فنانس سے بنی۔این ای اختر اس فلم کے ہدایت کار تھے جنہوں نے اپنی فلمی زندگی کا آغاز ممبئی سے کیا تھا۔وہ اداکارہ بیگم پروین کے شوہر تھے۔یہ فلم بھی ناکام رہی۔اس کے بعد صبیحہ کی ذاتی فلم 'ناجی' آئی یہ صبیحہ سنتوش کے رومانس کے ابتدائی دور کی فلم تھی۔بلاشبہ اس فلم میں صبیحہ نے بہترین کردارنگاری کی تھی۔ہدایت کار قدیر غوری جو منشی دل کے معاون تھے ان کی یہ پہلی فلم تھی جو انہوں نے ڈائریکٹ کی۔عید کے موقع پر اس سال کی سات فلمیں ریلیز ہوئیں جن میں بودی شاہ 'ناجی' سہارا، تیرے بغیر' پردیسن' یار بیلی اور سولہ آنے شامل تھی۔ان میں صرف ناجی بہتر گئی باقی فلمیں ناکام گئیں۔'یار بیلی' ہدایت کار خلیل قیصر کی پہلی فلم تھی جو اس سے قبل انور کمال پاشا اور ایم ایس ڈار کے معاون تھے۔سولہ آنے فلمساز ایس اے رشید کی دوسری فلم تھی۔اچھی کہانی اور بہترین ڈائریکشن کے باوجود یہ فلم نرم گئی۔انور کمال پاشا کے معاون آغا حسینی نے اسے ڈائریکٹ کیا تھا۔آغا حسینی فلمی صنعت کے ابتدائی دور میں تھیٹر کے ہیرو تھے۔مابعد انور کمال پاشا کے معاون بن گئے۔بعد میں انہوں نے کئی فلمیں بنائیں۔اس سال ۲۵ مئی کو پاکستان کی پہلی آرٹ فلم 'جاگو ہوا سویرا' نمائش کے لیے پیش کی گئی۔یہ فلم ایف ڈی اسٹوڈیو ڈھاکہ میں بنائی گئی جسے مکمل طور پر مشرقی پاکستان (حال بنگلہ دیش) کے سمندری علاقہ میں اصل لوکیشن پر فلمایا گیا۔اس فلم کی نمائش بیرون ملک فلمی میلوں میں بھی کی گئی۔زورین نے اس فلم میں مرکزی رول ادا کیا۔اے جے کاردار اس فلم کے ہدایت کار تھے جو بیرون ملک تربیت یافتہ تھے،اور اس سے قبل کئی ڈاکومنٹری فلمیں بنا چکے تھے۔گو کمرشلی یہ فلم بُری طرح ناکام گئی لیکن نقادان فن نے اس کی تعریف کی۔اس کے بعد ۵ جون کو اردو فلم ''آج کل'' ریلیز ہوئی جسے کلکتہ اور ممبئی میں تربیت یافتہ ہدایت کار منور ایچ قاسم نے ڈائریکٹ کیا جنہوں نے ۱۹۴۲ کے دور میں ''پٹولہ'' کے نام سے کلکتہ

میں پنجابی فلم بنائی تھی۔''آج کل'' ایک ناکام فلم ثابت ہوئی۔کراچی میں جعفر بخاری نے''فیصلہ'' بنائی۔ فیصلہ میں دیبا پہلی بار بطور چائلڈ اسٹار آئی۔'فیصلہ' ایک اچھی فلم تھی خصوصی طور پر اس کے مکالموں اور کہانی کو بے حد پسند کیا گیا۔ جمیلہ رزاق جو ماضی کی اداکارہ سلطانہ اور سیٹھ رزاق کی بیٹی تھی، اس فلم میں ہیروئن تھی۔ لاہور سے یوسف خان بطور خاص اس فلم میں کام کرنے کراچی آئے۔ اس کے بعد عیدالاضحیٰ کو تین فلمیں 'کرتار سنگھ'، 'راز' اور 'ناگن' ریلیز ہوئیں۔ تینوں فلمیں سپر ہٹ گئیں۔ 'راز' ہمایوں مرزا کی فلم تھی۔ یہ لاہور میں ان کی پہلی پروڈکشن تھی اور اسے پاکستان کی پہلی ماحولیاتی فلم بھی کہا جاسکتا ہے۔ علاؤالدین نے اس فلم میں لاجواب کردار نگاری کی تھی۔ 'کرتار سنگھ' تقسیم ہندستان کے موضوع پر بنائی گئی ایک کامیاب ترین فلم تھی جس میں متحدہ پنجاب کے دیہات کی خوبصورت عکاسی کی گئی تھی۔ سلیم اقبال کی موسیقی نے اس فلم کی کامیابی میں چار چاند لگا دیئے۔ دیر میرا گھوڑی چڑھیا اس فلم کا نغمہ آج تک گایا جا رہا ہے۔ ہدایت کار خلیل قیصر اور فلمساز وزیر علی کی 'ناگن' بھی ایک کامیاب فلم تھی۔ یہ اس دور کی سب سے کم لمبائی یعنی ساڑھے گیارہ ہزار فٹ کی فلم تھی۔ موضوع کے اعتبار سے یہ ایک منفرد فلم تھی جو بے حد کامیاب گئی۔ نیلو، رتن کمار اور یوسف خان نے اس میں مرکزی کردار ادا کئے تھے۔ 'اپنا پرایا' اور 'سویرا'' کراچی کے ایسٹرن اسٹوڈیو میں بنائی جانے والی وہ فلمیں تھیں جسے لاہور کے پروڈیوسرز ممنون حسن خان اور فیروز جیلانی نے بنایا۔ اس دور میں ایسٹرن اسٹوڈیو کے جنرل منیجر اے۔جی مرزا نے پروڈیوسرز کو یہ مراعات دی تھیں کہ اگر وہ ایسٹرن اسٹوڈیو میں فلمیں بنائیں تو انہیں خام فلم مہیا کیا جائے گا چنانچہ ایسٹرن اسٹوڈیو کا یہ دور سنہرا دور تھا، جس میں اچھی اچھی فلمیں پروڈیوس کی گئیں۔ ان دونوں فلموں کے ہدایت کار رفیق رضوی تھے۔


فلم کرتار سنگھ کا سین

ولی صاحب برصغیر کے نامور مصنف' فلمساز' ہدایت کار اور نغمہ نگار تھے۔ وہ ۱۹۵۷ء میں اپنی بیگم اداکارہ ممتاز شانتی کے ہمراہ پاکستان آ گئے۔ ہندستان میں انہوں نے پدمنی، ہیر رانجھا، دیکھو جی، پتلی، بیوی وغیرہ اچھی اصلاحی فلمیں بنائیں۔ پاکستان آ کر ان کی پہلی فلم کو خاطر خواہ بزنس نہ کر سکی، لیکن انہوں نے مسلسل فلمسازی جاری رکھی۔ 'للکار' کے پروڈیوسر فیصل آباد منروا سینما کے مالک ملک محبوب تھے۔ جنہوں نے ایچ ریاض سے یہ فلم ڈائریکٹ کرائی۔ حزیں قادری نے جاگیردارانہ ماحول پر یہ پہلی فلم لکھی تھی۔ یہ اُردو فلم تھی، بعد میں درجنوں پنجابی فلمیں اسی پیٹرن پر بنائی گئیں۔ لاہور کے قیصر سینما کی مالک بیگم ملک شریف نے 'شیرا' بنائی جسے ایم جے رانا نے ڈائریکٹ کیا۔ 'للکار' کے بعد 'شیرا' بھی جاگیردارانہ

ماحول پر بنائی گئی تھی لیکن یہ فلم ناکام گئی۔ کہانی نویس اور اداکار شیخ اقبال بھی اس سال بطور ہدایت کار 'سچے موتی' بنا کر منظر عام پر آئے۔ یہ فلم بُری طرح ناکام گئی۔ ہدایت کار حیدر چوہدری اس فلم میں شیخ اقبال کے معاون تھے۔ اس کے بعد ریلیز ہونے والی فلم 'ہمت' کے پروڈیوسر ڈائریکٹر ملک امین تھے جو بُری طرح ناکام گئی۔ اداکار علاؤالدین کے چھوٹے بھائی ریاض احمد راجو اس فلم کے ہدایت کار تھے۔

اداکارہ زینت نے اس دور میں ہدایت کار ثقلین رضوی سے شادی کر لی اور بطور پروڈیوسر علی بابا چالیس چور کی کہانی پر مبنی فلم 'کھل جا سم سم' بنائی لیکن اس کی یہ پہلی فلم ناکام گئی۔ اس فلم کی نمائش کے بعد آغا جی اے گل کی فلم 'نغمۂ دل' آئی جو ماضی کی ایک معروف فلم 'رائفل گرل' کی نقل تھی۔ ممبئی سے ہجرت کر کے آنے والے ہدایت کار نجم نقوی نے اسے ڈائریکٹ کیا لیکن یہ فلم خاطر خواہ بزنس نہ کر سکی۔ حالانکہ اس کی موسیقی بھی بہتر تھی۔ اس کے بعد ہدایت کار نذیر کی فلم 'شمع' منظر عام پر آئی۔ شمع میں سورن لتا نذیر کے علاوہ نوخیز فلمی جوڑے نیلو اور درپن نے بھی کام کیا۔ اچھی فلم کے باوجود یہ فلم بھی نرم گئی۔ 'شمع' کے بعد قابل ذکر تین فلمیں آگے پیچھے ریلیز ہوئیں۔ ان میں حسن طارق کی 'نیند' تھی جس کی جادو بھری موسیقی آج بھی سنی جا رہی ہے۔ اس فلم نے درمیانے درجے کا بزنس کیا تھا۔ حسن طارق کی یہ پہلی فلم تھی۔ ریاض شاہد کی کہانی اور مکالموں کو بے حد پسند کیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی اداکار درپن کی بطور فلمساز پہلی فلم 'ساتھی' منظر عام پر آئی۔ ساتھی کے مصنف اقبال رضوی پہلی بار بطور مصنف سامنے آئے۔ یہ ایک کامیاب فلم تھی اور اس کے ہدایت کار الحامد تھے۔ اس کے بعد 'جھومر' خورشید انور کی فلم تھی بے حد معیاری، لاجواب اداکاری سے مزین، مسرت نذیر اور علاؤالدین نے بہترین کردار ادا کئے۔ موسیقی بھی بے حد دلکش تھی لیکن یہ اچھا بزنس نہ کر سکی اور ناکام گئی۔ لیکن اس کے صرف دو ماہ بعد خورشید انور کی 'کوئل' نے کامیابی کے نئے ریکارڈ قائم کئے۔ اس کی موسیقی بھی سپر ہٹ تھی اور کہانی 'مکالمے' ڈائریکشن کے اعتبار سے بھی یہ ایک لاجواب فلم تھی۔ 'جھومر' اور 'کوئل' کے درمیان میں تین فلمیں گلشن، گمراہ اور مظلوم لگیں لیکن ناکام گئیں۔ 'گلشن' ایک کاسٹیوم فلم تھی جسے جعفر ملک نے ڈائریکٹ کیا۔ 'گمراہ' نے انور کمال کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ اس فلم میں نئی اداکارہ کافرہ ہیروئن تھی جو پہلی فلم کی ناکامی کے بعد ہی انڈسٹری چھوڑ گئی۔ 'مظلوم' اُردو فلم تھی جس کے پروڈیوسر سلیم اشرفی تھے۔ سلیم اشرفی ۱۹۴۶ء میں کلکتہ میں بنائی گئی فلم 'بغاوت' کے ہیرو تھے۔ ان کے والد سیٹھ رمضان اشرفی اس فلم کے پروڈیوسر تھے۔ یہ ایک سیمی ایکشن فلم تھی۔ اکمل اور اسلم پرویز کے مقابل مظہر شاہ ولین تھے۔ اس سال کی قابل ذکر فلموں میں ناگن، کرتار سنگھ، راز، نیند، ساتھی اور کوئل کے نام لئے جا سکتے ہیں۔

۱۹۶۰ء میں کل ۳۸ فلمیں نمائش کے لیے پیش کی گئیں جن میں سے ہم صرف چھ فلموں کو کامیاب

قرار دے سکتے ہیں۔ 'گلبدن' ایک تھرڈ کلاس فلم تھی جو شباب کیرانوی نے بنائی تھی۔ بھائیا حمید کیمرہ مین اس کے ہدایت کار تھے۔ فنی اعتبار سے ناقص ہونے کے باوجود اس نے بزنس اچھا کیا۔ یوں کہہ لیں کہ پاکستان کی پہلی جادوئی فلم تھی جس میں ڈبل ایکسپوز اور کیمرہ ٹرک کا تجربہ کیا گیا تھا۔ 'جلن' کے بعد شباب کیرانوی کی یہ دوسری فلم تھی۔ دوسری کامیاب فلم اشفاق ملک کی 'سلمیٰ' تھی۔ جو ۱۹۴۲ء کی فلم 'شاردا' کاری میک تھی۔ اس فلم کے رائٹر نذیر اجمیری تھے۔ یہ فلم ہر لحاظ سے ایک معیاری فلم تھی۔ خصوصی طور پر علاؤالدین نے ایک ان پڑھ اور جاہل شخص کا کردار اچھے انداز سے کیا تھا۔ 'سلطنت' تیسری کامیاب فلم تھی جسے میر خلیل الرحمٰن کے فنانس سے سمیع دہلوی نے پروڈیوس کیا۔ یہ کاسٹیوم فلم تھی جو بے حد کامیاب گئی۔ فلم صحافی کے ہدائت کار ایم ایس ڈار تھے۔ اس سال کی چوتھی کامیاب فلم 'رات کے راہی تھے' جسے ایسٹرن اسٹوڈیو کراچی کے چیف ساؤنڈ ریکارڈسٹ اقبال شہزاد نے پروڈیوس کیا۔ ایس ایم یوسف کے بیٹے اقبال یوسف کی بطور ہدایت کار پہلی فلم تھی۔ انڈیا کی مشہور اداکارہ ریحانہ نے درپن کے مقابل پاکستان میں پہلی فلم میں کام کیا۔ یہ ایک جاسوسی فلم تھی جو بے حد کامیاب رہی۔ پانچویں کامیاب فلم ایس ایم یوسف کی 'سہیلی' تھی جو برصغیر کے نامور ہدایت کار تھے اور ۱۹۵۹ء میں پاکستان آگئے تھے۔ یہاں 'سہیلی' ان کی پہلی فلم تھی جو بے حد کامیاب رہی۔ اس فلم کی موسیقی اب تک سدا بہار ہے۔ اس فلم کو نہ صرف غیر سرکاری بلکہ صدارتی ایوارڈ سے بھی نوازا گیا۔ اس سال کی جن فلموں کو صدارتی ایوارڈ ملے ان میں 'روپ متی باز بہادر' بھی تھی جو ایک ناکام فلم تھی لیکن روشن آرا بیگم کو بہترین گلوکارہ کا ایوارڈ دیا گیا۔ 'اور بھی غم ہیں' بھی بری طرح ناکام رہی لیکن اس فلم کو بہترین کہانی پر ڈانش دیروی کو صدارتی ایوارڈ ملا۔ اس سال کی چھٹی کامیاب فلم 'شام ڈھلے' تھی جو ایک رومانی فلم تھی۔ کریسنٹ فلمز کے لیے سنتوش کمار نے اسے ڈائریکٹ کیا۔ رشید عطرے نے بے حد اچھی موسیقی ترتیب دی۔ آج تک اس کے نغمے سنائی دیتے ہیں۔ اس سال کی قابل ذکر فلموں میں فلم جرنلسٹ خواجہ خادم حسین کی ایک ایکشن فلم 'خیبر میل' کا نام بھی لیا جا سکتا ہے۔ جس میں نیلو نے ایکشن ہیروئن کا کردار ادا کیا۔ بزنس کے اعتبار سے یہ ایک اچھی فلم تھی۔ بھارت سے آئے ہوئے دو نامور ہدایت کاروں ضیا سرحدی اور نجم نقوی کی دو فلموں 'راہ گزر' اور 'دل ناداں' کا ذکر بھی یہاں ضروری ہے۔ ضیا سرحدی کی فلم ہم لوگ ایک کامیاب فلم تھی جو لاہور کے رتن سینما میں بے حد کامیاب گئی تھی جس سے اس سینما کے مالک چوہدری عید محمد ضیا سرحدی سے بے حد متاثر تھے۔ ضیا سرحدی جو ۱۹۵۸ء میں 'آخر شب' کی ڈائریکشن کے لیے پاکستان آچکے تھے اس فلم کی بندش کے بعد فارغ تھے کہ چوہدری صاحب نے ان سے 'رہ گزر' بنوائی یہ فلم ملکہ اسٹوڈیو میں بنی۔ رتن سینما میں ریلیز ہوئی اور بری طرح فلاپ گئی۔ اور چوہدری عید محمد ہمیشہ کے لیے فلمسازی سے توبہ کر گئے۔ اسی طرح نجم

نقوی برصغیر کے نامور ہدایت کار تھے لیکن اب تک کی کارکردگی صفر رہی۔ ان کی 'دل ناداں' بھی بری طرح فلاپ گئی۔ کراچی میں 'بیداری' بنانے کے بعد فلمساز وزیر علی لاہور منتقل ہو گئے۔ انہوں نے ایورنیو اسٹوڈیو میں آتے ہی پنجابی فلم مٹی دیاں مورتاں بنائی۔ بیداری جتنی کامیاب گئی تھی یہ فلم اتنی نرم گئی۔ اس سال کی ایک اور قابل ذکر فلم ساحل ہے جس کو نامور اداکار سدھیر نے بنایا اس فلم میں زندہ شیرنی سے لڑائی کا ایک منظر بھی بڑے زور وشور سے فلمایا گیا۔ اسکرین اینڈ ساؤنڈ اسٹوڈیو میں اس کی فلم بندی کے لیے خصوصی پنجرہ بنوایا گیا لیکن اتنا کچھ کرنے کے باوجود فلم بے حد کمزور گئی۔ ہدایت کار ہمایوں مرزا بھی 'انتخاب' بنا کر لاہور آ گئے۔ یہاں انہوں نے 'ڈاکو کی لڑکی' بنائی۔ یہ ایک سیمی ایکشن فلم تھی۔ فلم اتنا زیادہ بزنس نہ کر سکی۔ اسی طرح نامور ہدایت کار مسعود پرویز کی 'منزل' بھی بری طرح فلاپ گئی۔ مٹی دیاں مورتاں کے بعد وزیر علی نے کاسٹیوم فلم 'نیلوفر' بنائی۔ لیکن نیلو رتن کمار کا جوڑا کامیابی حاصل نہ کر سکا۔ اس سال کی ایک اور فلاپ فلم 'زنجیر' تھی جسے ہیرو مسعود نے ڈائریکٹ کیا۔ اس فلم کی ناکامی سے مسعود اداکاری سے بھی گئے۔ ہدایت کار خلیل قیصر نے ایک معاشرتی فلم 'کلرک' بنائی اور خود ہیرو کا کردار ادا کیا لیکن فلم خاطر خواہ بزنس نہ کر سکی اور خلیل قیصر کا اداکاری کا خواب ادھورا رہ گیا۔ بعد میں وہ اچھے ہدایت کار ضرور ثابت ہوئے۔ کراچی کے ایسٹرن اسٹوڈیو میں اس سال کی چار فلمیں 'غریب'، 'انصاف'، 'یہ دنیا' اور 'دو استاد' کے نام سے بنیں۔ ان میں انصاف نے مناسب بزنس کیا جبکہ باقی تینوں بُری طرح فلاپ ہوئیں۔ 'دو استاد' کے پروڈیوسر کیمرہ مین ریاض بخاری تھی جو اس کی ناکامی کے بعد لاہور منتقل ہو گئے۔ وزیر علی نے لاہور آ کر ایک سال میں تیسری فلم 'اللہ دین کا بیٹا' بھی بنائی لیکن یہ فلم بھی ناکام گئی جو سرمایہ انہوں نے 'بیداری' میں کمایا تھا اِن تین فلموں میں ضائع کر دیا۔ اس سال کی دو اور ناکام فلموں کا ذکر ضروری ہے جن کے ہدایت کار برصغیر کے نامور ہدایت کار تھے۔ 'عزت' نذیر اجمیری کی فلم تھی جو ناکام گئی اور نذ[illegible]میری کو سڑک سوار کر گئی۔ دوسری فلم 'شہزادی' تھی جسے نصرت منصوری نے ڈائریکٹ کیا تھا۔ نصرت [illegible]ں زمانے میں وشنو سنے ٹون ممبئی میں اسکرین پلے رائٹر تھے۔ فلمستان کے لیے انہوں نے ۱۹۴۸ء میں 'سانوریا' کے نام سے فلم ڈائریکٹ کی تھی۔ پھر پاکستان منتقل ہو گئے۔ شاہ نور اسٹوڈیو میں ان کا آفس تھا۔ بے حد نفیس اور اعلیٰ پوشاک پہننے والے شخص تھے۔ جلد ہی اس دنیا سے چلے گئے۔ فلمساز اے مجید کی 'ہمسفر' کا ذکر بھی اس سال کی فلموں میں آئے گا۔ جسے فلم جرنلسٹ شوکت ہاشمی نے ڈائریکٹ کیا۔ مصلح الدین کی اچھی موسیقی کے باوجود فلم نرم گئی۔ اس فلم میں ناہید نیازی اور مصلح الدین کا عشق چلا جو بعد میں شادی پر منتج ہوا۔ 'بھابی' اس سال کی مکمل طور پر چربہ فلم تھی جسے کرشن کمار نے ڈائریکٹ کیا تھا لیکن نام سید عطاء اللہ شاہ ہاشمی کا دیا گیا۔ ہٹ فلم کی کاپی ہونے کے باوجود فلم نرم گئی۔ اسی

طرح انڈین فلم 'مدر انڈیا' کی نقل کیمرہ مین ریاض احمد نے 'ایک تھی ماں' کے نام سے بنائی لیکن یہ فلم بہتر نہیں گئی۔

۱۹۶۱ء میں کل ۳۴ فلمیں نمائش کے لیے پیش کی گئیں جن میں سے صرف چار فلموں نے کامیابی حاصل کی۔ گویا اس سال فلموں کا بزنس پروڈیوسرز کے لیے نقصان دہ ثابت ہوا۔ اس سال کی پہلی کامیاب فلم 'ثریا' تھی۔ یوں کہہ لیں کہ شباب کیرانوی کی بحیثیت پروڈیوسر ڈائریکٹر پہلی فلم تھی، جو انہوں نے بابو مجید دہلی کے فنانس سے بنائی۔ اس فلم کی کامیابی سے ہی شباب کیرانوی کا نام اجاگر ہوا۔ لیکن اس کی نمائش کے بعد بابو مجید دہلی سے ان کے اختلافات ہو گئے اور شباب کیرانوی یہ ادارہ چھوڑ کر چلے گئے اور اپنا ذاتی ادارہ شباب پروڈکشن قائم کر لیا جس کے تحت پہلی فلم 'مہیرن' بنائی۔ جس کے ہدایت کار داؤد چاند تھے۔ یہ فلم سپر ہٹ گئی اور پہلی ہی فلم میں شباب پروڈکشنز کی ساکھ فلم ٹریڈ میں بن گئی۔ اس سال کی دوسری فلم 'جان نثار' کراچی کے ایسٹرن اسٹوڈیو میں بنی، شیخ محمود اس فلم کے پروڈیوسر ڈائریکٹر تھے۔ اس فلم کی ناکامی کا اندازہ اس بات سے لگا لیں کہ یہ صرف کراچی میں ہی ریلیز ہو سکی۔ پنجاب میں ریلیز کی نوبت نہیں آئی۔ تیسری قابل ذکر فلم 'عجب خان' تھی۔ فرنٹیئر کے پس منظر پر اس فلم کو خلیل قیصر نے ڈائریکٹ کیا تھا۔ اس فلم نے مناسب بزنس کیا۔ یہ پاکستان کی پہلی و آخری فلم تھی جسے افریقی زبان میں ڈب کیا گیا۔ شیخ شوکت علی اس کے پروڈیوسر تھے جو بعد میں پاکستان فلم پروڈیوسرز ایسوسی ایشن کے سکریٹری بھی رہے۔ اس کے بعد اوپر تلے دو فلاپ فلمیں 'سن آف علی بابا' اور 'سنہرے سپنے' آئیں۔ اس کے بعد کی فلم ہدایت کار پروڈیوسر لقمان کی 'فرشتہ' تھی جو ایک انگریزی ناول سے متاثر ہو کر بنائی گئی انتہائی معیاری فلم تھی لیکن بزنس کے اعتبار سے ایک ناکام فلم ثابت ہوئی۔ 'فرشتہ' کے بعد سید عطاء اللہ شاہ ہاشمی کی کاسٹیوم فلم 'زمین کا چاند' کیمرہ مین ریاض احمد کی 'چھوٹے سرکار'، ہدایت کار ایڈ یٹرا کے مسرت کی منگول تاتاریوں کے پس منظر پر بنائی گئی۔ اداکارہ حسنہ کے والد آفتاب احمد خان کی جنگل کے پس منظر پر بنائی فلم 'بابو' آئیں لیکن چاروں فلموں کے پروڈیوسروں کو گھر بٹھا دیا۔ اس کے بعد کی قابل ذکر فلم وحید مراد کی بطور پروڈیوسر 'انسان بدلتا ہے' تھی جس کے ہدایت کار منور رشید کی یہ پہلی فلم تھی۔ جو ایسٹرن اسٹوڈیو کراچی میں بنائی گئی۔ یہ فلم مناسب گئی۔ قیام پاکستان سے پہلے کی فضلی برادران کی فلم 'فیشن' سے متاثر ہو کر بنائی گئی تھی۔ اس کے بعد ایک لمبی لائن فلاپ فلموں کی تھی ان میں 'ممبئی والا' جس کے ہیرو جمال تھے یہ اس کی پہلی اور آخری فلم ثابت ہوئی۔ صبح کہیں شام کہیں ایم اے رشید کی خانہ بدوشوں کے پس منظر پر بنائی گئی ناکام فلم تھی۔ 'منگنی' فلمساز یاسین گوریجہ کی یہ فلم ۱۹۴۲ء میں بنائی گئی سپر ہٹ فلم منگنی کاری میک تھی، جو ناکام رہی۔ 'تاج اور تلوار' وزیر علی کی ایک کاسٹیوم فلم تھی جو بری طرح فلاپ گئی۔ جادوگر

ایم اے رشید کی ایک تاریخی فلم 'محمد بن قاسم' کے نام سے بنی لیکن سنسر نے اس پر پابندی لگادی۔ پھر نام بدل کر اسے نمائش کی اجازت دے دی گئی۔ اس کے بعد ممبئی کے نامور اداکار رہدایت کار ظہور راجہ جو بی بی سی لندن چھوڑ کر پاکستان آئے تھے، انور کمال پاشا کے لیے 'گلفروش' بنائی لیکن یہ بھی ناکام رہی۔ کراچی سے ہدایت کار پروڈیوسر حبیب سرحدی کی 'تم نہ مانو' آئی جو بالکل ناکام گئی۔ 'گل بکاؤلی' اسکرین اینڈ ساؤنڈ کے پارٹنر زمان صاحب کی فلم تھی جس میں پاکستان میں پہلی بار رنگین گانے ڈالے گئے۔ مغربی پاکستان میں کلر فلم کا پہلا تجربہ اسی فلم سے ہوا لیکن یہ فلم بھی ناکام رہی۔ وزیر علی نے ایک اور کاسٹیوم فلم 'شہیر اسلام' بنائی لیکن پے در پے ناکامی سے ان کی ہمت ٹوٹ گئی۔ اس دور میں چونکہ مشرقی پاکستان سرکٹ میں ساری فلمیں جاتی تھیں اس لیے وہ برابر فلمیں بنائے جارہے تھے اور ہر تیسرے ماہ ایک فلم ریلیز کردیتے تھے۔ اس فلم کے بعد ہدایت کار قدیر غوری کی 'دوراستے' آئی۔ مانسہرہ کے بالائی علاقوں میں اس فلم کی آؤٹ ڈور شوٹنگ کی گئی۔ فنی اعتبار سے اچھی فلم تھی لیکن بزنس اچھا نہ کرسکی۔ 'زمانہ کیا کہے گا' اس کے بعد آنے والی فلم ہے جسے اقبال یوسف نے لاہور کے شاہ نور اسٹوڈیو میں ڈائریکٹ کیا۔ یہ 'سہیلی' کے پروڈیوسر ایف ایم سردار کی نغماتی ورومانوی فلم تھی۔ یہ فلم کامیاب گئی۔ جن سے فلم ٹریڈ کو کچھ حوصلہ ہوا۔ اس کے بعد کراچی کی فلم 'ہم ایک ہیں' کا ذکر آتا ہے۔ فیاض ہاشمی اس فلم کے نغمہ نگار، مصنف اور ہدایت کار تھے۔ آدم جی کے سیٹھ رزاق اس فلم کے پروڈیوسر تھے۔ یہ فلم مزدوروں اور مل مالکان کے پس منظر میں بنائی گئی اصلاحی اور تعمیری فلم تھی لیکن اس کا بزنس مایوس کن رہا۔ 'غالب' مرزا غالب کی کہانی پر مبنی فلم تھی جو انڈین فلم 'مرزا غالب' کی نقل تھی۔ نور جہاں کے مقابل سدھیر مرزا غالب بنے تھے جسے عوام نے قبول نہ کیا۔ اچھی موسیقی کے باوجود فلم فلاپ گئی۔ اداکارہ نور جہاں کی بطور اداکارہ یہ آخری فلم تھی۔ دو فلمیں 'بے خبر' اور 'تین پھول' جو اس کے بعد ریلیز ہوئیں یہ بھی فلاپ گئی۔ 'تین پھول' کے مصنف و ہدایت کار ظہیر کاشمیری تھے جو ایک ترقی پسند شاعر تھے۔ 'بارہ بجے' اور 'لاکھوں فسانے' کراچی کے ایسٹرن اسٹوڈیو میں بنائی گئیں۔ 'بارہ بجے' باقر رضوی کی بطور ہدایت کار پہلی فلم تھی۔ یہ 'کاؤ بوائے' پس منظر پر بنائی گئی تھی۔ نیلو اور علاءالدین نے مرکزی کردار ادا کئے۔ اس فلم نے اچھا بزنس کیا۔ 'لاکھوں فسانے' کے لیے شیخ حسن نے انڈیا سے بملا کو بلایا۔ یہ فلم اتنا اچھا بزنس نہ کرسکی۔ 'گلفام' ایک کاسٹیوم فلم تھی جس نے زبردست کامیابی حاصل کی۔ نوجوان ہدایت کار ایس سلیمان کی یہ پہلی کامیاب فلم تھی۔ مجموعی طور پر اس سال پروڈیوسرز نے نقصان اٹھایا۔

۱۹۶۲ء میں بھی ۳۴ فلمیں ریلیز کی گئیں لیکن اس سال کامیابی کا تناسب کم رہا کیونکہ اس سال ۹ فلمیں کامیاب گئیں۔ اس سال کی پہلی فلم 'شہید' بے حد کامیاب گئی۔ یہ انگریزی راج کے خلاف خلیل

قیصر اور ریاض شاہد کی انٹرنیشنل فلم ثابت ہوئی۔ علاؤالدین طالش اور مسرت نذیر نے زندگی کے بہترین کردار ادا کئے۔ موسیقی کے اعتبار سے بھی یہ سپرہٹ فلم ثابت ہوئی۔ اس فلم کے پروڈیوسر حسن شاہ تھے جن کا تعلق ایورنیو اسٹوڈیو کے ساؤنڈ ڈپارٹمنٹ سے تھا۔ بطور پروڈیوسر یہ ان کی پہلی فلم تھی۔ اس فلم کے مقابل ترقی پسند افسانہ نویس حمید اختر کی فلم 'سکھ کا سپنا' ریلیز ہوئی جسے مسعود پرویز جیسے کہنہ مشق ہدایت کار نے ڈائریکٹ کیا تھا۔ لیکن یہ فلم بُری طرح فلاپ گئی۔ اس سال عید کے موقع پر تین فلمیں 'چراغ جلتا رہا'، 'دروازہ' اور 'شیک ہینڈ' ریلیز ہوئیں۔ چراغ جلتا رہا سبطین فضلی کے بڑے بھائی فضل احمد کریم فضلی کی اصلاحی معاشرتی فلم تھی جو نئے چہروں کو لے کر بنائی گئی۔ زیبا، عارف، محمد علی، دیبا، کمال ایرانی اس کے خاص ستارے تھے۔ فلم فلاپ گئی حالانکہ اس کی موسیقی اچھی تھی۔ اس فلم کی نمائش کے بعد زیبا، محمد علی، دیبا اور کمال ایرانی چار نئے اداکار کراچی سے لاہور آئے اور کافی شہرت حاصل کی۔ 'شیک ہینڈ' ''بارہ بجے'' کے بعد باقر رضوی کی دوسری ایکشن فلم تھی جو فلاپ گئی۔ 'دروازہ' سیف الدین سیف جیسے کہنہ مشق پروڈیوسر اور شاعر کی بحیثیت ہدایت کار دوسری فلم تھی۔ اچھی کہانی اور اس دور کی اچھی کاسٹ کے ساتھ سلیم اقبال کی مدھر موسیقی بھی اسے کامیاب نہ کراسکی۔ آغا جی اے گل کی کاسٹیوم فلم 'عذرا' ریلیز کی گئی اس فلم میں بھی چند گانے رنگین فلمائے گئے۔ ایورنیو اسٹوڈیو میں کلر گانوں کا یہ پہلا تجربہ تھا۔ اس فلم میں ایک مصری رقاصہ کا نیم عریاں رقص بھی پیش کیا گیا۔ سپرہٹ موسیقی کے باوجود یہ فلم اچھا بزنس نہ کرسکی۔ البتہ اس کے نغمے آج تک فضاؤں میں گونج رہے ہیں۔ اس سال کی قابل ذکر فلموں میں قیدی، میرا کیا قصور، موسیقار، چندا، مہتاب، دال میں کالا، اور گھونگھٹ کے نام لئے جاسکتے ہیں۔ 'قیدی' ہدایت کار نجم نقوی کی فلم تھی۔ یہ ۱۹۳۸ء میں بنائی گئی اے آر کاردار کی فلم 'باغبان' کی نقل تھی۔ ایک درجن فلمیں فلاپ ہونے کے بعد ان کی یہ فلم کامیاب گئی۔ 'دیور بھابی' کے جذبات پر مبنی اس فلم کو ہر طبقہ نے پسند کیا۔ پروڈیوسر موسیقار رشید عطرے کی فلم 'موسیقار' ایک نغمات بھری خوبصورت فلم تھی۔


فلم قیدی کا ایک منظر

آج بھی کبھی اس کے نغمے ٹیلی ویژن پر دکھائی دیتے ہیں۔ سنتوش کمار اور صبیحہ کی یہ ایک کامیاب فلم تھی۔ 'چندا' مشرقی پاکستان کی پہلی اردو فلم تھی جسے احتشام نے ڈائریکٹ کیا تھا، بالکل نئی کاسٹ کے ساتھ انہوں نے چندا بنائی جو اپنی سادگی اور ریجنل ماحول کی عکاس ہونے کی وجہ سے بے حد کامیاب گئی۔ یہ روبن گھوش کی اردو زبان میں پہلی فلم تھی۔ بلاشبہ اس کی موسیقی سپرہٹ تھی۔ 'مہتاب' ہدایت کار شباب کیرانوی کی سپرہٹ گھریلو فلم تھی جس کی موسیقی خصوصی طور پر 'گول گپے والا آیا' بے حد ہٹ ہوا۔ علاؤالدین

کی کردار نگاری بے حد پسند کی گئی۔'دال میں کالا' پہلی بنانے والے ادارے کی مزاحیہ رومانی فلم تھی جسے اقبال یوسف نے ڈائریکٹ کیا تھا۔ یہ فلم شاہ نور اسٹوڈیو میں بنائی گئی۔ اسی فلم میں اقبال یوسف اور بہار کے درمیان رومانس کا آغاز ہوا۔ اس سال کی انتہائی قابل تعریف فلم 'گھونگھٹ' تھی۔ فوٹوگرافی، موسیقی اور ڈائریکشن کے اعتبار سے یہ ایک لاجواب فلم تھی۔ نیئر سلطانہ اور سنتوش کمار کی کردار نگاری کو بے حد پسند کیا گیا۔ یہ مکمل طور پر خورشید انور کی فلم تھی۔ اس سال ایورنیو پکچرز کی 'محبوب' بھی آئی جس میں رانی کو پہلی بار ہیروئن لیا گیا۔ انور کمال پاشا کی ڈائریکشن اور رشید عطرے کی سپرہٹ موسیقی کے باوجود فلم نرم گئی۔ اس سال کی فلموں میں 'اولاد' کا بھی ذکر آئے گا اس لیے کہ اس فلم میں وحید مراد پہلی بار کسی کردار میں نظر آئے۔'اولاد' ایس ایم یوسف کی فلم تھی۔ جس نے گولڈن جوبلی کی تھی۔ اس سال کی فلموں میں اقبال شہزاد کی فلم 'بنجارن' بھی ایک کامیاب فلم تھی۔ خصوصی طور پر اس کی موسیقی اور نیلو کی اداکاری بے حد پسند کی گئی۔ یہ ایک مزاحیہ رومانی فلم تھی۔ کراچی کی ایک فلم 'آنچل' کا ذکر بھی اس سال کی فلموں میں آئے گا۔ موسیقار خلیل احمد کی یہ پہلی فلم تھی۔ یہ درمیانے درجہ کی فلم تھی۔ شمیم آراء درپن اور آغا طالش نے اداکاری کا اچھا مظاہرہ کیا تھا۔ اس سال کی دیگر فلاپ فلموں میں کراچی کی انقلاب، حسن وعشق، پہاڑن، اجنبی، سورج مکھی، زرینہ، جمالو، دوشیزہ، سسرال، آواز دے کہاں ہے، ایک منزل دو راہیں، بیٹا، اونچے محل اور برسات کے نام لیے جاسکتے ہیں۔ ان میں 'سسرال' ایسی فلم تھی جسے ریاض شاہد نے لکھا وہی اس کے ہدایت کار تھے۔ یہ پاکستان کی سیمی آرٹ اور اچھے موضوع کی حامل یادگار فلم تھی اس نے ایوارڈ بھی حاصل کیے لیکن بزنس نہ کرسکی۔

۱۹۶۳ء میں کل ۴۶ فلمیں بنیں۔ انڈین فلموں کی درآمد تقریباً بند ہو چکی تھی جس سے پاکستان کی پروڈکشن میں اضافہ ہوا۔ ۴۶ میں سے ۹ فلمیں سپرہٹ گئیں کامیابی کا تناسب پہلے سے کم رہا۔'داماد' وزیر علی کی ایک فلاپ فلم تھی جسے ان کے ایک معاون ممتاز مفتی نے ڈائریکٹ کیا تھا۔'پیاس' میں ایک نئے ہدایت کار مقصود احمد منظر عام پر آئے۔ یہ داؤد چاند کے معاون خاص تھے۔ ان کی یہ فلم کا ڈبوائے ٹاپ کی تھی جو بے حد کامیاب گئی۔ فلمساز الیاس کاشمیری کی فلم 'عشق پر زور نہیں' ہدایت کار شریف نیئر کی ایک معیاری اور لاجواب فلم تھی۔ عنایت حسین نے اس کی سپرہٹ موسیقی ترتیب دی لیکن یہ فلم اچھا بزنس نہ کرسکی۔ اداکار سدھیر کی بطور ہدایت کار 'بغاوت' ایک ناکام فلم تھی جبکہ انڈیا سے آئے ہوئے مشہور شاعر نخشب جارچوری نے لاہور آکر زبردست کاسٹیوم فلم 'فانوس' بنائی جو بری طرح ناکام ہوئی۔ اس سال کی قابل ذکر فلموں میں 'کالا پانی' ایک ایکشن فلم تھی جسے کیمرہ مین ریاض احمد نے بنایا۔ ملٹی اسٹار کاسٹ کی یہ فلم کامیاب رہی۔ شباب پروڈکشن نے 'ماں' کے آنسو ایک گھریلو فلم بنائی جو بے حد کامیاب رہی۔

فلمساز اے مجید کے لیے حسن طارق نے شکوہ بنائی جسے علی سفیان آفاقی نے تحریر کیا۔ یہ بھی ایک کامیاب فلم تھی۔ اسی طرح چندا کے بعد دوثانی فلمز کارپوریشن اور لیوفلمز کی مشترکہ فلم 'تلاش' آئی یہ ڈھاکہ میں بنائی گئی تھی اوراس کے ہدایت کار احتشام کے بھائی مستفیض تھے۔ اداکار رحمٰن کی یہ دوسری فلم تھی جو بے حد کامیاب رہی اور مشرقی پاکستان کی فلموں کی مارکیٹ بھی مغربی پاکستان تک پھیل گئی۔ عزیز اللہ حسن نے انتہائی معیاری نغماتی فلم 'باجی' بنائی جسے سلیمان نے ڈائریکٹ کیا۔ بے حد اچھا میوزک ہونے کے باوجود یہ فلم اچھا بزنس نہ کرسکی۔ اس سال محمد علی بطور ہیرو فلم 'شرارت' میں آئے۔ رفیق رضوی کی ڈائریکشن میں یہ فلم کامیاب رہی۔ اس سال کی ایک قابل ذکر اور بزنس کے لحاظ سے چونکا دینے والی فلم 'تیس مار خاں' تھی جسے شباب پروڈکشن نے نئی اداکارہ شیریں اور علاؤالدین کو مرکزی کرداروں میں لے کر بنایا۔ اس فلم کی سپرہٹ موسیقی نے نہ صرف فلم بلکہ اس کے نوآموز ہدایت کار حیدر چوہدری کو بھی صف اول میں لاکھڑا کیا۔ اس سال کی ایک اور معیاری فلم 'دامن' تھی جسے قدیر غوری نے ڈائریکٹ کیا۔ صبیحہ سنتوش کے علاوہ وحید مراد اور نیلو نے اس میں اداکاری کے جوہر دکھائے۔ خلیل احمد کی موسیقی بھی بے حد کامیاب رہی۔ اس سال ایورریڈی نے ایک فلم 'دلہن' بنائی جس کے لیے ٹیکنکل یونٹ فلم کے ہدایت کار شنکر مہتہ، ایڈیٹر اور کیمرہ مین ممبئی سے بلوائے گئے۔ فلم کی تکمیل کے دوران ایورنیو اسٹوڈیو میں پاکستانی فن کاروں نے زبردست احتجاج کیا جس پر اس یونٹ کو فلم ادھوری چھوڑ کر واپس جانا پڑا۔ بعد میں یہ فلم ایس ایم یوسف نے مکمل کی جو ناکام رہی۔ ہدایت کار ایس اے بخاری کی 'سیما' ایک دلچسپ معیاری فلم تھی۔ عمدہ موسیقی سے مزین یہ فلم کمرشلی اتنی بہتر نہ گئی۔ اس کے نغمے آج بھی اکثر سنے جارہے ہیں۔ اس سال حسن طارق کی فلم 'قتل کے بعد' بھی نرم گئی جبکہ نجم نقوی کی ایک اور فلم اک تیرا سہارا بھی فلاپ گئی جس پر نجم نقوی پر ایک فلاپ ہدایت کار کا لیبل چسپاں ہوگیا۔

۱۹۶۴ء میں سابقہ برسوں کی نسبت سب سے زیادہ یعنی ۶۴ فلمیں ریلیز ہوئیں جن میں سے بارہ فلموں نے کامیابی حاصل کی۔ اس سال کی سپرہٹ فلم 'توبہ' ممبئی سے ہجرت کرکے آنے والے نوجوان ہدایت کار ایس اے حافظ نے بنائی۔ پاکستان میں یہ ان کی پہلی فلم تھی۔ فیاض ہاشمی کی لکھی ہوئی قوالی نے اس فلم کی کامیابی کو چار چاند لگادیئے۔ سونے پر سہاگہ اداکار کمار کی لاجواب اداکاری تھی۔ اس کے بعد دوسری کامیاب فلم کیمرہ مین ہدایت کار فلمساز ریاض احمد کی فلم 'خاندان' تھی۔ جو اس دور کی ملٹی اسٹار کاسٹ فلم تھی جو بے حد کامیاب رہی۔ یہ ایک کامیاب فلم ثابت ہوئی۔ اوپر تلے دس فلموں کی ناکامی کے بعد شباب کیرانوی کی ایک اور گھریلو فلم 'جمیلہ' نے زبردست بزنس کیا۔ پھر ۹ فلموں کی ناکامی کے بعد اقبال شہزاد کی فلم 'بیٹی' ایک کامیاب رومانی گھریلو فلم ثابت ہوئی۔ یہ اپنی نوعیت کی لاجواب معیاری فلم تھی



دیوانہ ۱۹۶۴

جسے رضا میر نے ڈائریکٹ کیا تھا۔ اس کے بعد نذیر اجمیری کی فلم 'پیغام' ایک اصلاحی فلم آئی جسے 'سہیلی' بنانے والے ادارے نے بنایا تھا۔ اس سال کی کامیاب اور نرالی فلم 'دیوانہ' پاکستان کی پہلی فلم تھی جو ایک نادیدہ انسان پر بنائی گئی تھی۔ اس فلم میں فوٹو گرافی اور ڈائریکشن اعلیٰ درجہ کی تھی۔ ظہور راجہ نے اسے ڈائریکٹ کیا تھا۔ اس کے بعد ایس ایم یوسف کی گھریلو فلم آشیانہ آئی یہ ایک اصلاحی فلم تھی جسے سہیلی بنانے والے ادارے نے پروڈیوس کیا تھا۔ اس سال مغربی پاکستان کی پہلی رنگین فلم 'ایک دل دو دیوانے' بھی ریلیز کی گئی جسے وزیر علی نے ڈائریکٹ کیا اس کے پرڈیوسر کیوزمان تھے۔ بعض حضرات 'نائلہ' کو مغربی پاکستان کی پہلی کلر فلم کہتے ہیں جو غلط ہے۔ نائلہ اس فلم کی ریلیز کے بعد آئی تھی۔ اس سال کی دو کامیاب ترین فلمیں 'ہیرا اور پتھر' اور 'فرنگی' تھیں۔ ہیرا اور پتھر ہدایت کار پرویز ملک کی پہلی فلم تھی جو امریکہ سے ڈائریکشن کی تعلیم حاصل کر کے آئے تھے۔ جبکہ فرنگی خلیل قیصر کی ڈائریکٹ کردہ فلم تھی جس میں شمیم آراء نے اندھی لڑکی کا کردار بے حد خوبی سے کیا۔ اس سال کی یادگار فلموں میں رحمان کی 'ملن' اور ایس ایم پرویز کی 'کارواں' کے نام بھی لئے جا سکتے ہیں۔ دونوں فلمیں مشرقی پاکستان کی تھیں۔ گو کامیاب نہیں گئیں لیکن فنی اعتبار سے لاجواب تھیں۔ کارواں پہلی فلم تھی جو نیپال میں فلمبند کی گئی تھی۔ خلیل قیصر کی 'حویلی' اور خورشید انور کی 'چنگاری' اس سال کی معیاری فلمیں تھیں لیکن افسوس کہ اچھا بزنس نہ کر سکیں۔ حویلی میں نذیر اور چنگاری میں شمیم آراء نے بہترین پرفارمنس کا مظاہرہ کیا۔

۱۹۶۵ء میں کل ۵۵ فلمیں ریلیز ہوئیں۔ ستمبر میں بھارت کے ساتھ جنگ کی وجہ سے اس کا اثر فلمی دنیا پر بھی پڑا۔ نہ صرف پروڈکشن میں کمی ہوئی بلکہ اس سال کامیاب فلموں کی تعداد صرف چھ رہی۔ ان کامیاب فلموں کو بھی معیاری نہیں کہا جا سکتا۔ حالانکہ ستمبر میں تمام انڈین فلموں کے سنسر سرٹیفکیٹ منسوخ کر دیئے گئے تھے۔ اس کے باوجود باکس آفس پر کامیابی کا رزلٹ مایوس کن رہا۔ اس سال کی پہلی کامیاب فلم ۲۰ راگست کو ریلیز ہوئی جس کا نام 'ہزار داستان' تھا۔ الف لیلیٰ کہانی پر مبنی اس فلم کے مصنف ہدایت کار عزیز میرٹھی تھے جبکہ دوسری کامیاب فلم 'ناچے ناگن باجے بین' جسے شباب پروڈکشنز کے لیے حیدر چوہدری نے ڈائریکٹ کیا۔ اس سال کی دیگر قابل ذکر فلموں میں پہلی فلم 'کاجل' تھی جسے نذر الاسلام نے ڈائریکٹ کیا جو پہلے ڈھاکہ میں ایڈیٹنگ کرتے رہے تھے۔ 'کاجل' ان کی پہلی فلم تھی جو

فلاپ گئی۔ اس سال دو مذہبی فلمیں 'عشق حبیب' اور 'عظمت اسلام' ریلیز ہوئیں دونوں نے مناسب بزنس کیا۔ اس سال دو بڑے ہدایت کاروں منشی دل کی 'سرتاج' اور نذیر اجمیری کی 'دل کے ٹکڑے' منظر عام پر آئیں لیکن دونوں فلمیں ناکام رہیں۔ اسی طرح ہدایت کار ایس اے حافظ کی فلم 'شبنم' بھی اچھا بزنس نہ کرسکی۔ اس سال بہت بڑے ہدایت کار ایس ایم یوسف کی 'عید مبارک' بھی خاطر خواہ بزنس نہ کرسکی۔ یہی پوزیشن ایس اے حافظ کی فلم 'صنم' کی رہی۔ اس سال کی انتہائی قابل ذکر فلم 'نائلہ' تھی جسے ایورنیو پکچرز نے پروڈیوس کیا اور شریف نیر نے ڈائریکٹ کیا۔ یہ ایورنیو اسٹوڈیو کی پہلی کلر فلم تھی۔ ماسٹر عنایت حسین کی کمپوزیشنل موسیقی نے اس کی کامیابی میں چار چاند لگادیئے۔ رومانی مثلث پرمبنی یہ فلم ایک یادگار فلم تھی۔ اسی طرح آفاقی کی فلم 'کنیز' جسے حسن طارق نے ڈائریکٹ کیا بھی ایک کامیاب تخلیق تھی۔ اس سال سرور بارہ بنکوی کی فلم 'آخری اسٹیشن' ایک آرٹ فلم تھی جو ناکام رہی، حالانکہ شبنم نے اس فلم میں یادگار رول ادا کیا۔

۱۹۶۶ء اس لحاظ سے بہتر سال رہا کہ اس کے دوران میں ۷۱ فلمیں بنائی گئیں چونکہ انڈین فلموں پر مکمل پابندی عائد کی جاچکی تھی اس لیے اس سال پروڈکشن بے حد بڑھی۔ اس سال گیارہ فلموں نے کامیابی حاصل کی ان میں ایسی بھی فلمیں تھیں جنہوں نے کامیابی کے نئے ریکارڈ قائم کئے۔ اس سال کی پہلی فلم محبوب پکچرز کی 'البدال' تھی۔ ایک دور میں جب ہدایت کار محبوب بطور ہدایت کار منظر عام پر آئے تھے تو انہوں نے پہلی فلم 'البدال' کے نام سے ڈائریکٹ کی تھی۔ پاکستان میں اس ادارے نے نہ ہونے کے برابر کام کیا۔ انڈین فلموں کی بندش کے بعد محبوب پکچرز کو مجبوراً پروڈکشن میں آنا پڑا اور انہوں نے سابقہ تجربے کے پیش نظر 'البدال' بنائی لیکن یہ فلم ناکام رہی اور محبوب پکچرز کا یہ خواب ادھورا ہی رہا۔ اس سال کی پہلی کامیاب فلم 'آگ کا دریا' تھی۔ گو یہ فلم 'مجھے جینے دو' کی نقل تھی لیکن ریاض شاہد کے زبردست مکالموں شمیم آرا، محمد علی کی اداکاری اور غلام نبی عبداللطیف کی مسحور کن موسیقی کی وجہ سے بے حد کامیاب رہی۔ اس سال کی ٹرینڈ سیٹر فلم 'ارمان' تھی جس نے پلاٹینم جوبلی منائی۔ فلمساز اور ہیرو وحید مراد کی یہ بہت فلم کی موسیقی سہیل رعنا نے ترتیب دی۔ جس کے نغمے آج تک اسی طرح مقبول عام ہیں۔ یہ فلم کراچی کے ایسٹرن اسٹوڈیو میں بنی۔ اسی طرح اس اسٹوڈیو کی ایک اور فلم 'جوش' بھی بے حد کامیاب رہی جس کے ہدایت کار اقبال یوسف تھے۔ یہ پہلی فلم تھی جس میں پانچ ہیرو اور پانچ ہیروئنیں پیش کی گئیں۔ اس سال 'ہمراہی' نے آمدنی کے نئے ریکارڈ قائم کئے یہ بھی انڈین فلم کی نقل تھی جس میں تمام ترنی


وحید مراد اور زیبا 'ارمان' میں

کاسٹ تھی۔ 'کون کسی کا' اور 'جاگ اٹھا انسان' اُوپر تلے ریلیز ہونے والی دو فلمیں بھی اس سال کی کامیاب فلمیں تھیں۔ 'کون کسی کا' گھریلو رومانی فلم تھی۔ جس میں منظور اشرف کے لاجواب گانوں نے دھوم مچادی۔ 'جاگ اُٹھا انسان' ایسٹرن اسٹوڈیو کراچی میں بنائی گئی تھی۔ شیخ حسن اس کے ہدایت کار تھے۔ ایور نیو پکچرز کی 'باغی سردار' ایکشن فلم تھی جسے ظہور راجہ نے ڈائریکٹ کیا۔ یہ ایک کامیاب فلم تھی اس کی ڈائریکشن کے بعد ظہور راجہ برطانیہ چلے گئے اور وہاں بی بی سی جائن کرلیا۔ اس سال کی ایک اور یادگار فلم 'بدنام' کراچی سے آئی جسے اقبال شہزاد نے پروڈیوس کیا۔ اس کے نغمے آج بھی سنائی دیتے ہیں۔ اس سال کے آخر میں ایور نیو اسٹوڈیو کی 'پائل کی جھنکار' آئی جس پر بعد میں ۱۹۴۰ کی فلم 'پنر جنم' کا چربہ ہونے کا الزام لگا اور اس کی نمائش پر پابندی عائد کردی گئی۔ مذکورہ فلم ہدایت کار نجم نقوی کی پہلی فلم تھی جسے ممبئی ٹاکیز نے بنایا تھا۔ اس فلم پر فحش رقص فلمائے جانے کا بھی الزام تھا۔ بعد میں وہ گانے دوبارہ فلم بند کیے گئے تو اسے نمائش کی اجازت ملی۔ اس طرح شباب پروڈکشن کی 'آئینہ' اس سال کی سپر ہٹ فلم تھی اس فلم پر بھی سنسر کے وقت چربہ کا الزام لگا اور اسے بین کردیا گیا لیکن بعد میں اس الزام کو رد کردیا گیا۔ اس فلم سے شباب پکچرز ڈسٹری بیوٹرز کا ادارہ وجود میں آیا، اسی ادارے کی پہلی ہی فلم ہٹ گئی۔ اس سال کی قابل ذکر فلموں میں اکبر حسین رضوی کی بلیک اینڈ وائٹ سینما اسکوپ فلم 'ماں بہو بیٹا' تھی جو فنی اعتبار سے لاجواب فلم تھی۔ لیکن اس کی نمائش صرف کراچی میں ہوسکی۔ فلم بُری طرح فلاپ گئی۔ اس طرح سیف الدین سیف کی 'مادر وطن'، شباب پروڈکشن کی 'وطن کا سپاہی' اور ایم اے رشید کی 'معجزہ' جنگ ستمبر سے متاثر ہوکر قومی نقطہ نظر کے تحت بنائی گئیں لیکن فلاپ گئیں۔ اسی سال کریسنٹ فلمز کے لیے ضیا سرحدی نے 'انسان' ڈائریکٹ کی جو بری طرح فلاپ گئی اور ضیا سرحدی جیسا قابل ہدایت کار سڑک سوار ہونے پر مجبور ہوگیا۔ اس سال ایک بہت بڑا ادارہ واسطی انٹر پرائز وجود میں آیا جس کے لیے یونس راہی نے 'جلوہ' بنائی۔ یہ نوابی پس منظر پر اعلیٰ معیاری فلم تھی لیکن ناکام گئی۔ اسی طرح اشفاق ملک کے لیے ہدایت کار مسعود پرویز نے 'سرحد' بنائی مگر یہ فلم بھی نرم گئی۔ جنگ سے متاثر ہوکر کراچی میں نیازی فلمز نے 'آزادی یا موت' کے نام سے فلم بنائی یہ فلم کراچی میں سپر ہٹ گئی جب کہ دیگر سرکٹ میں اچھا بزنس نہ کرسکی۔ بڑے ہدایت کاروں میں اس سال نذیر اجمیری کی 'پردہ' بھی ایک ناکام فلم تھی۔ اس فلم کے بعد وہ بھی گوشہ نشین ہوگئے۔ اسی طرح کمال فلمز کے لیے کمال نے بطور ہدایت کار 'جوکر' بنائی جو راج کپور کی فلم جوکر سے متاثر ہوکر بنائی گئی تھی لیکن یہ فلم بری طرح ناکام رہی۔ اسی طرح بڑے ہدایت کاروں حسن طارق نے 'مجبور' اور ریاض احمد نے 'قبیلہ' کے نام سے فلمیں بنائی جو ناکام رہیں۔

پاکستانی فلمی صنعت کی تیسری دہائی کا جائزہ لیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس دہائی میں پہلے کی

نسبت بہتر کام ہوا۔فلموں کے معیار میں نہ صرف اچھائی پیدا ہوئی بلکہ سینما اسکوپ اور بیرون ممالک سے کو پروڈکشن کے تجربات بھی کیے گئے۔فلم سازوں نے بیرون ممالک جا کر بھی شوٹنگ کی اور غیر ملکی فنکاروں کو بھی پاکستان بلایا۔اس ضمن میں پہل ہدایت کار محسن شیرازی نے کی۔انہوں نے 'جان پہچان' بنائی اس فلم میں ایرانی فنکارہ شہ پارہ کو پاکستان بلایا گیا اور پاکستان کے ایسے علاقے میں اس فلم کی شوٹنگ کی گئی جو اس سے پہلے کسی فلم میں فلم بند نہ کیے گئے تھے۔کالا باغ اور کھیوڑہ کی نمک کی کانوں میں اس فلم کی شوٹنگ ہوئی یہ فلم ایک خوبصورت فلم تھی۔شہ پارہ اور محمد علی نے مرکزی کردار کیے۔فرید احمد نے اسے ڈائریکٹ کیا۔معیار کے اعتبار سے یہ ایک لاجواب فلم تھی۔چربہ سازی کے حوالے سے فلم ساز و ہدایت کار شباب کیرانوی کی فلم 'انسانیت' پر ایک انڈین فلم 'دل ایک مندر' کا چربہ ہونے کا الزام لگایا گیا۔اس فلم پر سنسر بورڈ نے پابندی عائد کر دی لیکن جب بورڈ کے سامنے یہ ثبوت پیش کیا گیا کہ دل ایک مندر کی کہانی خود ایک پاکستانی فلم 'حسرت' سے لی گئی تھی تو اس فلم پر سے پابندی اٹھالی گئی۔اس فلم نے کامیابی کے نئے ریکارڈ قائم کیے۔

جنگ آزادی کے موضوع پر ۱۹۶۷ء میں طبع آزمائی کی گئی اور فلم ساز ہدایت کار اور مصنف عطاء الرحمان خان نے جنگ آزادی کے ہیرو سراج الدولہ پر فلم بنائی۔انور حسین نے اس فلم میں بہترین کردار ادا کیا۔یہ فلم ۲۳ مارچ ۱۹۶۷ء کو ریلیز کی گئی۔اسی سال مشرقی پاکستان سے دو شانی اینڈ لیو فلمز نے ایک ہلکی پھلکی رومانی فلم 'چکوری' بنائی جس میں نئے چہرے ندیم اور شبانہ کو متعارف کرایا گیا۔ندیم کی نیچرل اداکاری اور روبن گھوش کی مدھر موسیقی کی وجہ سے یہ بہت ہی سستی فلم بے حد اچھی گئی۔ندیم کی آمد سے قبل پاکستان کے ٹاپ کلاس ہیرو سنتوش کمار کا معاوضہ پندرہ ہزار تھا جب کہ وحید مراد کو دس ہزار روپے معاوضہ ملتا تھا۔ندیم نے آکر اس معاوضے میں اضافہ کیا۔ندیم نے مغربی پاکستان میں اپنی پہلی فلم 'سنگدل' کا معاوضہ ۱۸ ہزار روپے لیا۔ندیم نے بعد میں اداکاری میں لیجنڈ کی حیثیت اختیار کر لی۔اسی سال ۲۸ اپریل کو 'لاکھوں میں ایک' ریلیز ہوئی جس میں ہندو مسلم کلچر کو بنیاد بنا کر مصنف ضیا سرحدی نے ایک نئی کوشش کی جس میں وہ بے حد کامیاب رہے۔یہ ایک ایسی ہندو لڑکی کی کہانی تھی جو قیام پاکستان کے وقت بچھڑ جاتی ہے اور ایک مسلم گھرانے میں پروان چڑھتی ہے اور ایک مسلمان لڑکے سے پیار کرتی ہے۔اس موضوع پر ۱۹۴۸ میں ہدایت کار نذیر اجمیری نے بھی طبع آزمائی کی تھی اور 'مجبور' کے نام سے فلم بنائی تھی لیکن اس دور میں یہ فلم ناکام رہی لیکن 'لاکھوں میں ایک' اپنی لاجواب اور سحر انگیز موسیقی کی وجہ سے بے حد کامیاب گئی۔اس فلم میں شمیم آرا، اعجاز کے ساتھ ایک نئے ویلن مصطفیٰ قریشی کو متعارف کرایا گیا جو بعد میں بڑا اداکار بنا۔شمیم آرا نے اس فلم میں بے حد جذباتی اداکاری کا مظاہرہ کیا۔

اسی سال ۸ر ستمبر کو ایک انتہائی کم بجٹ کی فلم 'درشن' ریلیز ہوئی۔ رحمان اور شبنم نے مرکزی کردار ادا کیے۔ اپنی دلکش موسیقی اور نیچرل ماحول اور خوبصورت ڈائریکشن کی وجہ سے یہ فلم بے حد کامیاب رہی۔ اس فلم کی ڈائریکشن بھی رحمان ملک نے دی۔ یہ ایک خوبصورت رومانی فلم تھی ۳ر نومبر ۱۹۶۷ء کو علی زیب کی فلم 'آگ' موضوعاتی اعتبار سے ایک منفرد فلم تھی جسے ایس سلیمان جیسے ذہین ہدایت کار نے ڈائریکٹ کیا۔ زیبا محمد علی نے مرکزی کردار ادا کیے۔ نثار بزمی کی سپرہٹ موسیقی اور محمد علی کی بے ساختہ اداکاری نے اسے کامیاب کرایا۔

۲ر جنوری ۱۹۶۸ء کو اداکار ندیم کی مغربی پاکستان میں پہلی فلم 'سنگدل' نمائش کے لیے پیش کی گئی جسے بے حد اچھا ریسپشن ملا۔ یہ ایک میوزیکل رومانٹک، گھریلو اور ڈرامائی فلم تھی جسے ظفر شباب نے ڈائریکٹ کیا، بطور ڈائریکٹر یہ ان کی پہلی فلم تھی اور یہ ایک کامیاب فلم ثابت ہوئی۔ اسی طرح مشرقی پاکستان سے مغربی پاکستان آنے پر اداکارہ شبنم کی پہلی فلم 'سمندر' یکم مارچ ۱۹۶۸ء کو ریلیز ہوئی۔ یہ فلم رفیق رضوی نے ڈائریکٹ کی۔ شبنم کے مقابل ہیرو وحید مراد تھے۔ یہ فلم خاطر خواہ بزنس نہ کر سکی لیکن بہرحال شبنم کے لیے مشرقی پاکستان واپسی کا راستہ بند کر گئی۔ اسی سال ایک اور انقلابی فلم 'زرقا' ۱۷ر اکتوبر ۱۹۶۸ء کو ریلیز ہوئی۔ یہ یہودی سامراجی سازش کے خلاف بین الاقوامی فلم تھی جو اپنے موضوع مکالموں اور نیلو کی فطری اداکاری کی وجہ سے بے حد کامیاب رہی۔ یہ فلم فلسطین جیسے حساس پس منظر پر بنائی گئی تھی اس فلم کا تذکرہ بین الاقوامی طور پر ہوا اور ریاض شاہد یہودی لابی کی نظروں میں آ گئے۔

اسی سال ۲۵ر دسمبر کو ایک اور فلم 'چاند سورج' نمائش کے لیے پیش کی گئی اس فلم میں پہلی بار مغربی اور مشرقی پاکستان کے ستاروں کے باہمی ملاپ کا تجربہ کیا گیا۔ ہدایت کار شور لکھنوی کی اس فلم میں ایک جوڑا وحید مراد اور روزینہ اور دوسرا ندیم اور شبانہ کا تھا، جن کا تعلق مغربی اور مشرقی پاکستان سے ہوتا ہے۔ وہ الگ الگ رومانوی کہانیوں میں دکھائی دیتے ہیں۔ یہ تجربہ بے حد مہنگا بھی رہا اور ناکام بھی۔

۷ر فروری ۱۹۷۱ء کو 'دوستی' کے نام سے اداکار اعجاز درانی نے ایک فلم بنائی جس کی زیادہ تر شوٹنگ لندن میں کی گئی۔ اس فلم میں ہدایت کار شریف نیئر نے ایک نئے موضوع پر طبع آزمائی کی کہ ایک پاکستانی دیہات کا نوجوان اعجاز روزی کمانے کے سلسلے میں لندن جاتا ہے تو کن حالات سے دوچار ہوتا ہے اور بعد میں اس کی پاکستانی محبوبہ پر کیا گزرتی ہے۔ یہ ایک رومانی میوزیکل فلم تھی۔ اے حمید نے اس فلم کی موسیقی ترتیب دی اس کے گانے آج تک فراموش نہیں کیے جا سکے۔ شبنم، رحمان، اعجاز اور حسنہ نے اس فلم میں مرکزی کردار ادا کیے۔ ۱۹۷۱ء کو ہدایت کار مصنف ریاض شاہد نے کشمیر کے موضوع پر فلم 'امن' بنائی جسے سنسر بورڈ نے قطع برید کے بعد 'یہ امن' کے نام سے ۲۰ر نومبر ۱۹۷۱ء کو ریلیز کیا۔ ریاض

شاہد یہ صدمہ برداشت نہ کر سکے اور اسی سال وفات پا گئے۔ ۱۹۷۱ء کے آخر میں مشرقی پاکستان کے عوام نے اپنی ہی فوج کے خلاف بغاوت کر دی جس کے نتیجے میں بنگلہ دیش بن گیا تو اس کا اثر پاکستانی فلمی صنعت پر بھی پڑا۔ اس لیے کہ مشرقی پاکستان ایک ایسا علاقہ تھا جہاں سے فلم کی لاگت کا ایک تہائی مل جاتا تھا جو کہ بنگلہ دیش کے قیام کے بعد بند ہو گیا اور یوں فلمی صنعت خصوصی طور پر اُردو فلموں کی پروڈکشن کو زبردست جھٹکا لگا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں علاقائی زبانوں پنجابی پشتو اور سندھی فلمیں بنانے کا رجحان بڑھا۔

۱۹۷۲ میں ایک مصری فلم 'عابدہ' کو بھی اردو زبان میں کراچی میں ڈب کیا گیا جس نے زبردست کامیابی حاصل کی۔ شاید اس لیے کہ اس میں دو فحش قسم کے رقص شامل تھے۔ اسی سال ایک اور نیا ستارہ چمکا۔ یہ تھے شاہد جسے عباس نوشہ نے اپنی فلم 'ایک رات میں' متعارف کرایا جو بعد میں ایک خوبرو ہیرو کے طور پر بے حد پسند کیا گیا۔ ۱۹۷۳ء میں ایک قابل ذکر فلم 'لڑکی' بنی جسے پاکستان کے تین بڑے ہدایت کاروں شریف نیر، احتشام اور حسن طارق نے ڈائریکٹ کیا لیکن یہ فلم بُری طرح فلاپ ہوئی اور ٹاپ کلاس ہدایت کاروں کی شہرت بھی کسی کام نہ آئی۔

۵ر جنوری ۱۹۷۴ء کو 'دو بدن' کے نام سے فلم بنی جس کے ہدایت کار رزاق خان تھے۔ اس فلم میں ایک نئی لڑکی کویتا متعارف کرائی گئی جو بعد میں ایک اچھی ہیروئن بن کر اُبھری۔ اداکار ندیم نے بطور پرڈیوسر اس سال کی ایک فلم 'مٹی کے پتلے' کے نام سے بنائی جو آجر اور مزدور کے موضوع پر تھی۔ اس فلم کو ان کے سسر احتشام نے ڈائریکٹ کیا لیکن یہ فلم کامیاب نہ ہو سکی اور ندیم بطور پرڈیوسر ناکام رہے۔ اس سال ۲۹ر مارچ کو فلم ساز و ہدایت کار اقبال شہزاد نے 'ٹائیگر گینگ' کے نام سے فلم بنائی جو ایک جرمنی پروڈیوسر کے ساتھ مل کر بنائی گئی تھی۔ اس میں ٹائٹل رول جرمنی ہیروز نے کیا لیکن یہ فلم ناکام گئی۔

ضیا سرحدی جو برصغیر کے نامور مصنف اور ہدایت کار تھے۔ انہوں نے ۷۴ء میں کراچی میں 'شہر اور سائے' کے نام سے فلم ڈائریکٹ کی جس کے پروڈیوسر آفتاب منگھی تھے۔ یہ فلم ۲۳ر نومبر کو ریلیز ہوئی اور بُری طرح ناکام رہی۔ یوں یہ نامور ہدایت کار مستقل طور پر فلمی صنعت سے آؤٹ ہو گیا اور انتہائی بُرے حالات میں پاکستان سے ہجرت کر کے برطانیہ چلا گیا۔ اسی سال برصغیر کے ایک اور نامور ہدایت کار ایس فضلی کی فلم 'دو تصویریں' ۲۹ر نومبر کو ریلیز ہوئی۔ یہ فلم بھی اپنی اچھی کاسٹ شبنم، ندیم، آسیہ، رحمان، رنگیلا کے باوجود بری طرح ناکام گئی اور ایس فضلی ہمیشہ کے لیے فلمی صنعت سے آؤٹ ہو گئے۔

۲۵ر جولائی کو ہدایت کار حسن طارق کی فلم 'ایک گناہ اور سہی' پیش ہوئی جس میں صبیحہ خانم نے زندگی کا بہترین کیریکٹر رول ادا کیا۔ اس فلم کی نمائش ماسکو کے فلمی میلہ میں کی گئی اور اسے میرٹ ایوارڈ

ایک گناہ اور سہی

دیا گیا۔ اسی سال یکم اگست کو ایک رومانی فلم 'میرا نام ہے محبت' ریلیز ہوئی جسے شباب کیرانوی نے بنایا۔ یہ لو اسٹوری پر مبنی فلم تھی جس میں بابرہ شریف اور غلام محی الدین کو پہلی بار مرکزی کرداروں میں پیش کیا گیا۔ اپنی سپرہٹ موسیقی اور دونوں فنکاروں کی لاجواب اداکاری کی وجہ سے یہ فلم بے حد کامیاب گئی اور ملک کو بابرہ شریف جیسی ورسٹائل اداکارہ مل گئی۔

۵ردسمبر کو برصغیر کے نامور ہدایت کار ایس ایم یوسف نے 'نیک پروین' بنائی جسے پہلے وہ ۱۹۴۴ء میں ممبئی میں بنا چکے تھے۔ اس دور میں یہ فلم بے حد کامیاب گئی تھی لیکن جب تیس سال بعد اس فلم کو دوبارہ بنایا گیا تو بری طرح فلاپ گئی اور ایس ایم یوسف کو انڈسٹری سے آؤٹ کر گئی۔ اسی سال ۱۲ دسمبر کو نذر شباب کی فلم 'نوکر' نے زبردست بزنس کیا یہ ایک سوشل رومانٹک طرز کی فلم تھی اور اس دور سے یہ محمد علی اور ننھا کی بے ساختہ اداکاری اور فی البدیہہ مکالموں کی وجہ سے اردو فلموں میں نئے ٹرن کا باعث ہوئی۔ اسی سال 'میرا نام ہے محبت' کے فوری بعد شریف اور غلام محی الدین کو لے کر 'دیوانہ' بنائی لیکن یہ فلم بری طرح ناکام رہی۔ نئے ستارے پیش



فلم 'نوکر' کا ایک منظر

کرنے میں شباب کیرانوی ایک الگ مقام رکھتے تھے۔ ۱۹۷۶ میں انہوں نے ٹیلی ویژن کی ہٹ فنکارہ روحی بانو کو لے کر 'انسان اور فرشتہ' بنائی اس فلم میں ندیم اور روحی بانو نے اعلیٰ پرفارمنس کا مظاہرہ کیا لیکن یہ فلم بھی ناکام رہی اور شباب پروڈکشن کو بے حد نقصان پہنچانے کا باعث بنی۔

اسی سال اداکارہ سنگیتا بطور ہدایت کار اور سید نور بطور مصنف منظر عام پر آئے۔ 'سوسائٹی گرل' کے نام سے سنگیتا نے فلم ڈائریکٹ کی اور فلم صنعت کو ایک نیا اسٹائل اور ایک نیا موضوع دیا۔ یہ فلم بے حد کامیاب رہی اور سنگیتا بطور ہدایت کارہ کامیاب رہی۔ اسی سال کراچی سے ایک اور ہدایت کار منظر عام پر آئے۔ یہ تھے کیمرہ مین جان محمد جنہوں نے فلم 'دیکھا جائے گا' ڈائریکٹ کی اور اردو فلموں میں سماجی مسائل کے ساتھ ساتھ ایکشن کو رواج دیا۔ یہ فلم خاصی کامیاب رہی۔ اسی سال پرویز ملک نے 'سچائی' کے نام سے ایک فلم بنائی جس میں دو نامور کیریکٹر زطالش اور علاؤالدین کو مزاحیہ کرداروں میں نمایاں کیا گیا جس میں وہ خاصے کامیاب رہے۔ اسی سال دسمبر میں نذر شباب کی 'شبانہ' نے بھی زبردست کامیاب

حاصل کی یہ ایک گھریلو نغماتی، سوشل رومانی طربیہ فلم تھی جس میں وحید مراد بابرہ شریف، شاہد اور نِنھا نے اعلیٰ کردار نگاری کا مظاہرہ کیا۔ اسی سال کے آخر میں ایک اور قابل ذکر فلم 'مسافر' تھی جسے دو زبانوں انگریزی اور اُردو میں بنایا گیا۔ 'بیانڈ دی لاسٹ ماؤنٹن' کے نام سے پاکستان میں پہلی بار انگریزی زبان میں فلم تخلیق کی گئی لیکن یہ فلم دونوں زبانوں میں بہت بری طرح ناکام رہی اور جاوید جبار کا یہ تجربہ بری طرح ناکام رہا۔

پاکستان کے صدر محمد ایوب خان مرحوم (۱۹۵۸ تا ۱۹۶۹) نے اپنے دور میں پاکستانی فلمی صنعت کی ترقی کے لیے براہ راست کوئی قدم نہیں اٹھایا البتہ انہوں نے ۱۹۶۱ء میں اس ضمن میں این ایم خان سے جو اُن دنوں سکریٹری کے عہدے پر مامور تھے، فلمی صنعت کی ترقی و بہبود کے لیے ایک رپورٹ مرتب کرنے کے لیے کہا۔ این ایم خان نے یہ رپورٹ بڑی محنت سے مرتب کی اور اس سلسلے میں فلمی صنعت کی مقتدر شخصیات سے بھی ملے اور ان کی آراء لیں۔ ۱۹۶۵ میں جب بھارت پاکستان جنگ چھڑی تو ایوب خان نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ تمام بھارتی فلموں کے سنسر سرٹیفکیٹ منسوخ کردیئے اور پاکستان میں موجود تمام بھارتی فلموں کی نمائش پر پابندی عائد کردی۔ جنگ کے خاتمہ کے بعد انہوں نے ۱۹۶۷ میں ایک اور قدم آگے بڑھایا اور امریکن موشن فلموں کا سرمایہ جو پاکستان میں موجود تھا اسے منجمد کردیا۔ اس کے بارے میں انہوں نے امریکن فلم سازوں کو آگاہ کردیا کہ وہ یہ رقم امریکہ نہیں لے جاسکتے۔ اسے پاکستانی فلمی صنعت پر خرچ کرسکتے ہیں۔ یہ رقم چار کروڑ کے لگ بھگ تھی جو اس دور میں ایک بہت بڑی رقم تھی۔ ایوب خان کے آخری دور میں جب کہ نواب زادہ شیر علی خان وزارت اطلاعات پر مامور تھے فلمی صنعت کی جانب سے اس کی ترقی و بہبود کے سلسلے میں چند مطالبات پیش کیے جن میں سرفہرست فلم سنسر بورڈ کو اسلام آباد سے لاہور منتقل کرنا تھا (ان دنوں کراچی اور لاہور کی فلمیں سنسر کے لیے اسلام آباد جاتی تھیں) ان مطالبات کے لیے پور فلمی صنعت ایک رائے رکھتی تھی لیکن حکومت نے کوئی مطالبہ تسلیم نہیں کیا۔

۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگ کے بعد جب ذوالفقار علی بھٹو نے اقتدار سنبھالا تو ۱۹۷۳ء میں حکومت کی توجہ پھر فلمی صنعت کی طرف دلائی گئی۔ عوامی مطالبہ کے پیش نظر ۱۹۷۳ء میں لاہور کے واپڈا آڈیٹوریم میں ایک فلمی سیمینار منعقد کیا گیا جس کے نتیجے میں ایک اہم پالیسی بنائی گئی اور فیصلہ کیا گیا کہ فلم ترقیاتی کارپوریشن (نیف ڈیک) بنائی جائے۔ اس کارپوریشن کے قیام اور اخراجات کے لیے امریکن فلم سازوں کی کارپوریشن سے رجوع کیا گیا۔ ان سے معاملات طے کرنے کے بعد فیصلہ ہوا کہ امریکن فلموں کی دوبارہ آمد اس کارپوریشن کے ذریعہ ہو۔ امریکن فلم سازوں کا جو سرمایہ ایوب خان کے دور میں

منجمد کیا گیا ہے اسے واگزار کر دیا جائے، جو امریکن فلم سازوں کو رائج سالانہ منافع کے ساتھ واپس کر دیا جائے گا۔ اس سرمائے کو نیف ڈیک پر خرچ کیا جائے۔ ان دنوں امریکن فلمیں پرائیویٹ سیکٹر کے ذریعہ ہی درآمد کی جاتی تھیں۔ ان ہی دنوں ایک امپورٹر نے امریکن فلم 'ڈانس آف تھیوز' ریلیز کی جس میں پہلی بار اس فلم کے سنسر شدہ پورشن ناجائز طور پر شامل کر کے ایک نئی بدعت کا آغاز کیا گیا۔ یہ سلسلہ شروع ہوا تو حکومت نے امریکن فلموں کی امپورٹ نیف ڈیک کے سپرد کر دی۔ اور راولپنڈی، لاہور اور کراچی میں اس کے دفاتر قائم کیے گئے۔ انگریزی فلموں کی امپورٹ کے ساتھ ساتھ خام فلم کی مکمل تقسیم بھی اسی ادارے کو سونپ دی گئی۔ اس ادارے نے اپنے من بھاتے فلم سازوں کو فنانس کرنا بھی شروع کیا۔ گو اس ادارے کے سامنے ڈھاکہ کے فلمی ترقیاتی کارپوریشن کا ڈھانچہ اور طریق کار موجود تھا لیکن یہاں نیف ڈیک کے منتظمین نے اپنی من مانی شروع کر دی۔ نیف ڈیک نے ایک فلم 'خاک اور خون' پروڈیوس کی جو بری طرح ناکام رہی۔ اسی طرح دو فلمیں ڈسٹری بیوشن کے لیے حاصل کیں جو ناکام گئیں۔ جمیل دہلوی کو 'فائیو یورز' کے نام سے فلم بنانے کے لیے فنانس کیا۔ اے جے کاردار کو فیض صاحب کی فلم 'دور ہے سکھ کا گاؤں' کے لیے سرمایہ مہیا کیا گیا لیکن یہ تمام فلمیں نہ بن سکیں اور سرمایہ ڈوب گیا۔ نیف ڈیک کے ملازمین نے اسے دونوں ہاتھوں سے لوٹنا شروع کر دیا۔ امریکن فلموں کی درآمد کے سلسلے میں رشوت ستانی ہونے لگی وہ سرمایہ جو چار کروڑ کے قریب تھا وہ چند برسوں میں برباد کر دیا گیا اور نیف حکومت اور فلمی صنعت کے لیے بوجھ بن گیا۔ عوامی حکومت نے سنسر بورڈ کے حوالے سے نئی پالیسی اپنائی۔ سنسر بورڈ میں ایوب خان تک کے دور کے زیادہ تر ممبران بیوروکریسی سے لیے جاتے تھے ان کے علاوہ محکمہ تعلیم، پروفیسر صاحبان یا معززین شہر میں سے ممبر منتخب کیے جاتے تھے لیکن جب بھٹو کا دور آیا تو اسے عوامی دور کے نام سے منسوب کرتے ہوئے سنسر بورڈ میں ایسے ممبران شامل کیے گئے جن کا تعلق عام طبقہ سے تھا۔ ان میں اسٹوڈنٹ لیڈر، مزدور لیڈر، سیاسی مصلحتوں کے تحت ایم پی اے، جرنلسٹ، وکیل اور محکمہ تعلیم اور دوسرے محکموں سے لئے گئے۔

گزشتہ دہائی میں عوامی دور میں نمائندوں نے سنسر بورڈ کے ذریعہ فلم سازوں کو اس حد تک چھوٹ دی کہ اس دور میں خطرناک، خوفناک، خان زادہ، نواب زادہ، ملک زادہ ٹائپ کی فلمیں بنیں اور ان فلموں نے بزنس بھی اچھا کیا۔ فلموں میں غیر سنسر شدہ گانوں کی بھرمار نظر آنے لگی۔ ریپ سین اور بارش میں فلم بند کیے گئے گانوں کے اس دور میں ایک ادارہ کاشف لمیٹڈ بھی جلوہ گر ہوا جس نے 'آئینہ' بنائی جو ۱۸؍مارچ ۱۹۷۷ء کو ریلیز ہوئی۔ نذرالاسلام نے اسے ڈائریکٹ کیا یہ فلم پنجاب سرکٹ میں اچھا بزنس نہیں کر سکی اس لیے کہ اس سال سلطان راہی پنجابی سینما پر قبضہ کر چکے تھے جب کہ اس فلم نے کراچی میں

۴۰۰ ہفتے سے زائد زیرِ نمائش رہ کر ایک نیا ریکارڈ قائم کیا۔ اسی سال جولائی میں ہدایت کارہ سنگیتا نے ایک اور ہٹ فلم دی جس کا نام 'عشق عشق' تھا یہ ایک رومانی فلم تھی جس میں کویتا اور ندیم نے مرکزی کردار ادا کئے۔ اسی سال ۱۲۸ کتوبر کو ایک طنزیہ مزاحیہ اور گھریلو فلم 'سسرال' آئی جسے نذر شباب نے ڈائریکٹ کیا۔ کویتا، شاہد اور ننھا نے مرکزی کردار ادا کئے۔ اچھی کہانی اور اعلیٰ کردار نگاری کی بدولت یہ فلم بے حد کامیاب رہی۔ اسی سال تاریخی فلمیں بنانے کا تجربہ بھی پیش کیا گیا۔ ممکن تھا کہ یہ تجربہ کامیاب رہتا اگر 'ٹیپو سلطان' کو اچھا فلم ساز بناتا۔ اسے ایک ناتجربہ کار فلم ساز نوشین ملک نے پروڈیوس کیا۔ رزاق قیصر نے ڈائریکٹ کیا۔ محمد علی نے ٹائٹل رول کیا لیکن یہ فلم کمزور پروڈکشن کی بنا پر ناکام گئی۔ اس کے فلاپ ہونے کی بڑی وجہ اس کا اسکرپٹ تھا۔

اسی سال قابل ذکر ایک اور فلم بھی آئی جس کا نام 'سلاخیں' تھا جسے حسن عسکری نے ڈائریکٹ کیا تھا۔ بابرہ شریف اور محمد علی نے مرکزی کردار ادا کئے۔ پرفارمنس کے اعتبار سے یہ فلم ان دونوں فنکاروں کی لاجواب فلم تھی جو کامیاب بھی گئی۔ بابرہ نے اس فلم میں محمد علی کی بیٹی کا کردار ادا کیا۔ یہ فلم ۲۳ر دسمبر کو نمائش کے لیے پیش کی گئی۔ ملک میں مارشل لاء لگ چکا تھا لیکن فلم کے معاملے میں وہی بھٹو دور والا سلسلہ جاری تھا فلموں میں ان سنسر ڈ ٹکڑوں کی نمائش عام تھی جس کے بارے میں گو عام شکایات کی جارہی تھیں لیکن حکومت کوئی قدم نہیں اُٹھا رہی تھی۔

۱۹۷۸ء میں ہدایت کار نذرالاسلام نے ایک فلم 'شیشے کا گھر' بنائی جو فنی اعتبار سے لاجواب تھی لیکن کمزور کہانی کی وجہ سے یہ فلم بری طرح فلاپ گئی۔ اسی سال ۱۶ر جون کو ایک منفرد انداز کی فلم سنگیتا نے بنائی جس کا نام 'مٹھی بھر چاول' تھا یہ راجندر سنگھ بیدی کے ناول 'اک چادر میلی سی' سے کہانی اخذ کر کے بنائی گئی۔ گو کمرشلی یہ فلم اتنی بہتر نہیں گئی لیکن فلمی حلقوں نے اسے بہترین فلم قرار دیا۔ غلام محی الدین، سنگیتا، کویتا اور ندیم نے اعلیٰ کردار نگاری کا مظاہرہ کیا۔ اسی سال 'غازی علم دین شہید' کے نام سے ایک تاریخی فلم بنائی گئی جو ایک کمزور پروڈکشن ہونے کے باوجود مذہبی سنٹی مینٹس کی بنا پر کامیاب گئی۔ اسی سال فلم ساز راجہ غضنفر علی نے ایک تاریخی فلم 'حیدر علی' پروڈیوس کی جس کی ڈائریکشن کہنہ مشق ہدایت کار مسعود پرویز اور موسیقی خورشید انور نے ترتیب دی۔ اس کے پُر جوش مکالمے ریاض شاہد نے لکھے۔



مٹھی بھر چاول کا ایک منظر

عمدہ پروڈکشن کے باوجود یہ فلم خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ کرسکی اور فلم ساز کو خاصا نقصان اُٹھانا پڑا۔ اسی سال ۵؍ستمبر کو شمیم آراء نے 'پلے بوائے' کے نام سے فلم بنا کر ہلکی پھلکی انداز کی رومانٹک فلمیں بنانے کا رواج دیا۔ یہ فلم بیرون ملک فلم بند کی گئی۔ اس کی کامیابی سے شمیم آراء ایک کامیاب ہدایت کارہ کی حیثیت سے منظر عام پر آئی۔

۴؍فروری ۱۹۷۹ء کو ایک تاریخی فلم 'محمد بن قاسم' ریلیز ہوئی جسے اکبر بنگلوری نے ڈائریکٹ کیا۔ یہ بھی ایک کمزور فلم ثابت ہوئی اور پاکستان میں تاریخی فلمیں بنانے کا تصور تقریباً ختم کرگئی۔ دوران مولا جٹ کی وجہ سے جو دھاندلی ہوئی اس کے مدِ نظر حکومت نے نیا سنسر کوڈ نافذ کردیا اور نئی فلم پالیسی مرتب کر کے نافذ کی جسے موشن پکچر آرڈیننس مجریہ ۱۹۷۹ کا نام دیا گیا۔ اس نئے کوڈ میں فلموں میں عریانی، فحاشی، رقص، جرائم کی پرورش، بداخلاقی، حیوانیت، قومی جذبات کو خاص طور پر ملحوظ خاطر رکھا گیا۔ غرض یہ کہ فلم ساز کی جانب سے جو غیر قانونی حرکات فلموں کے سنسر کے معاملے میں متوقع تھیں ان کا سدباب اس آرڈیننس کے ذریعہ کردیا گیا۔ مگر اس آرڈیننس کے باوجود غیر قانون حرکات کا سلسلہ جاری رہا۔

۲۵ فروری ۷۹ء کو سید کمال نے ایک اور تجربہ کیا کہ ایک انگریزی ناول The Lost Love سے متاثر ہوکر مشہور ڈرامہ نگار حسینہ معین سے 'یہاں سے وہاں' تک کے نام سے ایک کہانی لکھوائی جس کی تمام تر فلم بندی انگلینڈ میں کی گئی۔ وحید مراد، ممتاز اور کمال نے مرکزی کردار ادا کئے لیکن ان کا یہ تجربہ بری طرح ناکام رہا۔ یہ فلم فلاپ گئی۔ اسی سال نوشین ملک نے ایک اور تاریخی فلم 'جنرل بخت خان' کے نام سے بنائی۔ محمد علی نے ٹائٹل رول کیا یوسف خان اور سدھیر جیسے نامی گرامی ہیروز بھی اس میں آئے لیکن یہ فلم بھی ناکام گئی۔ نومبر ۷۹ء کو شمیم آراء کی فلم 'مس ہانگ کانگ' لگی جس میں مرکزی کردار بابرہ شریف نے ادا کیا۔ یہ فلم بھی غیر ملکی پروڈکشن تھی جو بے حد کامیاب گئی۔ ۲۱؍دسمبر کو ہدایت کار حسن عسکری نے نوجوانوں کے نفسیاتی مسائل پر 'آگ' کے نام سے فلم بنائی۔ محمد علی سلطان راہی اس فلم کے مرکزی کردار تھے۔ ایک خوبصورت معیاری فلم ہونے کے باوجود یہ ناکام رہی۔

۱۹۸۰ء کے اوائل یعنی ۱۱ جنوری کو ہدایت کار نذرالاسلام کی سینما اسکوپ رنگین 'بندش' آئی جس کی شوٹنگ انڈونیشیا میں کی گئی تھی۔ یہ فلم انڈونیشیا اور پاکستان کی پروڈکشن تھی۔ شبنم اور ندیم کے ساتھ انڈونیشیا کی ہیروئن ڈیانا کرسٹنا، علاؤ الدین اور طالش نے نمایاں کردار ادا کئے۔ یہ فلم نہ صرف کامیاب گئی بلکہ اُردو فلموں کے لیے اس نے نئی راہ دکھائی۔ اسی سال نذرالاسلام کی ایک اور قابل ذکر معیاری اور منفرد فلم 'نہیں ابھی نہیں' آئی جس میں دو ٹینکسٹر ہیرو فیصل اور ایاز کو شبنم کے ساتھ لیا گیا۔ اس فلم میں نئی ہیروئن آرزو کو بھی اہم کردار دیا گیا۔ کالج کے آزادانہ ماحول میں رہنے والے موجودہ دور کے طالب علم

کن مسائل سے دوچار ہیں۔ یہ اس فلم کا موضوع تھا موضوع کے اعتبار سے یہ ایک منفرد فلم تھی اور معیاری پروڈکشن تھی لیکن بزنس کے اعتبار سے کامیاب نہ ہوسکی۔ اس فلم نے ہندستان کے اور روس کے فلمی میلہ میں تعریفی سٹیفکیٹ لئے۔ ۲۹ مئی کو پاکستان اور انگلینڈ کے دو فلم سازوں نے ایک کو پروڈکشن فلم ' کالا دھندہ گورے لوگ' بنائی جس کی زیادہ تر شوٹنگ لندن میں کی گئی اس فلم کی نمائش انڈیا میں بھی کی گئی۔ جاوید سجاد نے اسے ڈائریکٹ کیا۔ آصف خان، حید مراد، سنگیتا اور بدر منیر نے مرکزی کردار ادا کیے۔ کفایت حسین اس فلم کے پروڈیوسر تھے۔

فلموں میں بڑھتی ہوئی عریانیت اور غیر ذمہ دار فلم سازوں کی حرکتوں سے تنگ آکر مرکزی فلم سنسر بورڈ کے چیئرمین نے صدر ضیاء الحق کی معیاری فلموں میں دلچسپی کو دیکھتے ہوئے اسلام آباد میں تمام ممبران سنسر بورڈ کی ایک میٹنگ اسی سال بلائی جس میں ضیاء الحق بھی تشریف لائے۔ اس میٹنگ میں چیئرمین نے وہ تمام غیر سنسر شدہ حصے دکھائے جو کہ سنسر بورڈ نے پکڑے تھے یا جنہیں فلموں سے کاٹا گیا تھا۔ ضیاء الحق نے اس موقع پر فلم سے متعلقہ ممبران کو ان کی اس کارکردگی پر شرم دلائی۔ ایک فلم ساز اور ممبر فلم سنسر بورڈ راجہ غضنفر علی نے فلمی صنعت کی نمائندگی کرتے ہوئے بتایا کہ فلم ایک ایسا میڈیا ہے کہ جسے ملک کے ہر حصے میں شوق سے دیکھا جاتا ہے۔ حیرانگی کی بات یہ ہے کہ اگر چند سو چھپنے والے ایک پرچے کی اشاعت کے لیے تو حکومت سو طرح کی پابندیاں لگاتی ہے لیکن جو میڈیا ڈائریکٹ نوجوانوں اور عوام پر اثر انداز ہوتا ہے اس پر کوئی پابندی نہیں۔ اس فلم ساز کو کن خوبیوں کا مالک ہونا چاہئے اس کے لیے کوئی قانون نہیں کہ ہر ایرا غیرا فلم ساز بن جاتا ہے اور جیسی چاہے فلم بنا دیتا ہے۔ اس پر باقاعدہ اجلاس ہوئے اور مارشل لا ء ۸۱ ء کے تحت ان تمام فلموں پر پابندی لگا دی گئی جن پر ذرا سا بھی الزام تھا کہ فلم ساز نے اس میں غیر سنسر شدہ ٹکڑے شامل کیے ہیں تقریباً چار سو کے قریب فلموں کو بین کر دیا گیا اور فلم سازوں کی رجسٹریشن کا قانون نافذ کر دیا گیا۔ مارشل لا ء ۸۱ ء کے تحت بین کی جانے والی فلموں کی ہائی کورٹ میں بھی اپیل نہ ہوسکتی تھی۔ چنانچہ خطرناک، خوفناک، نواب زادہ ٹائپ کی فلموں کے ساتھ ساتھ 'وحشی جٹ، مولا جٹ اور جگا گجر، جیسی فلمیں بھی بین ہوگئیں۔ فلم سازوں کی رجسٹریشن کے ساتھ خام فلم کی تقسیم کا نظام نیف ڈیک کے سپرد کر دیا گیا۔ معیاری فلموں کی تخلیق کے لیے فلم سازوں کی ایسوسی ایشن اور نیف ڈیک کے اشتراک سے احتسابی کمیٹی بنائی گئی جو فلم شروع کرنے سے پہلے کہانی چیک کرتی تھی۔ مارشل لا ء ۸۱ ء کا قانون اس لیے لاگو کیا گیا کہ فلمی صنعت سے غیر ذمہ دار عناصر کا خاتمہ کیا جاسکے۔ لیکن اس کی سب سے پہلی خلاف ورزی اس دور کے چیئرمین فلم پروڈیوسرز ایسوسی ایشن نے کی۔ اسی سال سالا صاحب، چن وریام، نے زبردست کامیابی حاصل کی۔ ان فلموں کی کامیابی نے

اردو سینما کو بے حد نقصان پہنچایا اور ہر فلم ساز کی کوشش ہوتی کہ وہ ان ہی کرداروں کو لے کر فلم بنائے۔
اسی سال ۲۶ر مارچ کو حسن طارق کی فلم 'سنگدل' ریلیز ہوئی پنجابی فلموں کے دور میں 'سنگدل' کی کامیابی ہوا کا ایک ہلکا سا جھونکا ثابت ہوئی۔ 'سنگدل' کے فلم ساز سجاد گل تھے۔ بابرہ شریف اور ندیم نے مرکزی کردار ادا کیے۔ ندیم نے اس فلم میں ڈبل رول کیا جو پسند کیا گیا۔ اس سے پہلے اس موضوع پر لقمان نے فلم 'افسانہ' بنائی تھی۔

اسی سال ہدایت کار نذرالاسلام نے ایک خوبصورت گھریلو فلم 'آنگن' ڈائریکٹ کی۔ یہ فلم بابرہ شریف اور ندیم کی عمدہ پرفارمنس پر مشتمل تھی لیکن خوبصورت اور معیاری ہونے کے باوجود یہ فلم کمرشلی فلاپ گئی۔ یہ فلم ۳ ستمبر ۸۲ء کو ریلیز ہوئی۔ اسی سال ۶ر اپریل کو ایک اور معیاری اور منفرد فلم 'آہٹ' منظر عام پر آئی جسے محمد جاوید فاضل نے ڈائریکٹ کیا تھا۔ فلم ساز عطا بز دار بنیادی طور پر ایک اسٹل فوٹوگرافر تھے انہوں نے بڑے شوق سے یہ فلم بنائی۔ شبنم، ندیم، وحید مراد، رومانہ، جمیل فخری اس فلم کے خاص اداکار تھے۔ ایک معیاری اور اچھی فلم ہونے کے باوجود یہ فلم ناکام رہی۔ اسی سال فلم ساز سجاد گل کی ایک رومانی فلم ۱۱ر جولائی کو 'لوا سٹوری' کے نام سے ریلیز کی گئی جس کے ہدایت کار نذرالاسلام تھے۔ یہ فلم افریقہ کے جنگلوں اور اسی ملک کے شہروں میں فلمائی گئی۔ فیصل کے مقابل کینیا کی نئی ہیروئن لیلیٰ کو اس فلم میں کاسٹ کیا گیا۔ یہ فلم بزنس کے اعتبار سے بہت اچھی گئی۔ لیلیٰ پاکستانی فلموں میں کاسٹ کی جانے لگی۔ ۱۸ر ستمبر کو ایک اور قابل ذکر فلم 'کبھی الوداع نہ کہنا' میں شبنم کے مقابل ایک نیا ہیرو جاوید شیخ اور سری لنکا کی ہیروئن سیتا نے کام کیا۔ شبنم کی جذباتی اداکاری اور امجد بوبی کی عمدہ موسیقی کی وجہ سے یہ فلم بے حد کامیاب گئی۔ اس فلم کی شوٹنگ سری لنکا میں کی گئی۔ یہ پاکستان سری لنکا کی کو پروڈکشن تھی۔ مجموعی طور پر اس فلم میں ۱۷ بڑے اسٹار تھے لیکن یہ فلم کمرشلی فلاپ گئی اور ثابت کر گئی کہ بڑے اسٹار کبھی بھی کسی فلم کی کامیابی کے ضامن نہیں ہوتے۔ اسی سال پاکستانی فلمی صنعت کی ۶ مشہور ہستیاں یکے بعد دیگرے راہی ملک عدم ہو گئیں۔ برصغیر کے نامور کامیڈین نور محمد چارلی، پاکستان کے وراسٹائل ہیرو وحید مراد، برصغیر کے نامور ہدایت کار اداکار، پاکستانی فلمی صنعت کے بانی پروڈیوسر نذیر، ملک کے مشہور گلوکار احمد رشدی، نامور فلم جرنلسٹ ایم ایس ڈار اور ایورنیو اسٹوڈیوز کے مالک آغا جی اے گل اس سال وفات پا گئے۔

۱۹۸۴ء میں جان محمد (کیمرہ مین، ہدایت کار، فلم ساز) نے 'ہانگ کانگ کے شعلے' بنائی جس کی شوٹنگ ہانگ کانگ میں کی گئی۔ یہ فلم بے حد کامیاب رہی۔ اسی سال شمیم آراء نے 'مس کولمبو' کے نام سے فلم بنائی جس کی تمام تر شوٹنگ سری لنکا میں کی گئی۔ یہ فلم بے حد کامیاب رہی۔ ۱۴ر جولائی ۸۴ء کو ملک کے صدر ضیاء الحق نے فلمی صنعت کی اصلاح اور ترقی کے لیے ایک اجلاس اسلام آباد میں بلایا جس میں

فلمی صنعت کی بہبود کے لیے، آراء لی گئیں اور بعض احکامات صدر محترم نے اسی وقت جاری کر دیئے جس میں سب سے اول نیشنل فلم ایوارڈ کا اجراء تھا۔ اسی سال ۱۹ سے ۲۵ دسمبر تک لاہور کے الفلاح سینما میں اس سلسلے کی پہلی تقریب منعقد ہوئی۔ گزشتہ برسوں میں بنائی گئی کلاسیک فلموں کا ایک میلہ ہوا جس میں خورشید انور کی انتظار، ڈبلیو زیڈ احمد کی 'وعدہ' خلیل قیصر کی 'شہید'، شریف نیر کی 'نائلہ' مسعود پرویز کی 'ہیر رانجھا' حسن طارق کی 'اک گناہ اور سہی' اور نذر الاسلام کی 'نہیں ابھی نہیں' دکھائی گئیں۔ ۲۶۔ ۲۷ دسمبر کو الحمرا لاہور میں فلم سیمینار ہوا جس میں فلمی صنعت کی طرف سے حکومت سے مطالبات کئے گئے جن میں سر فہرست ویڈیو کی ناجائز نمائش کا مسئلہ تھا۔ اس کے لیے کاپی رائٹ ایکٹ کا مطالبہ کیا گیا جسے منظور کرلیا گیا۔ ۲۸ ر دسمبر کو نیشنل فلم ایوارڈ کی پہلی تقریب الحمراء ہال میں منعقد ہوئی جس میں ۸۳ء میں بننے والی فلموں پر ایوارڈز کے ساتھ ساتھ نقد کی صورت میں بیس بیس ہزار روپے دیئے گئے۔ جن جن فنکاروں کو ایوارڈز سے نوازا گیا، اُن میں فلم ساز انیس دوثانی (گمنام) ہدایت کار محمد جاوید فاضل (دہلیز) طلعت حسین (گمنام) شبنم (گمنام) پرویز ملک (گمنام) کیمرہ مین ایم ایوب (جوانی) موسیقار کمال احمد (دہلیز) فلم ایڈیٹر زلفی (راکا) خواجہ پرویز (قدرت) گلوکارہ گلنار بیگم (خاندان) صدابند ظہور احمد (لو اسٹوری) کے نام شامل ہیں۔

۱۱ ر جنوری ۸۵ء کو وحید مراد کی آخری فلم 'ہیرو' نمائش کے لیے پیش کی گئی۔ موت سے قبل یہ فلم وہ مکمل کر چکے تھے۔ یہ فلم اچھا بزنس نہ کر سکی۔ ۲۰ ر جون کو شمیم آراء کی 'مس سنگاپور' آئی جس کی شوٹنگ سنگاپور میں کی گئی تھی۔ بابرہ نے ٹائٹل رول ادا کیا تھا۔ یہ فلم بھی 'مس کولمبو' کی طرح بے حد اچھی گئی۔ اسی سال جاوید فاضل نے ایک تجرباتی فلم 'ناراض' بنائی۔ جنریشن گیپ جیسے اہم موضوع پر بنائی گئی یہ ایک خوبصورت فلم تھی لیکن اچھا بزنس نہ کر سکی۔ اسی سال ۲۰ ر دسمبر کو سندھ کے پس منظر پر ایک فلم 'وڈیرہ' بنائی گئی جس کے پروڈیوسر فاروق ملک تھے۔ بہترین میوزک اور ثقافتی پس منظر کی خوبصورتی کی بناء پر یہ فلم کامیاب رہی جسے بعد میں سندھی زبان میں بھی ڈب کیا گیا۔ اس سال نیف ڈیک کے سربراہ آغا ناصر نے وزارت ثقافت کے تعاون سے صدر پاکستان کی ہدایت پر دوسرے نیشنل فلم ایوارڈ کا اہتمام فلمی صنعت کے ہر شعبے کے نمائندوں سے مشورہ کے بعد لاہور میں کیا۔ دوسرے نیشنل ایوارڈ کی تقریب کے سلسلے میں ۲۶ دسمبر کو الفلاح سینما لاہور میں ان فنکاروں کی فلموں کا سات روزہ میلہ منعقد کیا گیا جنہوں نے اپنی زندگی میں اپنے فن کا اعلیٰ ترین اظہار کیا ہو اور وہ اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہوں چنانچہ اس میلہ میں جو فلمیں دکھائی گئیں ان میں خلیل قیصر کی 'حویلی' ریاض شاہد کی 'یہ امن' خورشید انور کی 'گھونگھٹ' علاؤ الدین کی 'کرتار سنگھ'، پیارے خان (پروسیسنگ) کی 'عندلیب' کیمرہ مین ایم فاضل کی 'دوستی'

اورآرٹ ڈائریکٹر حاجی محی الدین کی 'تاج محل' کے نام شامل تھے۔ ۲۷ر دسمبر کو الحمراء میں ایک مذاکرہ کا بندوبست کیا گیا جس میں فلم اور اصلاح معاشرہ کے موضوع پر مشہور ادیبہ بشرارحمان، پروفیسر پریشان خشک، ہدایت کار اسلم ڈار، نغمہ نگار خواجہ پرویز، اداکارہ بہار، اداکارہ الیاس کاشمیری، اداکار اعجاز، فلم تقسیم کار چوہدری عید محمد، فلم کریٹک ظفر صمدانی نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

۲۸ر دسمبر کو الحمراء میں دوسرے نیشنل فلم ایوارڈ کی تقریب منائی گئی۔ ۸۴ء میں ایوارڈ کی تعداد گیارہ تھی جب کہ اس سال ۱۳ کردی گئی۔ اس سال جن افراد کو ایوارڈ بیس بیس ہزار روپے دیئے گئے ان میں فلم ساز ایس اے گل (ڈوریاں) ہدایت کار حسن عسکری (ڈوریاں) ندیم (لازوال) شبنم (ڈوریاں) مکالمہ نگار بشیر نیاز (ڈوریاں) نغمہ نگار مسرور انور (کامیابی) گلوکار مسعود رانا (عشق نچادے گلی گلی) گلوکارہ نورجہاں (عشق نچادے گلی گلی) عکاس کامران مرزا (مس کولمبو) فلم ایڈیٹر کے ڈی مرزا (مس کولمبو) آرٹ ڈائریکٹر سرور غوری (لازوال) موسیقار امجد بوبی (بوبی) اور فلم ایکسپورٹ اور لیس صدیقی کے نام شامل تھے۔ اس سال ۸ر مارچ کو فلم 'ہم سے ہے زمانہ' ریلیز کی گئی جس کی شوٹنگ نیپال میں کی گئی۔ یہ فلم پاکستان بنگلہ دیش اور نیپال کی کو پروڈکشن تھی۔ جسے محمد جاوید فاضل نے ڈائریکٹ کیا۔ ندیم، طلعت حسین (پاکستان) میناکشی (نیپال) روزینہ مصطفیٰ (بنگلہ دیش) اس کے خاص اداکار تھے۔ یہ فلم بے حد کامیاب رہی۔ ہدایت کار نذرالاسلام کی دو فلمیں 'دیوانے دو' اور 'پلکوں کی چھاؤں میں' ۲۷ر اگست کو ریلیز ہوئیں لیکن دونوں ہی بری طرح ناکام رہیں۔ اس سال کی کامیاب فلموں میں ایک اور نام بھی ہے۔ ۴ر اکتوبر کو ہدایت کار نذر شباب کی فلم 'نادیہ' ریلیز ہوئی جس میں سری لنکا کی سبیتا، جاوید شیخ، شاہد اور ہمایوں قریشی نے کام کیا۔ ڈرامائی کہانی اور بہترین موسیقی کی وجہ سے یہ فلم پسند کی گئی۔ اس سال یکم نومبر کو ایک بہت بڑی اسٹار کاسٹ کی فلم 'شاہ بہرام' ریلیز کی گئی جس کے پروڈیوسر طاہر علی مونگا اور ہدایت کار کیفی تھے۔ سلطان راہی، محمد علی، انجمن، مصطفیٰ قریشی، اقبال حسن سترہ کے قریب بڑے ستاروں نے اس فلم میں کام کیا لیکن یہ فلم بری طرح ناکام گئی۔

۱۹۸۶ء کی پہلی قابل ذکر فلم 'دھنک' تھی جسے محمد جاوید فاضل نے ڈائریکٹ کیا تھا۔ سونیا، فیصل، عارفہ صدیقی نے مرکزی کردار ادا کیے۔ یہ فنی اعتبار سے منفرد فلم تھی لیکن یہ خاطر خواہ بزنس نہ کر سکی۔ ۱۴ر فروری کو ہدایت کار پرویز ملک کی 'زنجیر' ایک خوبصورت اور معیاری فلم تھی یہ قومی موضوع پر قومی یکجہتی کے پس منظر میں بنائی گئی تھی۔ ترکی کی معروف اداکارہ نازاں اس میں ہیروئن تھی۔ جب کہ اس کے مقابل جاوید شیخ، ممتاز اور محمد علی جیسے ستاروں نے کام کیا تھا۔ یہ ایک کامیاب فلم تھی۔ ۲۸ مارچ کو ایک فلم 'جھومر چور' ریلیز کی گئی جسے ملک کے نامور اور کہنہ مشق ہدایت کار شریف نیر نے ڈائریکٹ کیا تھا۔ شبنم، جاوید

شیخ، اعجاز نے مرکزی کردار ادا کیے۔ ایک خوبصورت اور معیاری فلم ہونے کے باوجود یہ فلم بری طرح ناکام رہی اور شریف نیر ہمیشہ کے لیے انڈسٹری سے آؤٹ ہو گئے۔ ۹ جون کو تین ایسی فلمیں ریلیز ہوئیں جنہیں بڑے اداروں نے بنایا تھا جن کی کاسٹ کریڈٹ بھی اچھے فنکاروں پر مشتمل تھی۔ پہلی فلم شاہق شفاعت کی 'حساب' تھی جو اچھے فنانس کے ساتھ لندن میں بنائی گئی تھی۔ اسے جاوید فاضل جیسے مشہور ہدایت کار نے ڈائریکٹ کیا، ندیم، روزینہ (بنگلہ دیش) لیلی (لندن) طلعت حسین اور ساقی نے مرکزی کردار ادا کیئے۔ سہیل رعنا نے موسیقی ترتیب دی لیکن یہ فلم کامیاب نہ ہوسکی اور فلم ساز کو لاکھوں روپے کا نقصان اٹھانا پڑا۔ اس سلسلے میں دوسری فلم ایورنیو پکچرز کے فلم ساز ایس اے گل کی 'ہم ایک ہیں' تھی جسے نیپال کے تعاون سے بنایا گیا تھا۔ تمام تر شوٹنگ بھی نیپال میں کی گئی تھی۔ اس میں بنگلہ دیش کے فلم ساز بھی شریک تھے۔ تینوں ملکوں کے فلمی ستاروں نے اس میں کام کیا۔ سلمیٰ آغا، جاوید شیخ، شیوا (نیپال) الیاس بجن (بنگلہ دیش) رنگیلا خاص خاص اداکار تھے۔ یہ فلم بہت اچھی گئی۔ تیسری فلم 'بنکاک کے چور' تھی جس کی مکمل شوٹنگ بنکاک میں کی گئی۔ یہ سری لنکا پاکستان کی کوپروڈکشن تھی۔ شکیل ایوب اس کے فلمساز تھے۔ کیمرہ مین اور ڈائریکٹر جان محمد نے اسے ڈائریکٹ کیا۔ بیتا، اظہار قاضی، ہمایوں قریشی، ادیب، رنگیلا اس کے نمایاں ستارے تھے۔ یہ فلم بھی بہتر گئی۔ اس سال کی ایک اور قابل ذکر فلم 'باغی قیدی' تھی۔ یہ فلم ۱۷ اگست کو ریلیز ہوئی۔ اسے ممتاز علی خان نے ڈائریکٹ کیا۔ اس میں ایک نیا ہیرو اسماعیل شاہ پیش کیا گیا اور لبنیٰ خشک نئی فنکارہ نے کام کیا۔ نئی کاسٹ کے باوجود اس فلم نے زبردست بزنس کیا اور اسماعیل شاہ ایک کامیاب ہیرو قرار پائے۔ اسی سال ۱۴ ستمبر کو ایک ایسی فلم ریلیز کی گئی جس کی مکمل شوٹنگ کینیڈا میں کی گئی ہدایت کار ظفر شباب نے اسے 'وائٹ گولڈ' کے نام سے بنایا۔ یہ فلم منشیات کے خلاف بنائی گئی کینیڈا کی ہیروئن وجیرہ اور محمد علی نے مرکزی رول ادا کیئے لیکن یہ فلم کامیاب نہ ہوسکی۔

۱۷ اگست کو ایک ہوائی حادثے میں ملک کے صدر ضیاء الحق اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے۔ جن کے بارے میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ان کے برسر اقتدار آنے کے صرف ڈیڑھ سال بعد فلمی صنعت کا یہ شکوہ دور ہو گیا۔ جب صدر ضیاء الحق نے جنوری ۷۹ء میں فلمی صنعت وتجارت کے نمائندوں کو اسلام آباد بلا کر ان سے ملاقات کر کے فلمی صنعت کو درپیش مسائل سُنے اور انہیں حل کرنے کے لیے ہر ممکن تعاون کا یقین دلایا۔ اس کے بعد ایک بار پھر ۸۶ء میں انہوں نے پوری فلمی صنعت کے نمائندوں پر مشتمل ایک اجلاس بلایا۔ اس اجلاس میں طے پایا کہ فلم سازوں کے لیے رجسٹریشن کا سلسلہ شروع کیا جائے تا کہ فلمی صنعت کو نا اہل فلم سازوں سے چھٹکارا دلایا جائے اور فلم سازی کے لیے اہل افراد کو سامنے لایا جائے۔ ایم ایل او ۸۱ صدارتی حکم جاری ہوا کہ کوئی شخص اس وقت تک فلم سازی نہیں کرسکتا

جب تک وہ وفاقی حکومت سے اس مقصد کے لیے رجسٹریشن حاصل نہیں کرسکتا۔ فلم سازوں کی رجسٹریشن کے پہلے مرحلے میں ۳۶ فلم سازوں کو رجسٹرڈ کر کے پہلی فہرست جاری کی گئی۔ یہ الگ بات ہے کہ بعد میں جن مقاصد کے حصول کے لیے رجسٹریشن شروع کی گئی تھی وہ بیوروکریسی کی سازشوں کی وجہ سے ان مقاصد کے حصول میں ناکام رہے۔ صدر ضیاء الحق کی خاص ہدایات پر نیف ڈیک کو اس حد تک منافع بخش ادارہ بنایا گیا کہ اس نے اسی دور میں وہ تمام قرضہ بھی مع سود ادا کر دیا جو امریکن فلم سازوں سے سود پر لیا گیا تھا۔ صدر ضیاء الحق نے نہ صرف قومی ایوارڈ کا اجراء کیا بلکہ فنکاروں کے لیے پرائڈ آف پرفارمنس دینے کا سلسلہ بھی شروع کی۔ اسی دور میں مشترکہ فلم سازی کو بھی فروغ حاصل ہوا۔ صدر مملکت کی یہ خواہش تھی کہ پاکستانی فلم ساز دوست ممالک خصوصی طور پر اسلامی ممالک کے تعاون اور اشتراک سے فلمیں بنائیں جن میں اسلامی اقدار کو اُجاگر کیا جائے۔ ضیاء الحق مرحوم نے فلمی صنعت کی ترقی اور فلم سازوں کو فائدہ پہنچانے کے لیے سینما ٹکٹوں پر بھی تفریحی ٹیکس کی شرح بھی ڈیڑھ سو فیصد سے کم کر کے سو فیصد اور بعض صوبوں میں ۲۵ فیصد کر دی۔ معیاری اور تفریحی فلموں کا تفریحی ٹیکس معاف کرنے کا سلسلہ بھی شروع کیا اور درجنوں فلموں کا تفریحی ٹیکس معاف کر دیا۔ ضیاء الحق کے دور میں سنسر کے سلسلے میں متعدد اقدامات کئے گئے تاکہ فلموں سے لچر پن، بے ہودگی اور بے مقصدیت کا خاتمہ کیا جاسکے۔ سنسر سرٹیفکیٹ سے پانچ سال کی پابندی ختم کر کے دس سال کر دی گئی۔ انتقال کر جانے والے فنکاروں کے لیے صدر کی طرف سے تعزیتی پیغامات کا سلسلہ بھی انہی کے دور میں ہوا۔ متعدد بیمار فنکاروں کا سرکاری خرچ پر اندرون ملک اور بیرون ملک علاج بھی کروایا گیا۔ فنکاروں کی عزت و احترام میں بھی اس دور میں بہت اضافہ ہوا۔ فنکاروں کو سرکاری تقریبات میں مدعو کیا جانے لگا۔ ملکی فنکاروں کے علاوہ ضیاء الحق نے غیر ملکی فنکاروں بالخصوص بھارتی فنکاروں کی بھی پاکستان میں آمد پر پذیرائی کی۔ ان میں شتروگھن سنہا، راجندر کمار، دلیپ کمار اور سائرہ بانو شامل ہیں۔ ان کے دور میں بھارت کی دو فلموں 'نور جہاں' اور 'کشش' کی نمائش خصوصی اجازت نامے کے تحت کی گئی۔ فلمی صنعت کی جتنی اہمیت ضیاء الحق کے دور میں حاصل ہوئی اتنی کسی دور میں نہیں ملی۔

ضیاء الحق کے دور میں دو بھارتی فلمیں 'نور جہاں' اور 'کشش' کی نمائش کی اجازت خصوصی اختیارات کے تحت دی گئی۔ 'نور جہاں' کو شیخ مختار نے درآمد کیا تھا۔ وہ خود بھارت سے نقل مکانی کر کے آئے اور ساتھ میں 'نور جہاں' کا نیگیٹیو بھی لے آئے۔ یہاں کی شہریت حاصل کرنے کے بعد 'نور جہاں' ان کے اثاثہ کے طور پر ریلیز کرنے کے آرڈر جاری کر دیئے گئے۔ یہ میعاد پانچ سال کے لیے تھی۔ اسی طرح ایک امریکن فلم ساز نے 'کشش' کے نام سے فلم درآمد کی اور حکومت کو باور کرایا کہ وہ اس فلم کی

آمدنی سے صوبہ سرحد میں ایک ہسپتال قائم کرنا چاہتا ہے لہٰذا اس فلم کو بھی پاکستان میں خصوصی نمائش کی اجازت دی گئی لیکن یہ فلم بری طرح ناکام رہی اور ہسپتال بنانے کا اعلان محض فریب ثابت ہوا۔

۱۹۸۷ء کا سال ہماری فلموں کے لیے کوئی بہتر ثابت نہیں ہوا۔ اس سال کل ۷۷ فلمیں نمائش کے لیے پیش کی گئیں جن میں سے صرف ۲۷ فلمیں قومی زبان کی تھیں جبکہ ۳۱ پنجابی، ۱۷ پشتو اور دو سندھی فلمیں تھی۔ اس سال میں قومی زبان کی فلموں میں ۱۰ فلمیں ایسی تھیں جو غیر ممالک میں یا غیر ملکی فلم سازوں کے ساتھ شراکت میں بنائی گئی تھیں اور جنہیں ہم بنگلہ دیش، نیپال، سری لنکا کے ساتھ کو پروڈکشن کہہ سکتے ہیں۔ ان میں' ہم سے نہ ٹکرانا' جمشید نقوی نے ڈائریکٹ کی، اسے سری لنکا میں شوٹ کیا گیا۔ اسی طرح وزیر علی نے نیپال کے اشتراک سے ''لوان نیپال' بنائی۔ سری لنکا کے ہی اشتراک سے نذر شباب نے 'ایک سے بڑھ کر ایک' بنائی جبکہ اقبال کشمیری نے بھی نیپال کے فلم سازوں سے مل کر' ٹائیگر' بنائی۔ اسی طرح سید سلیمان نے ایک فلم 'لوان لندن' برطانیہ میں بنائی۔ اسی ذکر پر چلتے ہوئے عزیز تبسم نے 'ہمت والا' اور' سلیمان نے سات سہیلیاں' بنائیں لیکن یہ تمام کی تمام فلمیں بری طرح ناکام رہیں اور ان کا کو پروڈکشن کا تجربہ ناکام رہا لیکن اس کے ساتھ ساتھ سجاد گل نے' چوروں کی بارات' نیپال کے اشتراک سے بنائی وہ بے حد کامیاب گئی۔ اسے اقبال کشمیری نے ڈائریکٹ کیا تھا۔ اسی طرح جان محمد نے منیلا میں فلم' منیلا کی بجلیاں' بنائی جو کامیاب رہی۔ اردو فلموں میں جاوید فاضل نے نورانی پکچرز کے لیے اچھے سبجیکٹ پر' کندن' بنائی جو مناسب گئی۔ اس کے مقابلے میں عرصے بعد اقبال یوسف نے ایک بہت بڑی فلم' سن آف ان داتا' بنائی جس میں اس دور کی سب سے بڑی کاسٹ لی گئی لیکن یہ فلم بری طرح ناکام گئی۔ اردو فلموں کی کامیاب ترین ہیروئن شبنم نے ۲۵ سال بلا شرکت غیرے انڈسٹری پر راج کر کے نیا ریکارڈ قائم کیا تھا، پنجابی فلموں میں کام کرنے لگیں۔ اسی سال سجاد گل کی بین الاقوامی فلم 'سونے کی تلاش' کا تذکرہ اس لیے ضروری ہے کہ اس کی فلم بندی مصر میں کی گئی۔ مصری ہیروئن فائزہ کمال کے مقابل اسماعیل شاہ کو پہلی بار ہیرو لیا گیا لیکن اس فلم کی نمائش سے قبل اسماعیل شاہ کی' باغی قیدی' اور' اقرار' ریلیز ہوئی تھیں۔ شمیم آراء کی' لیڈی اسمگلر' اور ظفر شباب کی' ساس میری سہیلی' اردو فلموں میں اس سال کی درمیانے درجہ کی فلمیں ثابت ہوئیں۔ اس سال فلمی دنیا کی دو مشہور ہستیاں انور کمال پاشا اور مسعود الرحمٰن ہم سے جدا ہو گئے۔



فلم' سونے کی تلاش' کا ایک منظر

۱۹۸۸ء کے آغاز میں نذر الاسلام کی فلم

'چکر' ریلیز ہوئی مگر ناکام گئی۔ یہ صرف پنجاب سرکٹ میں ہی ریلیز ہوسکی۔ ۲۶ فروری کو ہدایت کار ایم اے رشید کی فلم 'قاتلوں کے قاتل' کچھ بہتر گئی۔ اداکار قوی خان نے 'ماں بنی دلہن' بنا کر ایک بار پھر اپنے آپ کو مستحکم کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ یکم اپریل کو ریلیز ہونے والی فلم 'اللہ دتا' اور سجاد گل کی فلم 'حسینہ ۴۲۰' اس سال کی کامیاب فلموں میں شمار کی گئیں۔ لیلیٰ اس فلم سے صف اول کی ہیروئنوں میں شمار کی جانے لگی۔ کراچی سے فلم ساز شاہق شفاعت 'آگ ہی آگ' کے ذریعہ منظر عام پر آئے لیکن بہت بڑی کاسٹ اور محمد جاوید فاضل کی ڈائریکشن کے باوجود یہ فلم بری طرح ناکام گئی۔ ان کے بعد آنے والی فلموں میں جان محمد کی فلم 'چوروں کا بادشاہ' نے اچھا بزنس کیا اور جان محمد اپنا امیج برقرار رکھنے میں کامیاب رہے۔ ۲۵ رجولائی تک اُوپر تلے پھر آٹھ فلمیں دشمن، اک شہنشاہ، داغ، تحفہ، حکومت، فلاپ گئیں۔ 'آگ ہی آگ' کے بعد شاہق شفاعت کی ایک اور فلم 'میری عدالت' منظر عام پر آئی جسے ایم اے رشید نے ڈائریکٹ کیا۔ غیر ملکی ہیروئنوں چھوریتا اور کوئن کے ساتھ ندیم اور طالش بھی اس فلم کو ناکامی سے نہ بچا سکے۔ ۲۵ رجولائی کو حیدر چوہدری کی فلم 'برداشت' کچھ بہتر رہی۔ اس کے بعد بازار حسن ایسی فلم سامنے آئی جسے فخریہ طور پر ایک لاجواب فلم قرار دیا جاسکتا ہے۔ فلم ساز سرور بھٹی کی اس فلم کو جاوید فاضل نے ڈائریکٹ کیا۔ سلمیٰ آغا کے ساتھ ثمینہ پیرزادہ نے لاجواب اداکاری کا مظاہرہ کیا۔ 'معصوم گواہ' ایک بچے کی کہانی پر مبنی تجرباتی فلم تھی جسے بے حد پسند کیا گیا لیکن یہ فلم اچھا بزنس نہ کرسکی جس سے ایک اچھا پروڈیوسر انڈسٹری سے آؤٹ ہوگیا۔ اسی سال ۳۰ رستمبر کو پرویز ملک کی ذاتی فلم 'غریبوں کا بادشاہ' منظر عام پر آئی۔ یہ قومی موضوع پر اچھی فلم تھی اس سال کی معیاری فلم قرار دی گئی۔ اس سال کی کامیاب فلم 'نوری' تھی جسے الطاف حسین نے ڈائریکٹ کیا اور چوہدری عارف جیسے سلجھے ہوئے پروڈیوسر نے بنایا۔ قومی موضوع پر ۲۱ راکتوبر کو 'شیر باز خان' ریلیز ہوئی جسے ناروے سے آئے ہوئے پروڈیوسر غفور بٹ نے پروڈیوس کیا۔ ہیروئن مافیا کے خلاف ایک محب وطن نوجوان یوسف کی کوششوں پر مبنی یہ فلم ناکام رہی۔ اس سال مجموعی طور پر ۸۶ فلمیں ریلیز ہوئیں۔ اس سال کو بھی ایک نقصان کا سال قرار دیا گیا۔ فلم ساز راجہ غضنفر علی، مصنف یونس راہی، ہدایت کار رفیق رضوی اور موسیقار طفیل فاروقی اس سال راہی ملک عدم ہوئے۔

۱۹۸۹ء میں گزشتہ برسوں کی نسبت زیادہ تعداد میں فلمیں بنیں۔ اس سال کل ۱۰۱ فلمیں پروڈیوس کی گئیں جن میں صرف پنجابی زبان کی ۳۹ فلمیں تھیں جس تعداد میں یہ فلمیں بنیں اسی تعداد میں فلاپ بھی زیادہ ہوئیں۔ اس سال ابتدائی ہفتوں میں اوپر تلے پندرہ فلمیں دو ماہ میں ریلیز ہوئیں جو تمام کی تمام فلاپ گئیں۔۔ کراچی سے اسپشل ایفیکشن کے ماہر کیمرہ مین سعید رضوی کی پہلی طلسماتی اور سائنسی

ٹاپ کی فلم 'شانی' پہلی تجرباتی فلم تھی جس میں کیمرہ کے اسپیشل ایفیکٹ دیئے گئے۔ یہ فلم بے حد کامیاب گئی اور اس نے فلم سازوں کے لیے نئی راہ کھولی لیکن چونکہ اس ٹائپ کی فلم سعید رضوی کے علاوہ کوئی اور بنا نہ سکتا تھا اس لیے یہ سلسلہ انہی تک محدود رہا۔ کسی اور فلم ساز نے اس ٹائپ کو بنانے کی کوشش نہیں کی۔ ۱۰ر مارچ کو سنگیتا کی 'طاقت کا طوفان' ایک خوبصورت فلم تھی اس کی کہانی پر انڈیا نے بھی بعد میں طبع آزمائی کی لیکن یہ فلم بہتر بزنس نہ کر سکی۔ 'روپ کی رانی' ہدایت کار جان محمد کی نئی فلم جسے منیلا میں فلمایا گیا لیکن بڑی کاسٹ کے باوجود یہ ناکام گئی۔ ۷ر مئی کو نئی فلم ''میڈم باوری' کی نمائش کی گئی۔ اس فلم سے پاکستان میں ایک نئی فلمی بیماری کا آغاز ہوا کہ یہ فلم اردو اور پنجابی دو زبانوں میں ڈب کی گئی تاکہ دونوں سرکٹ سے مال سمیٹا جا سکے۔ دراصل یہ ایورنیو اسٹوڈیو کی ذاتی فلم تھی۔ اس اختراع سے اسٹوڈیو کا ذاتی فائدہ مقصود تھا کہ ڈبنگ ڈبل ہو جانے سے اسٹوڈیو کو فائدہ ہوگا۔ اس میں کسی حد تک سجاد گل کامیاب رہے لیکن اس بیماری سے لاتعداد فلم ساز نقصان سے دوچار ہوئے۔ اس فلم کی دیکھا دیکھی بادشاہ، رنگیلے جاسوس، ناگن جوگی، امیر خان، زخمی عورت اور قیامت سے قیامت تک دو زبانوں میں ڈب کی گئیں جن میں سے صرف دو فلمیں 'رنگیلے جاسوس' اور 'قیامت سے قیامت تک' نے زبردست بزنس کیا۔ 'قیامت سے قیامت تک' نئی کاسٹ کی تھی۔ اس میں عجب گل کو متعارف کرایا گیا۔ اس میں ہدایت کار ممتاز علی خان بہرحال کامیاب رہے۔ عجب گل بعد میں ایک اچھا اضافہ ثابت ہوا۔ 'سن آف ان داتا' کی ناکامی کے بعد اسی فلم ساز آفتاب زیدی نے ہدایت کار نذرالاسلام سے 'بارود کی چھاؤں میں' بنوائی لیکن یہ فلم بھی بری طرح ناکام گئی اور یہ فلم ساز ڈیڑھ کروڑ روپے کے قریب نقصان اُٹھا کر بالآخر ملک چھوڑ کر امریکہ چلا گیا۔ اس سال بھی پہلے سال کی طرح سات فلموں کی شوٹنگ بیرون ملک کی گئی۔ جن میں شمیم آرا، کی لیڈی کمانڈو، باقر رضوی کی انتقام ہم لیں گے، ریاض بخاری کی اک جان ہیں ہم، جوشیلا دشمن، میڈم باوری، رنگیلے جاسوس اور منیلا کے جانباز کے نام لئے جا سکتے ہیں۔ ان میں صرف ایورنیو کی فلموں نے ہی زبردست بزنس کیا، باقی تمام ناکام رہیں۔ نیشنل ایوارڈز کی تقریب اسلام آباد کے لیاقت جمنازیم میں منعقد کی گئی جس میں ۸۸ کی فلموں پر ایوارڈ دیئے گئے۔ یہ تقریب ہنگامے اور بارش کی نذر ہوگئی۔ لاہور اور کراچی سے فنکاروں اور صحافیوں کی بڑی تعداد حکومت کے خرچ پر اسلام آباد گئی لیکن اس ایوارڈ کا تاثر نہ بن سکا۔ اس سال اداکاروں میں کمال ایرانی کا کراچی میں اور اجمل خان کا لاہور میں انتقال ہوگیا۔ اس کے علاوہ اداکارہ ریکھا، موسیقار صفدر حسین، ہدایت کار افتخار خان اور اسکرین لائٹ ویکلی کے ایڈیٹر غفور بٹ اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔ اس سال کی ۱۰۱ فلموں میں سے صرف نو فلموں نے کامیابی حاصل کی۔

۱۹۹۰ء میں کل ۸۳فلمیں نمائش کے لیے پیش کی گئیں لیکن اگر کامیابی کا تناسب دیکھا جائے تو یہ سال بھی فلمسازوں کونقصان کے علاوہ کچھ نہ دے سکا۔صرف سات فلمیں اس سال کامیاب گئیں۔اس سال کی پہلی کامیاب فلم 'انسانیت کے دشمن' تھی جسے فلم ساز طارق بٹ کے لیے حسنین نے ڈائریکٹ کیا۔اس سال کی دوسری کامیاب فلم 'گورنر' تھی جسے ادریس خان نے ڈائریکٹ کیا تھا۔ایور نیو پکچرز نے ایک بار پھر اردو پنجابی زبان میں 'انٹرنیشنل لٹیرے' جیسی کامیاب فلم بنا کر نئی راہ دکھائی۔یہ فلم بنکاک میں فلم بند کی گئی۔۲۷راپریل کوایک چھوٹی سی فلم 'کالی چرن' ریلیز ہوئی لیکن اس نے بے حد اچھا بزنس کیا۔اس کے بعد چھ ماہ کے دوران میں جتنی بھی فلمیں ریلیز ہوئیں تمام کی تمام فلاپ گئیں۔ڈوبتی انڈسٹری کو جاوید فاضل نے 'بلندی' بنا کر سہارا دیا۔اس میں دو نئے چہرے شان اور ریما پیش کئے گئے جو گزشتہ ۹ سال سے فلمی انڈسٹری کے آسمان شہرت پر جگمگا رہے ہیں۔اس سال افغانستان کی جنگ کے پس منظر میں ایک نہایت کمزور اور فنی اعتبار سے انتہائی گھٹیا فلم 'بارود کا تحفہ' ریلیز ہوئی لیکن غیر متوقع طور پر اس نے زبردست بزنس کیا اور یوں ایک انتہائی اناڑی اور غیر معروف نوجوان سعید رانا ہدایت کار بن گیا۔اس سال خطرناک فلم کے ذریعہ فلمی انڈسٹری کو ایک اور ہیروئن ملی جس کا نام صائمہ ہے اور وہ بھی ایک بات کیک کی طرح اب تک اپنے آپ کو قائم کئے ہوئے ہے۔کراچی سے اچھے سرمائے سے ایک فلم ساز اسلم ناتھا 'چوروں کے دشمن' کے ذریعہ سے انڈسٹری میں آیا۔جس نے بعد میں 'ناتھا فلمز' کے نام سے لاہور کراچی میں اپنے دفاتر قائم کیے اور نشیمن سینما خریدا۔

۱۹۹۱ء کی ابتدا ایک ایسی فلم سے ہوئی جس نے کامیابی کا نیا ریکارڈ قائم کیا۔یہ فلم تھی 'کالے چور' یہ نئے فلم ساز ادارے احباب حبیب جالب نے پروڈیوس کی اور گئے برسوں میں اس سال کی سب سے مہنگی فلم تھی۔یہ دو زبانوں اردو پنجابی میں ڈب کی گئی اور دونوں سرکٹ میں کامیاب گئی۔اس فلم کے ذریعہ ایک نئے نغمہ نگار سلیم احمد سلیم منظر عام پر آئے۔اسی ادارے کی ایک اور فلم درندگی بھی اسی سال ریلیز کی گئی لیکن وہ بری طرح فلاپ گئی۔حالانکہ میکنگ اور پروڈکشن کے اعتبار سے وہ بری فلم نہیں تھی۔اس سال کی دوسری قابل ذکر فلم ریمبو تھی جسے شیرا فلمز نے بنایا۔کم بجٹ میں بنی ہوئی یہ فلم کامیاب گئی اور عجب گل کو بھی کامیاب ہیرو کنفرم کر گئی۔اس سال کی بڑی فلموں میں ایور نیو کی 'ناگ دیوتا'، ایور ریڈی کی 'عالمی جاسوس' اور فلم ساز طارق بٹ کی 'تین یکے تین چھکے' تھیں۔ان میں ناگ دیوتا بہت بڑی پروڈکشن کاسٹ کریڈٹ کے باوجود فلاپ گئی۔'عالمی جاسوس' بھی کوئی بہتر بزنس نہ کر سکی۔البتہ 'تین یکے تین چھکے' نے کامیاب بزنس کیا۔اس سال اگر نذر الاسلام نے کامیاب بہترین فلم 'کالے چور' ڈائریکٹ کی تو دوسری جانب ایک فلاپ فلم 'آندھی' بھی بنائی۔اس سال دو نئے چہرے نیلی اور نادرہ فلم

'میری جنگ' کے ذریعہ اسکرین پر آئے جنہیں یونس ملک نے دریافت کیا۔ ان دونوں اسٹارز نے بعد میں بے حد کامیابی حاصل کی۔ اس سال کی ایک اور کامیاب ترین فلم 'بختاور' بھی رہی جسے اقبال کشمیری نے ڈائریکٹ کیا۔ 'بختاور' بھی اردو پنجابی میں ڈب کی گئی اور دونوں سرکٹ میں بے حد کامیاب رہی۔ اس سال کل ۹۲ فلمیں بنیں جن کی وجہ سے اگر ایک طرف پروڈکشن کے اخراجات میں اضافہ ہوا تو دوسری طرف فلموں کی ناکامی کی وجہ بھی یہی طریقہ کار ہوا۔ بے نظیر کے دور میں سنسر بورڈ میں تبدیلیاں کی گئی اور ایک بار پھر عوامی نمائندوں کو بورڈ کا ممبر بنایا گیا جس سے بے پناہ خرابیاں پیدا ہوئیں۔ ضیاء الحق کے دور میں ایوارڈ کا جو سلسلہ جاری ہوا تھا وہ یک دم منقطع ہو گیا۔ انور کمال پاشا کے بیٹے احمد کمال پاشا کی پہلی اور آخری فلم 'زہر قاتل' سال کے آخر میں پیش کی گئی جو بری طرح ناکام گئی اور یہ تکنیک کار، ہدایت کار ناکام ہو کر بیرون ملک چلا گیا۔ خالصتاً اردو زبان میں صرف ۲ فلمیں بنیں جو تمام ناکام رہیں۔

۱۹۹۲ء میں کل ۹۱ فلمیں نمائش کے لیے پیش کی گئیں جن میں صرف پنجابی کی ۳۵ فلمیں تھیں۔ ان میں زیادہ تعداد فلاپ فلموں کی رہی۔ اردو اور پنجابی زبان میں بیک وقت ڈب کی جانے والی فلموں کی تعداد ۲۳ تھی۔ ابتدائی چار مہینوں میں ریلیز کی گئی ۲۴ فلموں میں ایک بھی فلم کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکی۔ پے در پے ناکامی سے فلم سازوں کی اکثر تعداد انڈسٹری سے آؤٹ ہو گئی۔ اس سال کی پہلی قابل ذکر کامیاب فلم 'حسینوں کی بارات' تھی جسے ایور نیو پکچرز نے بنایا اور اقبال کشمیری نے ڈائریکٹ کیا۔ ابتدائی ماہ میں سینئر ہدایت کار پرویز ملک نے اپنے بیٹے عمران ملک کو ہیرو بنا کر شہزادہ بنائی لیکن ناکام رہی اور پرویز ملک بھی تقریباً انڈسٹری سے آؤٹ ہو گئے۔ سری لنکا میں بنائی گئی ایک اور فلم پامیلا بھی ناکام گئی جس سے سری لنکا اور پاکستان کی پروڈکشن کو خاصہ دھچکا لگا۔ اس سال کی قابل ذکر کامیاب فلم 'مسٹر ۴۲۰' رہی کیونکہ یہ ایک طرح کا 'ون مین' شو تھی اس میں اس فلم کے پروڈیوسر، ڈائریکٹر، مصنف، ایکٹر عمر شریف کامیاب رہے۔ پنجابی فلموں کے اس دور میں اردو فلم کی اس کامیابی سے اردو فلمیں بنانے والوں کی خاصی حوصلہ افزائی ہوئی۔ اس سال ایک تجرباتی اردو فلم 'اور چوڑیاں ٹوٹ گئیں' بنی جسے پشتو فلموں کے ہدایت کار جلال الدین خٹک نے ڈائریکٹ کیا لیکن مالی اعتبار سے ان کا تجربہ ناکام رہا کیونکہ فلم بری طرح فلاپ گئی۔ اس سال کی کامیاب فلموں میں ہدایت کار حسنین کی اردو پنجابی فلم 'چاہت' کا ذکر آئے گا۔ یہ گھریلو فلم خاصی کامیاب گئی۔ تجرباتی طور پر دو نوجوان لڑکوں پرنس اور وسیم نے خود ہیرو بن کر ایک فلم 'پولیس اسٹوری' پروڈیوس کی جو بری طرح ناکام گئی اور دونوں نوجوان ہیرو بننے کی آرزو لے کر واپس اسلام آباد چلے گئے۔ اس سال کی ایک اور قابل ذکر فلم 'نرگس' تھی جسے نذر الاسلام نے ڈائریکٹ کیا تھا۔

فلم ساز عارف چوہدری کی بے حد خواہش تھی کہ وہ نذرالاسلام جیسے عظیم ہدایت کار سے ایک فلم ڈائریکٹ کرائیں۔ چنانچہ انہوں نے نرگس بنوائی لیکن ان کی یہ خواہش ادھوری رہی کیونکہ یہ فلم بری طرح فلاپ گئی۔ کراچی کے فلم ساز اسلم ناتھانے اس سال دو فلمیں 'پابندی' اور 'آج کا دور' پروڈیوس کیں جو دونوں ناکام رہیں۔ البتہ 'آج کا دور' نے کراچی میں اچھا بزنس کیا کیونکہ یہ کراچی کے پس منظر پر ہی بنائی گئی تھی۔ اس فلم کو بہترین کہانی کا ایوارڈ بھی ملا۔ اس سال ایک اور تجربہ فلم 'اکھاڑہ' کے ذریعہ کیا گیا یہ فلم اردو، پنجابی اور سندھی زبانوں میں ڈب کی گئی لیکن کسی زبان میں بھی یہ کامیاب نہ ہوسکی۔ یہ فلم سندھی پس منظر پر ایک اچھی فلم تھی لیکن ناکام رہی۔ مجموعی طور پر یہ سال بھی فلم سازوں کے لیے نقصان دہ رہا۔ نیشنل ایوارڈ کا سلسلہ اس سال بھی جاری نہ ہوسکا جبکہ گزشتہ سال اور اس سال کی فلموں کو نیشنل ایوارڈ کے لیے چنا اور دیکھا گیا، ایوارڈ کے فیصلے بھی ہوگئے لیکن ایوارڈ کی تقریب بوجوہ نہ ہوسکی۔

۱۹۹۳ء کو اگر اردو فلموں کے لیے مبارک سال کہا جائے تو بہتر ہوگا۔ پنجابی فلموں کی پے در پے ناکامی کی وجہ سے اس سال کے ابتدا میں 'مسٹر چارلی' کی نمائش اور کامیابی سے اردو فلمیں بنانے والوں کو حوصلہ افزائی ہوئی کیونکہ اردو پنجابی ڈبل ورژن فلموں پر خرچہ زیادہ آتا تھا اور کامیابی کی بھی کوئی گارنٹی نہ تھی۔ چنانچہ مسٹر چارلی، ہاتھی میرے ساتھی، جنت اور قسم کی کامیابی سے نئی راہیں کھلیں اور فلم سازوں میں یہ احساس پیدا ہوا کہ اگر صرف اُردو فلمیں ہی بنائی جائیں تو ڈبنگ کے خرچہ میں کئی لاکھ کا فرق پڑ سکتا ہے۔ اس سال فلمی صنعت نے نیشنل ایوارڈ کا اجراء دوبارہ کیا اور ۹۰-۱۹۹۱ء کے جو ایوارڈ فیصلہ شدہ تھے انہیں لاہور میں ایک پروقار تقریب میں دیا گیا۔ ان ایوارڈ میں خصوصی طور پر ۱۹۹۰ء کی فلم گوری دیاں جھانجھراں کو ے ر ایوارڈ ملنے پر تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ بہترین فلم جرنلسٹ کے ایوارڈ برائے ۱۹۹۰ء الیاس رشیدی کو اور برائے ۱۹۹۱ء یاسین گوریجہ کو ۲۰ ہزار کیش کے ساتھ دیئے گئے اور فلم جرنلزم کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ گو اس سے قبل عاشق چوہدری، ریاض الرحمٰن ساغر اور راے آر سلوٹ کو یہ ایوارڈ مل چکے تھے لیکن وہ کیش کے بغیر تھے۔ اس سال ایک تجرباتی فلم 'گناہ' پرویز کلیم نے ڈائریکٹ کی جو کسی حد تک کامیاب رہی جس سے سعود نام کا اداکار فلمی صنعت کو ملا۔ اس طرح معین الرحمٰن نے کراچی میں اعلیٰ پیمانہ پر فلم سازی کا آغاز کرکے 'خواہش' بنائی جسے نذرالاسلام جیسے بلند پایہ ہدایت کار نے ڈائریکٹ کیا تھا لیکن فنی اعتبار سے اعلیٰ فلم بننے کے باوجود یہ فلم ناکام رہی اور معین الرحمٰن کا ہیرو بننے کا خواب ادھورا رہا۔ اسی طرح سینئر کیمرہ مین ہدایت کار رضا میر نے 'انہونی' کے نام سے فلم بنائی جو اعلیٰ معیار کا نمونہ تھی لیکن باکس آفس پر بُری طرح ناکام رہی۔ کراچی میں ناتھا فلمز نے اوپر تلے دو ناکام فلمیں بنانے کے بعد محمد جاوید فاضل کو ہدایت کار لے کر 'الزام' پروڈیوس کی لیکن یہ فلم بھی بری طرح

ناکام رہی اور یہ ادارہ سراسر گھاٹے میں چلا گیا۔ اس سال انڈسٹری کو سید نور کے روپ میں ایک نیا ہدایت کار ملا جس کی نئی کاسٹ کی فلم 'قسم' نے زبردست کامیابی حاصل کی جس کی وجہ سے انڈسٹری کو ارم حسن اور سلیم شیخ کے نام کے دو ستارے مل گئے۔ اس کے برعکس احباب حبیب جالب کی تیسری فلم 'کنوارہ باپ' بری طرح ناکام ہوئی جس سے یہ ادارہ اپنی موت آپ مر گیا۔ اس سال اس ادارے کے بانی شاعر حبیب جالب، نامور اداکارہ رانی، ہدایت کار فرید احمد، موسیقار کمال احمد کے علاوہ ماضی کے اداکار گل زمان راہئ ملک عدم ہو گئے۔ اس سال کی ایک اور کامیاب فلم 'جنت کا نام' کا ذکر بھی ضروری ہے کہ جس نے زبردست کامیابی حاصل کی۔ اس میں بے بی اسٹار شہزادی نور نے اچھا کام کیا۔ یہ ننھی فنکارہ آج کل نور کے نام سے کئی فلموں میں جلوہ گر ہو رہی ہے۔ اس سال ناکام فلموں کی ایک لمبی فہرست رہی۔ مجموعی طور پر یہ سال بعض فلم سازوں کے لیے انتہائی نقصان دہ رہا جبکہ اردو فلموں کی پروڈکشن کے لیے مبارک ثابت ہوا۔

۱۹۹۴ء میں کل ۷۰ فلمیں بنیں گویا گزشتہ برسوں کی نسبت پروڈکشن میں کمی آئی۔ ان فلموں میں ۲۱ فلمیں اردو پنجابی ڈبل ورژن میں تھی۔ صرف ۱۴؍اردو، ۱۸ پنجابی اور ۲۱ پشتو جبکہ ایک ایک فلم سندھی اور سرائیکی زبان میں تھی۔ اس سال کی پہلی قابل ذکر فلم 'چلتی کا نام گاڑی' تھی، جس میں مشہور ماڈل گرل انیتا ایوب نے کام کیا، جو بری طرح فلاپ ہوئی اور اس فلم کے پروڈیوسر خلیفہ نذیر بے کار ہو گئے۔ ڈبل ورژن کی ہی فلم 'خاندان' نے اس کے مقابلے میں زبردست کامیابی حاصل کی۔ اس سال ۱۴؍اردو



'خاندان' کا ایک منظر

فلموں میں 'سرکٹا انسان' فلم سعید رضوی نے بنائی۔ اس میں اسپیشل ایفیکٹس استعمال کیے گئے۔ یہ فلم روس کے تعاون سے بنی اور اچھا بزنس کر گئی۔ اسی طرح ہدایت کار الطاف حسین کی گھریلو فلم 'رانی بیٹی راج کرے گی' نے بھی بہت اچھا بزنس کیا۔ اس سال کی کامیاب فلموں میں 'زمین آسمان' بھی گھریلو فلم تھی جبکہ ایک اسلامی تاریخی فلم 'بت شکن' بھی بے حد کامیاب رہی۔ ان کے مقابلے میں 'مسٹر ۴۲۰' اور 'مسٹر چارلی' جیسی کامیاب فلمیں بنانے کے بعد عمر شریف نے 'مس فتنہ' بنائی جو بری طرح ناکام رہی۔ عمر شریف کا مرد سے عورت بننے کا تجربہ ناکام رہا۔ اسی طرح رنگیلا نے ایک بار پھر خوبصورت شیطان بن کر اپنے آپ کو دوبارہ بطور ہدایت کار ثابت کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ 'گناہ' کی کامیاب کے بعد مصنف و ہدایت کار پرویز کلیم نے نئی کاسٹ لے کر ایک آرٹ ٹائپ کی فلم 'جلتے بدن' بنائی جس سے

پروڈیوسر کو اس قدر نقصان ہوا کہ دوبارہ انڈسٹری میں آنے کی نوبت نہیں آئی۔ اس سال دو بہت کامیاب ہدایت کاروں اسلم ڈار نے اردو فلم 'پھول' بنائی لیکن وہ ناکام رہی جبکہ 'آخری مجرا' کے نام سے شمیم آراء نے بھی ایک شاندار فلم بنائی جو شاندار طریقہ سے ہی ناکام گئی۔ اس سال پنجابی فلموں کی زیادہ تعداد ناکام رہی جس نے پنجاب فلموں کی پروڈکشن کو خاصہ دھچکا لگا اور اردو فلمیں بنانے کا رجحان بڑھا۔ یہ سال انڈسٹری کے لیے خاصہ نقصان دہ رہا اس طرح کہ اس سال پانچ ٹاپ کلاس ہدایت کار اس جہان فانی سے کوچ کر گئے۔ ان میں نذ الاسلام، لقمان، ظفر شباب، آغا حسینی اور اسلم ایرانی کے نام شامل ہیں جبکہ مشہور موسیقار ماسٹر عبداللہ اور جی اے چشتی کے علاوہ اداکار منصور بلوچ اور اخبار جہاں کے فلم صحافی طلعت روف بھی انتقال کر گئے۔

۱۹۹۵ء میں کل ۶۴ فلمیں نمائش کے لیے پیش کی گئیں جو گزشتہ سال کی نسبت تعداد میں بارہ کم رہیں۔ اُردو فلموں کی سابقہ سال میں کامیابی سے اس سال اُردو فلموں کی طرف زیادہ توجہ دی گئی۔ اس سال ۱۴ اُردو فلمیں ریلیز ہوئیں جن میں سید نور کی جیوا، (جس کی شوٹنگ ترکی میں ہوئی) 'منڈا بگڑا جائے'، 'سرگم' اور 'جو ڈر گیا وہ مر گیا' نے زبردست بزنس کیا جس سے یہ تاثر ابھرا کہ ڈبل ورژن میں فلمیں بنانا پیسہ کا زیاں ہے۔ کیونکہ اس سال صرف ایک ڈبل ورژن فلم 'جنگل کا قانون' نے کامیابی حاصل کی جبکہ میڈم رانی نے کچھ بہتر بزنس کیا۔ باقی سب فلاپ گئیں۔ اس سال اردو فلم 'کانٹا' بری طرح فلاپ گئی جس کے ذریعے نئی اداکارہ میرا منظر عام پر آئی۔ حسن عسکری کی اردو فلم 'خزانہ' ایک خوبصورت اور معیاری فلم تھی۔ ایس پی حسین ایک اچھے پروڈیوسر تھے جو گزشتہ سال انڈسٹری میں آئے لیکن 'آن' اور 'خزانہ' کے نرم جانے سے وہ بد دل تو ضرور ہوئے لیکن مایوس نہیں ہوئے۔ انہوں نے بالکل نئی کاسٹ لے کر 'سنگم' کا آغاز اچھے پیمانے پر کیا اور اس میں دو نئی لڑکیاں ریشم اور ثناء کے نام سے متعارف کرائیں۔ اس سال کراچی میں عمر شریف کی دیکھا دیکھی معین اختر نے بھی اپنے آپ کو 'مسٹر ٹو' کے ذریعہ ہیرو بنانے کی کوشش کی لیکن وہ بری طرح ناکام رہے اور ہیرو بننے کا یہ خواب پورا نہ ہو سکا۔ اس سال جاوید شیخ ایک ہدایت کار کے روپ میں فلم 'مشکل' بنا کر سامنے آئے یہ ایک خوبصورت اور لاجواب فلم تھی لیکن فلم ساز عزیز میمن کو مشکل میں ڈال گئی۔ 'کنوارہ باپ' کے بعد اس ادارے کو یہ زبردست دھچکا لگا کہ سنبھل نہ سکا اور بالآخر فلم سازی سے توبہ کر گیا۔ سینئر ہدایت کار اقبال اختر کی کراچی پروڈکشن کی 'مسکراہٹ' محض عمر شریف کے عدم تعاون کی وجہ سے چھ سال میں بنی اور بری طرح فلاپ گئی اور ایک اچھا ہدایت کار مستقل گھر بیٹھ گیا۔ 'ننگے پاؤں' کے ذریعہ پرویز کلیم نے ایک اور کوشش کی کہ کمرشل آرٹ فلم بنائے لیکن اس میں وہ ناکام رہا اور فلم بری طرح فلاپ گئی۔ اسی طرح ان کی تجرباتی فلم

'عینک والا جن' بھی فلم ساز کو برباد کر گئی اور پرویز کلیم بھی بحیثیت ہدایت کار ناکام ہو کر صرف مصنف بن کر رہ گئے۔ اس سال دو مشہور ہدایت کار شوکت ہاشمی اور فلمساز اسلم ناتھا کراچی میں انتقال کر گئے۔ اسلم ناتھا کے انتقال کے بعد لاہور میں ان کا ادارہ ناتھا فلمز بند ہو گیا جبکہ کراچی میں وہ ابھی تک چل رہا ہے اس کا کنٹرول بیگم گلاب ناتھا کے پاس ہے۔



پاکستان کی فلمی صنعت کے پچاسویں سال یعنی ۱۹۹۶ء میں کل ۷۱ فلمیں ریلیز ہوئیں۔ ان میں پنجابی فلموں کی پروڈکشن کی تعداد گھٹ کر صرف ۱۲ رہ گئی۔ اس سال اردو فلموں میں لو ۹۵ء، چور مچائے شور، چیف صاحب، معاملہ گڑ بڑ ہے، ہم تو چلے سسرال، کڑیوں کو ڈالے دانہ، ہوائیں، کھلونا، بے قابو اور گھونگھٹ کی زبردست کامیابی سے اردو فلمیں بنانے والوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اس سال کڑیوں کو ڈالے دانہ کے ذریعہ ایک نیا ہیرو معمر رانا انڈسٹری کو ملا جس نے آگے چل کر زبردست کامیابی حاصل کی۔ 'گھونگھٹ' نے زبردست بزنس کر کے بیرون ممالک بھی پاکستانی فلم صنعت کا نام روشن کیا۔ اس فلم کے ذریعہ شان ایک بار پھر کامیابی کی صف میں آ کھڑا ہوا۔ عندلیب کے نام سے نئی فنکارہ اس فلم میں آئی لیکن یہی فلم اس کی پہلی اور آخری ثابت ہوئی۔ کسی چاہنے والے نے اس کے چہرے پر تیزاب پھینک دیا۔ ہدایت کار مقصود ایاز، نمائش کار چوہدری عید محمد، مصنف انور بٹالوی، نغمہ نگار محسن نقوی، آرٹسٹ زورین، نغمہ نگار و فلم ساز مسرور انور، موسیقار سلیم اقبال اور ہدایت کار شوکت راز اس سال راہئ ملک عدم ہوئے۔ سلطان راہی کا قتل اس سال ۹ جنوری کو ہوا۔ لاہور کی تاریخ میں علامہ اقبال، غازی علم دین شہید کے بعد اتنا بڑا جنازہ کسی شخصیت کا نہیں ہوا جتنا کہ سلطان راہی کا تھا۔ ☆☆☆

(نگار کراچی، گولڈن جوبلی نمبر۔ ۴ مارچ ۲۰۰۰ء)

نند کشور وکرم

پاکستان کی فلمی تاریخ

(۱۹۹۷ء تا اگست ۲۰۱۳ء)

۱۹۹۷ء کی ابتداء میں عید الفطر کے مبارک موقع پر شمیم آرا کی ہدائت میں بنی فلم "ہم کسی سے کم نہیں" ریلیز ہوئی جس میں ریما، جان ریمبو اور صاحبا اہم اداکار تھے۔ اس سال نمائش کے لئے پیش کی جانے والی فلموں میں ہدائت کار سید نور کی فلم "دیوانے تیرے پیار کے (جیا علی۔ معمر رانا) کو بے حد پسند کیا گیا اور اسے نگار ایوارڈ سے بھی نوازا گیا۔" اس سال پیش کی جانے اہم فلموں میں اولاد کی قسم، دل کسی کا دوست نہیں، سنگم، راجہ پاکستانی، لیس باس، آنچل، جیت، فریب، محبت ہے کیا چیز، دیوانے تیرے پیار کے، ہم کسی کم نہیں، مافیا...... عقابوں کا نشیمن، کڑی منڈے راضی، ناجائز، مس کلاشنکوف، دنیا ہے دل والوں کی، مَیں کھلاڑی تو اناڑی، خدا جانے، ہم تمہارے ہیں، مرد جینے نہیں دیتے، گھائل، عمر مختار، کرمداتا دکرشمہ، ڈریم گرل، شرافت ٹکر، جان جان پاکستان، دل تیرا عاشق، دل والے، دل بھی تیرا ہم بھی تیرے، قرض، دیور دیورانی، وغیرہ اہم فلمیں تھیں۔

سال ۱۹۹۸ کی فلموں میں ہدائت کار سنگیتا کی فلم "نکاح" (شان، ریما، نرما) کو عوام نے بڑا پسند کیا اور اسے بہترین فلم کا نگار ایورڈ بھی عطا کیا گیا۔ ان کے علاوہ محافظ، کبھی ہاں کبھی نہ، تو میری مَیں تیرا، زور، دو بوند پانی، ڈولی سجا کے رکھنا بھی اچھی فلمیں تھیں ان کے علاوہ انصاف ہو تو ایسا، ویری گڈ دنیا ویری بیڈ لوگ، زیور، احساس، جسے دے مولا، دیواریں، دل سنبھالا نہ جائے، دنیا دیکھے، کھلنا ئیک، ہر جائی، تو چور مَیں سپاہی، کنگ میکر، کہیں پیار ہو نہ جائے، صاحب بی بی اور طوائف، دوپٹہ جل رہا ہے، سہاگ، دل لے کے جانو گی، حسینہ نمبری عاشق دس نمبری، مہلت، خطرناک حسینہ بھی نمائش کے لئے ریلیز ہوئی تھیں۔


'جنت کی تلاش' کا منظر

۱۹۹۹ء میں "جنت کی تلاش" ایک اچھی فلم تھی جسے متعدد قومی اور نگار ایوارڈز سے نوازا گیا تھا یہ فلم تقسیم کے دور کی ایک سچی داستان ہے۔ کہتے ہیں

کہ جب پاکستان بننے کے بعد لاکھوں مسلمان ہجرت کر کے پاکستان چلے گئے تھے۔ اور کئی مسلمان جو ہندوستان میں رہ گئے ان میں سے بھی کچھ اپنا گھر پاکستان سمجھتے تھے، انہیں پاکستان جاکر مایوسی ہوتی ہے۔اس فلم کے اہم اداکار شان، ریشم، ثنا، سعود، خوشبو اور عابد علی تھے اور اس کے ہدائت کار تھے حسن عسکری۔اس کے علاوہ اک پاگل سی لڑکی، وارثت، جذبہ، ہوا کی بیٹی، نزاینڈ روزز، کوئلہ، چپکے چپکے، انتہا، چاند بابو، دیکھا جائے گا، دنیا سے کیا ڈرنا، دل میں چھپا کے رکھنا، انسانیت کے قاتل، قید، ایک اور لو اسٹوری، کرسی اور قانون، غدار، مجھے جینے دو، عشق زندہ رہے گا، نوکر، دل تو پاگل ہے، سالہ بگڑا جائے

۲۰۰۰ء سال ریلیز ہونے والی فلموں میں انگارے، گھر کب آؤ گے؟، بیٹی، ابھی نہیں تو کبھی نہیں، اور ''تیرے پیار میں'' خاص طور پر قابل ذکر ہیں ان میں سے آخر الذکر ''تیرے پیار میں'' کو کئی نگار اور قومی اعزازات سے نوازا گیا۔اسے حسن عسکری نے ہدائت دی تھی اور اس کے اہم اداکار تھے شان، زارا شیخ، وینا ملک، اور عفان کھوسٹ۔

سال ۲۰۰۱ء میں بننے والی فلمیں تھیں: ہم کھلاڑی پیار کے، جنگلی کوئین، مجھے چاند چاہیے، پہچان، سنگدل پسند، دل سے نہ بھلانا، بلی، لوان بالینڈ، وعدہ، نو پیسہ نو پرابلمو کہاں ہے قانون، لاکھوں میں ایک، ماروی، مسٹر فراڈیئے، بارود، لازوال، بارودیے، آگ کا دریا، جان تیرے نام، حکومت، ساجن کا پیار، چوڑیاں نہیں ہتھکڑی، دل دیوانہ ہے، موسیٰ خان، رخصتی، مسلمان، جانور، کھوئے ہوئے تم کہاں، میرے محبوب، گھرانہ، بابو، اُف یہ بیویاں، دلدل، آج کی لڑکی، مرتے دم تک، سپنے اپنے اپنے، دولت، باغی وغیرہ۔

۲۰۰۲ء میں بہترین فلم کا نگار ایوارڈ ''کھوئے ہوئے تم کہاں'' کو ملا۔اس سال ریلیز ہونے والی اہم فلمیں تھیں: یہ دل آپ کا ہوا، کون بنے گا کروڑ پتی، ڈاکو، فائر، منیلا کے جاسوس، شکاری حسینہ، خدا قسم، بارود، چلو عشق لڑائیں، بغاوت، شیر پاکستان، جہاد، رقاصہ، پہلا سجدہ وغیرہ

سال ۲۰۰۳ء پاکستان میں متعدد فلمیں منظر عام میں آئیں جن میں درندہ، یہ وعدہ رہا، کمانڈو، قیامت، دل ٹوٹے ٹوٹے ہو گیا، ہلاکو، پیار ہی پیار میں، روٹی گولی اور سرکار، سلاخیں وغیرہ شامل ہیں

۲۰۰۴ء میں ریلیز ہونے والی فلموں میں ہم ایک ہیں، جان لیوا، منا بھائی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔اور ۲۰۰۵ء میں کوئی تجھ سا کہاں، پرچم، کیوں تم سے اتنا پیار ہے، صاحب لوگ، تیرے بن جیا نہ جائے وغیرہ۔

۲۰۰۶ء میں پہلا پہلا پیار، جسم، مرڈر، کنگن، دلہن بنتی ہیں نصیبوں والیاں، گناہوں کا شہر، ون ٹو کا دن، تڑپ، زمین کے خدا وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

سال ۲۰۰۷ء میں جو فلمیں ریلیز ہوئیں ان میں بچھو، انوکھی شکارن، خدا کے لئے، جھومر، ایک دن لوٹ کے آؤں گا، ایک دولت کی ہوس، عورت ایک کھلونا، حسینہ گولی مار، ہنی مون شامل ہیں۔

رام چند پاکستانی ۲۰۰۸ء کی بہترین پاکستانی فلم تھی جسے بین اقوامی شہرت ملی اور کئی اعزازات سے نوازا گیا۔ یہ ایک ہندو لڑکے کی کہانی پر مبنی فلم تھی جو غلطی سے سرحد پار ہندوستان چلا جاتا ہے اور اسے قید و بند کی زندگی گزارنی پڑتی ہے۔ اس فلم کی ہدائت کاری کے فرائض مہرین جبار نے انجام دیئے تھے اور اس کے اداکار تھے نندتا داس، راشد فاروق، سید فضل حسین وغیرہ۔ اس فلم میں صرف نندتا داس ہی غیر پاکستانی اداکارہ تھیں باقی سارے اداکار پاکستانی تھے۔ کبھی پیار نہ کرنا، انجم، کھلے آسمان کے نیچے، پیاسا بدن، لوفر، گناہوں کی بستی اس سال کی کچھ اہم فلمیں تھیں۔

۲۰۰۹ء میں ریلیز ہونے والی فلموں میں مس ٹاپ ۱۰، شارٹ کٹ، بلیک کیٹ، کمپنی، ریڈ لائٹ ہوٹل، فریب، حسن پرست وغیرہ شامل تھیں۔

اور سن ۲۰۱۰ء میں حسینوں کا میلہ کی نمائش ہوئی تھی اور ۲۰۱۱ میں خاموش رہو، بول، لو میں گم، ایک اور غازی، بھائی لوگ، سوسائٹی گرل، دانے پہ دانہ، سن آف سن آف پاکستان، انداز، انجانہ......اندھیرا اُجالا، کولاچی اور سلطنت وغیرہ۔

۲۰۱۲ء میں شرت چندر چٹرجی کی کلاسیک کہانی ''دیوداس'' پر پاکستان میں فلم بنائی گئی مگر وہ اب تک ڈبوں میں بند ہے۔ مذکورہ کہانی پر غیر منقسم ہندوستان میں اور منقسم ہندوستان میں ہندی کے علاوہ کئی ریاستی زبانوں بنگلہ۔ تمل۔ تلگو وغیرہ میں بھی فلمیں بن چکی ہیں۔ ہندی میں سب سے پہلے یہ فلم ۱۹۳۶ء میں پی سی بروا کی ہدائت میں بنی تھی جس میں کے ایل سہگل اور جمنا اہم اداکار تھے۔ آزادی کے بعد بمل رائے نے دلیپ کمار اور وجینتی مالا کو لے کر اور بعد ازاں ہدائت کار سنجے بھنسالی نے شاہ رُخ خان۔ ایشور یہ رائے اور مادھوری ڈیکشت کو لے کر اسے نئے انداز میں پیش کیا جو بڑی کامیاب رہی۔ ۲۰۱۲ میں پہلی بار پاکستان میں دیوداس بنانے کی جسارت کی گئی جس میں ہیروئین کی حیثیت سے میرا کو لیا گیا۔ علاوہ ازیں اس میں ندیم شاہ اور زارا شیخ اہم اداکار تھے۔ مگر یہ فلم ابھی تک ریلیز نہیں ہوسکی۔ کیونکہ سنسر بورڈ اس میں کچھ تبدیلیاں چاہتا ہے جس پر ندیم شاہ راضی نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ سنسر بورڈ شراب نوشی کے کچھ مناظر نکال دینے کے حق میں ہیں کیونکہ شراب نوشی مذہب اسلام کے خلاف ہے۔ جبکہ ندیم شاہ ایسا کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ ڈسٹری بیوٹر بھی ایک ہندو کرداروں پر بنی اس فلم کو لینے سے ہچکچاتے ہیں۔ نتیجہ فلم ڈبوں میں بند پڑی ہے۔ اسی سال سلکیستان (شہباز شگریم عاشہ اختر علی رحان خان، شہانہ) بھی بنائی گئی مگر سنسر نے اس کی ریلیز پر پابندی عائد کردی۔ محبت ہوگئی تم سے بھی اس سال

پردہ اسکرین پر پیش کی گئی جس کے ڈائرکٹر اشفاق محمد علی تھے اور اداکار بابر علی سائرہ خان، آصف خان، علی رضا وغیرہ۔ اس کے علاوہ مذکورہ سال میں فریڈم آف ساؤنڈ (عدیل حسین، مہرین رحیل، رضا حیدر) داغ (ہمایوں سعید) چپ (شان شاہد، جگن کاظم، ریشم) بھی مذکورہ سال کی اہم فلمیں تھیں۔

۱۸ر مارچ ۲۰۱۳ کو برطانیہ میں بنی فلم 'تمنا' کو نمائش کے لئے پیش کیا گیا جو پاکستان اور برطانیہ کی کو پروڈکشن کی تیار کردہ مکمل لمبائی کی فیچر فلم تھی۔ اس کے ہدائت کار برطانیہ کے اسٹیو مور تھے اور اہم اداکار عمیر رانا سلمان شاہد، مہرین رحیل تھے۔ اسی سال فلم ڈائرکٹر اسمٰعیل جیلانی کی چمبیلی بھی ایک کامیاب فلم تھی جس کی کہانی شہزاد نواز نے لکھی تھی۔ ہدائت کار اظفر جعفر کی فلم ایک ڈراؤنی فلم 'سیاہ' بھی دیکھنے کو ملی جس کی کہانی عثمان خالد بٹ کی تحریر کردہ تھی۔ اس سال زندہ باغ اردو اور پنجابی دونوں زبانوں میں بنائی گئی جو پاکستان میں غیر قانونی طور پر آکر بسنے والوں کے مسائل سے متعلق تھی، مذکورہ سال معروف کرکٹر اور سیاست دان عمران خان کی زندگی پر مبنی سوانحی فلم' کپتان اور شاہد آفریدی پر' میں ہوں شاہد آفریدی) وغیرہ بھی منظر عام پر آئیں۔

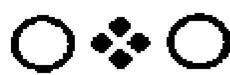
پاکستان میں بڑی تعداد میں اردو فلمیں بنتی ہیں مگر ابھی تک ہندوستان اور پاکستان میں آزادانہ طور ایک دوسرے کی فلموں کی نمائش نہیں ہوتی تھی اور کئی بار دونوں ممالک میں فلموں پر پابندی بھی عائد کی گئی۔ حالانکہ قیام پاکستان کے بعد سے ۱۹۵۴ء تک دونوں ممالک کی فلموں کی باقاعدہ نمائش ہوتی رہی۔ مگر بعد ازاں پاکستان فلمی صنعت سے وابستہ شخصیات نے اس کے خلاف ایجی ٹیشن کی جس کے نتیجے میں ہندوستان پاکستان میں فلم کے بدلے فلم کا معاہدہ ہوا مگر ۱۹۶۵ کی ہندو پاک جنگ کے بعد یہ معاہدہ ختم ہو گیا اور پاکستان میں ہندوستانی فلموں کی نمائش پر پابندی عائد کر دی گئی۔ پھر ۸۰ء کے عشرے میں دو فلموں ''مغل اعظم'' اور'' سوہنی ماہیوال'' کی نمائش کی خصوصی اجازت دی گئی۔ اور ویڈیو پر ہندوستانی فلمیں دیکھنے پر بھی کوئی بندش نہیں لگائی گئی۔ یہی وجہ کہ گزشتہ دو عشروں سے ویڈیو فلمیں آزادانہ دیکھی اور دکھائی جا رہی ہیں۔ گو یہ غیر قانونی دھندہ ہے مگر چونکہ پاکستانی عوام ہندوستانی فلموں کے دیوانے ہیں لہٰذا ان پر کوئی پابندی نہیں اور اس کاروبار سے ہزاروں لوگ وابستہ ہیں اس لئے اسے بند نہیں کیا جاتا اور پھر اس دھندے میں بڑے بڑے بارسوخ افراد بھی منسلک ہیں۔ ایک طبقہ اس خیال کا ہے کہ جب ہندوستانی فلموں کی ویڈیو سے دو قوموں کی تھیوری پر کوئی اثر نہیں ہوا تو ہندوستانی فلموں کی سنیماؤں میں نمائش سے کیا فرق پڑے گا لہٰذا اس کی بھی اجازت دے دی جائے۔ کیونکہ اس سے سرکار کو تفریح ٹیکس وغیرہ سے جائز آمدنی ہوگی اور ہزاروں لوگوں کو روزگار ملے گا۔

اسی مائنڈ کے تحت اب کچھ عرصہ پہلے پاکستان میں ہندوستانی فلموں پر لگی پابندی ختم کر دی گئی تھی

اور متعدد ہندوستانی فلموں کی وہاں نمائش کی گئی اور انہیں بڑی کامیابی ملی۔لیکن پابندی ہٹنے کے باوجود کچھ ہندوستانی فلموں جیسے ''تیرے بن لادن''، ڈرٹی پکچر، ڈیوڈ، کھلاڑی ۷۸۶، جب تک ہے جان، ایک تھا ٹائیگر، ایجنٹ ونود وغیرہ کو کسی نہ کسی بات پر قابلِ اعتراض ٹھہرا کر ان کی نمائش ممنوع قرار دے دی گئی ہے۔اب ہندوستانی فلموں کو دکھانے کی اجازت کے بعد ایک مسئلہ اور پیدا ہو گیا کہ عید اور دیگر تہواروں پر ہندوستانی فلموں کی نمائش کی وجہ سے پاکستانی فلموں کو سنیما ہال دستیاب نہیں ہو پاتے لہٰذا اس پر پاکستان کے کچھ حلقوں نے آواز اُٹھائی تھی جس کے نتیجے میں گزشتہ عید کو ہندوستان کی کوئی بھی فلم نمائش کے لئے پیش نہیں کی جا سکی۔اب بھی پاکستان فلم انڈسٹری کے مفاد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ۸راگست ۲۰۱۳ کو عید کے موقع پر شاہ رُخ خان اور دیپیکا پاڈوکون کی نئی فلم ''چنئی ایکسپریس'' کو نمائش کی اجازت نہیں دی گئی تا کہ پاکستانی فلموں ''جوش''، ''وار''، ''میرا نام آفریدی'' اور ''عشق خدا'' کو نمائش کے لئے آسانی سے سنیما گھر دستیاب ہو سکیں۔لیکن اگر عید کے موقعے پر کسی نئی ہندوستانی فلم کو چوری چھپے دکھا دیا جائے تو کوئی حیرت کی بات نہیں ہوگی۔کیونکہ ابھی حال ہی میں چھپی ایک خبر میں انکشاف کیا گیا ہے کہ رمضان المبارک کے مہینے (جولائی ۲۰۱۳) میں لاہور کے دو سنیما گھروں میں رات بھر ہندوستانی فلموں کی نمائش ہوتی رہی جس میں اپر کلاس طبقے کے لوگوں کو مدعو کیا گیا تھا۔یہ فلمیں آدھی رات کو شروع ہوتی تھیں اور سحری کے وقت تک چلتی تھیں اور اسے سرکاری سرپرستی حاصل تھی اور ان میں سرکاری افسران اور ان کے اعزاء و اقارب کو خاص طور پر مدعو کیا جاتا تھا۔

کئی مسائل کے باوجود پاکستان فلمی صنعت ترقی کی منزلیں طے کر رہی ہے۔اب پچاس سال کے وقفے کے بعد اس سال آسکر ایوارڈ کے لئے غیر ملکی زبانوں کے فلمی مقابلے کے لئے وہ بھی نئی فلم بھیجے گی اور اس کے لئے کمیٹی بنائی جا رہی ہے۔یاد رہے کہ ۱۹۵۶ء میں آسکر ایوارڈ کے غیر ملکی زبانوں کے مقابلے کی شروعات کے بعد پاکستان نے اب تک صرف دو ہی فلمیں اس مقابلے میں بھیجی تھیں۔پہلی فلم اختر کاردار کی فلم ''جاگو ہوا سویرا'' کو ۱۹۵۹ میں اور دوسری خواجہ خورشید انور کی فلم ''گھونگھٹ'' کو ۱۹۶۳ء میں اس مقابلے کے لئے بھیجا گیا تھا۔

قارئین میں نے حتیٰ الامکان کوشش کی ہے کہ گزشتہ برسوں (۱۹۹۷ء تا ۲۰۱۳ء) کے دوران ریلیز ہونے والی پاکستانی فلموں کا حتیٰ الامکان صحیح تجزیہ پیش کروں۔پھر بھی اس میں غلطی کا امکان ہو سکتا ہے اس کے لیے معذرت خواہ ہوں۔



سابق مشرقی پاکستان (حال بنگلہ دیش) کی اُردو فلمیں

پاکستان کی پہلی فلم تیری یاد ۱۹۴۸ء میں بنی تھی جو برصغیر کے تیسرے بڑے سنٹر لاہور میں بنائی گئی تھی۔ گو بنگالی فلمیں ۱۹۳۱ء سے کلکتہ میں بن رہی تھیں لیکن آزادی کے بعد ڈھاکہ میں فلم بندی کا آغاز ۱۹۵۶ء سے پہلے نہ ہو سکا جب پہلی بنگالی فلم 'مکھ و مکھش' بنی تھی جس کا اُردو ترجمہ 'روپ بہروپ' بنتا ہے۔ یہ فلم زبان کے موضوع پر بنائی گئی تھی اور اس میں ڈھاکہ میں ۱۹۵۲ء میں بنگالی زبان کو دوسری قومی زبان کا درجہ قرار دینے کی جدوجہد میں ہلاک ہونے والوں کو موضوع بنایا گیا تھا۔



جاگو ہوا سوار کا ایک منظر

مشرقی پاکستان (حال بنگلہ دیش) میں ۱۹۵۶ء سے لیکر ۱۹۷۱ء تک کل ۲۱۰ فلمیں بنائی گئی تھیں جن میں سے ۱۶۱ بنگالی اور ۴۹ اُردو فلمیں تھیں۔ پہلی اُردو فلم ایک آرٹ فلم 'جاگو ہوا سویرا' تھی جو ۱۹۵۹ء میں بنائی گئی تھی۔ یہ فلم بزنس تو نہ کر سکی لیکن ماسکو کے ایک فلم فیسٹیول میں گولڈ میڈل جیتنے میں کامیاب ضرور ہوگئی تھی۔ اس طرح ڈھاکہ کی پہلی ہی فلم کو بین الاقوامی ایواڈ حاصل کرنے کا فخر حاصل ہوا۔

پھر ۱۹۶۲ء میں مشرقی پاکستان کی پہلی کمرشل فلم 'چندا' ریلیز ہوئی اور باکس آفس پر زبردست کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔ اس فلم نے پاکستانی فلموں کو شبنم، رحمان، روبن گھوش اور گلوکار بشیر احمد جیسے اعلیٰ پائے کے فنکار دیئے۔ اس کامیاب فلم کے ہدایت کار احتشام تھے۔ جو فلم 'چکوری' کے ہدایت کار بھی تھے اور بعد میں ندیم کے خسر بھی بنے تھے۔

۱۹۶۳ء میں ڈھاکہ نے پانچ فلمیں بنائیں جن میں دو اُردو فلمیں تھیں۔ ۱۹۶۷ میں کل ۲۳ میں سے ۶ اُردو فلمیں میں بنائی گئیں لیکن اُردو فلموں کی کامیابی کا مارجن انتہائی قابل تعریف تھا۔ صرف دو فلمیں 'اس دھرتی پر' اور 'الجھن' ہی ناکام ہوئیں۔ 'نواب سراج الدولہ' اور 'چھوٹے صاحب' کے علاوہ

'درشن' اور 'چکوری' کامیاب ترین فلمیں تھیں۔ لیکن پہلے بات نغمہ بار فلم 'درشن' کی ہو جائے جو شبنم اور رحمان کی مشرقی پاکستان میں آخری فلم تھی۔ اس فلم کی خاص بات اس فلم کے گیت تھے جن کا تمام تر کریڈٹ بشیر احمد کو جاتا ہے جو ڈھاکہ میں بننے والی اُردو فلموں کے سب سے مقبول و مصروف ترین گلوکار تھے۔ انہوں نے نہ صرف اس فلم میں آٹھ خوبصورت گیت گا کر مسعود رانا کے فلم 'ہمراہی' کے مشہور زمانہ سات گیتوں کا ریکارڈ توڑا تھا بلکہ ان تمام گیتوں کو لکھا بھی خود اور انہیں کمپوز بھی کیا تھا۔ یاد رہے بشیر احمد، بی اے 'دیپ' کے قلمی نام سے شاعری بھی کرتے تھے۔ درشن فلم میں نو گیت تھے جن میں ایک گیت مالا کا تھا تو ایک دوگانا ملکہ ترنم نور جہاں کا بشیر احمد کے ساتھ تھا۔ پاکستان کی ساٹھ سالہ فلمی تاریخ میں یہ ایک منفرد ریکارڈ ہے کہ جب کسی ایک فنکار نے کسی ایک فلم کے گیت گائے بھی، لکھے بھی اور ان کی دھنیں بھی بنائیں...... آفرین، بشیر احمد......! ان میں 'تلاش' ایک کامیاب فلم ثابت ہوئی تو 'ناچ گھر' بری طرح سے ناکام ہوگئی تھی۔ 'تلاش' کی کامیابی سے رحمان کامیاب فلمی ہیرو بن چکے تھے جبکہ اس فلم میں بشیر احمد کے گیت بڑے پسند کئے گئے تھے۔ خاص طور پر یہ دو گیت بڑے مقبول ہوئے تھے:...... کچھ اپنی کہئے، کچھ میری سنیئے...... اور...... میں رکشہ والا بے چارہ۔

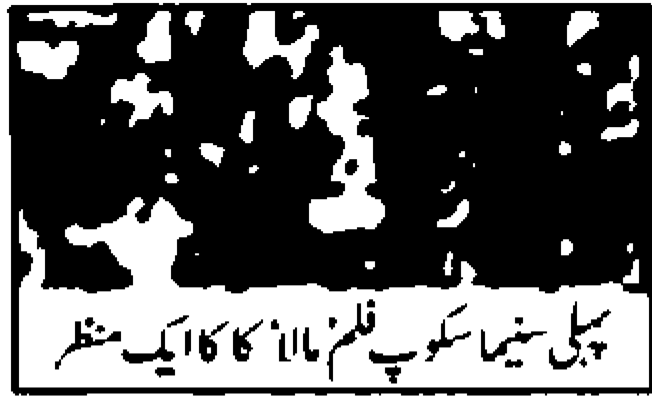
اس فلم کے ڈائریکٹر احتشام کے بھائی مُستفیض تھے جو 'چکوری' فلم کے فلمساز بھی تھے اور ڈھاکہ کی فلموں کے سب سے کامیاب فلمساز۔

۱۹۶۴ء میں مشرقی پاکستان میں فلموں کی پروڈکشن میں خاصا اضافہ ہوگیا تھا جب ایک سال میں ۱۶ فلمیں ریلیز ہوئیں جن میں ۹ اُردو فلمیں تھیں لیکن صرف ایک فلم 'ملن' ہی کامیاب ہوسکی جبکہ 'سنگم' درمیانے درجے کی رہی۔ اس فلم کی خاص بات یہ تھی کہ اس کے ہیرو بھی رحمان تھے جو ایک حادثے میں اپنی ٹانگ کٹوا چکے تھے لیکن مغربی پاکستان کے فنکاروں نے اظہار ہمدردی کے طور پر رحمان کی فلم میں بلا معاوضہ کام کیا تھا۔ باقی فلمیں تنہا، شادی، یہ بھی ایک کہانی، پیسے، بندھن، کاروان اور مالن ناکام ہوئیں۔ فلمساز و ہدایت کار ظہیر ریحان کی فلم 'سنگم'، پاکستان کی پہلی رنگین فلم تھی اور یہ اعزاز بھی ڈھاکہ کی فلم انڈسٹری کو حاصل ہوا تھا۔

۱۹۶۵ء میں مشرقی پاکستان میں کل ۱۱ فلمیں بنیں جن میں ۶ اُردو فلمیں تھیں۔ صرف ایک فلم 'بہانہ' ہی کامیاب تھی جس کی آؤٹ ڈور شوٹنگ 'کراچی' میں کی گئی تھی۔ اس فلم کے دو یادگار گیت تھے۔ ان میں سے ایک گیت احمد رشدی، مسعود رانا اور ساتھیوں کی آوازوں میں ہے جس کے بول کچھ اس طرح سے ہیں: شہر کا نام ہے کراچی، بچ کے رہنا یہاں......!

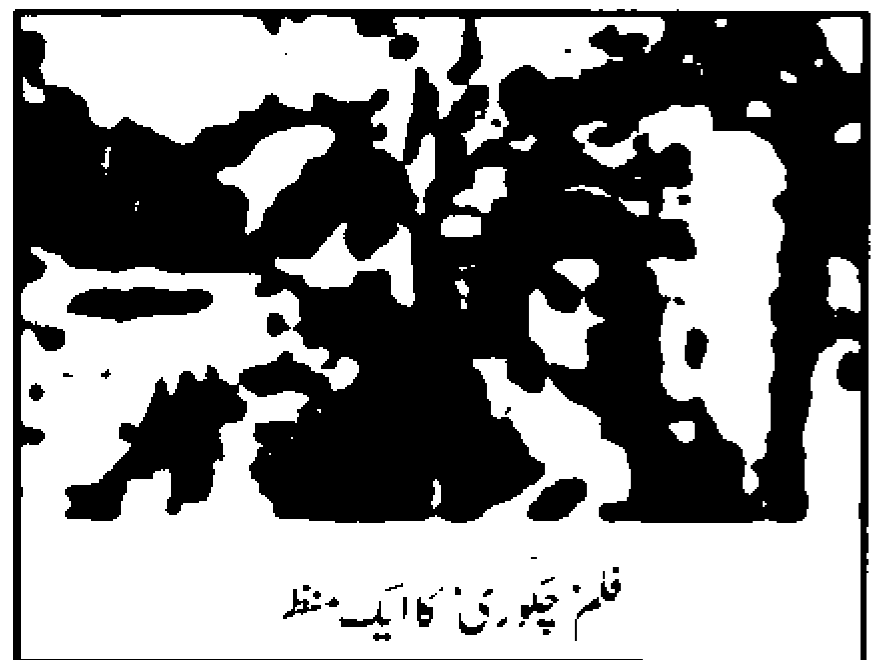
جبکہ دوسرا گیت بڑا دلچسپ ہے جس میں پہلے منیر حسین اپنا کراچی آنے کا قصد بیان کرتے ہیں

کہ وہ تو اتنی دور ڈھاکہ سے آئے تھے۔ مسعود رانا اپنے گوجرانوالہ سے آنے کا بتاتے ہیں تو احمد رشدی صرف یہی بتا سکتے ہیں کہ وہ خود نہیں آئے، انہیں تو ان کے ابا لے کر آئے تھے..... لیکن تان تینوں کی اس بات پر ٹوٹتی ہے کہ "ایسی کراچی سے تو ہم باز آئے، کام نہ آئے کوئی اپنے پرائے.....!


پہلی سینما سکوپ فلم 'مالا' کا ایک منظر

'مالا' ایک درمیانے درجے کی فلم تھی لیکن پاکستان کی پہلی سینما سکوپ فلم ریکارڈ ہوئی تھی جبکہ باقی سبھی فلمیں ناکام ہوئی تھیں جن میں کاجل، ساگر، کیسے کہوں! اور سات رنگ شامل تھیں۔ دلچسپ بات یہ کہ ان میں چار فلمیں شبنم کی تھیں جو سبھی فلاپ ہوئیں۔ جبکہ رحمان 'بہانہ' کی کامیابی سے مسلسل کامیابی کی طرف رواں تھے۔

۱۹۶۶ء میں مشرقی پاکستان میں فلموں کی تعداد ۲۶ ہو گئی تھی جن میں سے ۱۹ بنگالی اور صرف سات اردو فلمیں تھیں۔ اس پر قطعاً حیرت نہیں ہونی چاہئے کہ اردو فلموں کی تعداد میں یہ کمی کیوں ہو گئی تھی.....؟ پاکستان میں ۱۹۷۰ء تک اردو فلموں کی تعداد باقی علاقائی فلموں کی تعداد سے صرف اس لئے زیادہ تھی کہ پہلے تو بھارت کے ساتھ فلموں کا تبادلہ ہوتا تھا اور وہاں زیادہ تر اردو فلمیں ہی جا سکتی تھیں اور کئی ایک مثالیں ایسی ہیں کہ جب ایک پاکستانی اردو فلم پاکستان میں تو ناکام ہو جاتی تھی لیکن دہلی یا لکھنؤ کے اردو علاقوں میں کامیاب ہو جاتی تھی۔ ستمبر ۶۵ء کے بعد بھارتی فلموں پر پابندی لگ گئی تو اردو فلموں کا سرکٹ محدود ہو گیا اور علاقائی زبانوں (یا پاکستان کی اصل زبانوں) کی فلموں کو فروغ حاصل ہونا شروع ہوا۔ سقوط ڈھاکہ کے بعد اردو فلموں کا سرکٹ کراچی، حیدر آباد تک محدود ہو کر رہ گیا تھا جہاں اردو بولنے والوں کی اکثریت تھی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ فلم 'چکوری' ۲۳ / مارچ ۱۹۶۷ء کو عیدالضحیٰ کے مبارک دن صرف ڈھاکہ میں ہی ریلیز ہوئی تھی کیونکہ نئی اور ناتجربہ کار کاسٹ کی وجہ سے مغربی پاکستان کا کوئی بھی تقسیم کار اس فلم کو خریدنے کے لئے تیار نہیں تھا۔


فلم 'چکوری' کا ایک منظر

(نہ جانے کتنی ایسی فلمیں ہوں گی جو مشرقی پاکستان میں بنی ہوں لیکن مغربی پاکستان میں کبھی ریلیز نہ ہو سکی ہوں؟ یاد رہے کہ کراچی میں بنی ہوئی کئی ایک فلمیں آج تک پنجاب سرکٹ میں ریلیز نہیں ہوئیں جبکہ لاہور کی بھی متعدد فلمیں ایسی ہیں جو کراچی میں کبھی ریلیز نہیں ہو سکیں۔)

ڈھاکہ میں کامیابی کے بعد اس فلم کو ۱۹/مئی ۱۹۶۷ء کو کراچی میں ریلیز کیا گیا تھا لیکن پہلے چند

دن بزنس نرم گیا لیکن جیسے جیسے یہ خبر عام ہوتی گئی کہ لوکل بوائے ندیم اس فلم کا ہیرو ہے، فلم پر رش بڑھنا شروع ہو گیا اور یہ فلم مسلسل پانچ ماہ (غالباً پیراڈائز سینما پر) چلتی رہی تھی جبکہ مجموعی طور پر فلم چکوری ۸۱ ہفتے چلتی رہی اور پلاٹینم جوبلی کا اعزاز حاصل کیا جو کسی بھی نئی جوڑی (شبانہ اور ندیم) کے لئے ایک نیا ریکارڈ تھا۔ یاد رہے کہ ندیم اس فلم کی ریلیز سے قبل ہی موسیقی کے حوالے سے اہل کراچی کے لئے ایک جانی پہچانی شخصیت بن چکے تھے لیکن فلمی گلوکار بننے میں مسلسل ناکامیوں کے بعد ڈھاکہ بھی وہ گائیکی کے شوق ہی میں گئے تھے لیکن اتفاقاً اس فلم کے ہیرو بن گئے تھے حالانکہ وہ پہلے اس فلم میں ویلن کے طور پر منتخب ہوئے تھے...... اس فلم میں ندیم نے فردوسی بیگم کے ساتھ اپنے فلمی کیریر کے ڈیڑھ درجن گیتوں میں سے سب سے مقبول ترین گیت .... کہاں ہو تم کو ڈھونڈ رہی ہے، یہ بہاریں، یہ سماں ...... بھی گایا تھا لیکن وہ روبن گھوش کے معیار پر پورے نہیں اُترے تھے، اسی لئے دیگر گیت احمد رشدی اور مجیب عالم کی آوازوں میں تھے۔


'قلی' کا منظر

مشرقی پاکستانی فلموں کے سفر میں ہم ۱۹۶۸ء تک پہنچے ہیں جو ایک انتہائی یادگار سال تھا جب پہلی بار پاکستانی فلموں کی تعداد ایک سال میں ۱۲۸ تک جا پہنچی تھی۔ ان میں سے ۳۴ فلمیں ڈھاکہ میں بنائی گئی تھیں جن میں سے سات اُردو فلمیں تھیں لیکن کوئی بھی فلم قابلِ ذکر کامیابی حاصل نہ کر سکی تھی۔

ندیم کی فلمیں 'قلی' اور 'چاند اور چاندنی' جیسی نغماتی فلمیں ہی کسی حد تک پسند کی گئی تھی جبکہ دیگر فلمیں سوئے ندیا جاگے پانی، جنگلی پھول، جگنو، گوری اور جہاں باجے شہنائی ناکام ہوئی تھیں۔

فلموں کی آزادانہ نمائش کے بعد رہی سہی کسر بھی پوری ہو گئی تھی اور اُردو فلمیں پاکستان میں پہلے سے دوسرے اور پھر دوسرے سے تیسرے درجے پر پہنچ گئیں۔ لیکن آج بھی اگر ماضی سے سبق سیکھا جائے تو بھارت کے ساتھ آزادانہ فلموں کی نمائش کی جائے تو پانسہ پلٹ سکتا ہے اور پاکستان میں پھر سے سینما کلچر فروغ پا سکتا ہے۔ پاکستانی فلموں کو اس سے صرف اور صرف فائدہ ہی ہوگا، نقصان تو جو ہونا تھا وہ ہو چکا، اب تو کسی قسم کے نقصان کا اندیشہ ہی باقی نہیں رہا!

بات ۱۹۶۶ء کی فلموں تک پہنچی تھی۔ اس سال کی ڈھاکہ کی فلموں میں صرف فلم 'بھیا' ہی کامیاب ہو سکی تھی جس کی مشہور زمانہ قوالی: مدینے والے سے میرا سلام کہہ دینا' تھی۔ اس قوالی کی دھن ایک عیسائی موسیقار روبن گھوش نے بنائی تھی۔ جب کہ باقی چھ فلمیں ناکام ثابت ہوئیں، ان میں اجالا، پھر ملیں گے

ہم دونوں، ایندھن، بیگانہ، پونم کی رات اور ویرانہ شامل تھیں۔

۱۹۶۷ء میں سات اُردو فلمیں بنی تھیں لیکن سبھی ناکام رہیں۔ شہید تیتو میر، جینا بھی مشکل، داغ، پیاسا، سنگم، میرے بچے میرے سپنے اور مہربان۔ یاد رہے کہ فلم 'مہربان' مغربی پاکستان میں ریلیز ہونے والی مشرقی پاکستان کی آخری اُردو فلم (۱۹۶۸ء) تھی

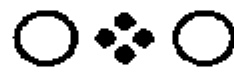


جو ۱۹۷۰ء میں ریلیز ہوئی تھی لیکن ڈھاکہ میں ۱۹۶۹ء ہی میں ریلیز ہوئی تھی۔ فلم 'مینا' بھی ڈھاکہ میں اسی سال ریلیز ہوئی تھی لیکن مغربی پاکستان میں ۱۹۷۰ء میں چلی تھی۔ 'سنگم' میں پہلی بار اداکارہ شبنم کو تیرہ چودہ سال کی عمر میں رحمان کی ہیروئن بنایا گیا تھا۔

۱۹۷۰ء متحدہ پاکستان کا آخری سال تھا۔ اس سال مشرقی پاکستان کے فلمسازوں کی طرف سے مغربی پاکستان کے فلم بینوں کے لئے آخری تحفہ 'پائل' تھی اور یہ فلم بھی فلمساز احتشام اور ہدایت کار مستفیض کی تھی جس میں شبانہ اور رزاق مرکزی کردار تھے۔

۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان میں سیاسی خلفشار، مغربی پاکستان سے نفرت اور بعد میں خانہ جنگی کی وجہ سے کوئی اُردو فلم نہ بن سکی (یا چل سکی)۔ ۲۶/ مارچ سے شروع ہونے والی خانہ جنگی کا خاتمہ ۱۶/ دسمبر ۱۹۷۱ء کے منحوس دن کو پاکستانی فوج کی عبرت ناک شکست اور بنگلہ دیش کے قیام سے ہوا۔ اس طرح تاریخ کا ایک المناک باب اپنے اختتام تک پہنچ گیا اور پاکستان اپنے مشرقی بازو اور تیسرے بڑے فلم سنٹر سے بھی محروم ہو گیا تھا!

(انٹرنیٹ سے ماخذ)



فیاض احمد وجیہہ

ہندوستانی فلموں میں ادبی عناصر

کسی بھی فن پارہ میں ادبی عناصر اور ادبی احساس (Literary sense) کا مفہوم کیا ہے؟ اس بنیادی سوال کے دائرہ کار میں ہی اس مضمون کی Thesis کو روشن کرنا مقصود ہے۔ ادب کے مختلف النوع اسالیب بیان کی طرح فلم بھی ایک سماجی فن پارہ ہے، اور یہ بات بے حد روشن ہے کہ سماج ایک Given reality ہے۔ چنانچہ ادب کا کوئی بھی امتیازی اسلوب ہو، وہ اپنے تخیل کی راست گوئی کو منہا کر کے کسی فکری دائرہ کی تعمیر نہیں کر سکتا (؟)۔ دراصل یہ فکری دائرہ انسان، سماج اور اس عہد کی سائیکی کی تجریدی مصوری ہے، جس میں زندگی کی علامتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ ادب اپنے امتیازی اسلوب میں انہی علامتوں کو نئے نئے معانی پہناتا ہے، فلم بھی فنون لطیفہ کی اس خوبی کا سب سے مؤثر اور طاقتور اسلوب ہے۔ ہندوستانی فلموں نے زندگی کی علامتوں کو کس اسلوب اور انداز میں معنی پہنایا ہے (؟)، اس کے دائرہ اثرات میں کتنی وسعت اور آفاقیت ہے (؟) بعض ایسے ہی امور کے تجزیہ وتعارف میں Literary sense کو بہ خوبی ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ دراصل فلم میں ادبی احساس کی تشکیل، فنون لطیفہ میں تخلیقی بھید واسرار سے الگ کوئی نامیاتی شے نہیں ہے۔ اس کی ادبی تھیوری بھی تخلیقی متون کی شعریات سے کم وبیش متعلق ہے۔ فنون لطیفہ کے اکثر اسالیب بیان ہی کی طرح جب کوئی بیانیہ اس مؤثر اسلوب میں منقلب (Appear) ہوتا ہے تو بادی النظر میں گمان گزرتا ہے کہ یہ حقیقی دنیا کا ہو بہو اظہار نہیں ہے۔ بعض ایسے ہی مقام پر Given reality اور Interpreted reality کا وصل وفراق بیانیہ کے قالب میں روشن ہوتا ہے، اور احساس جمال کی منطق میں زندگی کا حقیقی رنگ نئے علاقوں میں تیر کر ایک حقیقی نقطہ بن جاتا ہے۔ رنگ وروشنی کی Metaphysics میں کرداروں کا تفاعل اور ناظرین کا تہذیبی متن اس احساس کو ہمہ گیر بناتے ہیں۔ دراصل فلم ایک بیانیہ آرٹ یعنی Plurimedial fictional narrative ہے (بیانیہ کے ان حدود میں Documentary film شامل نہیں ہے۔ اس کے لیے ادبی تنقید میں ایک الگ اصطلاح Plurimedial non-fictional narrative مستعمل ہے)، جو اپنے مؤثر اسلوب میں زندگی کے گہرے سے گہرے رنگ کو عام ناظرین کی سائیکی میں بھی شامل حال کرتا ہے۔ تخلیقی بیانیہ کی طرح اس کا بھی ایک Visible sense ہوتا ہے جو اس کو مرتب کرتا ہے، اور اس کے Invisible sense کی تعمیر بھی کرتا ہے اس میں ناظرین کے تہذیبی متن کا دخل ہی اس کے غیاب کو سیاق فراہم کرتا ہے۔ یہاں ہم بیانیہ کے ایک پورے پروسس کو نظر انداز نہیں کر سکتے چوں کہ:

"When we say we'understand'a narrative we mean that we have found a satisfacatory relationship or set of relationships between these two worlds"

یعنی حقیقی اور فکشن ورلڈ کا وصل وفراق ۔ اس طرح اندازہ ہوتا ہے کہ زندگی کا حقیقی رنگ بیانیہ کی تہوں میں لپٹا ہوتا ہے۔ اور ان تہوں کو کھولے بغیر کسی بھی آرٹ کے معنی ومفہوم کا تعین ممکن نہیں ہے۔ سعادت حسن منٹو نے ۱۹۴۲ء کے آس پاس یہ بات کہی تھی کہ'' ہندوستان میں ابھی تک آرٹ کے صحیح معانی پیش نہیں کیے گئے''۔ کئی معنوں میں یہ بات اب بھی درست ہے۔ لیکن اس عرصۂ حیات میں ہندوستانی فلموں نے اپنے قالب کو اور زیادہ روشن اور مستحکم کیا ہے۔ اس لیے ہمارے ہاں بعض ایسی فلمیں بھی موجود ہیں، جو آرٹ کے معانی کے تعین میں بے انتہا اہمیت رکھتی ہیں۔ بالخصوص نئی نسل کی تروتازگی اور تخلیقی جدت نے ادب اور آرٹ کے صحیح تناظر کو پیش کیا ہے۔ اس نقطۂ نظر کی تفصیل اور وضاحت سے پہلے چند اور پہلوؤں کو نشان زد کرنا ضروری ہے۔ میں نے جس تروتازگی اور تخلیقی جدت کی بات کہی ہے، اس کو منٹو کے ہی ایک خیال کی روشنی میں دیکھتے ہیں

> '' ہندوستان میں ٹھیٹ ہندوستانی فلم بننے چاہئیں۔ ہمارے وہ سوشل فلم جو آج کل سینکڑوں کی تعداد میں سینماؤں کے پردے پر چلتے ہیں۔ کیا ہندوستانی تہذیب کے آئینہ دار ہیں؟ اس کا جواب موٹے قلم سے یہ ہونا چاہیے 'نہیں' آپ ان فلموں میں کبھی 'ہندوستانیت' کو امریکی لباس میں دیکھتے ہیں اور کبھی امریکہ دھوتی کرتے میں نظر آتا ہے، جو بے حد مضحکہ خیز ہے۔ ان کو سوشل فلم کہا جاتا ہے ٹھیک اسی طرح جس طرح ہر ایکٹر خود کو آرٹسٹ کہتا ہے''۔

یہاں ٹھیٹ ہندوستانی فلم سے وہی Literary sense مراد ہے، جس کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے۔ میں یہاں چند فلموں کے نام ناظرین کے سامنے پیش کرتا ہوں، اس کے بعد قارئین خود فیصلہ کر لیں گے کہ منٹو کے اس قول کی تعبیر میں ہندوستانی فلم کا دامن آج بھی تنگ ہے یا نہیں (؟) A wednesday، لگان، رنگ دے بسنتی، سودیش، ویرزارا، فراق، پاپ، بلیک اینڈ وہائٹ، جس دیش میں گنگا رہتا ہے، اوم کارا، رین کوٹ۔ یہ فلمیں اپنے سماجی سروکار اور ٹھیٹ 'ہندی' سروکار کی وجہ سے لینڈ مارک کی حیثیت رکھتی ہیں۔ لیکن آج بھی ایسی فلموں کی بہتات ہے، جن کے پیش نظر منٹو نے 'ہندی تہذیب' کے آگے سوالیہ نشان قائم کیا ہے۔ فارمولہ فلموں کا نظریہ اور غور وفکر کا فقدان ہی ایسی بعض مضحکہ خیز صورتِ حال کا باعث ہے۔ مشہور ومعروف فلم 'امراؤ جان' کے ہدایت کار سید مظفر علی نے بھی جواہر لال نہرو یونیورسیٹی میں پبلک میٹنگ سے خطاب کرتے ہوئے ان پہلوؤں کی طرف اشارہ کیا تھا اور

فلموں کے سماجی سروکار کو اپنے نقطہ نظر کی روشنی میں مرتب کرتے ہوئے ان کا خیال تھا کہ حرص وطمع کی منطق اور فارمولہ فلموں کے صارفی نظریہ میں اس کا ادبی جمال اور حسن کہیں کھو گیا ہے۔ نئے آئیڈیاز اور کلاسکی متون کی اکثر فلم کاروں کے نزدیک کوئی قدر نہیں ہے۔ زندگی کے معدیاتی حوالوں پر غور کیے بغیر فقط اپنے ناظرین کی برہنہ خواہشات کو Cash کرنا ہی ان کا اصل مقصود ہے۔ روح کی سیرابی کے لیے مغربی دنیا 'رومی' کی روحانیت میں پناہ لے رہی ہے، اور ہمارے ہاں نہ اصل زندگی سے کوئی سروکار ہے اور نا ہی تصوف کے فکری حوالے کی پیشکش کی کوئی کوشش (واضح ہو کہ ان دنوں سید مظفر علی ''رومی'' کے تصورات ونظریات کو فلم کے مؤثر اسلوب میں ڈھالنے میں مصروف ہیں)۔ انہوں نے اپنی فلموں میں ادب اور زندگی کے حسین امتزاج کو ہمیشہ ایک تہذیبی سیاق میں پیش کیا ہے۔ مظفر علی کی ہدایت کاری کا نمونہ کم وبیش ان کی دو فلموں 'امراؤ جان' اور 'انجمن' میں ناظرین ملاحظہ کر چکے ہیں۔ مرزا ہادی رسوا کے ناول امراؤ جان ادا پر تین فلمیں بنائی گئیں، لیکن 'مہندی' (پشپا پکچرز) اور حالیہ ریلیز 'امراؤ جان' میں ناول کی روح دو فیصدی بھی موجود نہیں ہے کیوں (؟) مظفر علی کی 'امراؤ جان' سے ہم کہیں کہیں اختلاف ضرور کر سکتے ہیں، لیکن اس کے ادبی حسن اور مجموعی آہنگ میں ناول کی روح کو شدید طور پر محسوس کیے بغیر بھی نہیں رہ سکتے تو اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس فلم کی تشکیل میں ناول نگار کے نقطہ نظر کو ہر ہر سطح پر نمایاں کرنے کی صد گونہ کوشش کی گئی ہے۔ ریکھا، نصیرالدین شاہ، اور فاروق شیخ وغیرہ کی لاثانی اداکاری کے علاوہ، وہ تمام نقوش جو اس تہذیب کی یادگار ہیں ان کو بھی اس فلم میں مستحکم کرداروں کے طور پر قائم کیا گیا ہے۔ نئی شاعری کے مشہور شاعر شہریار نے کرداروں کی روح میں اُتر کر نغمے لکھے اور شہرۂ آفاق فن کارہ آشا بھونسلے نے لفظوں کی گہرائیوں میں ڈوب کر اس کے ادبی حسن کو نکھار دیا، اس لیے یہ فلم بھی ناول کی طرح ہی کلاسک میں شمار کی جائے گی۔ اسی ناول پر بنائی گئیں مذکورہ دو فلمیں کسی کو اب یاد بھی نہیں رہ گئی ہیں، حالیہ 'امراؤ جان' کے ناظرین اس نقطہ کو بہ خوبی سمجھ سکتے ہیں کہ فارمولہ فلموں کا نظریہ اور بھدی تقلید کے جراثیم نے ایک ہی فن پارہ کے دوسرے اسلوب کو کتنا مضحکہ خیز بنا دیا ہے۔ مظفر علی کی ہی فلم 'انجمن' (شبانہ اعظمی اور فاروق شیخ) میں ان کے زندگی کو دیکھنے کا نظریہ بہت واضح ہے، عورتوں کی بغاوت میں ترقی پسند شعریات کی تعبیر وتصریح ضرور نظر آتی ہے لیکن زندگی کو فطری صورت میں گامزن کرنے کی کوشش کسی نام نہاد نظریہ کی ترجمانی سے زیادہ ایک صحت مند معاشرے کی تشکیل کا عمل ہے۔ میرے خیال میں یہی اس فلم کی ادبی جمالیات ہے۔ ان حوالوں سے بہ خوبی اندازہ ہوتا ہے کہ ادب اور آرٹ کے نظریہ سے بھی فلمیں بنائی جا رہی ہیں، لیکن ایسے ہدایت کار زیادہ ہیں جن کو ادب کے صحیح تصور سے کوئی غرض نہیں ہے۔ مظفر علی ایسے بعض ہدایت کار اس رمز سے آگاہ ہیں کہ فلم کے ذریعہ

تماشائی سماج کے ذہن و دل سے بہ خوبی مکالمہ کیا جا سکتا ہے۔ دراصل فلم اپنے جداگانہ اسلوب میں تفریح اور تربیت دونوں کا بے حد موثر وسیلہ ہے۔ اس لیے اس سے بے پناہ کام لیے جا سکتے ہیں۔ ان باتوں کی طرف منٹو نے بھی بڑے بلیغ انداز میں اشارہ کیا ہے:

''فلم کے عالمگیر اور ہمہ رس اثر کے پیش نظر ہمارا خیال ہے کہ ہندوستانی عوام کے اذہان کو بیدار کرنے کے لیے ایسی فلموں کی ضرورت ہے جو کوئی نئی بات سکھائیں اور جن کو دیکھ کر تماشائی تفریح حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ سینما ہال سے باہر نکلتے وقت اپنے دماغوں کی آغوش میں غور و فکر کے جراثیم بھی لیتے جائیں''۔

بہت واضح انداز میں منٹو نے فلم کے دائرہ اثر میں اس نقطہ کو روشن کیا ہے کہ غور و فکر کے جراثیم سے ہی ایک صحت مند معاشرہ وجود میں آئے گا۔ دراصل وہ ہماری فلموں میں ایک نوع کا Literary sense چاہتے تھے۔ اس لیے انہوں نے ادبی ذوق کی بحالی کے لیے یہ مطالبہ بھی کیا:

''اگر پبلک میں پست مذاق کے لوگ موجود ہیں تو اس کے ذمہ دار ہمارے پروڈیوسر ہیں جو مذاق کی پستی کی طرف لے جاتے ہیں جادو کے لایعنی قصے اور پریوں کی فرضی کہانیوں میں اتنی دلچسپی نہیں ہے جتنی کہ ہمارے پروڈیوسر سمجھتے ہیں۔ پبلک ایسی فلم چاہتی ہے جن کا تعلق براہ راست ان کے دل سے ہو۔ جسمانی حسیات سے متعلق چیزیں زیادہ دیر پا نہیں ہوتیں مگر جن چیزوں کا تعلق روح سے ہوتا ہے، دیر تک قائم رہتی ہیں''۔

یہاں منٹو نے پست مذاق اور جسمانی حسیات کے تصور میں پروڈیوسر کے اس ذہنی رویہ کو بھی نشان زد کیا ہے، جس کی موجودہ تعبیر میں ہم فارمولہ فلموں کو ہندوستانی پردہ پر رنگ اور روشنی کی بیہودہ صورت میں آج بھی دیکھ رہے ہیں۔ یہاں مشرق کی طہارت ہے اور نہ ہی جنسی جمال کا تخلیقی اظہار۔ ایسی فلمیں سماج اور معاشرہ کو کس طرف لے جا رہی ہیں (؟) یہ ایک اہم سوال ہے۔ جنسی جمال کے اظہاریہ میں اگر ''پاپ'' ایسی کوئی فلم بنتی ہے تو بے ساختہ منٹو کے پانچ دن کے پروفیسر کی یاد آتی ہے، جس میں فطری تقاضوں کی نفی کے تصور پر کاری ضرب لگائی گئی ہے۔ اسی طرح ''رام تیری گنگا میلی'' کی اداکارہ جب اپنے شیر خوار بچے کو چھاتی کھول کر امرت کی بوندیں پلاتی ہے تو مجھے اس روسی افسانہ نگار کے فن کی یاد آتی ہے، جس میں ایک عورت اپنی ممتا کے درد سے بے قابو ہو کر اس اجنبی نوجوان کے منھ میں اپنی چھاتی ڈال دیتی ہے، جو اس کو بہت دیر سے ایک نوع کی بے چینی میں مبتلا دیکھ کر اپنے اندر کے

حیوان کو دلاسا دیتا ہے۔ اور اس عجیب وغریب حادثہ کو جب وہ کوئی معنی پہنانا چاہتا ہے تو اس کی قلب ماہیت اس طرح ہوتی ہے کہ وہ عورت اپنا بچہ گھر بھول آئی ہے، اس لیے اس نوجوان کی بے حد شکر گزار ہے اور اپنی اس غلطی کے لیے معافی کی طلب گار بھی۔ یہاں اس نوجوان کی سائیکی میں ناظرین کی تنگی آنکھوں کے لیے بہت کچھ ہے۔ اس آئینہ میں بہ طور اداکارہ اس ہندوستانی عورت کا چہرہ کتنا پرنور نظر آتا ہے، اس کو ناظرین بہ خوبی محسوس کر سکتے ہیں۔ کسی بھی فلم کا ادبی جمال اس کو زندگی کے کن تناظرات میں متشکل کر سکتا ہے، یہ محض اس کی ایک مثال ہے اور ایسی متعدد مثالیں ہماری بعض بہترین فلموں میں موجود ہیں۔ یہاں کسی فلم کا تجزیہ مقصود نہیں ہے بلکہ یہ عرض کرنا ہے کہ ہماری فلمیں اپنے Literary sense کی وجہ سے ایک نئے آفاق کی جستجو میں کتنا اہم رول ادا کر سکتی ہیں۔ ہندوستانی فلم میں ایک الگ طرح کے اسلوب کو قائم کرنے والے ممتاز اداکار عامر خان نے علاقائی اسلوب کی نمائندگی کرنے والے معروف اداکار، روی کشن کو انٹرویو دیتے ہوئے بعض ایسے ہی پہلوؤں کو روشن کیا تھا، انہوں نے خاص طور سے اس بات پر زور دیا تھا کہ میں فلم محض تفریح کے لیے نہیں کرتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ عوام کو کچھ سیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملے، وہ میری فلموں سے کچھ لے کر اپنے گھر جائیں۔ منٹو نے بہت پہلے ہندوستانی فلموں سے یہ توقع قائم کی تھی:

> ''ہمیں اس وقت ایسے فلم درکار ہیں جو ہمیں کچھ سکھائیں۔.....ہمیں اپنی زبان سے پیار کرنا سکھایا جائے۔ ہمیں اپنے وطن سے پیار کرنے کا سبق دیا جائے۔ ہمیں محبت کے حقیقی معنوں سے آشنا کرایا جائے، ہمارے سامنے کتاب انسانیت کے اوراق کھولے جائیں''۔

ہندوستانی فلموں میں اس نظریے کی ترجمانی کرنے والے ایک بڑے فن کار عامر خان ہیں۔ ان کی اکثر فلمیں زندگی کی تفسیر میں ادبی جمال کا حسن پیش کرتی ہیں۔ میں یہاں صرف چند فلموں کے سیاق کو ناظرین کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ ''رنگ دے بسنتی'' کا بیانیہ اپنی اصل صورت میں ہندوستان کی تاریخ آزادی کے بعض ایسے ہیرو کی کہانی ہے جن کو تاریخی متون میں بھی ہر ہر سطح پر نظر انداز کیا گیا ہے، اس کی اصل اسپرٹ اور کرداروں کے تفاعل کو آج کے سیاسی اور سماجی حالات سے ہم آہنگ کر کے نہ صرف آزادی کے ان دیوانوں کو خراج تحسین پیش کیا گیا ہے بلکہ موجودہ دَور میں اس کی معنویت اور اہمیت کو بھی اُجاگر کیا گیا ہے۔ ''منگل پانڈے'' کے کردار میں بھی عامر خان نے یہ کوشش کی ہے کہ اس دیوانے کی قربانی کو نئی نسل اپنے سینے سے لگائے، چوں کہ ہندوستانی تاریخ میں ان کو صحیح جگہ نہیں دی گئی ہے۔ اسی طرح ''لگان'' میں جدوجہد آزادی کو ایک نئے رنگ یعنی کرکٹ میچ کے مقابلہ کے

ذریعہ پیش کیا گیا ہے،اس فلم میں چھوا چھوت ایسی لعنت کو بھی Discus کیا گیا ہے اور انسانی عظمت واعتماد کے ترانے بھی گائے گئے ہیں۔'' تارے زمین پر'' معصوم ذہنوں کو حوصلہ عطا کرنے والی ایسی فلم ہے جو علم وہنر کے فطری اسلوب کو پیش کرتی ہے۔ان کی حالیہ فلم'' تھری ایڈیٹس'' بھی ان کے نقطہ نظر کی ترجمانی میں ہندوستانی فلم کا ایک نیا موڑ ہے۔مزاحیہ اسلوب میں بنائی گئی اس فلم میں زندگی کے بے حد گہرے اور ہمہ گیر حوالے اس طور پر در آئے ہیں کہ ادب کے شاہ کار مزاح پاروں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے،اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مزاح میں زندگی کے کتنے گہرے دکھ ہوتے ہیں۔انسان کی ذہنی آزادی اور فطری زندگی اس فلم کا مرکزی نقطہ ہے۔چھوٹی چھوٹی باتیں کس طور پر زندگی کا حوالہ بنتی ہیں،اس فلم میں اس کے تشخص کو بھی پیش کیا گیا ہے۔ایک طرح سے آرٹ کے صحیح معانی کو یہ فلمیں قائم کرتی ہیں۔زندگی کو ایک اور نئے اسلوب میں پیش کرنے والے فن کار شاہ رخ خان کا نقطہ نظر بھی اس باب میں بے حد روشن ہے کہ فلمیں محض چند ساعتوں کی تفریح نہیں (؟) بلکہ زندگی کو دیکھنے اور سمجھنے کا ایک روشن اسلوب ہے۔ان کی فلمیں عشقیہ اقدار اور حسن وعشق کی منطق میں بعض دفعہ کتھارسس کے عمل کو ناظر کی آنکھوں میں روشن کر دیتی ہے تو بعض مرتبہ حوصلہ بھی عطا کرتی ہے۔اس تعلق سے کم وبیش ان کی دو فلمیں'' دیوداس'' اور'' محبتیں'' یادگار ہیں۔ان کے ہاں محبت اور پریم کی ایک الگ معنیاتی فرہنگ وضع ہوئی ہے۔اس حوالے سے ان کی فلمیں'' دل والے دلہنیا لے جائینگے''،'' دل تو پاگل ہے''،'' کچھ کچھ ہوتا ہے''،'' اوم شانتی اوم''،'' دل سے''،'' رب نے بنادی جوڑی''،'' پردیس'' اور'' کبھی خوشی کبھی غم'' کے تناظرات کو ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ان کے اسلوب میں نیا رنگ بھرنے والی کئی فلمیں ایک نوع کے ادبی احساس کی زائیدہ ہیں۔'' سودیش'' میں اپنے گاؤں اور ملک کے تعلق سے جس تعمیری سوچ کو پیش کیا گیا ہے،اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہماری نئی نسل کتنی حساس ہے۔اپنی کاویری اماں کے گاؤں میں چند دنوں کے لیے مقیم امریکہ میں Nasa میں کام کرنے والا نوجوان ہندوستان کے مسائل، مثلاً بجلی، ٹیلی مواصلات اور تعلیمی پسماندگی وغیرہ کو دیکھ کر جن باتوں کو اپنے اندر محسوس کرتا ہے اور اس کی قلب ماہیت ہوتی ہے وہی دراصل اس کا ادبی اور سماجی سروکار ہے۔'' ویر زارا'' ایسی فلم میں حسن وعشق کا بے حد انوکھا تصور ہے۔اس میں جسمانی عشق کے بجائے روحانیت کا عظیم فلسفہ نظر آتا ہے۔دراصل تقسیم نے افسانہ اور ناول کی طرح ہماری فلموں کو بھی کئی موضوعات دیے،لیکن اکثر فلمیں جس نقطہ نظر کی ترجمانی میں بنائی گئی ہیں،وہ انسانی جذبات کی صحیح عکاس نہیں ہیں۔ان میں ایک نوع کی فرقہ وارانہ ذہنیت کی بے جا مداخلت ہے اور بعض فلموں میں 'ہیرو ورشپ' کے رومانی تصور کو نمایاں کرنے کی غیر فطری کوشش کی گئی ہے۔ایک موقع پر ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم جواہر لال نہرو نے فلموں سے یہ

مطالعہ کیا تھا:

’’ہمارے فلم سازوں کو ہندوستانی قصوں کہانیوں پر مبنی فلمیں بنانی چاہئیں۔ایسی فلمیں جو ہمارے ملک کی صحیح نمائندگی کریں اور صحیح تصویر پیش کرسکیں۔‘‘

عرض یہ کرنا ہے کہ ہمارے فلم سازوں نے ادبی احساس سے الگ ایک ایسی دنیا بسائی ہے، جس میں انسانی عظمت کے سروکار معدوم ہیں۔مشترکہ تہذیب کو مستحکم کرنے کے بجائے نئی نسل کے ذہن کو پراگندہ کیا جارہاہے۔ایسے ماحول میں ’ویرزارا‘ کی معنویت اور بڑھ جاتی ہے، چوں کہ اس میں دلوں کی سرحدوں کو مٹانے کی کوشش کی گئی ہے۔انسانی عظمت کے فلسفہ میں سرحدوں کی نفی کرتے ہوئے ایسے گیت بنے گئے جو ہر طرح کے سیاسی اور نام نہاد مذہبی نظریات سے بلند ہیں۔اس فلم میں جاوید اختر کی اس نظم نے اس نقطہ نظر کی عمدہ ترجمانی کی ہے:

میں قیدی نمبر ۷۸۶ جیل کی سلاخوں سے باہر دیکھتا ہوں/ دن مہینے سالوں کو یگ میں بدلتے دیکھتا ہوں/ اس مٹی سے میرے باؤ جی کی کھیتوں کی خوشبو آتی ہے/ ۔۔۔/ ۔۔۔/ یہ بارش میرے ساون کے جھولوں کو سنگ سنگ لاتی ہے۔۔۔/ وہ کہتے ہیں یہ تیرا دیش نہیں/ پھر کیوں میرے دیش جیسا لگتا ہے/ وہ کہتا ہے میں اس جیسا نہیں/ پھر کیوں مجھ جیسا وہ لگتا ہے/ ۔۔۔وہ کہتے ہیں میرا دیش اس کا نہیں/ پھر کیوں میرے گھر وہ رہتی ہے۔۔۔۔الخ۔اس فلم کے ادبی تناظرات میں حسن وعشق کا روحانی نظریہ انسانی سماج کی سلیت کے ہر ہر پہلو کا روشن زاویہ ہے۔اسی طرح ’’چک دے انڈیا‘‘ میں حب الوطنی کے ہر پہلو میں اقلیتی طبقہ کے انسان کی اس صورت کو پیش کیا گیا ہے، جس کے چہرہ پر ’غدار‘ لکھ دیا گیا ہے۔۔یہ فلم ان افکار وخیالات کی کتھارسس ہے جس میں ایک طبقہ دوسرے اقلیتی طبقہ کو شک کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔شاہ رخ خان نے اپنے اس نقطہ نظر کو اور پھیلاتے ہوئے ’’مائی نیم از خان‘‘ ایسی فلم بھی بنائی ہے ...کے مطابق ’میں اپنی اس فلم کے ذریعہ مسلمانوں کی جو اسٹیریو ٹائپ امیج بنادی گئی ہے اس کو توڑنا چاہتا ہوں...... مٹھی بھر لوگوں کی وجہ سے ایک بہترین قوم کو ہدف ملامت بنائے جانے کی گہری سازش چل رہی ہے۔اس فلم میں حجاب کے اسلامی تشخص اور بعض ایسے انسان جو انسانی عظمت کے فلسفہ میں یقین رکھتے ہیں–ان کی روشنی میں شرم وحیا کے فطری اظہار کو بھی بحال کرنے کی عمدہ کوشش کی گئی ہے۔ان حوالوں کا مقصود عامر خان یا شاہ رخ خان کو Icon بناکر پیش کرنا نہیں ہے بلکہ ہماری فلموں میں Literary sense کا گزر کس طور پر (؟) ہوا ہے، اس کے بعض رخوں کو محض نشان زد کرنا ہے۔ناظرین بعض ایسے ہی رخوں کو ہماری ان فلموں، مثلاً رین کوٹ، لیجنڈ آف بھگت سنگھ، وواہ، ٹریفک سگنل، پیج تھری، ہلہ بول، سکندر، ہم ساتھ ساتھ ہیں، تارے زمیں پر، ہم آپ کے ہیں کون، راجا

ہندوستانی ،لائف ان اے میٹرو ، یہ میرا انڈیا ،اپ ہرن ،گنگا جل ،اجازت ،حاصل اور منور ماوغیرہ میں بخوبی محسوس کر سکتے ہیں۔ میں نے قدیم اسلوب کو خاطر نشان نہیں رکھا ہے ،چوں کہ اپنے ناظرین سے بھی یہ فلمیں یک گونہ التفات چاہتی ہیں۔لیکن میں چند فلموں کے تعارف کو ضروری خیال کرتا ہوں۔اس سے فلموں کے ارتقائی اسلوب کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

ہماری فلموں کے ارتقائی اسلوب اور ڈھنگ کی تفہیم اس رو سے بھی ہوسکتی ہے کہ ہم بعض نمائندہ حوالوں کو یہاں ایک تسلسل میں پیش کردیں ،چنانچہ ہم اس باب میں سب سے پہلے عورت کی تصویر ملاحظہ کرتے ہیں۔امر جیوتی ،دنیا نہ مانے ،جہیز ،صبح کا تارا ،براج بہو ،پری نیتا ،یہودی کی لڑکی ، مدر انڈیا ،مرچ مسالہ ،سوامی ،ان پڑھ ،صاحب بیوی اور غلام ،نکاح ،پرکھ ،پاکیزہ ،منڈی ، موسم ، طوائف ،اور پریم روگ محض چند مثالیں ہیں ،جس میں عورت کی کئی تصویریں ہیں۔کہیں جہد مسلسل ہے تو کہیں پدری سماج کی مطلق العنانیت ہے۔کبھی یہ عورت باغی ہے تو کبھی ایثار و وفا کی دیوی ، غرض 'عورت' اور انسان کے بیچ کی دوری کو کم کرنے کی ایک اچھی کوشش ان فلموں میں نظر آتی ہے۔ شیام بینگل کی فلم 'منڈی' (۱۹۸۳ ،غلام عباس کے افسانہ 'آنندی' پر مبنی) میں اس طوائف کی زندگی کو پیش کیا گیا ہے ،جس کو یہ مہذب سوسائٹی حاشیے میں بھی جگہ دینے پر آمادہ نہیں ہے۔ ناری نکیتن اور بعض دوسرے سیاسی اور سماجی ادارے کی نفی اور ان کی مصنوعی سوچ کی اصلیت میں یہ فلم بہت کچھ کہتی ہے۔یہ پریم چند کی فکر سے توانائی حاصل کرتی ہے تو منٹو کے فن کے باطن کو بھی نمایاں کرتی ہے۔قلی قطب شاہ اور بہادر شاہ ظفر کی تخلیقی سائیکی نے اس کے بیانیہ کو یادگار بنا دیا ہے۔محبوب کی شہرۂ آفاق فلم 'مدر انڈیا' میں عورت کا باطن اور دیہی زندگی کا گھاؤ اس طرح حل ہوگئے ہیں کہ کوئی بھی ناظر اس کو بھلا نہیں سکتا۔اس فلم کا بے حد مشہور نغمہ ہندوستانی عورت کے باطن کو اس طرح پیش کرتا ہے۔

دنیا میں ہم آئے ہیں تو جینا ہی پڑے گا/ جیون ہے اگر زہر تو پینا ہی پڑے گا/گر گر کے مصیبت میں سنبھلتے ہی رہیں گے/ جل جائے مگر آگ پہ چلتے ہی رہیں گے/غم جس نے دیے ہیں وہی غم دور کرے گا عورت ہے وہ عورت جسے دنیا کی شرم ہے/ سنسار میں بس لاج ہی ناری کا دھرم ہے/ زندہ ہے جو عزت سے وہ عزت سے مرے گا/ مالک ہیں ترے ساتھ نہ ڈر غم سے تو اے دل/محنت کرے انسان تو کیا کام ہے مشکل ...... اسی طرح راج کپور کی لاثانی فلم 'پریم روگ' میں بیوہ عورت کی سائیکی کو معنی پہنانے کا انداز ناظرین کی آنکھوں میں آج بھی زندہ ہے۔اس کے علاوہ کئی ایسی فلمیں ہیں جو عورت کی روایتی تصویروں کو توڑتی ہیں ،اور ان کے جسم و جان میں حرارت پیدا کرتی ہیں۔دراصل ہندوستانی فلموں کو ایک خاص تسلسل میں ملاحظہ کیجیے تو اندازہ ہوگا کہ پریم چند اسکول کے موضوعاتی تنوع اور

اصلاحی نقطہ نظر سے اس آرٹ کو فیض حاصل ہوا ہے۔اس کے برعکس آج کے سنیما میں نسائی رنگ موضوعات کو بہت زیادہ اعتبار حاصل نہیں ہے۔ماڈرن معاشرہ کی عورتوں کے مسائل پر ایک اچھی فلم ''اُپس'' آئی تھی، ''پاپ'' ایسی فلم میں مذہبی عقیدہ کے نام پر فطری خواہشات کو کچلنے کی کوشش میں 'گھاؤ کی منطق' نظر آتی ہے۔عورت کے باطن اور اس کے دکھ کو پیش کرنے میں سب سے اہم فلم ''لجا'' ہے۔اس میں موضوعاتی تنوع کے بہ ہر پہلو عورت اور اس کا دکھ ہے۔ضعیف العقیدہ سماج اور حاشیائی کرداروں کی کہانی بھی اس کو ایک سیاق عطا کرتی ہے۔اس میں عورت جب روایتی خول سے باہر نکلتی ہے تو اس کو بے حیا قرار دے کر ان کی زندگی کو عذاب کر دیا جاتا ہے۔یہی عورت جب اپنے وجود کو ''ننگا'' کر کے لجا اور شرم کی فطری تعریف وضع کرتی ہے تو یہ معاشرہ بیہودگی کی حد تک ننگا نظر آتا ہے۔لیکن ادبی احساس سے معمور ایسی فلمیں بہت کم ہیں، اکثر فلمیں ایسی ہیں جس میں اداکارائیں خود کو بیوٹی کوئن ثابت کرنے کے لیے اپنے بدن کا بھداپن دکھاتی ہیں۔ان کے ہاں زندگی کا کوئی مخصوص نقطہ نظر نہیں ہے۔مابعد صورتحال میں بھی عورت کا کوئی توانا کردار نظر نہیں آتا، البتہ بعض فلموں میں مرد حاوی سماج کی نفی کی گئی ہے۔ان فلموں میں کوئی تعمیری سوچ بار نہیں پا سکی ہے، چوں کہ ہندی سیاق کے بجائے مغرب کی ظاہرداری اس میں شریک ہے۔اگر عورت کے پاس خوبصورت جسم ہے تو اس کے اندر کا گھاؤ بھی نظر آنا چاہیے۔ان اعتراضات کے باوجود امید افزا بات یہ ہے کہ ہندوستانی فلموں میں حقیقی انسان کی واپسی ہوئی ہے۔متنازعہ فلم "Water" کا بیانیہ ناظرین کو یاد ہوگا۔تانیثی آگہی کے باب میں یہ بے حد خوبصورت فکری مظاہرہ ہے، ہندو سماج میں بیوہ عورت کا دکھ اور گاندھی کا نقطہ نظر اس طرح حل ہوئے ہیں کہ مذہب کی فطری تعریف وضع ہوگئی ہے۔اس میں مغربی تہذیب کا انسانی سروکار بھی ایک اہم تناظر ہے۔نئے اسلوب کی فلموں میں "Bawandar" کا بیانیہ بھی تانیثی آگہی کو اس کے پس منظر میں نہ صرف پیش کرتا ہے، بلکہ عورت کی زخمی روح کی مزاحمت میں صدیوں کے پدرانہ جبر کی نفی کرتے ہوئے مسلسل احتجاج کا استعارہ بھی بنتا ہے۔اس نوع کی فلمیں ہندوستانی سنیما کے اسلوب کو قائم کرتی ہیں، اور یہ احساس دلاتی ہیں کہ زندگی مسلسل جنگ کا نام ہے۔علاقائی اسلوب کی فلموں میں سطحیت اور بھداپن ضرور ہے، لیکن اس میں زندگی کا حقیقی رنگ بھی ہے۔ان فلموں کی سطحیت میں مین اسٹریم سنیما کا بہت زیادہ دخل ہے، مگر گھر اور خاندان کا دیہی سیاق اس کے روشن مستقبل کا اشاریہ ہے۔علاقائی اسلوب کے موضوعات سے مین اسٹریم سنیما کو درس لینا چاہیے، دراصل "Western canon of aesthetics" سے ایک نوع کا بُعد نہایت ضروری ہے۔اگر اس جمال سے کچھ لینا ہی ہے تو اس کے ادبی احساس کو اپنے طور پر بروئے کار لایا جائے۔سائنسی فکشن میں شاید ان کی برابری ممکن نہیں

ہے۔لیکن انسانی عظمت کے کئی ایسے سروکار ہیں جن میں ہمارے ہاں ان سے زیادہ امکانات ہیں۔

قدیم اسلوب کی فلموں کا ایک توانا پہلو یہ بھی ہے کہ تفریح کے متوازی سماجی ،تاریخی اور عمرانی حوالوں کو اکثر خاطر نشان رکھا گیا ہے۔دو بیگھہ زمین، نیادور، بوٹ پالش، پیاسا، آنند، ندیا کے پار، دوستی، کھلونا، میرا نام جوکر، مغل اعظم، نکاح، رام اور شیام، مدھومتی، آدمی، راجا اور رنک اور کئی ایسی فلمیں ہندوستانی سنیما کو اعتبار بخشتی ہیں۔دلیپ کمار کی 'نیا دور' کو دوام حاصل ہے، چوں کہ آدمی اور انسان کی جنگ میں بحیث بندی مسائل اور حقیقی زندگی کو پیش کیا گیا ہے۔اس اسلوب کی بعض فلموں میں ترقی پسند شعریات کے اکثر زمینی حقائق ناظرین کو متوجہ کرتے ہیں۔'نفسیاتی اور تصوراتی تفریح' کو اول تو قبول کرنا ہی محال ہے۔حقیقی زندگی میں اس کے مضر اثرات کا نتیجہ ہم اپنے آس پاس دیکھ سکتے ہیں۔میڈیا عوامی شعور کو کسی بھی طور پر استعمال کرے، اینگری ینگ مین اور ہیرو ورشپ کے خیالی تصور کو دوام حاصل نہیں ہوسکتا۔آج بھی باغبان اور بلیک، ایسی فلمیں ہی اپنے ادبی اور سماجی سروکار کی وجہ سے اہمیت رکھتی ہیں۔قدیم اور جدید اسلوب کی منطق کو ندا فاضلی کے ایک خیال کی روشنی میں پیش کیا جا سکتا ہے:

> ''دلیپ کمار، راج کپور، شمی کپور، دیوآنند سب اس عہد کی پیداوار تھے جب فن اور تجارت میں تھوڑا بہت فرق تھا۔یہی وصف اس دور کی موسیقی میں بھی دیکھا جا سکتا ہے بات دراصل یہ ہے کہ شخصیات کے ظہور کے لیے جو معاشرہ اور معاشرتی اقدار چاہیے ہوتی ہیں، وہ ہر دور کے نصیب میں نہیں ہوتیں۔''

ان باتوں سے جزوی طور پر اتفاق کیا جا سکتا ہے، چوں کہ فن اور تجارت میں آج بھی فرق ہے۔فن کی حرمت وہاں مجروح ہوئی ہے جہاں جنسی بیہودگی نے ناظرین سے فکر وشعور کا دامن چھین لیا ہے۔ایسی فلمیں بھرمار ہیں، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ہماری فلموں سے فن غائب ہوگیا ہے(؟) فن کا دائرہ اور وسیع ہوا ہے۔قدیم اسلوب کی فلموں کا ایک سیاق ضرور ہے، لیکن اس کی معنویت روزافزوں اس لیے ہے کہ جدید اسلوب کی فلمیں اسی تسلسل میں زیادہ ہمہ گیر ہیں۔رہی بات شخصیات کے ظہور کی تو یقین مانیے کہ قدیم اسلوب کے اکثر اداکاروں کے ہاں کرداروں کی حقیقی نفسیات کا فقدان نظر آتا ہے۔اس میں Style of narration بھی شامل ہے۔دلیپ کمار کے عہد میں چند اداکار ہی ایسے ہیں جن کے ہاں Psychology of character کی توانا صورت ہے۔نئی نسل نے بڑی حد تک اس کمی کو پورا کیا ہے۔قدیم اسلوب کی موسیقی میں انسان اور زندگی کا حوالہ زیادہ گہرا ہے، عصری سنیما میں اس رو سے زوال یقیناً ہوا ہے، اکثر فلمیں ایسی ہیں جہاں موسیقی ونغمہ بیانیہ کی تعمیر سے زیادہ

ایک قسم کی بے تعلقی کو راہ دیتے ہیں۔لیکن ہماری اچھی فلمیں اس باب میں بھی ہمیں مایوس نہیں کرتی ہیں۔اس تعلق سے یہاں ایک ایسی فلم کا ذکر مقصود ہے، جس کے لسانی ملاحظات کو بالعموم محسوس نہیں کیا گیا ہے۔یہ ٹھیٹ ہندوستانی فلم ''اوم کارا'' ہے، جس میں راجستھان کے پس منظر اور پیش منظر کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔لسانی ملاحظات اور Psychology of character سے اس کے متعلقات میں یہاں کا ثقافتی کردار اپنے حقیقی رنگ میں زندہ ہو گیا ہے۔گالیوں کے فطری اظہار میں کرداروں کا وجودی نشان مؤثر اسلوب میں نظر آتا ہے۔گلزار کے نغمے-زباں پہ لاگا لاگا رے نمک عشق کا اور بیڑی جلئی لے جگر سے پیا...... اپنے ادبی اور ثقافتی سروکار کی وجہ سے بہت اہم نظر آتے ہیں۔راجستھانی لب ولہجہ میں اس کا بیانیہ ہر اعتبار سے فن کے قالب کو روشن کرتا ہے۔'مہندی میں یہ حال ہے تو شادی میں کی ظلم ڈھائے گی میری بہن/جانور پال رکھا ہے تو نے اپنے اندر' ان دو مثالوں سے یہ واضح کرتا ہے کہ اس کا تہذیبی متن کتنا وسیع ہے۔اس کو کاتی، دیہہ، ناٹک، ڈور، لول وغیرہ جیسے من ایسی لفظیات کے تناظر میں بھی محسوس کیا جا سکتا ہے۔گلزار نے اپنے نغمہ (جو بظاہر بھدا معلوم ہوتا ہے) میں 'ہو جا پڑوسی کے چولہے سے آگ لئی لے' اور شبد چناؤ سے ایسے تہذیبی متون کو شامل کر کے ایک نوع کے ادبی احساس کی تشکیل میں صد گونہ کامیابی حاصل کی ہے۔اس ادبی احساس میں صدیوں پرانی تہذیب کا نقشہ ابھر گیا ہے۔

جدید اسلوب کی بعض نمائندہ فلموں میں اس نوع کی فلموں کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، چوں کہ ان میں عصری سائیکی کا حد درجہ خیال رکھا گیا ہے۔اس تعلق سے نندتا داس کی فلم ''فراق'' فن وفکر کی تجسیم کی چیدہ مثال ہے، یہ فلم گجرات Genocide اور اس کے بعد کی سائیکی کو مؤثر اسلوب میں پیش کرتی ہے۔اقلیتی طبقہ کے الگ الگ نمائندوں پر اس کے اثرات کس طور پر مرتب ہوئے یہ فلم اس کا خالص ادبی اظہار ہے۔ایک معصوم بچہ کے کردار کو اس میں علامتی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔بعض لوگوں نے اس فلم کے مندرجات کو سمجھے بغیر اس پر یہ اعتراض کیا کہ ایک خاص زاویہ سے (مذہبی) اس کو بنایا گیا ہے، لیکن اس میں بہت واضح طور پر انسان دوستی کا ثبوت (ایک خاص طبقہ کی عورت کی ممتا میں ایک غیر مذہبی بچہ کی تصویر اور ولی دکنی کے مزار کے انہدام کی منطق میں اس کو بالخصوص محسوس کیا جا سکتا ہے۔) دیا گیا ہے۔اس فلم میں کہیں بھی کسی مذہب کو زیر کرنے کی کوشش نہیں کی گئی ہے بلکہ مذہبی جنون کے سیاسی نشہ کو نشانہ بنایا گیا ہے۔اس فلم کے Metaphor اور ادبی شعریات کی داد دیتے ہوئے کہنا چاہیے کہ آرٹ کے صحیح معنی کی یہ تعبیر ہے۔اس کے مرکزی رول میں جادو جگانے والے شہرۂ آفاق اداکار نصیر الدین شاہ نے بہت اچھی بات کہی ہے کہ 'فراق فلم کو صرف ایک ہی زاویے سے دیکھنا چاہیے کہ یہ ایک انسان

دوست فلم ہے۔''

''بلیک اینڈ وہائٹ'' ایسی فلم ملک وسماج میں ناسور بن رہے 'دہشت گردی' کے جراثیم کی بیخ کنی کی کوشش ہے۔اس میں حبیب تنویر جنہوں نے ایک شاعر اور ادیب کا رول کیا ہے، جب اپنے گھر کی چہار دیواری میں اس جراثیم کو دیکھتے ہیں تو صدمہ سے ان کی روح پرواز کر جاتی ہے۔ان کی موت اس فلم میں ایک علامت بن گئی ہے، جو ناظرین سے مسلسل مکالمہ کرتی ہے۔انل کپور ایسے اداکار نے اُردو کے پروفیسر کے رول میں اس جراثیم کے نمائندہ ذہن کی جس طور سے تربیت کی ہے اور قرآنی تعلیمات کو عام کیا ہے، وہ دراصل انسانی سروکار کا عظیم درشن ہے۔یہ فلم اپنے مؤثر اسلوب میں کئی رخوں کو پیش کرتی ہے، مثلاً اردو صرف مسلمانوں کی زبان نہیں ہے، قرآنی تعلیمات میں کہیں بھی انسانی عظمت کی نفی نہیں کی گئی ہے، شعروادب کا نظریہ ہمیشہ آفاقی ہوتا ہے اور دہشت گردی صرف اور صرف سیاسی جنون کا نتیجہ ہے، جس کی فکری جڑیں ہماری سوسائٹی میں بہت اندر تک پیوست ہیں۔ دہشت گردی کے بعض اور پہلوؤں کو ایک مخصوص اور قوی نقطہ نگاہ سے "A Wednesday" میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے، اس میں ایک عام آدمی کے غم وغصہ اور ردعمل کو پیش کیا گیا ہے۔

او۔ہنری کے ایک افسانہ سے انسپائر ہو کر بنائی گئی فلم "Rain coat" میں بیانیہ کی داخلیت کا تمام تر حسن سمٹ آیا ہے۔اس کے ادبی جمال میں زماں ومکاں کے تصور سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا، دراصل انسان اور اس کی زندگی کی داخلیت اپنی فطرت میں ایسی سچائی ہے جس کا آفاقی نقطہ بے حد روشن ہے۔کسی بھی فن پارہ میں یہ ورلڈ ویو کی بہت عمدہ مثال ہے۔

ہندوستانی فلم کے ان تناظرات سے واضح ہے کہ ادبی احساس سے معمور فلمیں بنائی جارہی ہیں۔یہ الگ بات ہے کہ ان کی تعداد خاطر خواہ نہیں ہے، تعداد اور جنس کوئی بہت اہم مسئلہ ہے بھی نہیں۔غور وفکر کی بات یہ ہے کہ ہیرو ورشپ کے رومانی تصور، افلاطونی عشق اور ایکشن اور ان سب سے بڑھ کر جنسی بیہودگی نے انسان اور سماج کے درمیان ایک دوری پیدا کردی ہے۔فنون لطیفہ کی طرح فلم بھی سماج سے ہی مواد حاصل کرتا ہے، لیکن اس کی تعمیر وتخریب میں بھی یہ پیش پیش ہے۔سہراب مودی، محبوب خان، بلراج ساہنی، بی۔این سرکار، کے۔آصف، کے۔سی بوکاڈیا، کمال امروہوی، ستیہ جیت رے، سید مظفر علی اور مہیش بھٹ وغیرہ کی اسپرٹ کو اپنے فن میں تسلسل عطا کرنے والے کئی ہدایت کار عصری سنیما کو قوت بخش رہے ہیں۔لیکن آج کے گاؤں کی تصویر سے اکثر ہدایت کاروں کا کوئی سروکار نہیں ہے (؟) فن کے حقیقی احساس کی حفظی کے لیے ہدایت کاروں کو اس باب میں پیش قدمی کرنی ہوگی۔ یعنی ہندوستان کا بلندی سے نظارہ کرنے کے بجائے ان کرداروں کی سائیکی میں اترنا نہایت

ضروری ہے۔ فطرت سے مکالمہ کرنا ہے تو فنون لطیفہ کے لیے اس مٹی میں خاطر خواہ مواد ہے۔

ہندوستانی سنیما کی مین اسٹریم اور بعض علاقائی اسلوب کی فلموں کو ادبی احساس اور تروتازگی عطا کرنے میں اُردو کے لسانی تناظرات کی اہمیت مسلم ہے۔ دراصل ہندوستانی فلم کے رگ و پے میں اردو زبان و ادب کا حسن اور اس کی حرارت روز اول سے موجود ہے۔ "عالم آرا" (جوزف ڈیوڈ کے ڈرامہ 'عالم آرا' پر مبنی پہلی بولتی فلم، ۱۹۳۱ء) سے لے کر اب تک جتنی بھی فلمیں بنائی گئی ہیں، ان میں اُردو کی لسانی جمالیات کے تناظرات کو (بیانیہ، مکالمہ، نغمہ اور ان سب سے بڑھ کر تلفظ کی ادائیگی) ناظرین ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ یہاں ایک سوال فطری طور پر پیدا ہوتا ہے کہ ہندوستانی فلموں کو 'ہندی' (؟) سنیما کیوں کہا جاتا ہے۔ جبکہ اس کے لسانی تنوع اور فطرت میں یہ خوبی موجود ہی نہیں ہے۔ یہاں یہ بات خاطر نشان رہنی چاہیے کہ فلم کی شعریات حد درجہ عوامی ہوتی ہے۔ پریم پال اشک بعض پہلوؤں کو روشن کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "اس امر کی جانب توجہ دلانی بھی بہت ضروری ہے کہ برٹش حکومت کے دوران بھی اگرچہ سینسر بورڈ کا اُردو کے تئیں رویہ منافقانہ ہی رہا اور حکام اُردو سرٹیفکٹ جاری کرنے سے کتراتے رہے اور اس کے بجائے ہندوستانی زبان کے نام پر فلم سرٹیفکٹ جاری کرتے رہتے تھے جبکہ ہندوستانی نام کی کوئی چڑیا کم از کم ہندوستان میں تو اڑتی نظر نہیں آتی تھی۔ یہ برٹش حکومت کی عوام کو بے وقوف بنانے کی ایک چال تھی۔ اس زمانے میں عوام کی زبان واضح طور پر اُردو تھی یا ہندی۔ مشترک زبان یعنی ہندوستانی تو صرف ایک بولی تھی زبان نہیں اور فلموں کی زبان اُردو تھی۔"

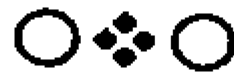
اشک نے اپنی Thesis میں بولی اور زبان کے فرق کو ملحوظ رکھ کر جو مقدمہ قائم کیا ہے، وہ ایک تلخ سچائی ہے۔ مگر فلموں کے اسلوب اور مزاج کو دیکھ کر یہ عرض کرنے میں بھی کوئی قباحت نہیں ہے کہ ہماری فلموں کو ہندوستانی (جس میں اُردو کا حسن اکثر شامل ہے) ہی کہنا چاہیے، چوں کہ ٹھیٹ ہندوستانی ماحول اور جدید لسانی صورت حال (انگریزی علاقائی بولی اور اردو) کے منظر نامہ میں ہندی نہ عوام کی زبان ہے اور نا ہی سنیما کی۔ دراصل برٹش حکومت کا منافقانہ رویہ آج کے جمہوری نظام میں تعصب کا رنگ اختیار کر چکا ہے، اس لیے ہندوستانی اسلوب کی فلمیں ہندی کے نام پر پیش کی جا رہی ہیں۔ ندا فاضلی کا یہ خیال بہت اہم ہے:

> "فلم انڈسٹری میں نہ کتابی اُردو چلتی ہے، نہ کتابی ہندی۔ فلموں نے عام

آدمی کی زبان کو فروغ دیا ہے۔ یہ زبان امیر خسرو اور کبیر سے چلتی ہوئی آرزو کی سریلی بانسری سے ملتی ہوئی ابن انشا اور ناصر کاظمی تک آتی ہے۔ ان شعرا کے یہاں جو زبان ہے وہی زبان فلموں کی زبان ہے۔''

ندا فاضلی نے دوسرے لفظوں میں یہ کہنے کی کوشش کی ہے کہ اُردو کی فطری ساخت نے عوام اور سنیما کے بیچ ایک پل کا کام کیا ہے۔ دراصل ہندوستان کا فطری مزاج اس کا اُردو چہرہ ہی ہے۔

(رسالہ تمثیل نو در بھنگہ ۲۰۱۰ء)



شاکر خلیق

اردو کی کہانی فلموں کی زبانی

اس ملک کے لوگوں کو جوڑا ہے محبت سے
ہر کھیت کی مٹی ہے دریاؤں کا پانی ہے
سکھ اور عیسائی سے ہندو سے مسلماں سے
اردو کی کہانی ہے فلموں کی زبانی ہے

اردو ہندوستان کی مشترکہ تہذیب Composite culture کی سب سے بڑی دین اور انڈو اسلامک کلچر کی نمائندہ زبان ہے۔ شروع شروع اسے مختلف ناموں جیسے ریختی، ہندوی، ہندوستانی وغیرہ سے جانا گیا لیکن آخرکار ''اُردو'' کے نام سے ہی یہ زبان پھولتی اور پھلتی ہوئی آج اس مقام پر براجمان ہے جہاں اس کا جادو سرچڑھ کے بولتا ہے۔ اُردو نہ صرف ایک زبان ہے بلکہ یہ ایک تہذیب، ایک کلچر ایک طرز زندگی اور ہماری گنگا جمنی تہذیب کا بہترین نمونہ ہے۔ ابتدا سے آج تک اُردو کے خوبصورت لباس میں موتی اور زر و جواہرات پرونے اور اس کے دامن کو رنگ برنگے پھولوں سے بھرنے کا کام مادر وطن کے ان بے شمار سپوتوں نے انجام دیا جن کا تعلق مختلف مذہب و قوم سے تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ اُردو نے مادر وطن کے ہر حصے کو مضبوط رشتوں میں جوڑنے کا کام کیا ہے۔ ہندوستان کی مختلف زبانوں کے پھولوں اور کلیوں کو اپنے اندر سمیٹ کر اُردو نے ایک ایسا حسین گلدستہ بنایا جس کی خوشبو اور جس کے رنگ و روپ نے ساری دنیا کو چکاچوند کر دیا۔ اُردو کے دامن میں قومی یکجہتی National Integration کا بہترین سرمایہ اور قومیت Nationality کی بہترین پونجی محفوظ ہے۔

اُردو نے سنسکرت سے کھن گرج، کھڑی بولی اور برج بھاشا سے لوچ و لچک، ہریانوی اور پنجابی سے بےنتی الھڑپن، دکھنی ہندوستان کی زبانوں سے سانولا اور سلوناپن، اور مختلف علاقائی زبانوں اور بولیوں کی شیرینی اور مٹھاس سے ایک ایسا رنگ و روپ نکھارا کہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے کی ہمت کسی کو نہ رہی۔

کشمیر کی دل فریب وادیوں سے حسن و نکھار، آسمان کو چومتی ہوئی ہمالہ کی چوٹیوں سے بلندی، گنگا اور جمنا کی بل کھاتی ہوئی لہروں سے روانی، دکن کی سنگلاخ مضبوط چٹانوں سے ہمت و حوصلہ اور سمندر کے کناروں سے وسعت و پھیلاؤ کو سمیٹ کر اُردو نے خود کو سنوارا اور سجایا ہے۔

اردو حضرت امیر خسرو کے دوہوں اور کہہ مکرنیوں کے ذریعہ عوام سے رشتہ جوڑتی ہوئی، گول کنڈہ اور بیجاپور کی ریاستوں کی سیر کرتی ہوئی، بادشاہوں کے محلوں سے کتراتی اور گلیوں کوچوں، میلوں ٹھیلوں میں پھرتی ہوئی گلبرگہ کے خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کے آستانہ سے ہوتی ہوئی مرہٹوں اور پیشواؤں کے درباروں کی سیر کرتی ہوئی نہایت بے نیازی سے اپنا سفر طے کرتی رہی۔

اردو اپنا سفر جاری رکھتے ہوئے جب فلم انڈسٹری کے روپہلے پردے تک پہنچتی ہے تو کیمرے کی آنکھوں نے اس کے روپ و بہروپ کو اور بھی نکھار اور اُبھار کر دیکھنے والوں کی آنکھوں کو چکا چوند کر دیا اور موسیقی نے سننے والوں کے کانوں میں رس گھول دیا۔ فلم سے عوام کا براہ راست رابطہ ہے اور اس طرح اُردو نہ صرف ہندوستان کے عام لوگوں تک پہنچی بلکہ اس نے ملک کی سرحدوں سے باہر نکل کر بھی اپنے حسن کے جادو سے دنیا کو موہ لیا۔ ہندوستانی فلم انڈسٹری کے شاندار سو سال کو کامیابی اور بلندی عطا کرنے میں اُردو نے سب سے بڑا رول ادا کیا ہے۔ اگر ایک طرف اُردو کے سدابہار گانوں کے میٹھے بول سننے والوں کے کانوں میں رس گھولتے اور دلوں کو چھو لیتے ہیں تو دوسری طرف اس کے زوردار مکالمے Dialogue اپنے کرداروں Characters کے رول کو اور بھی اُجاگر کرتے ہیں۔ اردو کے گانوں اور Dialogue کے بغیر آج تک ایک بھی فلم کامیاب نہیں ہوسکی۔ جب بھی کسی فلم میں اُردو کو نظر انداز کرنے کی کوشش کی گئی تو وہ فلم فلاپ ہوئی اور ہندوستانی عوام نے اسے مسترد کر دیا۔

'اُردو کی کہانی فلموں کی زبانی' کے ذریعہ جو نظریہ پیش کیا جارہا ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستانی فلم انڈسٹری کے فروغ میں اُردو کی خدمات کو اُجاگر کرتے ہوئے ایک طرف تو اس کے خلاف ہونے والی غلط فہمیوں کو دور کیا جاسکے اور دوسری طرف اس سو فی صد ہندوستانی زبان کی سادگی، شیرینی، روانی اور برجستگی کے ذریعے ہر ہندوستانی کے دل تک پہنچا جاسکے۔

اردو کم و بیش سو سال قبل ہندوستانی فلم انڈسٹری تک پہنچی ہے مگر شروع کے بیس سال کا زمانہ خاموش فلموں کا زمانہ تھا اس لئے صرف اسی سال پر محیط فلموں کا سرسری جائزہ پیش کیا جاسکے گا۔ یہاں اس امر کی وضاحت کرتا چلوں کہ سن ۱۹۹۰ء کی دہائی میں راقم الحروف ایک بڑے پروجکٹ پر کام کر رہا تھا جس کی رو سے بہ یک وقت اُردو اور انگریزی زبانوں میں "The Contribution of Urdu towards growth and development of film industry" کے موضوع پر کتاب آنی تھی۔ بعد ازاں ۱۹۹۵ء میں اس وقت کے مشہور فلم پروڈیوسر مرحوم طاہر حسین (مشہور فلم اداکار عامر خاں کے والد) کے ایما پر ایک ٹی۔ وی سیریل بنام ''اردو کی کہانی فلموں کی زبانی'' بنانے کی بات طے ہوئی جس پر بہت دور تک کام ہوا۔ اس کی تفصیل راقم الحروف کے مضمون ''آہ طاہر حسین'' مطبوعہ روزنامہ قومی تنظیم پٹنہ بابت سترہ فروری ۲۰۱۰ء میں آچکی ہے۔

اُردو اس مہان بھارت کی عظیم زبان ہے۔ ہندوستان ہی میں پیدا ہو کر اس نے ہر ہندوستانی کے دلوں کو

مضبوط رشتوں میں جوڑنے کا کام کیا ہے۔ ہندوستان کی مختلف زبانوں جیسے کھڑی بولی، برج بھاشا، پنجابی، ہریانوی، مراٹھی اور بنگالی وغیرہ کا رنگ، یہاں کے پھولوں کی خوشبو، یہاں کے پھلوں کی مٹھاس، یہاں کے دریاؤں کی روانی، یہاں کے پہاڑوں کی بلندی، یہاں کی رسموں اور رواجوں کی عظمت اور یہاں کے خوش نما تہواروں کے جوش وخروش سب کو اُردو نے اپنے رنگ محل کے جگمگاتے ہوئے طاقوں میں سجا رکھا ہے۔ اُردو نے وطن کو کبھی ''انقلاب زندہ باد'' کا نعرہ دے کر اور کبھی ''مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا'' کا مطلب بتا کر ہمیشہ اس دعویٰ کو سچا کر دکھایا ہے کہ ''سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا''۔

ہندوستانی فلم انڈسٹری کی تاریخ کے اوراق الٹیے اور غیر جانب دارانہ فیصلہ کیجئے تو آپ کو اس نتیجہ پر پہنچنے میں کوئی تامل نہیں ہوگا کہ اُردو کے مکالمے (Dialogue) اور اُردو کے نغموں Songs کے بغیر کوئی بھی فلم باکس آفس پر کامیاب نہیں ہوسکی۔ ہندستانی فلم انڈسٹری کی پہلی بولتی ہوئی فلم Talkie Film ''عالم آرا'' سن ۱۹۳۱ء میں بنی تھی، سن ۱۹۳۱ء سے ۱۹۴۱ء کے درمیان بنی ہوئی فلموں کے رکارڈس اور Negatives اب دستیاب نہیں ہیں۔ حاصل شدہ مواد کی روشنی میں ہندوستانی فلموں کے ذریعہ اُردو کے ارتقائی سفر کا جائزہ دراصل اُردو کی انہیں خدمات کا اعتراف اور اظہار ہے جن کی بدولت آج اُردو کے سدا بہار نغمے ہر ہندوستانی کے ہونٹوں پر مچلتے اور اس کے زوردار مکالمے Dialogue کانوں میں گھن گرج پیدا کرتے ہیں۔

فلم ''عالم آرا'' کے ساتھ اُردو جب ہندوستانی فلم انڈسٹری کے روپہلے پردے تک پہنچتی ہے تو اس کے رنگ وروپ نے کیمرے کی آنکھوں کو اور بھی چکاچوند کر دیا۔ اس کے حسن پر فدا اور اس کے جادوئی اثر وکشش سے مدہوش ہو کر فلم انڈسٹری اس کے عشق میں پاگل ہوگئی اور اسی جنون میں انڈسٹری دن دونی رات چوگونی ترقی کرتی ہوئی آج اس مقام پر براجمان ہے جہاں اُردو کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے۔

فلمی دنیا میں اُردو کے استعمال اور اس کے ارتقائی سفر کا جائزہ لینے کے لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ مختلف ادوار میں کامیاب فلموں کے اندر اُردو نغموں اور مکالموں کے عمل دخل کو قارئین کرام کے روبہ رو پیش کیا جائے۔ ڈرامائی اور تمثیلی ادب میں کرداروں کے ذریعہ پیش کئے گئے مکالمے اور اداکاری کے مابین گہرا رشتہ ہوتا ہے۔ ڈرامہ کے نکتہ عروج Climax تک ناظرین وقارئین کی رسائی Suspense کے ختم ہونے کے بعد ہی ہوسکتی ہے۔

اس ضمن میں نمونہ مشتے از خروارے کے بطور مختلف میدانوں میں ان چند ہستیوں کے نام پیش کئے جاتے ہیں جن کی کاوشوں سے فلم انڈسٹری میں اُردو کا فروغ ہوتا رہا۔ فلم پروڈیوسر اور ڈائرکٹر کی حیثیت سے محبوب خاں، شانتا رام، کے آصف، سہراب مودی، ستیہ جیت رے، راج کپور، گرودت، ناصر حسین، طاہر حسین، سبودھ مکھرجی وغیرہ وغیرہ فنکار واداکار کی حیثیت سے سہراب مودی، چندر موہن، موتی لال، پرتھوی راج کپور،

اشوک کمار، دلیپ کمار، راج کپور، راج کمار، گرودت، دیوآنند، نور جہاں، مینا کماری، نرگس، ثریا، مدھوبالا، کشور کمار، نمی، وحیدہ رحمان، امیتابھ بچن، دھرمندر، سنجو کمار، سنیل دت، جونی واکر، محمود، شبانہ اعظمی، نصیرالدین شاہ، شاہ رخ خان، عامر خان، سلمان خان، وغیرہ وغیرہ۔ شاعر اور نغمہ نگار کی حیثیت سے شکیل بدایونی، ساحر لدھیانوی، مجروح سلطان پوری، راجندر کرشن، کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، خواجہ احمد عباس، شرد چندر، گلشن نندہ، فراق گورکھپوری، رضیہ مہدی علی خاں وغیرہ وغیرہ۔ گلوکار کی حیثیت سے نور جہاں، ثریا، سہگل، محمد رفیع، طلعت محمود، لتا منگیشکر، آشا بھوسلے وغیرہ وغیرہ۔ اس کے علاوہ بھی فلم انڈسٹری کے بے شمار شعبے ہیں جن میں اُردو اور اُردو والوں نے کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔

یہاں قارئین کرام کی دلچسپی اور معلومات کے لئے چند منتخب پرانی فلموں کے Dialogue اور نغمے پیش کئے جارہے ہیں جو ماہ و سال کے گرد میں گم ہو کر رہ گئے ہیں۔ جن کے مطالعہ سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اُردو کس طرح فلم انڈسٹری پر راج کرتی رہی ہے۔ سیاست وقت بھلے ہی اب اس پر ہندی کا لیبل چسپاں کرے مگر آج بھی صورت حال سابق بدستور ہی ہے۔ ۱۹۳۹ء کی مشہور فلم 'پکار' میں شہنشاہ جہانگیر کے رول میں (چندر موہن) ملکہ عالم کے رول میں (نسیم بانو) اور سنگرام سنگھ کے رول میں (سہراب مودی) کے درمیان یہ مکالمہ ملاحظہ فرمایئے:

شہنشاہ جہانگیر (چندر موہن): ایک تیر کمان مظلومہ کے حوالے کیا جائے۔ مجرم تم ملکہ تھیں لیکن ملکہ ہونے کا تمہارا یہ مطلب نہیں تھا کہ تم ایک زندگی کے ساتھ کھیل سکو۔ اپنی تفریح کے لئے تو زندگی جیسی انمول چیز کی پرواہ نہ کرو۔ تم چلو تو زندگیوں کو رگڑتی چلو، تم ہنسو تو اوروں کو رلا کر ہنسو۔ قانون کسی کو بھی اس فرعونیت کا اختیار نہیں دے سکتا۔ تمہیں یاد رکھنا چاہئے تھا کہ انصاف ایک اندھے کی لاٹھی ہے جسے کچھ نہیں سوجھتا۔ لہٰذا تمہارے حق میں ہمارا انصاف یہی فیصلہ ٹھہراتا ہے کہ جس طرح تم نے ایک عورت کے سہاگ کو خون میں ڈبویا ہے اسی طرح تمہارے سہاگ کو بھی خون میں ڈبودیا جائے۔ مابدولت اپنے اس فیصلے کے مطابق تمہارے شوہر کو موت کے حوالے کرتے ہیں۔ رانی (دھوبن) جس طرح ملکہ نے تمہارے خاوند کی زندگی پر تیر مارا ہے اسی طرح تم بھی ملکہ کے شوہر کی زندگی میں تیر چھوڑ دو۔

ملکۂ عالم (نسیم بانو): شہنشاہ

کنیز: عالم پناہ کو ملکۂ عالیہ نے پکارا ہے۔

شہنشاہ (چندر موہن): رانی مارو تیر ہمارے سینے میں۔ خون کا بدلہ خون، یہی جہانگیر کا انصاف ہے۔ اسی

انصاف کے بل پر ہمارا خون بہادو۔ ہمیں خون میں ڈبو دو۔ ہمیں ہمارے ہی قانون کے شکنجے میں رکھ کر پیس ڈالو۔ ہمیں ہمارے ہی انصاف پر قربان کر ڈالو۔ ہماری ہی لاش ہمارے انصاف کی ٹھوکروں میں ڈال دو۔ ہمارے انصاف کو آب حیات پلا دو۔

شہنشاہ: تعمیل ہو، تعمیل ہو، تعمیل ہو، تعمیل ہو، تعمیل ہو

سنگرام سنگھ (سہراب مودی): رانی اپنے سہاگ کے اُجڑ جانے کا بدلہ دنیا کی تمام عورتوں کے سہاگ کو اُجاڑ کر لے لو پر ملکۂ معظمہ کے سہاگ کو مت اجاڑ پھینکنا کہیں۔ ایک اپنے نیائے کے کارن سارے سنسار کے نیائے کی پونجی کو مت چھینو۔ نیائے نے جو تمہیں اختیار دیا ہے سنسار کے کارن اس سے ہاتھ اٹھالو۔ بلی دان کر ڈالو۔ ساری دنیا تمہاری احسان مند رہے گی۔

شہنشاہ: سنگرام سنگھ

سنگرام سنگھ: اَن داتا

شہنشاہ: تم شاہی انصاف کے خلاف آواز اٹھا کر گستاخی کر رہے ہو۔

سنگرام سنگھ: چھما ان داتا۔ لیکن عالم پناہ کی زندگی سے تمام رعایا کو زبردست واسطہ ہے۔ شہنشاہ اپنے لئے نہیں ہے۔ رعایا کے لئے ہے اور رعایا کو اپنے شہنشاہ کے لئے چلانے کا حق ہے۔

درباری: درست کہا...... یہ صرف ایک ہی شخص کی آواز نہیں ہے ان داتا۔ اس میں تمام رعایا کی چیخیں شامل ہیں۔

عام درباری: ہمارا ان داتا۔ جگ جگ جیئے۔ جگ جگ جیئے۔ جگ جگ جیئے۔

درج بالا اقتباس کے ذریعہ راقم الحروف نے اپنے دعوے کے لئے دلیل پیش کر دیا ہے۔ سطور بالا میں الفاظ کے دروبست سے جو ایک فضا تیار کی گئی ہے یہی اس تمثیل کی کامیابی کی کلید ہے۔ کردار کی مناسبت سے سنگرام سنگھ کے مکالمے میں ہندی الفاظ کی آمیزش نے اثر آفرینی کے لئے دو آتشہ کا کام کیا ہے۔ اردو ہندی کی اس پیوندکاری نے ہندوستانی مزاج کے مطابق فلم انڈسٹری کو ہر قدم پر سہارا دیا ہے۔

اردو ہندی میں کوئی بیر نہیں — دونوں اک دوسرے کی ماجائی
ایسا کہنا بڑی جہالت ہے — یہ سمندر کے پار سے آئی

مضمون کی طوالت کے پیش نظر پرانی فلموں کے اردو نغموں کی صرف نشاندہی اور گلوکار کا نام اور گانے کا

فلمز اور سال حاضر خدمت ہے کیونکہ پرانے گانے تو اکثر سنائی دے جاتے ہیں مگر مکالمے ناپید ہوتے جا رہے ہیں۔ ''جمثیل نو'' کے صفحات کے ذریعہ ان Dialogue کو زندہ کرنا ہے جن کے ذریعہ اُردو زندہ و پائندہ ہے۔
۱۹۴۶ میں فلم ''انمول گھڑی'' میں ملکۂ ترنم نور جہاں کے اس گانے نے جو دھوم مچائی اس کی دھمک آج بھی زندہ ہے:

آجا آجا
آجا مری برباد محبت کے سہارے
ہے کون جو بگڑی ہوئی تقدیر سنوارے.....آجا آجا

۱۹۴۳ء میں فلم ''تقدیر'' کے اندر نرگس اور موتی لال کے درمیان یہ منظوم مکالمہ:

کیوں
آپ کیوں، آپ کیوں آئیں گے
آپ کیوں، آپ کیوں آئیں گے الخ

۱۹۵۵ء کی فلم ''شری چار سو بیس'' کا یہ گانا آج بھی زبان زد خاص و عام ہے:

میرا جوتا ہے جاپانی، یہ پتلون انگلستانی

۱۹۵۴ء کی فلم ''ٹیکسی ڈرائیور'' کا نغمہ جائیں تو جائیں کہاں'' سمجھے گا کون یہاں، درد بھرے دل کی زباں آج بھی ہمارے کانوں میں رس گھول رہا ہے۔

یہ فہرست بہت طویل ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ شروع سے آج تک تمام فلموں میں اُردو کے کامیاب گانے پیش کئے گئے۔ فلم انڈسٹری کی کامیابی اُردو کی مرہون منت ہے۔ اب چند اہم فلموں کے سدابہار مکالموں کی جھلک پیش خدمات ہے۔ ۱۹۶۰ء کی شہرۂ آفاق فلم ''مغل اعظم'' کا یہ مکالمہ ایک طرف اُردو کی جادوگری پیش کرتا ہے تو دوسری طرف فلم کی کامیابی کی ضمانت ہے:

اکبر (پرتھوی راج کپور): ''تمہاری موجودگی نافرمانی کی دلیل ہے۔''
سلیم (دلیپ کمار): ''انارکلی قید کر لی گئی اور میں دیکھتا رہا۔''
اکبر: ''اور تم کر بھی کیا سکتے تھے۔''
سلیم: ''ایک عظیم الشان شہنشاہ کے سامنے کوئی کر بھی کیا سکتا ہے۔ مگر آج ظل الٰہی کو اپنے ظلم اور میرے ضبط کی حد مقرر کرنی ہوگی۔''
اکبر: ''اگر تمہاری آرزو ایک کنیز ہے، ایک باندی ہے تو ساری زندگی اسی طرح ضبط کرنا ہوگا۔

سلیم: ''کیا پروردگار عالم سے آپ نے مجھے اسی لئے مانگا تھا کہ زندگی مجھے ملے اور اس کے مالک آپ ہوں۔ آنکھیں میری ہوں اور دل کی دھڑکنوں پر آپ کا قبضہ رہے۔ ظلِ الٰہی کیا میری زندگی آپ کی دعاؤں کا قرض ہے؟ جو مجھے اپنے آنسوؤں سے ادا کرنا پڑے گا۔''

اکبر: ''سلیم۔ انارکلی تمہارے قابل نہیں۔''

سلیم: ''کیوں نہیں۔ ایک لاڈلے بیٹے کے باپ بن کر آپ مجھے اپنے کلیجے سے لگا لیجئے اور انہیں پیار سے اپنا بیٹا کہئے اور پھر کہئے انارکلی میرے قابل نہیں۔''

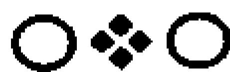
اکبر: ''ہم ایک لاڈلے بیٹے کے شفیق باپ ضرور ہیں مگر ایک شہنشاہ کے فرض کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ ہم اپنے بیٹے کے دھڑکتے دل کے لئے ہندوستان کی تقدیر نہیں بدل سکتے۔''

سلیم: ''تقدیریں بدل جاتی ہیں، زمانہ بدل جاتا ہے، ملکوں کی تاریخیں بدل جاتی ہیں، شہنشاہ بدل جاتے ہیں، مگر محبت جس انسان کا دامن تھام لیتی ہے وہ انسان نہیں بدلتا۔''

اکبر: ''مگر تجھے بدلنا ہوگا۔ سلیم تجھے بدلنا ہوگا۔''

قارئین کرام آپ خود فیصلہ کریں۔ درج بالا مکالمہ کا ایک ایک لفظ اپنی معنویت اور تہہ داری میں بے مثال ہے۔ الفاظ کے دروبست سے جو فضا تیار ہوتی ہے اس کی گھن گرج دور دور تک سنائی دیتی ہے۔ اس زور دار مکالمے کے خوبصورت الفاظ کا متبادل پیش کرنا کسی بھی دوسری زبان کے بس کی بات نہیں۔ یہ ہے اُردو اور یہ ہے اُردو کا اٹوٹ رشتہ فلم انڈسٹری سے۔

طوالت کے پیش نظر صرف چند مشہور فلموں کے نام حاضر خدمت ہیں جن کے ذریعہ گذشتہ برسوں میں اُردو کا کارواں آگے بڑھتا رہا۔ فہرست لمبی ہے نمونتاً ''لگان''، تارے زمین پر، تھری ایڈیٹس، مائی نیم از خان، گجنی وغیرہ کا نام لیا جا سکتا ہے۔ اردو کو عوام کے درمیان مقبول بنانے میں فلم انڈسٹری نے زبردست کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں۔ وقت کی تیز رفتاری کے ساتھ فلموں کے ذریعہ اُردو کا سفر جاری ہے۔ حرکت و عمل کا یہ سفر زندگی کے سفر کی طرح جاوداں پیہم دواں اور ہر دم جواں ہے۔ فلم انڈسٹری جب تک ہری بھری رہے گی اُردو کی بیل اس کی شاخوں پر ہمیشہ پھولتی پھلتی رہے گی۔ اس لحاظ سے ہندوستانی فلمیں اور اُردو کا یہ گوشہ اپنی معنویت کے اعتبار سے اُردو کی قابل ستائش کوشش ہے۔ (رسالہ تمثیل نو در بھنگہ ۲۰۱۰ء)



نند کشور وکرم

اُردو میں فلمی صحافت
ایک مختصر جائزہ

اُردو میں فلمی صحافت کا آغاز ہوئے ۸۸ سال کے قریب عرصہ بیت چکا ہے اور اس عرصے میں متعدد فلمی رسائل منظر عام پر آئے ہیں اور ان میں سے بعض کو غیر معمولی مقبولیت وشہرت بھی حاصل ہوئی مگر افسوس ناک بات یہ ہے کہ ان رسائل کو کم تر درجے کی صنف میں رکھا جاتا رہا ہے حالانکہ ان کی ریڈر شپ عام ادبی رسائل سے زیادہ رہی ہے اور انہیں صرف عام قاری ہی نہیں بلکہ اُردو کے بڑے بڑے ادبا، شعراء اور نقاد بھی مطالعہ کرتے رہے ہیں۔ مگر ان میں سے اکثر ان میں لکھنا پسند نہیں کرتے اور سوائے چند فلمی رسائل کے بہت کم رسائل کو ان کی معاونت یا سرپرستی حاصل رہی ہے۔ تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ ان رسائل نے فلمی دنیا سے متعلق دلچسپ واہم مواد بہم پہنچانے میں ایک نمایاں کردار ادا کیا ہے اور انہوں نے متعدد نامی گرامی صحافی پیدا کیے ہیں جنہیں فلمی تاریخ مرتب کرتے وقت نظر انداز نہیں کیا جا سکے گا۔

ہندوستان میں سنیما کی شروعات کے ساتھ ہی سینما سے متعلق خبریں اور فلموں کے تبصرے اخبارات میں شائع ہونے لگے۔ بعد ازاں عوام کی دلچسپی کے پیشِ نظر اخبارات میں ہفتے میں ایک دن فلمی خبروں اور تبصروں کے لئے مخصوص کیا جانے لگا۔ لیکن مکمل فلمی رسالہ یا اخبار ایک مدت تک منظر عام پر نہیں آیا۔ تحقیق کے مطابق اس کی شروعات متکلم فلموں سے کوئی پانچ چھ برس پہلے ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے ملک کے مختلف مقامات خصوصاً دہلی لاہور، اور بمبئی سے اُردو کے فلمی رسائل اشاعت پذیر ہونے لگے۔ ان میں سے بعض ایک مختصر مدت کے لئے منصۂ شہود پر نظر آئے اور پھر دیگر اُردو رسائل کی طرح دم توڑ گئے۔ مگر ان میں سے بعض فلمی رسائل نے تاریخ میں اپنے امٹ نشان چھوڑے، لہٰذا جب بھی فلمی رسائل کی تاریخ مرتب کی جائے گی، ان کا ذکر نمایاں طور پر کیا جائے گا۔

ہندوستانی عوام کو دنیا کے اس آٹھویں عجوبے سے متعارف کرانے کا سہرا فرانس کے لومیئر

برادران کے سر ہے جنہوں نے ۲۸ر دسمبر ۱۸۹۵ء کو پیرس کے گرینڈ کیفے میں پہلی بار سینما ٹوگراف کی نمائش کی تھی۔ انہوں نے ہی ۷ر جولائی ۱۸۹۶ء کو بمبئی کے واٹسن ہوٹل میں اپنی مختصر فلموں کی نمائش کرنے کے ایک ہفتے بعد اس کے باقاعدہ شو کا سلسلہ شروع کیا تھا جس سے ملک میں فلمی صحافت کا آغاز ہوا۔ ملک کے اخبارات و رسائل میں صدی کے اس حیران کن معجزے کے اشتہارات اور خبروں نے لوگوں کو حیرت واستعجاب کے بحرِ بیکراں میں غرقاب کردیا۔ انہیں یقین نہیں ہورہا تھا کہ تصاویر میں حرکت پیدا ہوگئی ہے اور ہم ہر طرح کے مناظر کو یوں دیکھ سکتے ہیں جیسے یہ تصاویر نہیں ہمارے سامنے حادثات و واقعات وقوعہ پذیر ہورہے ہیں۔ گاڑیاں دوڑ رہی تھیں، پہلوان کشتیاں لڑ رہے تھے، گھوڑے میدان میں سرپٹ دوڑ رہے تھے، اسٹیشن پر گاڑی رُک رہی تھی اور مسافر اس میں سے اُتر رہے تھے۔ بیل گاڑیاں اور تانگے سڑکوں پر چل رہے تھے۔

جب لومیئر برادران کے سنیما ٹوگراف کی نمائش ہوئی تو عوام کو اس جانب متوجہ کرنے کے لئے بڑی بڑی سرخیوں کے ساتھ اشتہار شائع کیے گئے۔ اُس دور کے بمبئی کے سب سے بڑے انگریزی اخبار ''ٹائمز آف انڈیا'' میں چھپے اشتہار میں لکھا تھا:

The Marvel of the Century
The Wonder of the World
.Living Photographic Pictures
in
life sized Reproductions
by
Messers Lumiere Brothers,
A Few Exhibitions will be given
at
Watson Hotel.

اخبارات میں اس طرح کے اشتہارات اور خبروں کی اشاعت سے ہی فلمی صحافت کا آغاز ہوا تھا جس سے تماش بینوں کو فلموں اور اس کے اداکاروں میں اتنی دلچسپی بڑھ گئی کہ دیکھتے ہی دیکھتے چند برسوں میں تمام ملک میں اس نئے عجوبے کے بارے میں خبریں شائع ہونے لگیں اور ہندوستان کے تمام بڑے بڑے شہروں میں نمائش کے لئے تھیٹروں کی مانگ بڑھنے لگی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس نئے کاروبار میں فائدے

کو مدِ نظر رکھتے ہوئے بڑے بڑے سیٹھ اور بیوپاری اس میں کود پڑے اور کچھ ہی برسوں میں سینما میں عوام کی غیر معمولی دلچسپی دیکھتے ہوئے اور اس نئے عجوبے کی ایڈورٹائزمنٹ اور اس سے متعلقہ خبروں کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے فلمی رسائل بھی منظرِ عام پر آنے لگے تاکہ وہ تماش بینوں کو اس نئی حیرت خیز ایجاد سے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات فراہم کرسکیں۔

ان رسائل میں فلموں سے متعلق اہم خبروں، ان میں کام کرنے والے ہیرو ہیروئن اور دیگر اہم اداکاروں کے فلمی کردار سے لیکر ان کی نجی زندگی نیز ان سے متعلق سنی سنائی خبروں کو گپ شپ کی صورت میں پیش کیا جانے لگا۔ تبصرہ نگاروں اور نقادوں نے فلموں کے بارے میں اخبارات میں تبصرے اور مضامین لکھنا شروع کردیئے مگر کسی اُردو رسالے کی باقاعدہ شروعات لاہور سے ۱۹۲۵ء میں ہوئی جب کہ آر۔ ایل۔ سیٹھ اور ایس اے رشید کی ادارت میں فلمی رسالہ ''سینما'' نمودار ہوا۔ اس کے ایک سال بعد ۱۹۲۶ء میں لالہ کرم چند نے ۶ میکلوڈ روڈ لاہور سے معروف ہفتہ وار ''پارس'' کی شروعات کی جس میں فلموں سے متعلق اچھا مواد فراہم کیا جاتا تھا۔ بعد ازاں ۱۹۳۲ء میں فلمساز اور ہدایت کار لیش چوپڑا کے بڑے بھائی بی آر چوپڑا نے انگریزی میں'' سینے ہیرلڈ'' نکالنا شروع کیا اور اس کے ساتھ ہی اُردو میں انہوں نے ''اسٹیج'' نامی ایک فلمی رسالے کی شروعات کی جس کے مدیر راز صہبائی تھے۔ مذکورہ سال ہی میں لاہور سے بشیر ہندی نے ماہنامہ'''' فلستان'' کی شروعات کی۔ مگر اس سال شائع ہونے والا سب سے اہم اور مقبول فلمی رسالہ ''چترا'' تھا جو دین دیال بھاٹیہ اور دھرم ویر کی ادارت میں منظرِ عام پر آیا تھا۔ ملک کی تقسیم کے بعد اس کے مالک اور مدیران ہجرت کر کے لاہور سے دہلی آگئے اور کئی برس تک یہ رسالہ پہلے ہفت روزہ کی شکل میں اور آخر میں ماہنامہ کی شکل میں دی پی پوری اور دھرویر کی ادارت میں شائع ہوتا رہا مگر افسوس کہ وی پی پوری کی وفات کے بعد اس کی اشاعت بند ہوگئی۔ یہ رسالہ کئی وجوہ سے ایک مقبول پرچہ تھا اور رجسٹرار نیوز پیپرز کی رپورٹ ۱۹۷۳ء کے مطابق ۱۹۷۲ء میں اس کی اشاعت دس ہزار سے زائد تھی۔ اس رسالے میں شائع افسانوں، نظموں غزلوں کے علاوہ اس کا ''لیٹر باکس'' بھی بڑا مقبول تھا جس میں قارئین کے مختلف قسم کے سوالات کے جواب دیئے جاتے تھے۔ اس رسالے میں لگ بھگ ہر ڈسٹری بیوٹر کی فلم کا اشتہار شائع ہوا کرتا تھا۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ جب بھی کوئی محقق گزشتہ برسوں کی فلمی صحافت کی تاریخ لکھے گا تو وہ چترا کے شماروں کو نظر انداز نہیں کر سکے گا۔

۱۹۳۴ء میں لاہور ہی سے سید عطا اللہ ہاشمی نے ''اداکار'' اور ''فقیر حسین قاصر نے ماہنامہ ''تصویر'' نکالنا شروع کیا۔ موخر الذکر رسالے کے مدیر شاطر غزنوی تھے جو بعد ازاں فلموں کے مکالمہ نویس بھی

رہے۔ ۱۹۳۵ء میں منوہر سنگھ صحرائی نے ''ایوننگ نیوز'' اور ۱۹۳۶ء میں موہن لال چوپڑا نے لاہور ہی سے ماہنامہ ''مصور'' کا اجراء کیا۔ معروف شاعر اور متعدد فلموں کے گیت کار قمر جلال آبادی اور ایس ایس منور کی ادارت میں ''اسٹار ویکلی'' بھی ایک عرصہ تک شائع ہوتا رہا۔ لاہور ہی سے اُس دور کے حسین ہیرو کرن دیوان اور اُن کے بھائی جیمنی دیوان نے ''وجے لکشمی'' نامی رسالہ نکالا تھا جو کافی مقبول رہا۔ اس کے علاوہ اسی شہر سے ''شبستان'' نامی فلمی رسالہ بھی منظر عام پر آیا۔ تاہم بٹوارے کے زمانے میں لاہور سے ''اداکار'' اور ہفتہ وار ''چترا'' ہی دو اہم فلمی رسالے باقاعدگی سے شائع ہو رہے تھے۔

تقسیم سے پیشتر لاہور کے علاوہ ملک کے کئی شہروں سے فلمی رسالے جلوہ گر ہو رہے تھے جنہیں شائقین بڑے ذوق وشوق سے پڑھتے تھے۔ ان میں دہلی رسائل کا ایک اہم مرکز تھا جہاں سے کئی فلمی رسائل شائع ہو رہے تھے۔ ان میں عیسیٰ غزنوی کی ادارت میں شائع ہونے والا رسالہ ''فلم لائٹ'' بہت ہی مقبول رسالہ تھا جو ۱۹۳۳ء میں شائع ہونا شروع ہوا۔ جو ماہنامہ ''شمع'' کی اشاعت سے پہلے دہلی کا مقبول ترین فلمی رسالہ تھا۔ پھر ۱۹۳۹ء میں یوسف دہلوی صاحب کی ادارت میں ماہنامہ ''شمع'' کی اشاعت شروع ہوئی جسے فلمی رسائل کی تاریخ میں ایک اہم مقام حاصل ہے۔ ان دو رسائل کے علاوہ بٹوارے سے پیشتر دہلی سے کئی اور فلمی رسائل بھی شائع ہو رہے تھے جن میں عشرت علی کا ''نگارخانہ'' رفیق چمن کا ''آرٹسٹ داد'' ناظر حسین کا ''آریہ ورت'' کے علاوہ ''چنگاری''، ''فلم آرٹ''، ''داستان'' اور ''تیج ویکلی'' خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

بٹوارے کے بعد اُردو میں فلمی میگزین میں یوسف دہلوی صاحب کی ادارت میں شائع ہونے والے ماہنامہ ''شمع'' کو بڑی اہمیت ومقبولیت حاصل ہوئی اور جلد ہی اس کا شمار ملک کے سرفہرست فلمی رسائل میں ہونے لگا۔ آغاز میں اس میں بطور مدیر یوسف دہلوی صاحب کے ساتھ تقی نور کا نام بھی جاتا تھا مگر چند برس بعد تقی نور کا شمع کے ادارے سے کوئی تعلق نہ رہا۔ پھر کچھ مدت گزرنے کے بعد اس کی ادارت میں ان کے صاحبزادے یونس دہلوی، ادریس دہلوی، اور الیاس دہلوی بھی شریک ہوگئے۔ ان سب کی سعی وکاوش نے اسے چوٹی کا فلمی رسالہ بنادیا۔ اس رسالے کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ فلمی ماہنامہ ہونے کے باوجود اس کے ادبی حصے کو کبھی غیر اہم نہیں سمجھا گیا اور اس میں کرشن چندر، خواجہ احمد عباس، راجندر سنگھ بیدی، عصمت چغتائی، واجدہ تبسم، ایسے نامور افسانہ نگاروں اور ساغر نظامی، جوش ملیح آبادی، قتیل شفائی، ایسے سربرآوردہ اور ممتاز شاعروں کو چھاپ کر اسے ادب وفلم کا بہترین سنگم بنادیا گیا تھا۔ بعد ازاں اس رسالے میں معموں کا انعامی سلسلہ شروع کیا گیا جس نے اس کی شہرت عام

لوگوں تک پہنچادی جواس رسالے کو پڑھنے سے زیادہ اس کے معمے کے مقابلہ میں کامیابی حاصل کر کے ہزاروں لاکھوں کمانے کے چکر میں کوپن کی حصولی کے پیش نظر اس کے شماروں کی درجنوں کاپیاں خریدتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی تعداد اشاعت غیر معمولی طور پر بڑھ کر ایک لاکھ تیس ہزار کے قریب پہنچ گئی۔ تاہم اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان معموں میں ادبی سوالات کو بڑی اہمیت حاصل تھی اور اس کی بدولت ''معمے باز'' جوابات ڈھونڈنے کی غرض سے ادبا و شعراء کی کتابوں کو بڑے غور و خوض سے پڑھا کرتے تھے۔ معموں میں سولات کے انداز و اسلوب نے اس میں دبی معیار و مزاج کی چاشنی بھر دی تھی۔ یہی نہیں اس رسالے میں سوال و جواب کا کالم بھی بڑا دلچسپ ہوتا تھا جسے قارئین بڑے ذوق وشوق سے پڑھا کرتے تھے۔ اس میں شائع ہونے والی خبروں کو بھی کسی حد تک معیاری رکھنے کی کوشش کی جاتی تھی اور یہ واحد رسالہ تھا جو ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ پاکستان، انگلینڈ، امریکہ اور عرب ممالک میں بھی بڑے ذوق شوق سے پڑھا جاتا تھا۔ اسی رسالے نے فلم فیئر کے سالانہ ایوارڈ کی تقلید میں 'شمع فلم ایوارڈز' کا سلسلہ شروع کیا جو بوجوہ زیادہ دیر نہ چل سکا۔

بٹوارے نے ملک کا سارا نقشہ ہی بدل دیا اور مسلمانوں کی ہندوستان سے اچھی خاصی تعداد میں ہجرت اور اُردو پاکستان کی سرکار بن جانے کے کارن ہندوستان میں مسلمانوں اور اُردو کی حالت کچھ مدت کے لئے ڈانواڈول ہوگئی۔ اور ایک وقت ایسا بھی آیا کہ لوگوں کا خیال تھا کہ اُردو دس پندرہ برس میں ہندوستان میں ختم ہو کر رہ جائے گی۔ مگر بعد ازاں یہ سب قیاس آرائیاں غلط ثابت ہوئیں اور کچھ ہی برسوں میں اُردو پھر اپنے پاؤں پر کھڑی ہوگئی اور بتدریج ترقی کی منازل طے کرنے لگی۔

تقسیم کے کارن دہلی کے بہت سے مسلم رسائل کے مدیران یہاں سے ہجرت کر کے لاہور اور کراچی منتقل ہوگئے۔ ان میں ''فلم لائٹ'' کے عیسی غزنوی اور ''آرٹسٹ دادا'' کے مدیر رفیق چمن بھی شامل تھے۔ ان لوگوں کے بڑی تعداد میں ہجرت کرنے کے بعد جو باقی رہ گئے، وہ بھی بدامنی اور تشویشناک حالات کے باعث کچھ دیر کے لئے خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔ پھر حالات سازگار ہونے پر ''آریہ ورت'' وغیرہ از سرنو شائع ہونے لگے۔ اس کے ساتھ ہی لاہور کے اکثر فلمی پرچے جو ہندوؤں کی اجارہ داری تھے، وہ لاہور کو خیر باد کہہ کر ہندوستان، منتقل ہوگئے اور دوبارہ دہلی سے شائع ہونے لگے جن میں ہفتہ وار ''چترا'' اور ''پارس'' ویکلی بھی شامل تھے۔ چترا کی اشاعت ومقبولیت کو دیکھتے ہوئے حصول آزادی کے بعد ۴۹۔۱۹۴۸ کے دوران دہلی سے ایک رسالہ ''روپ چترا'' بھی منظر عام پر آیا جو ہو بہو ''چترا'' کی کاپی تھی۔ یہ رسالہ بھی کچھ مدت دھوم دھڑکے سے اشاعت پذیر ہوتا رہا اور پھر اُس کا بھی

وہی حشر ہوا جو اکثر اُردو رسائل کا ہوتا ہے۔

حصولِ آزادی کے بعد تیج اخبار والوں نے فلمی اخبار ''فلم آرٹ'' کی شروعات کی جس کی قیمت چھ آنے تھی۔ اس اخبار کے ایڈیٹر شہزادہ تبسم تھے جو خوشباش بی اے کے نام سے بھی لکھا کرتے تھے اور جو اس سے پیشتر ۵۰۔۱۹۴۹ء میں دہلی سے اپنا نجی فلمی رسالہ ''لالہ زار'' شائع کرتے رہے تھے۔

۱۹۶۶ء میں میں رحمٰن نیر نے جو شمع میں ملازم تھے، ماہنامہ ''روبی'' کی شروعات کی جو 'شمع' کی ہی طرز کا رسالہ تھا۔ اس رسالے نے بھی خوب ترقی کی اور جلد ہی اس کی اشاعت بڑھ کر بیس ہزار کے قریب پہنچ گئی۔ اس نے بھی شمع کی دیکھا دیکھی فلمی معموں اور سالانہ ایوارڈ کی شروعات کی تھی مگر اسے خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ نیتجتاً اسے یہ سلسلہ بند کرنا پڑھا۔ یہ پرچہ فلمی رسائل میں بڑا مقبول تھا مگر حج سے واپس آنے کے بعد رحمٰن نیر نے تبلیغی جماعت کے زیر اثر اسے مذہبی رسالہ بنادیا اور بالآخر اُردو کا یہ فلمی رسالہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند ہوگیا۔ ''روبی'' کے علاوہ رحمٰن نیر نے ''گلفشاں'' نامی ایک اور فلمی اہنامہ بھی نکالا تھا جس کے مدیران میں مخمور سعیدی اور شمع افروز زیدی شامل تھے مگر یہ کچھ عرصہ ہی چل سکا۔

۱۹۶۹ء میں دہلی سے طارق صدیقی نے فلمی رسالے 'اداکار'' کی شروعات کی جو ڈائجسٹ سائز میں اشاعت پذیر ہوتا تھا مگر یہ رسالہ سات آٹھ شمارے نکالنے کے بعد دم توڑ گیا۔ دسمبر ۱۹۸۱ء میں سلطان اختر نے ماہنامہ'' گلفام'' نکالنا شروع کیا جو ۱۶ سال تک ان کی ادارت میں شائع ہوتا رہا مگر ان کی اچانک موت کے ساتھ ہی اس رسالے کی بھی موت ہوگئی کیونکہ ان کی اولاد کو اس میں ذرا بھی دلچسپی نہ تھی۔ اس رسالے کا آخری شمارہ اکتوبر ۱۹۹۷ء میں شائع ہوا تھا۔

دہلی ہی سے حاجی انیس صاحب نے بھی ماہنامہ'' فلمی ستارے'' کی شروعات کی جو اس سے پیشتر ۱۹۶۰ء میں ہفت روزہ'' رہبر'' اور ۱۹۶۶ء میں ڈائجسٹ ''نرالی دنیا'' نکال چکے تھے۔ مذکورہ رسالے کا پہلا شمارہ ۱۹۷۲ء میں منظر عام پر آیا تھا اور اب حاجی صاحب کے انتقال کے بعد بھی اُن کے صاحبزادے اسے نکال رہے ہیں۔ انگریزی ہفت روزہ اسکرین کی کامیابی کو دیکھتے ہوئے اسی کے انداز میں اُردو میں بھی کچھ مدت ''اسکرین'' نامی فلمی رسالہ نکالا گیا۔ مگر وہ انگریزی اسکرین کے مقابلے میں بہت کمزور تھا اور اس کی چھپائی اور گیٹ اپ بھی کمتر درجے کا تھا۔ نتیجہ یہ کہ وہ زیادہ دیر مارکیٹ میں نہ ٹک سکا۔ ۱۹۷۲ء میں دہلی سے اے ایم شکوری کی ادارت میں ماہنامہ عارض ''منظر عام پر آیا۔ جسے فلمی قارئین نے بے حد پسند کیا مگر بوجوہ یہ جلد ہی بند ہوگیا۔ ۱۹۸۰ء میں اسٹار پاکٹ بکس شائع کرنے والے

اشاعتی ادارے نے ''موِوی اسٹار'' نکالنا شروع کیا جس کے مدیر انیس امروہوی تھے جو اس ادارے کے شعبہ اُردو سے وابستہ تھے۔ یہ رسالہ بھی ایک مدت اشاعت پذیر ہوتا رہا۔ پھر اس کے قارئین کی تعداد بتدریج گھٹنے کی وجہ سے اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند کردیا گیا۔ ''عارض'' کے مدیر اے ایم شکوری نے ایک بار فلمی رسالہ نکالنے کی جسارت کی اور ''فوٹو فیئر'' کے نام سے ایک فلمی رسالہ جاری کیا مگر اس کے صرف چند شمارے ہی شائع ہو سکے۔

بٹوارے سے پیشتر بمبئی سے بھی کئی فلمی رسالے نکلتے رہے جن میں ''مصور'' کی بڑی شہرت تھی۔ اس رسالہ کی شروعات ۱۹۳۳ء میں نذیر لدھیانوی نے کی جو اس کے مالک بھی تھے اور مدیر بھی۔ اس رسالے کو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ سعادت حسن منٹو ایسا ممتاز و مقبول افسانہ نگار اس سے وابستہ رہا۔ وہ دسمبر ۱۹۳۶ء میں اس رسالے میں چالیس روپے ماہوار پر ملازم ہوئے۔ اور اپریل ۱۹۳۷ء تک اس سے منسلک رہے۔ پھر وہ اس سے الگ ہوکر ''سماج'' نامی پرچے سے وابستہ ہوگئے۔ لیکن وہ وہاں زیادہ مدت نہیں ٹک سکے اور دوبارہ ''مصور'' میں چلے گئے اور ۳۱؍ جولائی ۱۹۴۰ء تک اس سے وابستہ رہے۔ اُن کے جانے کے بعد نذیر نے معروف افسانہ نگار میرزا ادیب کو لاہور سے بُلا کر اس کی ادارت سونپی مگر وہ صرف ایک سال تک ہی اس سے منسلک رہے اور پھر واپس لاہور چلے گئے۔ اس رسالے سے آغا خلش کاشمیری بھی وابستہ رہے۔ اور بٹوارے کے بعد انہوں نے اسے ماہنامہ کی صورت میں زندہ رکھنے کی کوشش کی اور وہ ایک عرصہ تک فلمی قارئین کا پسندیدہ رسالہ رہا۔ مگر پھر وہ بھی طویل عرصے تک فلمی دنیا میں اپنی چمک دکھانے کے بعد بند ہوگیا۔

انگریزی رسالے ''فلم انڈیا'' کے ایڈیٹر بابوراؤ پٹیل نے بمبئی سے اُردو ہفتہ وار ''کاروان'' کی شروعات کی تو اس کے مدیر عابد گلریز تھے۔ مگر اسے کوئی خاص کامیابی نہ ملی مگر جب منٹو اس رسالے سے وابستہ ہوئے تو انہوں نے اسے نئی شکل و صورت عطا کی۔ مگر اس رسالے میں انہوں نے صرف پانچ ماہ تک ہی کام کیا اور پھر بوجوہ الگ ہوگئے۔

۱۹۴۹ء کے قرب بمبئی سے فلم اسٹار نرگس کے بڑے بھائی اختر حسین کی سرپرستی میں ''نرگس'' نامی ماہنامے کا اجراء ہوا۔ جس کے ایڈیٹر شوکت ہاشمی تھے، جن کی بعد ازاں اس دور کی معروف اداکارہ پورنیما سے معاشقے کے بعد شادی اور پھر علیحدگی ہوگئی تھی اور جنہوں نے طلاق کے بعد پورنیما سے متعلق کتاب ''نیما جو بک گئی'' تحریر کی تھی جسے شمع بک ڈپو نے شائع کیا تھا۔ دراصل نرگس کی والدہ جدن بائی نے یہ رسالہ اپنی بیٹی ''نرگس'' کی تشہیر کے لئے نکالا تھا مگر بوجوہ یہ رسالہ زیادہ دیر نہ چل سکا اور جلد ہی اس

کی اشاعت منقطع ہوگئی۔ تاہم شوکت ہاشمی جدن بائی کے فلمساز ادارے ''نرگس آرٹ کنسرن'' سے وابستہ رہے اور شعبۂ ہدایت کاری میں اختر حسین کے معاونت کرتے رہے اور تقسیم کے بعد وہ پاکستان ہجرت کر گئے۔

۱۹۵۰ء میں تصدق حسین سہاروی نے ''فلم ٹائمز'' کی شروعات کی جو ۱۹۵۵ء تک جاری رہا۔ ۱۹۵۲ء میں 'محمد عالم کی ادارت میں ''فلم سنسار'' شائع ہور ہا تھا اور اس کی قیمت تین آنے تھی مگر دو سال جاری رہنے کے بعد ۱۹۵۴ء میں یہ بند ہو گیا۔ ان ہی دنوں ماہنامہ گگن کے ایڈیٹر شمس کنول نے بھی بمبئی سے ہفتہ وار ''فنکار'' نکالنا شروع کیا مگر وہ بھی زیادہ دیر نہ چل سکا۔ ۱۹۵۲ء میں روزنامہ انقلاب کالفت روزہ ''کہکشاں'' انگریزی فلمی ہفتہ وار ''اسکرین'' کے سائز میں میں نمودار ہوا۔ جس کے مدیر نصیر عربین تھے۔ دکھی رام نگری اور حسن صحرائی بھی اس کی ادارت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ اس کی قیمت چار آنے تھے۔ مگر انتہائی پبلسٹی کے باوجود یہ ہفت روزہ زیادہ مدت نہ چل سکا اور وہ بھی عام اُردو رسائل کی طرح بند ہو گیا۔ ۱۹۶۰ء میں بمبئی سے ہفت روزہ ''الماس'' کا ظہور ہوا جس کے مدیر حسن صحرائی تھے۔ اسی سال ہفت روزہ ''پائل'' بھی منظرِ عام پر آیا جو ۱۹۶۸ تک جاری رہا۔ جون ۱۹۶۶ء میں صدیق میمن کی ادارت میں پندرہ روزہ ''فلم انڈسٹری'' نکلا تھا جو ۱۹۷۲ء تک چلتا رہا۔ ۱۹۷۱ء میں بمبئی ہی سے محبوب علی برق نے پندرہ روزہ ''موودی ٹائمز'' کی شروعات کی جو فلمی حلقوں میں کافی مقبول ہوا۔ اپریل ۱۹۷۷ء میں اظہر نقوی کی ادارت میں ''ماہنامہ'' ''شیبا'' منظرِ عام پر آیا جو کوئی برس تک چلتا رہا اور جسے فلمی حلقوں میں اچھی شہرت حاصل ہوئی۔

حیدرآباد سے بھی کئی فلمی رسائل فلم بینوں کی دلچسپی کا سامان فراہم کرتے رہے۔ ان میں سلطان بازار حیدرآباد سے ہفتہ وار ''فلمی موج'' کچھ مدت تک شائع ہوتا رہا۔ پھر ''شمع'' دہلی کے بند ہونے کے بعد حیدرآباد سے ''نیا شمع'' کے نام سے ایک ماہنامہ منظرِ عام پر آیا۔ ۱۹۸۵ء میں ہفتہ وار ''ایڈوانس'' کی بھی حیدرآباد سے شروعات ہوئی۔ اس کے علاوہ حیدرآباد سے رنگ برنگ'' بھی جلوہ گر ہوتا رہا۔

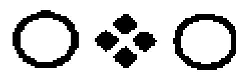
بنگلور سے بھی کئی رسائل نکلے جن میں کامدار الدنی کی ادارت میں شائع ہونے والا رسالہ ''عبرت'' بھی شامل ہے جس کی سرپرست فلم اسٹار مینا کماری تھی۔ ۱۹۷۰ء میں یہیں سے انیس احمد کی ادارت میں ''فلم ایڈوانس'' شائع ہونا شروع ہوا جو کچھ مدت ہی بعد بند ہو گیا۔

کلکتہ سے شائع ہونے والے فلمی رسائل میں ''عکاس'' کو بڑی شہرت و مقبولیت حاصل رہی۔ یہ رسالہ ۱۹۶۶ء میں شہزاد سلیم کی ادارت میں شائع ہوا اور باقاعدگی سے فلمی موضوعات پر دلچسپ مواد فراہم

کرتا رہا اور اس نے ۱۹۶۷ء میں دلیپ کمار پر ایک یادگار نمبر نکالا۔ بعدازاں اسے کریم رضا مونگیری نے خرید لیا۔ وہ کچھ مدت تک تو اسے فلمی رسالے کے طور پر ہی شائع کرتے رہے مگر پھر انہوں نے اسے روزنامہ میں تبدیل کر دیا۔ ۱۹۶۶ء ہی میں مشتاق اعظمی اور کریم رضا نے مل کر ہفت روزہ ''پائل'' نکالا تھا مگر اس کے آٹھ دس شمارے ہی نکل پائے اور پھر یہ بند ہو گیا۔ اس سے پیشتر کلکتہ سے ''فلم'' نامی ہفت روزہ منظرِ عام پر آیا تھا جس کے مدیر جسیم الحق تھا۔ اور اس کی قیمت ۱۵ پیسے تھی۔ کلکتہ سے ہی معروف اُردو ادیب شانتی رنجن بھٹا چاریہ نے بھی ایک فلمی رسالہ نکالا تھا جو کچھ عرصہ ہی چلا۔ کلکتہ کا فلم ویکلی بھی قارئین میں بڑا مقبول رہا۔ ان کے علاوہ ''فلم اور اسپورٹس'' بھی کلکتہ سے شائع ہونے والا ایک معروف ہفتہ وار رسالہ تھا جس میں قارئین کی دلچسپی کے لئے بڑا معلوماتی فلمی مواد پیش کیا جاتا تھا۔

اُتر پردیش سے بھی کچھ فلمی رسائل منظرِ عام پر آئے مگر اُن میں کوئی خاص اہم فلمی رسالہ نہیں تھا۔ ابھی کچھ مدت پہلے نیاز جیراج پوری نے اعظم گڑھ سے ایک فلمی ماہنامہ ''شاندار'' شروع کیا تھا۔ مگر بعدازاں اسے صرف فلم تک ہی محدود نہیں رکھا گیا بلکہ اس میں ادبی مواد بھی پیش کیا جانے لگا۔ بھوپال سے معروف فلمی صحافی رشید انجم کی ادارت میں نکلنے والے فلمی ہفت روزہ ''فلم دیش'' کو بھی اچھی شہرت نصیب ہوئی۔

بٹوارے کے بعد پنجاب کے کئی شہروں سے فلمی رسالے نکلتے رہے۔ جالندھر شہر سے گوپال داس کی ادارت میں ''فلم ویکلی'' شائع ہوتا رہا مگر اس کے کچھ شمارے ہی منظرِ عام پر آئے اس کی قیمت دو آنے تھی۔ جالندھر شہر سے ہی ماہنامہ ''فلم اسٹار'' بھی چھپتا رہا۔ ۴۹-۱۹۴۸ میں انبالہ چھاؤنی سے ڈی سی چاند کی ادارت میں ماہنامہ ''جلترنگ'' منظرِ عام پر آیا جو ایک عرصہ تک پابندی سے شائع ہوتا رہا پھر یہ بھی فلمی منظر سے غائب ہو گیا۔ پنجاب سے اور بھی کئی فلمی رسالے اشاعت پذیر ہوئے جن میں ''فلم اسٹار'' بھی شامل ہیں۔ مگر اب پنجاب سے کوئی بھی فلمی رسالہ شائع نہیں ہو رہا۔



فلمی ہستیوں کا مختصر تعارف

(بترتیب حروف تہجی)



آشا بھونسلے : پلے بیک سنگر، اداکارہ، اور لتا منگیشکر کی چھوٹی بہن ہیں۔ ۸ر ستمبر ۱۹۳۳ء کو ستارہ (مہاراشٹر) میں پیدا ہوئیں۔ اپنے والد دینا ناتھ منگیشکر سے سنگیت کی تعلیم پائی۔ پہلی بار ۱۹۴۳ء میں مراٹھی فلم "گوکل چا چوڑ" کے لئے پلے بیک دیا۔ اس کے بعد رات کی رانی، باپ رے باپ، جاگرتی، ورکیش نندنی، ہیر رانجھا، آب حیات، اوتار، امراؤ جان، تیسری منزل، کالا پانی، کالا بازار، انسان جاگ اُٹھا، لاجونتی سجاتا، جوانی دیوانی، بڈھا مل گیا، بے شمار فلموں کے لئے گیت پیش کئے۔

ہندی کے علاوہ ۲۰ ملکی اور غیر ملکی زبانوں میں بھی گیت پیش کئے۔ ان کے بیان کے مطابق ۲۰۰۶ تک وہ ۱۲۰۰۰ گیت گا چکی تھیں۔ ۲۰۰۹ء میں انہیں گنی بک آف ورلڈ ریکارڈ میں موسیقی کی دنیا میں سب سے زیادہ ریکارڈ کی گئی سنگر تسلیم کیا گیا ہے۔ ۱۹۸۰ء میں مشہور موسیقار راہل دیو برمن سے شادی کی مگر افسوس ۱۹۹۴ء میں ان کی وفات ہوگئی۔ انہیں کئی اعزازات سے نوازا گیا جن میں دادا صاحب پھالکے ایوارڈ بھی شامل ہے۔

آشا ماتھر: اداکارہ آشا ماتھر ۲۱ر نومبر ۱۹۳۴ء کو پیدا ہوئیں۔ پہلی بار کالی گھٹا میں نمودار ہوئیں۔ ان کی اہم فلمیں ہیں: ہماری دنیا، دھواں، الف لیلیٰ، نور جہاں، امر کیرتن، شاہ بہرام، نوناھلو نا، عورت کا پیار، امانت، نقاب بلوا منگل اپنا خون، جگد گورو شنکر آچاریہ، وغیرہ

آشا پاریکھ: آشا پاریکھ کی پیدائش ۲ر اکتوبر ۱۹۴۲ء کو بنگلور، کرناٹک میں ہوئی۔ یہ ایک متوسط گجراتی گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں جو سانتا کروز ممبئی میں سکونت پذیر تھا۔ انہیں تعلیم کے لئے جے پی



پڑٹ اسکول بھیجا گیا۔ ۱۹۵۲ء میں انہوں نے 'آسمان' میں بطور چائلڈ آرٹسٹ کام کیا۔ پھر ہدایت کار بمل رائے نے انہیں ۱۹۵۴ء میں اپنی فلم 'باپ بیٹی' میں ایک بچی کا کردار کرنے کی پیشکش کی۔ اس کے بعد انہوں نے کئی فلموں جیسے 'دھوبی ڈاکٹر' اور 'ایودھیا پتی' میں چائلڈ آرٹسٹ کے طور پر کام کیا۔ ہدایت کار وجے بھٹ نے انہیں اپنی فلم 'گونج اٹھی شہنائی' میں ہیروئن کا رول عطا کیا مگر وہ کامیاب نہ ہوئیں اور مایوسی کے عالم میں انہوں نے اپنے ڈانس گروپ کے ساتھ بیرون ملک دورے پر جانے کا پروگرام بنالیا کہ ۱۹۵۹ء میں فلمساز سبودھ مکھر جی نے انہیں 'دل دے کے دیکھو' میں شمی کپور کے بالمقابل ہیروئن کا رول پیش کر دیا اور وہ اتنی کامیاب ہوئیں کہ انہیں متعدد آفرز ملنے لگیں۔

۶۰ کی دہائی میں وہ سادھنا اور سائرہ بانو کی طرح صف اول کی ہیروئن بن گئیں۔ ان کی محنت رنگ لائی اور ۱۹۶۶ء میں ان کی کئی فلمیں کامیاب ہوئیں جیسے 'تیسری منزل' میں دوسری بار انہوں نے شمی کپور کے ساتھ کام کیا۔ 'لو ان ٹوکیو' اور 'آئے دن بہار کے' (ہیرو دھرمیندر) اور 'کٹی پتنگ' (راجیش کھنہ) نے انہیں بام عروج پر پہنچا دیا۔ راج کھوسلہ کی 'میں تلسی تیرے آنگن کی' اور جے پی دتا کی فلم 'ہتھیار' ان کی شاہکار فلمیں تھیں۔ بعد میں جب عمر ڈھلنے لگی اور ماں اور بھابھی کے رول ملنے لگے تو انہوں نے فلموں سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ وہ کچھ مدت سنسر بورڈ کی صدر بھی رہیں۔ ان دنوں وہ اپنی رقص اکادمی 'کار بھون' اور سانتا کروز ممبئی میں واقع 'آشا پاریکھ ہسپتال' کی دیکھ ریکھ پر زیادہ توجہ دے رہی ہیں۔ ان کی کچھ اہم فلمیں ہیں:

آسمان، دھوبی ڈاکٹر، باپ بیٹی، ایودھیا پتی، استاد، آشا، دل دے کے دیکھو، ہم ہندوستانی، جب پیار کسی سے ہوتا ہے، گھونگھٹ، گھرانہ، چھایا، پھر وہی دل لایا ہوں، اپنا بنا کے دیکھو، میری صورت، تیری آنکھیں، ضدی، میرے صنم، بھروسہ، بن بادل برسات، تیسری منزل، لو ان ٹوکیو، دو بدن، آئے دن بہار کے، پکار، بہاروں کے سپنے، شکار، کہیں اور چل، ساجن، پیار کا موسم، محل، کنیا دان، چراغ، آیا ساون جھوم کے، پگلا کہیں کا، نیا راستہ، کٹی پتنگ، بھائی بھائی، آن ملو سجنا، میرا گاؤں میرا دیش، سمادھی، راکھی اور ہتھکڑی، ہیرا، زخمی، اُدھار کا سندور، لاوا، گل ودھو، کالیہ، بلندی، سودن ساس کے، میں تلسی تیرے آنگن کی، کھیل مقدر کا، دھرم اور قانون، پاکھنڈی، منزل منزل، کارتھیف، ساگر سنگم، ہم تو چلے پردیس، آندولن، ہتھیار، بٹوارہ، بھگوان، گھر کی عزت، سرآنکھوں پر (۱۹۹۹ء) وغیرہ۔



آغا: اداکار۔ پورا نام آغا جان بیگ۔ ۲۱ مارچ ۱۹۱۴ء کو پونے (مہاراشٹر) میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۳۷ء میں فلموں سے وابستہ ہوئے۔ پہلی بار فلم 'رنگین گناہ' میں وارد ہوئے اور ۱۹۸۹ء تک فلموں سے منسلک رہے اور اس دوران جوار بھاٹا، نازنین، بادل، ہمارا گھر، دوراہا، لال کنور، چتچتا، سنسار، انسانیت، گرما گرم، سب سے بڑا روپیہ، ہمارا وطن، گورو گھنٹال، مستانی، وغیرہ ۱۸۰ فلموں میں کام کیا۔ ۱۹۶۰ء میں فلم گھونگھٹ میں معاون اداکار کا فلم فیئر ایوارڈ ملا۔ معروف اداکار جلال آغا ان کے فرزند تھے۔

آنند بخشی: گیت کار آنند بخشی کا نام آنند پرکاش ویدا ایشور دت تھا اور ان کی ولادت ۲۴ جولائی ۱۹۳۰ء کو راولپنڈی (پاکستان) میں ہوئی تھی۔ ۱۹۴۴ء میں ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا اور ان کے والد نے جو بنک میں ملازم تھے دوسری شادی کر لی۔ لہٰذا وہ میٹرک نہ کر پائے اور فوج میں بھرتی ہو گئے۔ لیکن انہیں شعر و شاعری میں بچپن سے ہی دلچسپی تھی۔ ان کا کچھ کلام اردو رسائل خصوصاً فوجی اخبار ''سینک سماچار'' نئی دہلی (۵۴۔۱۹۵۳ء) میں چھپتا رہتا تھا۔ فلموں کا شوق انہیں بمبئی لے گیا اور بڑی جدوجہد کے بعد انہیں فلموں میں گیت لکھنے کا موقع ملا۔ انہیں پہلی بار بھگوان دادا نے اپنی فلم ''بھلا آدمی'' میں موقع فراہم کیا مگر فلم ناکام ہوئی اور وہ واپس فوج میں چلے گئے۔ پھر ۱۹۶۲ء میں سورج پرکاش کی فلم ''مہندی لگی میرے ہاتھ'' اور ''میرا گاؤں میرا دیش'' سے انہوں نے دوبارہ فلموں میں قدم رکھا۔ اور جلد ہی کامیابی نے ان کے قدم چومے۔ انہوں نے کوئی چار ہزار فلموں کے گیت لکھے جن میں کچھ کے نام یہ ہیں: بوبی، پھول بنے انگارے، کٹی پتنگ، ارادھنا، رام لکھن، دل والے دلہنیا لے جائیں گے، دوستانہ، دشمن، روپ، امر پریم، کھلنائیک، اک دوجے کے لئے، جب جب پھول کھلے، سیتا اور گیتا، پریم روگ، پریم گرنتھ، دوراستے، کھلونا، جولی، قلی، ہم، خدا گواہ، درد کا رشتہ، چل چل میرے ہاتھی، محبوب کی مہندی، ہرے راما ہرے کرشنا، دوستی، آپ کی قسم، میں تلسی تیرے آنگن کی، دھرم ویر، امر اکبر انتھونی وغیرہ۔



وہ گزشتہ چھ مہینے سے عارضۂ قلب میں مبتلا تھے جس کے کارن ۳۰ مارچ ۲۰۰۲ء کو ممبئی میں ان کی وفات ہوئی۔



ابرار علوی: رائٹر، ڈائرکٹر، ایکٹر ابرار علوی یکم جولائی ۱۹۲۷ء کو اجودھیا (اتر پردیش) میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے صاحب بی بی اور غلام، کاغذ کے پھول، پیاسا، آر پار (۱۹۵۴ء)، مسٹر اینڈ مسز ۵۵، چودھویں کا چاند، بہاریں پھر بھی آئیں گی، پروفیسر، چھوٹی سی ملاقات، سورج، شکار، ساتھی، منورنجن، لیلیٰ مجنوں، پیاسا، سب سے بڑا روپیہ، ہمارے تمہارے، بیوی او بیوی، خدا قسم، پتھر دل، قسم سہاگ کی، گنگا (۱۹۹۵ء) جیسے لیا آسمان، تیسری قسم، شکار، پرنس، دو پھول، وغیرہ کے مکالمے/اسکرین پلے لکھے۔ "صاحب بی بی اور غلام" ۱۹۶۲ء میں انہوں نے ڈائرکٹ کیا۔

۱۸ نومبر ۲۰۰۹ء ۸۲ برس کی عمر میں ممبئی میں ان کا انتقال ہو گیا۔

ابھی بھٹاچاریہ اداکار ابھی بھٹاچاریہ کی ولادت ۲۰ نومبر ۱۹۲۲ء کو بنگال میں ہوئی۔ پہلے بنگلہ فلموں نوکا ڈوبی، مانڈوک، اشیرم دھواں، سیش بیش پیراب منتم، پریت ان میں اداکاری کے جوہر دکھائے۔ "یاترک" ہندی اور بنگلہ میں بنی تو ہندی سینما میں بھی نام ہو گیا۔ اور اس کے بعد یاترک (۱۹۵۱ء)، جاگرتی (۱۹۵۴ء)، انورادھا (۱۹۶۰ء)، برات بہو، رتن دیپ وغیرہ پچاس کے قریب فلموں میں کام کیا۔



۱۹۷۱ء میں امیہ چکرورتی سے متاثر ہو کر وہ روحانیت کی جانب راغب ہوئے۔ انہوں نے امیہ رائے چودھری پر ایک کتاب With Dadaji Destiny بھی لکھی۔ ۱۹۹۳ء میں ممبئی میں وفات ہوئی۔



اتپل دت: اداکار۔ بنگلہ تھیٹر اور فلم کی ایک نامور ہستی، اداکار، کامیڈین اتپل دت ۲۹ مارچ ۱۹۲۹ء کو شیلانگ میں پیدا ہوئے۔ بنگلہ فلموں کے علاوہ انہوں نے متعدد ہندی فلموں میں بھی اپنی اداکاری کے جوہر دکھائے جن میں نرم گرم، گول مال، رنگین راتیں، ہندوستانی شوقین، گڈی، دو انجانے، سب سے بڑا سکھ، جیون شون، چپکے چپکے، آنند آشرم، دو انجانے، ایشی پریہ بھی شامل ہیں۔ فلم گول مال میں ان کی

مزاحیہ اداکاری ہمیشہ یاد رکھی جائیگی۔

۱۹ راگست ۱۹۹۳ء کو دل کا دورہ پڑنے سے کولکاتا میں وفات ہوئی۔



اتم کمار: بنگلہ فلموں کے سپر اسٹار اتم کمار (۳ ستمبر ۱۹۲۷ء اہیری ٹولہ کلکتہ - ۲۴ جولائی ۱۹۸۰ء ٹالی گنج کلکتہ) نے بنگلہ فلموں باسو پریوار (۱۹۵۲ء) شاڑے چوتر (۱۹۵۳ء) اگنی پریکشا (۱۹۵۴ء) وغیرہ متعدد فلموں میں اپنی اداکاری کے جوہر دکھائے۔ ۱۹۴۸ء میں انہوں نے گوری گنگولی سے شادی کی جس سے ۱۹۵۰ء میں ان کا بیٹا گوتم پیدا ہوا۔ انہوں نے چند ہندی فلموں میں بھی کام کیا۔ "چھوٹی سی ملاقات" کو پروڈیوس کرنے کے علاوہ انہوں نے امانش، ہندی، دیش پریمی، کتاب، دوریاں، آنند آشرم وغیرہ میں کام کیا۔ آنند آشرم ہندی اور بنگلہ دونوں میں بنائی گئی تھی اور زبردست ہٹ ہوئی۔ ۲۴ جولائی ۱۹۸۰ء انہیں دل کا شدید دورہ پڑنے پر کلکتہ کے بیلی ویو نرسنگ ہوم میں داخل کرایا گیا اور اسی رات انتقال کر گئے۔

اجیت: اداکار رو ولن اجیت کا نام حامد علی خان تھا۔ ان کی پیدائش ۲۷ جنوری ۱۹۲۲ء گولکنڈہ (آندھرا) میں ہوئی۔ اور وفات ۲۲ اکتوبر ۱۹۹۸ء کو حیدرآباد میں۔ ان کے والد بشیر علی خان حیدرآباد کے ڈرائیور تھے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم ورنگل میں حاصل کی۔ فلموں میں کام کرنے کے شوق میں



کالج کی کتابیں بیچ کر بمبئی آئے اور بڑی محنت کے بعد انہیں پہلی بار فلم شاہ مصر میں کام کرنے کا موقع ملا جس میں ان کے بالمقابل گیتا بوس تھیں۔ ابتدا میں بطور ہیرو کئی فلموں میں نمودار ہوئے جن میں ناستک، بارہ دری، بڑا بھائی اور ڈھولک قابل ذکر ہیں۔ مگر بعد میں ولن کی حیثیت سے انہوں نے فلموں میں کام کیا اور جانے مانے ولن میں شمار ہونے لگے۔ انہوں نے لاتعداد فلموں میں کام کیا جن میں بیتاب، قصور، سیاں، داستان، موتی محل، ماں، تیر انداز، شہزادہ، نقاب، مہ جبین، نرالا، انصاف، بلاوہ، دیدار، بڑا بھائی، مس بمبئی، مہندی، گیسٹ ہاؤس، چار دل چار راہیں، سلطنت، اندازہ، اول پتھر، زنجیر، سمجھوتہ، کہانی قسمت کی، بدلہ، وارنٹ، جھوٹ، آہوتی، پلیس پبلک، آزاد، بیٹا، کالی چرن، سنگرام، چورنی، رضیہ سلطان، مہربانی، سرکار، ناستک، آنند مٹھ، ڈھولک، آگے لگ جا، آدمی، جگر، راج تلک، مغل اعظم، گینگسٹر (۱۹۹۴ء) کریمنل (۱۹۹۵ء) وغیرہ شامل ہیں۔



اچلا سچدیو: ہیروئن / کیرکٹر ایکٹرا چلا سچدیو کی پیدائش ۳ / مئی ۱۹۲۰ء کو پشاور (صوبہ سرحد حال خیبر پختون خواہ) میں ہوئی۔ اٹھارہ سال کی عمر میں پہلی بار ۱۹۳۸ء میں فلم "فیشن ایبل وائف" میں بطور ہیروئن نمودار ہوئیں۔ اور ۱۹۶۵ میں وہ بی آر چوپڑہ کی فلم "وقت" میں بلراج ساہنی کی بیوی اور راجکمار، سنیل دت اور ششی کپور کی ماں بنی تھیں۔ یش چوپڑہ کی فلم "دل والے دلہنیا لے جائیں گے" میں انہوں نے کاجل کی نانی کا کردار نبھایا۔ کچھ مدت فلم لائن چھوڑ کر وہ لاہور ریڈیو اسٹیشن سے وابستہ ہوگئیں اور بٹوارے کے بعد دہلی ریڈیو اسٹیشن سے۔ پھر ۱۹۵۰ء میں دوبارہ فلموں سے وابستہ ہوگئیں اور بہت سے یادگار رول ادا کئے۔ ان کی چند فلمیں ہیں: فیشن ایبل وائف (۱۹۳۸ء) دلربا (۱۹۵۰ء) فٹ پاتھ، منا، سب سے بڑا روپیہ، ہم پنچھی ایک ڈال کے، پردیسی، مس میری، چار دل چار راہیں، کلپنا، زمین کے تارے، شروان کمار، چھوٹے نواب، مہندی لگی میرے ہاتھ، دل ایک مندر، سنگم، سلام میم صاحب، حقیقت، چترلیکھا، ہمالیہ کی گود میں، دل نے پکارا، شمیم، شوخیاں، شیشہ، ریشم، ماں، ان ہونی، راہی، ہمراز، سپنوں کا سوداگر، میرے ہمدم میرے دوست، کنیا دان، جواری، آدمی اور انسان، بندھن، پریم پجاری، پوتر رشتہ، میرا نام جوکر، رانجھا میرے رام، کرشنا، چاہت، انداز، البیلا، کورا کاغذ، گیتا میرا نام، تری مورتی، پرایا دھن، کل آج اور کل، جیتے زخم، انامیکا، داغ، جولی، لیلیٰ مجنوں، کرم، چاندی سونا، چھیلا بابو، امانت، تمہاری قسم، منگل دادا، لوانیڈ گاڈ، چاندنی، دل والے دلہنیا لے جائیں گے، دل کیا کرے، کبھی خوشی کبھی غم، نا تم جانو نا ہم، کل ہو نہ ہو وغیرہ۔ پونہ کے صنعت کار کلفورڈ گلس پیٹرز (Clifford Douglas Peters) سے شادی کے بعد اچلا پونہ کی باشندہ بن گئیں اور ۳۰ / اپریل ۲۰۱۲ء کو پونے میں ہی ان کا انتقال ہو گیا۔

ارونا ایرانی: اداکارہ / رقاصہ ارونا ایرانی ۳ / مئی ۱۹۵۲ء کو ممبئی میں پیدا ہوئیں۔ پہلی بار ۱۹۶۱ء میں فلم "گنگا جمنا" میں نمودار ہوئیں اور اب تک تین سو فلموں میں معاون اداکارہ کا رول اور کئی فلموں میں گانے پر رقص کر چکی ہیں۔ جیسے بوبی میں "میں شاعر تو نہیں" اور کارواں میں "اب جو کہ ہیں" میں۔ وہ کئی ٹی وی سیریل میں بھی کام کر چکی ہیں۔ ان کی اہم فلمیں ہیں: جہاں آرا، انگا لی لہریں، فرض، پتھر کے صنم، اپکار، آیا ساون جھوم کے، ہمجولی، آن ملو سجنا، نیا زمانہ، من مندر، ایک پہیلی، شنجوگ، بوبی، محمود ان ہانگ کانگ، ایک ناری ایک



برہمچاری، انداز، گرم مسالہ، بھے ٹوگوا، بوبی، دو پھول، پریم نگر، روٹی کپڑا اور مکان، ملی، دو جاسوس، کھیل کھیل میں، دیوار بھنور، چرس، سنگرام، فقیرا، زندگی، لیلےٰ مجنوں، شالیمار، جدائی، کالی گھٹا قرض، مورچہ، پھر وہی رات، قربانی، لو اسٹوری، یارانہ، انگور، منورما، گھر ایک مندر، شہنشاہ، چالباز، پھول اور کانٹے، کھٹا میٹھا، ہم تمہارے ہیں صنم، دل تو پاگل ہے، ڈولی سجا کے رکھنا، بیٹا، راجہ بابو، وغیرہ۔

خواجہ احمد عباس: پروڈیوسر، ڈائرکٹر ڈسٹری بیوٹر، مصنف، اسکرین رائٹر خواجہ احمد عباس ۷ جون ۱۹۱۴ء پانی پت (ہریانہ) میں پیدا ہوئے۔ بی اے ایل ایل بی تک علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں تعلیم پائی۔ اُردو انگریزی میں متعدد کتابوں کے مصنف جن کے کئی غیر ملکی زبانوں میں بھی تراجم ہو چکے ہیں۔ انجمن ترقی پسند مصنفین کے بانی اراکین میں سے تھے۔ ۱۹۳۸ء میں میں ہندوستانی وفد کے ڈیلی گیٹ کے طور پر مدعو کئے گئے۔ 1951 میں سوویت روس، چیکوسلواکیا، پولینڈ، انگلستان اور یورپ کے دیگر ممالک کا دورہ کیا۔



فلمیں بطور رائٹر: نیا سنسار، نئی کہانی، نئی دنیا، پنا، ڈاکٹر کوٹنس کی کہانی، آدھی رات، آوارہ، شری ۴۲۰ وغیرہ کی کہانیاں لکھیں۔ دھرتی کے لال، آج اور کل، ان ہونی، راہی، مُنا، (پردیسی ۱۹۵۷ء) شہر اور سپنا (۱۹۶۳ء) سات ہندوستانی (۱۹۶۹) دو بوند پانی (۱۹۷۲ء)، فلموں کے پروڈیوسر اور ڈائرکٹر تھے اور نیا سنسار کمپنی کے خالق۔ ۱۹۶۹ء میں انہیں پدم شری سے نوازا گیا۔ یکم جون ۱۹۸۷ء کو بمبئی میں وفات پا گئے۔

ارجن کپور: اداکار۔ ۲۶ رجون ۱۹۸۵ء کو پروڈیوسر بونی کپور کے ہاں پیدا ہوئے۔ بطور اداکار نمودار ہونے سے پیشتر کوئی ہو نہ ہو (۲۰۰۳ء) سلام عشق (۲۰۰۷) وانٹڈ (۲۰۰۹ء) اور ملیں گے (۲۰۱۰ء) میں معاون ہدایت کار کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ پرنیتی چوپڑا کے ساتھ فلم ''عشق زادے'' میں کام کیا۔ اب کئی فلموں میں نمودار ہو رہے ہیں۔ جیسے غنڈے وغیرہ۔

اردشیر ایرانی: خاموش اور متکلم سنیما کے معروف فلمساز، ہدائت کار، کہانی نویس، کیمرہ مین، فلم ڈسٹری بیوٹر اور فلم شومین خان بہادر اردیشیر ایرانی کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ انہوں نے پہلی ہندوستانی متکلم فلم ''عالم آرا'' بنانے کے علاوہ اردو، فارسی، ہندی، تلگو، انگریزی، جرمن، انڈونیشین، فارسی اور تمل زبانوں میں بھی فلمیں بنائیں۔ وہ ایک کامیاب بزنس مین تھے اور وہ کئی تھیٹروں کے علاوہ گراموفون ایجنسی اور کار ایجنسی کے مالک بھی تھے۔

اردیشیر ایرانی کی ولادت ۵ ردسمبر ۱۸۸۶ء کو پونہ میں آباد ایک پارسی گھرانے میں ہوئی اور وفات



۱۴/ اکتوبر ۱۹۶۹ء میں بمبئی میں۔ وہ یونیورسل اسٹڈیو کے پہلے ہندوستانی نمائندے بنے اور وہ عبدالعلی یوسف علی کے اشتراک سے چالیس سال تک الیگزنڈر سنیما چلاتے رہے۔ پھر فلمسازی سے متعلق جانکاری حاصل کرنے کے بعد ۱۹۱۷ء میں وہ فلم پروڈکشن میں وارد ہوئے اور ۱۹۲۰ء میں خاموش فلم "نل دمینتی" کو پردۂ اسکرین پر پیش کیا۔ اس کے بعد انہوں نے کئی کمپنیوں میں کام کیا اور پھر ۱۹۲۵ء میں انہوں نے امپریل فلم کمپنی کی بنیاد رکھی جس نے کئی مشہور خاموش فلمیں بنانے کے بعد ۱۴ مارچ ۱۹۳۱ء کو پہلی متکلم فلم "عالم آرا" کو پردۂ اسکرین پر پیش کیا۔ بحیثیت ہدائت کار انہوں نے ویرابھمنیو (۱۹۲۲ء)، ویردرگا دھر، بمبئی نی سیٹھانی اور شاہجہان (۱۹۲۴ء) نرسنگھ اوتار، نول شاہجری (۱۹۲۵ء) وائلڈ کیٹ آف بمبے (۱۹۲۷ء) بنائیں جو سبھی خاموش فلمیں تھیں۔ اس کے بعد انہوں نے ۱۹۳۱ء میں پہلی متکلم فلم "عالم آرا" اور ۱۹۳۷ء میں پہلی ہندوستانی رنگین فلم "کسان کنیا" کی ہدائت کے فرائض بھی انجام دیئے۔

ارمیلین: مشہور اداکارہ ارمیلین ۷/مئی ۱۹۰۸ء کو بمبئی میں پیدا ہوئیں۔ کوئی ۱۰۰ کے قریب فلموں میں نمودار ہوئیں۔ پہلی فلم "مچا کندھا" تھی۔ بہت سی فلموں میں بطور ہیروئن نمودار ہوئیں، ان کی کچھ فلمیں ہیں۔ چور بغداد، چیلنج، چلڈرن آف دی سنارم، ہوتھال پدمنی وغیرہ۔

ارون: ہمارے دور کے مشہور اداکار گووندا کے والد اور اپنے دور کے مشہور اداکار اور گائیک ارون آہوجہ ۲۶ جنوری ۱۹۱۷ء کو گوجرانوالہ (پنجاب۔ پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ لاہور کے انجینئرنگ کالج میں پڑھتے رہے اور فٹ بال کے اچھے کھلاڑی تھے۔ ۱۹۳۷ء میں ہدائت کار محبوب نے انہیں "ایک ہی راستہ" میں بطور ہیرو پیش کیا۔ ارون نے کوئی پچاس کے قریب فلموں میں کام کیا اور ان میں سے چالیس میں وہ ہیرو تھے۔ ان کی کچھ فلموں کے نام ہیں: عورت، شنکر پاروتی، قانون، سماج کو بدل ڈالو، طوفان میل کی واپسی وغیرہ۔ "اولاد" ان کی آخری فلم تھی۔ ۱۹۴۱ء میں ان کی مشہور کلاسیکل گلوکارہ نرملا سے شادی ہوئی جن سے ان کی ملاقات فلم "سویرا" کی شوٹنگ کے دوران ہوئی تھی جس میں وہ ہیرو ہیروئن تھے۔ ہیرو کا رول کرنے کے علاوہ انہوں نے کئی گیت بھی گائے۔ بمبئی ٹاکیز کی فلم نرملا (۱۹۳۸ء) میں "دکھ سکھ کا ناتا، ایک جاتا ایک آتا" دو حصوں میں ریکارڈ کرایا گیا تھا جس میں دوسرا حصہ ارون کا گایا ہوا تھا۔ فلم "بندھن" (۱۹۳۹ء) میں "راد ھے ونشی رہی پکار، متھرا جاتے نند کمار" بھی ان کا گایا ہوا تھا۔ اور فلم بندھن کا پردیپ کا لکھا یہ گیت "چنا جور گرم بابو میں لایا مجیدار" بھی اُن کا ہی گایا ہوا ہے۔

ارون نے بہت پیسہ کمایا اوران کی جوہو میں کوٹھی تھی مگر بوجوہ انہیں جوہو کی کوٹھی سے ورلڑ کی ایک کمتر بستی میں آکر رہنا پڑا اوران کے بچوں گووندا اور کیرتی کو بڑی جدوجہد کرنی پڑی۔

۳ جولائی ۱۹۹۸ء کو ان کی ممبئی میں وفات ہوگئی۔

اسرانی: کامیڈین اسرانی کا نام ہے گوردھن اسرانی اور وہ یکم جنوری ۱۹۴۱ء کو جے پور (راجستھان) میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ہندی فلموں کے علاوہ کئی گجراتی فلموں میں بطور ہیرو کام کیا۔ وہ اس وقت تک تین سو سے زائد فلموں میں کام کر چکے ہیں اور آدھ درجن کے قریب فلموں کو ڈائرکٹ بھی کر چکے ہیں۔ انہوں نے ''چلا مراری ہیرو بننے'' بنائی لیکن وہ بری طرح فیل ہوگئی۔ ''گڈی'' میں ان کا کردار قابل تعریف تھا۔ ''ابھیمان'' میں انہوں نے جیا بھادری اور امیتابھ بچن کے ساتھ کام کیا اوراچھی شہرت حاصل کی۔ جی پی سپی کی فلم 'شعلے' میں ان کا یہ فقرہ کہ ''ہم انگریزوں کے زمانے کے جیلر ہیں'' تو لوگ کبھی بھلا نہیں پائے۔ ہمت والا، بول بچن، جوکر، ایجنٹ ونود، باڈی گارڈ، کھٹا میٹھا، پے انگ گیسٹ، دے دنا دن، بلو، بھول بھلیاں، دھمال، بھاگم بھاگ، مالا مال، ہلچل، انسان، ایک سے بڑھ کر ایک، دل ول پیار ویار، آمدنی اٹھنی خرچہ روپیہ، امنگ، پرتیچے، میرے اپنے، آپ کی قسم، باورچی، اجنبی، بدائی، رفو چکر، چپکے چپکے، شعلے، چھوٹی سی بات، بالیکا ودھو، تپسیا، قلا باز، الاپ، ہیرو ہندوستانی، مدر، مہندی، میلا، ہیرا پھیری، چل میرے بھائی، ایک اور وں پھوٹ، انامیکا، نمک حلال، ابھیمان وغیرہ ان کی اہم فلمیں ہیں۔



اسماعیل مرچنٹ اداکار، ہدائت کار، فلمساز، اسکرپٹ رائٹر اور مصنف اسماعیل مرچنٹ (۲۵ دسمبر ۱۹۳۶ء ممبئی۔ ۲۵ مئی ۲۰۰۵، لندن) کا پورا نام اسماعیل نور محمد عبدالرحمن تھا اوران کا تعلق میمن خاندان سے تھا۔ ابتدائی تعلیم انجمن اسلام ہائی اسکول میں پانے کے بعد سینٹ زیویرس کالج سے بی اے کیا اور پھر نیویارک یونیورسٹی سے ایم بی اے کیا۔ ۱۹۶۰ء میں انہوں نے ''دی کری ایشن آف وومن'' پروڈیوس کی۔ اسی دوران ان کی ملاقات آئیوری سے ہوئی اور ان کے اشتراک سے انہوں نے مرچنٹ آئیوری نامی پروڈکشن کی بنیاد رکھی جس کی پہلی فلم ''دی ہاؤس ہولڈرز'' (۱۹۶۳ء) تھی۔ اس پروڈکشن نے تقریباً پچاس فلمیں بنائیں جن میں شیکسپیئر والا



(۱۹۶۵ء)، دی گورو (۱۹۶۹ء) اور بامبے ٹاکیز (۱۹۷۰ء) کا تعلق ہندوستان سے تھا۔ مرچنٹ نے کئی فلموں اور ٹی وی فیچرس کی ہدایت کاری بھی کی جن میں "مہاتما اینڈ دی میڈ بوائے" "کورٹیسنز آف بمبئی" "ان کسٹڈی (۱۹۹۳ء)" "لوٹیے اینڈ مینی" "دی پروپرائٹر" (۱۹۹۶ء)" "کاٹن میری (۱۹۹۹ء) اور "مسٹک میسیور (Mystic Masseur) بھی شامل ہیں۔ ان کے علاوہ انہوں نے کئی کتابیں تصنیف کیں اور ساتھ ہی سماجی خدمات میں بھی اپنا وقت وقف کرتے رہے۔

اشوک کمار: ہیرو، سائیڈ ہیرو، کیریکٹر ایکٹر اور پروڈیوسر اشوک کمار کا نام کمند لال کنجی لال گنگولی تھا اور ان کی ولادت ۱۳/ اکتوبر ۱۹۱۱ء کو بھاگلپور میں ہوئی اور ناگپور یونیورسٹی سے انہوں نے بی ایس سی کیا۔ ابتدا میں بطور اسسٹنٹ کیمرہ مین اور لیبارٹری انچارج فلم انڈسٹری میں قدم رکھا۔ بمبئی ٹاکیز کے ہیرو نجم الحسن کے جانے کے بعد دیوکا رانی کی نظر ان پر پڑی اور وہ ہیرو بن گئے۔ ۱۹۳۶ میں دیوکا رانی کے ساتھ اچھوت کنیا میں بطور ہیرو آئے اور شہرت کی بلندیاں طے کرنے لگے۔ وہ فلم انڈسٹری کے پہلے اسٹار ہیرو بنے۔ ان کی اور لیلا چٹنس کی جوڑی خوب چلی۔ متعدد فلموں میں ہیرو آنے کے بعد دیگر کردار بھی نبھائے۔ انہوں نے کنگن، بندھن، جھولا، نیا سنسار، قسمت، نجمہ، محل، افسانہ، دیدار، سنگرام،



سازش، چلتی کا نام گاڑی، پرینیتا، سماج، ایک ہی راستہ، بندش، بھائی، پاکیزہ، راکھی، بندنی، کھٹا میٹھا، شوقین، مسٹر انڈیا، گھونگھٹ، مسافر نمبر ۲۰۳، چھوٹی سی بات، انتقام، آشیرواد، چتر لیکھا، دھرم پتر وغیرہ میں اداکاری کے جوہر دکھائے۔ ان کی آخری فلم تھی آنکھوں میں تم ہو (۱۹۹۷ء)۔ ٹی وی سوپ "ہم لوگ" اور بہادر شاہ ظفر میں بھی نمودار ہوئے۔ انہیں دادا صاحب پھالکے ایوارڈ (۱۹۸۸) کے علاوہ کئی اعزازات سے نوازا گیا۔ ۱۰/ دسمبر ۲۰۰۱ء کو حرکت قلب بند ہو جانے سے بمقام ممبئی وفات ہوئی۔



افتخار: کیریکٹر ایکٹر افتخار (افتخار احمد چودھری) ۲۲/ فروری ۱۹۲۰ء کو سیالکوٹ (پاکستان) میں پیدا ہوئے اور لگ بھگ دو سو فلموں میں مختلف کردار ادا کئے۔ پولیس آفیسر کا رول تو کئی فلموں میں ادا کیا۔ ۴/ مارچ ۱۹۹۵ء کو نیلور میں وفات پا گئے۔ ان کی اہم فلمیں ہیں۔ دلی کا ٹھگ، دھرماتما، پروفیسر، لیلیٰ مجنوں، گریٹ گیمبلر، اب دلی دور نہیں، دیوار، پھول اور پتھر، کالا پتھر، مرزا

غالب، ۳۶ گھنٹے، سنگھرش، ڈان، شعلے، محبوب کی مہندی، تیسری قسم، دیوداس، زخمی، تیسری منزل، بسیرا، نکاح، میری جنگ، انامیکا، ساون بھادوں، قرض، چوری میرا کام وغیرہ۔

اکشے کمار: ایکشن اور کامیڈی کے ماہر اکشے کمار کا نام راجیو ہری اوم بھاٹیہ ہے اور ان کی پیدائش ۹ ستمبر ۱۹۶۷ء کو امرتسر (پنجاب) میں ہوئی تھی۔ فلموں میں آنے سے پیشتر انہوں نے کئی پاپڑ بیلے۔ وہ ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں بھی کام کرتے رہے۔ ۱۹۸۵ء میں انہیں پہلی بار فلم ''سوگندھ'' میں جلوہ گر ہونے کا موقع ملا اور ان کے چند فائیٹ سین میں ان کی اداکاری سے تماش بین بڑے متاثر ہوئے اور وہ اسٹار بن گئے۔ ۱۹۸۶ء میں 'وقت ہمارا ہے' میں انہیں ہیرو کا رول ملا جس میں سنیل شیٹی بھی تھے۔ اس میں دونوں کی فائیٹ قابلِ دید تھی۔ ۲۰۰۰ء سے ان کی کامیڈی فلموں کی شروعات ہوئی۔ ان کی پہلی مزاحیہ فلم تھی ''ہیرا پھیری''، جس میں ان کے ساتھ تھے پریش راول اور سنیل شیٹی۔ اس فلم نے اکشے کو سپر کامیڈین بنا دیا۔ وہ اب تک بے شمار فلموں میں کام کر چکے ہیں جن میں سہاگ، سب سے بڑا کھلاڑی، کھلاڑیوں کا کھلاڑی، دل تو پاگل ہے، مسٹر اینڈ مسز کھلاڑی، دھڑکن، اجنبی، کھلاڑی ۴۲۰، خاکی، بھاگم بھاگ، مجھ سے شادی کروگی، گرم مسالہ، آوارہ پاگل دیوانہ، ایک رشتہ، آنکھیں، بے بی، بھول بھلیاں، اوم شانتی اوم، چاندنی چوک ٹو چائنا، خطروں کے کھلاڑی، ہاؤس فل ۲، راؤڑی راٹھور، ویلکم، سنگھ از کنگ، او مائی گاڈ وغیرہ



۱۷ جنوری ۲۰۰۱ء کو انہوں نے گزشتہ دور کے سپر اسٹار 'راجیش کھنہ' اور ڈمپل کپاڈیہ کی بیٹی ٹونکل کھنہ سے شادی کی جس سے ستمبر ۲۰۰۲ء میں اُن کا بیٹا آرو اور ۲۵ ستمبر ۲۰۱۲ء کو بیٹی نتارا پیدا ہوئی۔

الناصر: (اداکار، ہیرو) نام: عبدالرحمٰن الناصر غزنوی۔ تقسیم سے پیشتر خوبصورت ہیرو سمجھے جاتے تھے۔ ولادت: ۲۷ نومبر ۱۹۲۳ء کو بھوپال میں ہوئی۔ پہلی بار فلم 'پریتم' میں بطور ہیرو نمودار ہوئے۔ اس کے علاوہ دھمکی، آرسی، پتھروں کا سوداگر، شالیمار، خاموش، نگاہیں، رات رنگیلی، ایک روز، بیوی، پرتھوی ولبھ، شہر سے دور، کشمیر وغیرہ میں کام کیا۔ پہلے فلم اداکارہ وینا سے اور پھر مینا شوری سے شادی کی۔ (پاکستان بننے کے بعد مینا شوری انڈیا آگئیں، پھر کچھ مدت بعد چلی گئیں





اور پاکستان میں انتقال کر گئیں۔)

الماس: پرانے دور کے ہیرو اور کیریکٹر ایکٹر الماس نے متعدد فلموں میں کام کیا۔ بے نائیک کی فلم "بسنت" میں ممتاز شانتی کے مقابل ہیرو کا رول کیا۔ "پربت پہ اپنا ڈیرا" میں بھی وہ ہیرو تھے بعد ازاں کیریکٹر ایکٹر کی حیثیت سے فلموں میں کام کرتے رہے۔ ان کی چند اہم فلمیں ہیں کانیڈ آدمی، امر، شمع پروانہ، عورت، تنہرش، سہرا، ضدی، گونج اٹھی شہنائی، رانی روپ متی، دو آنکھیں بارہ ہاتھ، دھاکے کی ململ، سمراٹ پرتھوی راج چوہان، کندن، ہیر، مرزا غالب وغیرہ۔

امجد خان شعلے کا گبر سنگھ ایسا کردار ہے جسے شاید لوگ کبھی نہ بھولیں اور جس کے مکالمے بچے بچے کو یاد ہیں۔ امجد خان مشہور ہیرو و ویلن جینت کے فرزند اور ممتاز اردو شاعر اختر الایمان کے داماد تھے اور فلم شعلے کے لئے سلیم کی دریافت جب کہ وہ کے آصف کی فلم "لو اینڈ گاڈ" میں بطور اسسٹنٹ کام کر رہے تھے۔ امجد خان کی ولادت ۱۲ رنومبر ۱۹۴۰ء کو بمقام حیدرآباد ہوئی۔ ۱۹۵۷ء میں امجد خان نے بطور چائلڈ آرٹسٹ "اب دلی دور نہیں" میں پہلی بار کام کیا۔ ۱۹۷۲ء میں ان کی شادی شہلا خان سے ہوئی اور ۱۹۷۳ء میں ان کا بیٹا شاداب خان پیدا ہوا جس نے فلم "مہندی" میں رانی مکرجی کے بالمقابل بطور ہیرو کام کیا تھا۔ امجد خان کی دو بیٹیاں ہیں اہلم خان اور سیماب خان۔

امجد خان فلموں میں آنے سے پیشتر تھیٹر سے بھی وابستہ رہے۔ انہوں نے کے آصف کی فلم "لو اینڈ گاڈ" میں بطور اسسٹنٹ کام کرنے کے علاوہ اس فلم میں ایک چھوٹا سا رول بھی کیا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے چیتن آنند کی فلم "ہندوستان کی قسم" میں بھی چھوٹا سا رول کیا۔ شعلے میں گبر سنگھ کا کردار نبھانے کے بعد ان کی شہرت پورے ملک میں پھیل گئی۔ اور ستیہ جیت رے نے فلم "شطرنج کے کھلاڑی" میں انہیں واجد علی شاہ کے لئے منتخب کیا جو انہوں نے بخوبی انجام دیا۔ اس کے بعد انہوں نے متعدد فلموں میں ویلن کا کردار نبھایا۔



انہوں نے پرورش، دادا، چرس، لوک پرلوک، دیس پردیس، لاوارث، کام سوتر، قربانی، پرفیکٹ مرڈر (انگریزی فلم) چمیلی کی شادی، قسمیں وعدے، انکار، خون کی پکار، مقدر کا سکندر، مقدر، احساس، دو شکاری، میرا مسٹر نٹور لال، راکھی کی سوگندھ، سہاگ، چمبل کی قسم، ہتھوال، گہرا زخم، لاوارث، لو اسٹوری، پروفیسر پیارے

لال ،نصیب، رائی، یارانہ، تقدیر، بادشاہ، اچھا بُرا، ناستک، مہمان، بندیا چمکے گی، سوتیلا بھائی، پتی پتنی اور طوائف، رامگڑھ کے شعلے، مہاسنگرام، لیکن، دوست۔ وغیرہ میں کام کیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے فلم چور پولیس (۱۹۸۰ء) اور امیر آدمی غریب آدمی کی ہدایت بھی کی۔

۱۹۸۶ء میں انہیں بمبئی گوا روڈ پر کار حادثہ پیش آیا۔ اس دوران دوائیوں کے استعمال سے انہیں ذیابیطس کی بیماری ہوگئی جس سے ان کا وزن غیر معمولی طور پر بڑھ گیا اور بالآخر ۲۷؍ جولائی ۱۹۹۲ء کو بمبئی میں ان کی وفات ہوگئی۔

امرناتھ: موسیقار۔ ولادت: ۲۲ مارچ ۱۹۲۴ء: پہلی بار فلم کرم کوٹ میں میوزک دیا۔ آل انڈیا ریڈیو سے بھی ایک مدت تک وابستہ رہے۔

امرناتھ (بھاردواج) اداکار۔ ولادت: ۱۹۳۲ء، حافظ آباد، پنجاب (پاکستان): پہلے پنجابی فلم کملی میں چھوٹا سا رول کیا۔ پھر 'پت جھڑ' میں بطور ہیرو نمودار ہوئے۔ پپیہا رے، برسات کی ایک رات، ایک کہانی، سویم سدھا، نئی بھابھی، کمل کے پھول، شیش محل، جلتے دیپ، جوہری، نرموہی، بہو بیٹی، طوفان، رانی روپ متی، جیون ساتھی، ضد، بے مثال، دھنوان، ساجن کی سہیلی، خوبصورت، دل آخر دل ہے، ان کی اہم فلمیں ہیں۔

امرناتھ (کھیتر پال) پروڈیوسر ڈائرکٹر۔ ولادت: یکم دسمبر ۱۹۱۴ء میانوالی پاکستان۔ ابتدا میں بطور ایکسٹرا کام کرتے رہے۔ پھر اسسٹنٹ ڈائرکٹر سے ڈائرکٹر اور پروڈیوسر بن گئے۔ پہلی فلم متوالی جوگن بنائی اور بطور پروڈیوسر مرزا صاحباں۔ کئی فلمیں ڈائرکٹ اور پروڈیوس کیں جیسے بلبل بغداد، زیور، روپ نگر، بے قصور، مہربانی، سرکار، گاؤں کی گوری، لیلےٰ مجنوں، دامن، دربار، بازار، محبوبہ، بارہ دری، وغیرہ۔

امریش پوری: امریش پوری ایک ایسے ویلن تھے جن کے بعض کردار فلم بین کبھی نہیں بھول سکے۔ خاص طور پر مسٹر انڈیا میں ان کا 'مسٹر موگامبو' کا رول اور ان کا یہ فقرہ ''موگامبو خوش ہوا''۔ وہ ایک لاجواب ویلن تھے۔ جنہوں نے اپنی فلموں میں اپنے رول کو اس طرح نبھایا کہ لوگ شاید ہی انہیں بھول سکیں۔ سوداگر، ودھاتا، شکتی اور مشعل میں وہ دلیپ کمار کے بالمقابل تھے مگر پھر بھی انہوں نے اپنے خطرناک اور سازشی کردار میں جان ڈال دی۔ یہی نہیں انہوں نے 'میری جنگ' میں ایک خطرناک قاتل وکیل کا اور 'گھاتک' میں ایک مجبور باپ کا کردار بھی بڑے قابلِ تحسین انداز میں ادا کیا۔



امریش کا پورا نام امریش سنگھ پوری تھا اور وہ ۲۲؍ جون ۱۹۳۲ء کو نواں شہر (جالندھر، پنجاب) میں سردار نہال سنگھ پوری

کے ہاں پیدا ہوئے۔ وہ چمن پوری اور معروف ویلن مدن پوری کے چھوٹے بھائی تھے۔ انہوں نے شملہ کے بی ایم کالج سے گریجویشن کی اور پھر فلموں میں قسمت آزمانے ممبئی پہنچ گئے مگر بدقسمتی سے وہ اسکرین ٹیسٹ میں فیل ہوگئے اور انہیں ایمپلائز اسٹیٹ انشورنس کارپوریشن میں ملازمت کرنی پڑی۔ اس دوران انہوں نے پرتھوی تھیٹر جوائن کرلیا اور ستیہ دیو دوبے کے تحریر کردہ ڈرامے میں کام کرنے لگے۔ ان کی اداکاری پر ۱۹۷۹ء میں انہیں سنگیت ناٹک اکادمی کا ایوارڈ ملا۔ انہیں تقریباً ۴۰ سال کی عمر میں فلموں میں کام کرنے کا موقع ملا اور ۱۹۷۰ء میں وہ پہلی بار ''پریم پجاری'' میں نمودار ہوئے۔ انہوں نے صرف ہندی فلموں میں ہی نہیں بلکہ پنجابی، تمل، کنڑ، مراٹھی، تلگو، ملیالم اور بالی وڈ کی فلموں میں بھی اپنی اداکاری کے جوہر دکھائے اور ان کی لاجواب اداکاری پر انہیں فلم فیئر ایوارڈز کے علاوہ کئی ملکی اور غیر ملکی ایوارڈز ملے۔ ان کی چند فلمیں کے نام ہیں: ریشماں اور شیرا، ہلچل، ہندوستان کی قسم، سلاخیں، منتھن، نشانت، بھومیکا، جی بابام جینا، ایمان دھرم، ساون کو آنے دو، جانی دشمن، ہمارے تمہارے، آکروش، قربانی، دوستانہ، کال پیٹ، گروھی، کاندھی، شکتی، ہیرو، نصیب، منڈی، اردستیہ، جھوٹ سچ، قسم پیدا کرنے والے کی، نقلی نشان، زخمی شیر، پردیش، پارٹی، دنیا، الحات، نگینہ، میری جنگ، مندر، اصلی نقلی، تمس، کچی سڑک، سنا، اب تمہارے حوالے وطن ساتھیو، مجھ سے شادی کروگی، للشیہ، نائیک، بدھائی ہو بدھائی، ظلم، بے بند، تال، بادشاہ، آرزو، چاچی نمبر ۴۲۰، چائنا گیٹ، ظلم، لال بادشاہ، ڈولی سجا کے رکھنا، جھوٹ بولے کوا کاٹے، دل والے دلہنیا لے جائیں گے وغیرہ۔ وہ ۱۲ر جنوری ۲۰۰۵ء کو ممبئی میں ۷۲ سال کی عمر میں انتقال کرگئے اور ہندوستانی سنیما ایک باکمال ویلن سے محروم ہوگیا۔

امیتا: (مس قمر سلطانہ) اداکارہ۔ ۱۱ر اپریل ۱۹۴۰ء کلکتہ (بنگال) میں پیدا ہوئی۔ کیمبرج بمبئی میں تعلیم پائی۔ پہلی فلم ٹھوکر تھی۔ دیگر فلمیں انمول سہارا، چیتنہ مہاپربھو، منیم جی، آب حیات، شیریں فرہاد، امر جیوتی، مدر انڈیا وغیرہ۔

امیتابھ بچن: اداکار، پروڈیوسر، سنگر اور ٹی وی پروگرام پیش کرنے والے امیتابھ ہری ونش بچن ہندوستانی سنیما کے سپر اسٹار ہی نہیں لیجنڈ بھی ہیں۔ وہ ۱۱ر اکتوبر ۱۹۴۲ء کو الٰہ آباد میں ہندی کے مشہور کوی ہری ونش رائے بچن کے ہاں پیدا ہوئے۔ شروع میں ان کا نام 'انقلاب' رکھا گیا کیونکہ ان دنوں جنگ آزادی کی وجہ سے سارے ہندوستان میں ''انقلاب زندہ باد'' کا نعرہ گونج رہا تھا۔ مگر بعد میں سمترا نندن پنت کے کہنے پر ان کا نام

امیتابھ رکھ دیا گیا جس کا مطلب ہے ابدی نور یا امر جیوتی۔ وہ گزشتہ چار دہوں سے ہندوستانی سنیما پر چھائے ہوئے ہیں اور آج فلمی صنعت میں کوئی بھی اُن کا ثانی نہیں۔

امیتابھ نے ابتدائی تعلیم نینی تال کے شیروڈ اسکول میں پائی پھر انہیں بمبئی کے سینٹ میری اسکول میں داخل کرایا گیا۔ اسکول کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد وہ دہلی کے کروڑی مل کالج میں داخل ہو گئے اور وہیں سے بی ایس سی کرنے کے بعد انہوں نے شاویلیس میں ملازمت جوائن کر لی۔ وہ کلکتہ کی جہاز راں کمپنی فریڈ بروکر سے بھی وابستہ رہے۔ پھر کچھ عرصہ آل انڈیا ریڈیو میں بھی کام کرتے رہے۔ چونکہ ان کی خواہش اداکار بننے کی تھی لہٰذا خواجہ احمد عباس نے بچن جی کے کہنے پر انہیں ۱۹۶۹ء میں فلم "سات ہندوستانی" میں کام کرنے کا موقع فراہم کیا۔ ان دنوں محمود اور ان کے بھائی انور نے ان کی بڑی مدد کی اور انہیں بمبئی ایسے شہر میں آسرا دیا۔ مگر انہیں خاطر خواہ کامیابی نہ ملی حالانکہ ۱۹۷۰ء اور ۱۹۷۳ء کے دوران انہوں نے کئی فلموں میں ہیرو رمعاون ہیرو کا کردار نبھایا۔ ۱۹۷۱ء میں انہوں نے فلم پروانہ (۱۹۷۱) میں نیگیٹو کردار کیا۔ نمک حرام میں راجیش کھنہ ہیرو اور وہ معاون اداکار تھے جبکہ گڈی میں بھی ان کا مختصر رول تھا جبکہ جیا بہادری فلم میں کلیدی کردار نبھا رہی تھیں، تاہم کوئی ڈیڑھ درجن فلموں کی ناکامی کے بعد انہیں "زنجیر" میں کام کرنے کا موقع ملا اور وہ راتوں رات شہرت کی نئی سیڑھیاں پار کرنے لگے۔ انہیں اینگری ینگ مین لقب عطا کیا گیا اور وہ سپر اسٹار بن گئے اور اس کے ساتھ راجیش کھنہ کا عروج کا زمانہ ختم ہو گیا۔ چندر باروت کی فلم 'ڈان' نے انہیں مزید شہرت بخشی اور پھر امر اکبر انتھونی مقدر کا سکندر، دیوار، اتر شول، قلی، خدا گواہ اور شعلے نے انہیں مزید کامیابی سے ہمکنار کیا اور وہ سپر اسٹار کے ساتھ ساتھ 'بگ بی' کے نام سے بھی پکارے جانے لگے۔ انہوں نے ٹیلی ویژن پر 'کون بنے گا کروڑ پتی' کو انتہائی مقبول بنایا جسے دیکھنے کے لئے ناظرین بیتاب رہتے ہیں۔

امیتابھ بچن کی شادی جیا بچن سے ہوئی اور اُن کے دو بچے ہیں ایک بیٹی شویتا نندہ اور بیٹا ابھیشیک بچن جو ہندوستانی سنیما کا جانا مانا اداکار ہے۔

۲۶ر جولائی ۱۹۸۲ء میں منموہن ڈیسائی کی فلم "قلی" کی شوٹنگ کے دوران انہیں مینکا کونا لگ گیا اور وہ شدید طور پر زخمی ہو گئے اور انہیں کئی مہینے تک زندگی اور موت کی جنگ لڑنی پڑی۔ روبصحت ہونے پر قلی کی شوٹنگ دوبارہ شروع ہوئی اور پھر ۱۹۸۳ء میں فلم کو نمائش کے لئے پیش کیا گیا۔ ۱۹۸۴ء میں اپنے دوست وزیر اعظم راجیو گاندھی کے کہنے پر وہ الہ آباد سے لوک سبھا کے امیدوار کے طور پر کھڑے ہوئے اور جیت کر لوک سبھا کے رکن بن گئے مگر وہ زیادہ مدت سیاست میں نہ رہ سکے اور ۱۹۸۸ء میں دوبارہ فلموں میں واپس آ گئے اور فلم شہنشاہ سے پھر فلموں میں قدم رکھا۔ ان کی فلمی زندگی میں کئی نشیب و فراز

آئے مگر چند وقفے بعد کامیابی پھر ان کے قدم چومتی رہی۔

انہوں نے فلموں میں کئی گیت بھی گائے جیسے میرے پاس آؤ میرے دوستو (نٹورلال) میرے انگنے میں تمہارا کیا کام ہے (لاوارث) رنگ برسے بھیگے چنر والی رنگ برسے (سلسلہ) نیکے مت جیو (پکار) اور ہولی کھیلیں رگھوبیرا (باغبان) کو اپنے آپ گلوکاروں میں بھی شامل کرالیا کیونکہ یہ سارے گیت عوام میں بڑے مقبول ہوئے ہیں۔ انہوں نے بے شمار فلموں میں کام کیا جن میں سے کچھ کے نام ہیں سات ہندوستانی، بھون شوم، بمبے ٹو گوا، پروانہ، آنند، ریشماں اور شیرا، گڈی، پیار کی کہانی، سنجوگ، بنسی برجو، پیا کا گھر، ابھیمان، راستے کا پتھر، بمبے ٹو گوا، بڑا ہوتر، بندھے ہاتھ، اگنی پتھ، چینی کم، کبھی خوشی کبھی غم، محبتیں، ایک رشتہ، دی بانڈ آف لو، باغبان، آنکھیں، جلس، شہنشاہ، خاکی، بلیک، دیو، بنٹی اور ببلی، گاڈ فادر، انسانیت، کبھی الوداع نہ کہنا، سرکار، بابل، ایکلویہ، نشبد، شوٹ آؤٹ ایٹ لوکھنڈوالا، وغیرہ۔

امیر بانی کرناٹکی: (امیر بائی بلگی)۔ اداکارہ اور پلے بیک سنگر ۱۹۱۲ء میں بلگی، بیجاپور میں پیدا ہوئیں اور ۳ مارچ ۱۹۶۵ء کو بمبئی میں وفات پاگئیں۔ امیر بائی ایک متوسط گھرانے میں پیدا ہوئیں۔ ۱۵ سال کی عمر میں میٹرک کرنے کے بعد بمبئی آگئیں اور پہلی فلم بے وفا عاشق میں بطور ہیروئن کام کیا۔ وشنو بھگتی، بھرت ملاپ، رام راجیہ، دیا، گوپال بھیا، ہماری بیٹی، لوکش، بیدردی، منگل سوتر وغیرہ فلموں میں اداکاری کی۔ بطور پلے بیک سنگر قسمت، زینت، رتن، سندور، بھرت ہری، جل پری، وغیرہ میں اپنے جوہر دکھائے۔



امیہ چکرورتی: ہدایت کار، بنگلہ ادیب و شاعر امیہ چکرورتی (۱۹۰۱ء۔۱۹۸۶ء) بنگال میں پیدا ہوئے۔ گریجویشن کرنے کے بعد وشو بھارتی سے منسلک ہوگئے اور وہاں پڑھاتے بھی رہے۔



۱۹۲۶ء سے ۱۹۳۳ء کے دوران گرودیو رابندر ناتھ ٹیگور کے ادبی سیکریٹری رہے اور ۱۹۳۰ء میں ان کے ساتھ یورپ اور امریکہ کے دورے پر اور ۱۹۳۲ء میں ایران کے دورے پر گئے۔ ۱۹۳۵ء میں انہوں نے ہمانشو رائے کے اسسٹنٹ کے طور پر بمبے ٹاکیز جوائن کی۔ ۱۹۴۰ء میں بمبے ٹاکیز کے ڈائرکٹر بن گئے۔ ۱۹۵۰ء میں آزادانہ طور پر ہدایت کار اور فلمساز کے طور پر کام کرنے لگے اور متعدد فلمیں بنائیں۔ پہلی فلم ''[illegible]'' پروڈیوس کی اور

''انجان'' ڈائرکٹ کی۔ان کی کچھ اہم فلمیں ہیں۔بسنت، جوار بھاٹا، داغ، پتیتا، بادشاہ، سیما، وغیرہ۔

اُن کی ادبی خدمات پر ۱۹۶۳ء میں انہیں ساہتیہ اکادمی ایوارڈ اور ۱۹۷۰ء میں ان کی ادبی رفلمی خدمات پر پدم بھوشن سے نوازا گیا۔

انصاری اے این: ایکٹر، پروڈیوسر، مکالمہ نویس اسکرپٹ رائٹر، ویلن اور جاسوس نثار احمد انصاری کی ولادت ۲۹ راگست ۱۹۱۷ء کو جھانسی میں ہوئی۔پہلی بار ۱۹۴۰ء میں فلم 'عورت' میں نمودار ہوئے۔۱۹۶۰ اور ۱۹۶۵ء کے دوران نرتکی، پہلا سوال، الفت، جاگیر سنہرے پل میں ویلن کا رول انجام دیا۔۱۹۶۶ء میں بندیل کھنڈ فلمز کے بینر تلے فلم ''بلیک کیٹ' بنائی۔اس کے بعد انہوں نے فلم ''ملزم'' بنائی جس میں پردیپ اور شکیلہ لیڈنگ رول میں تھے۔اُن کی اہم فلمیں تھیں: غریب، آسرا، نجمہ، آنند داتا، دائرہ، منگو، اُستاد، مسٹر لمبو، دھوپ چھاؤں، کھوٹا پیسہ، رضیہ سلطان، راج محل، گناہوں کا راستہ، طوفان، انجام، مسٹر مرڈر، بازی، فریب، جے وکرانت، دھرم کانٹا، مہابد معاش، جرم اور سزا وغیرہ۔



۱۱ رجنوری ۱۹۹۳ء کو ان کی پورٹ کالبورن، اونٹیریو (کناڈا) میں وفات ہوگئی۔

انوپم کھیر: انوپم کھیر (پیدائش: ۷ رمارچ ۱۹۵۵ء، شملہ) موجودہ دور کے بہترین کیریکٹر ایکٹر ہیں جنہوں نے ہر طرح کے کردار بڑے خوبی سے نبھائے ہیں۔وہ ایک کشمیری پنڈت خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور نیشنل اسکول آف ڈرامہ سے تربیت یافتہ ہونے کے ساتھ اس کے ڈائرکٹر بھی رہ چکے ہیں۔کچھ عرصہ وہ سینسر بورڈ کے اعلی رکن بھی رہے لیکن کچھ اختلافات کی بنا پر استعفیٰ دے دیا۔پہلی بار ۱۹۸۲ء میں فلم '' آگمن'' میں نمودار ہوئے اور ۱۹۸۴ء میں فلم ''سارنش'' میں، جس میں وہ اپنے بیٹے کی استھیاں لینے کسٹمز آفس جاتے ہیں اور وہاں کے افسران کے سنگدلانہ رویے پر ان کی رقت انگیز اداکاری پتھر دل ناظرین کو بھی رلا دیتی ہے۔ان کی یادگار فلموں میں کرما، سمندر، لمحے، ہم پانچ، سوداگر، آخری راستہ، رام لکھن، وجے، کھیل، ڈر، جنم، دل، ہم آپ کے ہیں کون، لوا سٹوری، حسینہ مان جائے گی، ساتھیں، کھوسلہ کا گھوسلہ، ارجن، تیزاب، پرندہ، چاندنی، جان من، یہ میرا انڈیا، دبنگ، بیٹا پگلا دیوانہ، ڈیڈی (۱۹۸۹ء) پتھ پتھ ہوتا



ہے (۱۹۹۸ء) (محبتیں (۲۰۰۰ء) اور ویر زارا (۲۰۰۴ء) چاہت، میں نے گاندھی کو نہیں مارا، جب تک ہے جان وغیرہ شامل ہیں۔ انوپم کی رفیقہ حیات مشہور اداکارہ کرن کھیر ہیں اور انہوں نے اوم جے جگدیش کی ہدایت کاری کے فرائض بھی انجام دیئے تھے۔ انہیں کئی نیشنل اور انٹرنیشنل ایوارڈ مل چکے ہیں۔ حکومت ہند نے پدم شری (۲۰۰۴ء) کا اعزاز بھی دیا ہے۔

انور حسین: انور حسین عبدالرشید۔ ۲۰ مارچ ۱۹۲۰ کو مشہور اداکارہ جدن بائی کے ہاں بنارس میں پیدا ہوئے۔ اختر حسین بڑے بھائی ہیں اور نرگس چھوٹی بہن۔ بچپن میں ہی فلموں میں رول کرنے لگے۔ بعد میں ویلن اور مزاحیہ اداکار کے طور پر کوئی ۱۲۰ فلموں میں کام کیا جن میں محبت کے آنسو، جوگن، دیوان، ہم لوگ، پہلے آپ، رومیو جولیٹ، آواز، اب دلی دور نہیں، نیا آدمی، کرما کرم، چھیل پاترا، ہیرا موتی، کالا آدمی، جگنو، رفو چکر، چھیل کے اس پار، اصلی نقلی، ایک بیچارہ، وغیرہ شامل ہیں۔ اپنے بھائی اختر حسین کی



شراکت میں، فلمیں، دار، مدنی، اوب، وفا، وغیرہ، فلمیں بھی بنائیں۔

یکم جنوری ۱۹۹۹ء وان کا ممبئی میں انتقال ہو گیا۔

انیتا گوہا: ۱۷ جنوری ۱۹۳۲ء کو برما میں پیدا ہوئیں اور ۲۰ جون ۲۰۰۷ء کو ممبئی وفات پائی۔ بنگلہ فلم شرقیہ میں نمودار ہوئیں اور پھر ہندی فلموں میں۔ کئی فلموں میں سیتا کا رول کیا۔ سپورن رامائن، شری رام بھرت ملاپ، تلسی داس، جے سنتوشی ماں، شبنم، دو دل، پورنیما، پیاری راتیں، گیٹ وے آف انڈیا، دیکھ کبیرا رویا، سنجوگ، لال قلعہ، بیوی کی تلاش، جھومتی، پیار کا ساگر وغیرہ میں اداکاری کے جوہر دکھائے۔



انل بسواس: موسیقار انل کرشن بسواس ۷ جولائی ۱۹۱۴ء کو باریسال مشرقی بنگال (حال بنگلہ دیش) میں ایک متوسط گھرانے میں جگت چندر بسواس کے ہاں پیدا ہوئے۔ ان کی پہلی استاد ان کی والدہ تھیں اور وہ اچھے طبلہ نواز بن گئے۔ اسکول کے زمانے میں آزادی تحریک سے متاثر ہو کر وہ تحریک آزادی سے وابستہ ہوئے اور چار بار جیل گئے۔ ۱۹۳۰ء میں والد کی وفات کے بعد وہ کنبے کے ساتھ کلکتہ چلے گئے اور وہاں رنگ محل تھیٹر سے وابستہ ہو گئے اور انہوں نے کئی ناٹکوں کی موسیقی ترتیب دی۔ کچھ

وہ بمبئی چلے گئے اور وہاں ۱۹۳۵ء میں انہوں نے 'دھرم کی دیوی' کی موسیقی مرتب کی۔ مگر صحیح معنوں میں ان کی پہلی فلم ''بسنت'' تھی حالانکہ اس کے ٹائٹل میں ان کے بجائے پنا لال گھوش کا نام دیا گیا۔ لاہور میں بنی فلم ''زمیندار'' (ایس ڈی نارنگ، شانتا آپٹے) میں ان کی موسیقی نے دھوم مچا دی۔ ۱۹۴۲ء میں وہ بمبے ٹاکیز سے وابستہ ہو گئے اور 'قسمت' کے گانوں نے ان کی شہرت کو چار چاند لگا دیئے۔ پردیپ کا گیت ''دور ہٹو اے دنیا والو ہندوستان ہمارا ہے''، سارے ملک میں گونج اٹھا۔ انہوں نے بہت سی فلموں کی موسیقی ترتیب دی جن میں دھرم کی دیوی (۱۹۳۵ء) شیر کا پنجہ (۱۹۳۶ء) پریم بندھن، مہا گیت، کوکیلا، جاگیردار، جنٹلمین ڈاکو، وطن، تین سو دن کے بعد، ہم تم اور وہ، گراموفون سنگر، اچھیا شا، جیون ساتھی، ڈائنامیٹ، ایک ہی راستہ، پوجا، عورت، علی بابا، بہن، آسرا، وجے، جوانی، قسمت، ہماری بات، جوار بھاٹا، وینا، پہلی نظر، گجرے، انوکھا پیار، لاڈلی، جیت، بے قصور، آرزو، ترانہ، دوستارے، آرام، دوراہا، راہی، مہمان، جلیاں والا باغ کی جیوتی، فریب، دل ناداں، آکاش، وارث، پہلی نظر، مہاتما کبیر، ماں جاسوس، جلتی نشانی، فرار، پیسہ ہی پیسہ، ہیر، پردیسی، ابھیمان، سنسکار، چار دل چار راہیں، ریٹرن آف مسٹر سپر مین (۱۹۶۰ء) انگلی مالا، سوتیلا بھائی (۱۹۶۲ء) چھوٹی چھوٹی باتیں (۱۹۶۵ء) وغیرہ شامل ہیں۔

سنگیت کے اس میلوڈی کنگ نے دو شادیاں کیں۔ پہلی آشا لتا سے اور دوسری مینا کپور سے۔ ان دونوں نے بھی ان کا بڑا ساتھ دیا۔ ۱۹۶۳ء میں وہ آکاش وانی سے وابستہ ہو گئے اور وہاں سے سبکدوشی کے بعد وہ دی انڈین ریکارڈ مینوفیکچرنگ کمپنی کی نئی دہلی کی شاخ کے منیجر مقرر ہوئے۔

۳۱ر مئی ۲۰۰۳ء کو نئی دہلی میں ہی ان کی وفات ہوگئی۔

انل کپور: اداکار انل کپور ۲۴ر دسمبر ۱۹۵۶ء کو سریندر کپور کے ہاں چمبور، ممبئی میں پیدا ہوئے جو آزادی سے پیشتر پشاور میں مقیم تھے اور پنجاب سے تعلق رکھتے تھے۔ پہلی بار ۱۹۸۰ء میں تلگو فلم 'ومسا ورکھشم' میں نمودار ہوئے۔ 'شکتی' اور 'ایک بار کہو' میں معاون اداکار کے طور پر کام کیا۔ ۱۹۸۳ء میں ان کی فلم 'وہ سات دن' آئی جس نے انہیں اچھی شہرت بخشی۔ ۱۹۸۴ء میں یش چوپڑا کی فلم 'مشعل' میں معاون اداکار کا کام کرنے پر فلم فیئر ایوارڈ ملا۔ ۱۹۸۴ء میں سنیتا کپور سے شادی کی۔ جن سے دو بیٹیاں سونم کپور اور ریہا کپور اور ایک بیٹا ہرش وردھن ہیں۔



انہوں نے متعدد فلموں میں کام کیا جن میں مسٹر انڈیا، انداز، لاڈلا، لوفر، مسٹر بیچارہ، راجکمار، تری مورتی، ۱۹۴۲: اے لو اسٹوری، گورو دیو، مسٹر آزاد، جدائی، وراثت، دیوانہ مستانہ، ہم

آپ کے دل میں رہتے ہیں، تال، بلندی، پکار، اوم جے جگدیش، نائیک، سلامِ عشق، ویلکم، مائی نیم از انتھونی، نو انٹری، بدھائی، بدھائی ہو بدھائی، سلم ڈاگ ملینیر، نو پرابلم، بیبے ٹاکیز، شوٹ آؤٹ وڈالا، ریس، ریس۲، تیزاب، ٹشن، یوراج وغیرہ شامل ہیں۔کئی فلمیں جیسے بدھائی ہو بدھائی، مائی وائفس مرڈر، شارٹ کٹ، گاندھی مائی فادر، عائشہ، نو پرابلم پروڈیوس بھی کیں۔ بالی وڈ کی فلموں میں کام کرنے کے بعد ان کا شمار بالی وُڈ کے چنندہ اداکاروں میں ہوتا ہے۔ انہیں متعدد ایوارڈ مل چکے ہیں۔

انوپ کمار: (کلیان کمار گنگولی)۔ اشوک کمار اور کشور کمار کے بھائی۔ ۹ رجنوری ۱۹۲۵ء کو کھنڈوا میں پیدا ہوئے۔ بی اے تک تعلیم پائی۔ آنسو بنے انگارے، موت کی سزا، ممتا کی چھاؤں میں، جواب ہم دیں گے، پریوار، لو میرج، تمہارے بنا، ایک سے بڑھ کر ایک، چور ہو تو ایسا، ودیا ساگر، انوپما، شیرو، دیکھ کبیرا رویا، گونا، رانی، چلتی کا نام گاڑی ہے وغیرہ کوئی ۵۰ سے زائد فلموں میں کام کیا۔ ۲۰ ستمبر ۱۹۹۸ء کو وفات ہوگئی۔

او پی نیّر: او پی نیّر ر اوم پرکاش نیّر (۱۶ جنوری ۔ ۱۹۲۶ء لاہور۔ ۲۸ رجنوری ۲۰۰۷ء ممبئی) معمولی تعلیم یافتہ تھے اور انہوں نے اپنے کیریئر کی شروعات جالندھر ریڈیو سے کی۔ ۱۹۴۹ء میں انہوں نے ''کنیز'' کا بیک گراؤنڈ میوزک کمپوز کیا۔ پھر ۱۹۵۲ء میں دل سکھ پنچولی کی فلم ''آسمان'' کی موسیقی ترتیب دی۔ اس میں ایک گانے کی پیشکش لتا منگیشکر کو کی گئی مگر انہوں نے گانے سے انکار کر دیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ ان دونوں کے رشتوں میں تلخی پیدا ہوگئی۔ ۱۹۵۴ء میں بی گورودت کی فلم ''آر پار'' نے انہیں شہرت بخشی۔ انہوں نے زائد از چھ درجن فلموں کی موسیقی ترتیب دی جن میں کنیز (پہلی فلم ۱۹۴۹ء) آسمان، باز، آر پار، منگو، محبوبہ، باپ رے باپ، مس کوکا کولا، مسٹر اینڈ مسز ۵۵ء، مسافر خانہ، سب سے بڑا روپیہ، بھاگم بھاگ، چھومنتر، سی آئی ڈی، ڈھاکے کی ململ، ہم سب چور ہیں، مسٹر لمبو، نیا انداز، دنیا رنگ رنگیلی، بڑے سرکار، شریمتی ۴۲۰، جانی واکر، نیا دور، مائی باپ، تم سا نہیں دیکھا، اُستاد، قیدی، بارہ او کلاک، فرشتہ، کبھی اندھیرا کبھی اجالا، ہوڑہ برج، مجرم، بھاگن، راگنی، سونے کی چڑیا، دو استاد، بسنت جعلی نوٹ کلپنا، مٹی میں سونا، ہانگ کانگ، ایک مسافر ایک حسینہ، کشمیر کی کلی، میرے صنم، ہمسایہ، کہیں دن کہیں رات، پران جائے پر وچن نہ جائے، سمبندھ، ایسا بھی ہوتا ہے، منگنی، نشچے، ضد (۱۹۹۴ء)، مقدر کی بات (۱۹۹۵ء) وغیرہ شامل ہیں۔ ایک مدت تک ان کی موسیقی عروج پر رہی پھر شور شرابے کی موسیقی میں وہ حاشیے پر چلے گئے اور ۲۸ رجنوری ۲۰۰۷ء کو دل کا دورہ پڑنے سے ان کی موت واقع ہوگئی۔



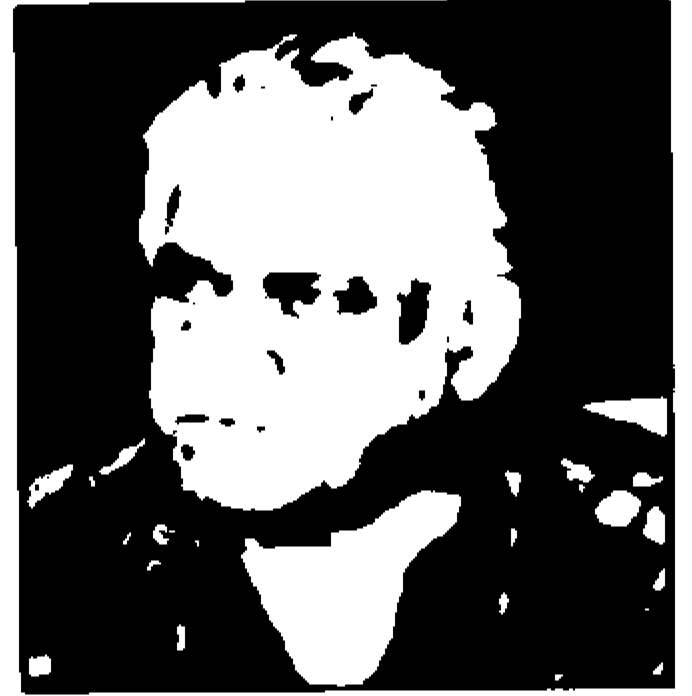
اوم پرکاش: اداکار، کامیڈین۔ ۱۹؍دسمبر ۱۹۱۹ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ ان کا گھرانہ بہت امیر تھا اور ان کی لاہور اور جموں میں بڑی جائیداد تھی۔ بچپن سے ہی فلم بینی کا شوق ہو گیا اور ۱۹۳۳ء میں جب وہ تیرہ سال کے تھے تو تعلیم ادھوری چھوڑ کر بمبئی آ گئے اور تیس روپے ماہوار پر سروج فلم کمپنی میں ملازم ہو گئے۔ مگر فلموں میں چانس نہ ملا اور لاہور واپس آ گئے۔ اور پھر جموں میں لانڈری کھول لی۔ ۱۹۴۰ء میں ان کی شادی کر دی گئی۔



۱۹۴۴ء میں فلمساز دل سکھ پنچولی نے انہیں 'داسی' میں بطور ویلن پیش کیا۔ اور وہ اسی روپے ماہوار پر اس کمپنی میں ملازم ہو گئے۔ ۱۹۴۵ء میں پنچولی نے انہیں فلم 'دھمکی' میں رول دیا اور تنخواہ ڈھائی سو روپے کر دی۔ ۱۹۴۶ء میں برکت مہرہ نے انہیں فلم 'شہر سے دور' میں پیش کیا۔ پھر ہدایت کار شنکر مہتہ نے انہیں ہیروئن دلشاد کے مقابل بطور رومانی ہیرو پیش کیا مگر فلم فلاپ ہو گئی۔ پھر ۱۹۴۷ء میں ان کی فلم 'پگڈنڈی' آئی جو لاہور میں ان کی آخری فلم تھی۔ تقسیم کے بعد وہ ممبئی آ گئے اور یہاں جینت دیسائی کی فلم 'لکھپتی' میں پہلی بار نمودار ہوئے اور اس کے بعد جیمنی دیوان کی پنجابی فلم 'چمن' میں، جو بہت کامیاب ثابت ہوئی۔ انہوں نے بے شمار فلموں میں کام کیا جن میں دل دولت دنیا، جولی، جورو کا غلام، آ گلے لگ جا، پیار کئے جا، بڈھا مل گیا، سادھو اور شیطان، ساون بھادوں، رات کی رانی، زمین آسمان، ناچ، لاہور، چار دن، بنسریا، نازنین، سرگم بہار، پونم، گھنگھرو، ان ہونی، شکست، ریل کا ڈبہ، لڑکی، چالیس بابا ایک چور، آس، چور بازار، پہلی جھلک، پوجا، کوی، دوست، ڈنکا، چپکے چپکے، مسافر خانہ، آزاد، کندن، نگن، گھر کی عزت، دل اپنا اور پریت پرائی، بیس سال بعد، محبت کے دشمن، حوالات، راہی، انسانیت کے دشمن، بھگوان دادا، چمیلی کی شادی، شرابی، میٹھا زہر، شاردا، لاوارث، دھنوان، باغی سپاہی، ہوڑہ برج، نوکر کی بیوی، خاندان، کانچ کی دیوار، الگ الگ، پیاسی آنکھیں، پریم روگ، دھرم کانٹا، نمک حلال، ایک اور ایک گیارہ، نرم گرم وغیرہ شامل ہیں۔

آخری عمر میں انہیں بلڈ کینسر ہو گیا جس سے ۲۱؍فروری ۱۹۹۸ء کو ان کی ممبئی میں وفات ہوئی۔

اوم پوری: اوم پوری کی ولادت ۱۸؍اکتوبر ۱۹۵۰ء کو انبالہ (ہریانہ) کے ایک غریب گھرانے میں ہوئی۔ چار سال کی عمر تک والدین نے پرورش کی پھر ماموں کے پاس بھیج دیئے گئے۔ ابتدا میں حالات سازگار نہ تھے لہٰذا انہوں نے لیب اسسٹنٹ، کبھی ہوم ٹیوشن اور کبھی ہوٹل میں معمولی نوعیت کے کام کئے۔ ۱۹۷۳ء میں انہوں نے نیشنل اسکول آف ڈرامہ میں تربیت پائی اور فلم اینڈ ٹی وی انسٹی ٹیوٹ سے



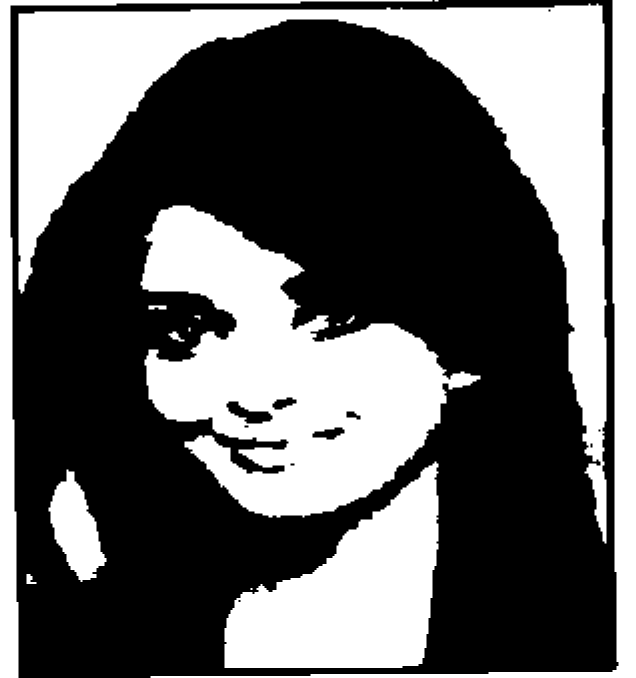
گریجویشن کی اور فلمی دنیا میں وارد ہوئے۔ ۱۹۷۶ء میں پہلی بار "گھاسی رام کوتوال" سے فلمی زندگی کی شروعات کی۔ ابتدا میں وہ کمرشیل فلموں سے دور رہے لیکن بعد ازاں کمرشیل فلموں میں بھی کام کرنے لگے۔ ستر کی دہائی میں انہوں نے شبانہ اعظمی، نصیر الدین شاہ، امریش پوری اور سمیتا پاٹل کے ساتھ آرٹ فلموں اردھ ستیہ اور مرچ مسالہ میں بے مثال اداکاری کر کے بڑی عزت و شہرت پائی۔ آکروش، بھومیکا، جانے بھی دو یارو، گھائل، مایا میم صاحب، چاچی چار سو بیس، ست رام، نوارے، یووا، دیو، رنگ دے بسنتی، ممبئی ایکسپریس، چوران کی چاندنی، اوما کا، آروہن، گپت، ماچس، منڈی، پیار تو ہونا ہی تھا، ٹھنڈا ٹھنڈا، ہنگامہ، مالا مال، پیارا، دل ہی دل میں، باپ پہلے آپ، ان، گھلوا، کنگ لندن ڈریمز، ڈبنگ، چپ چاپ، بچپن وغیرہ ۲۰۰ سے زائد فلموں میں اداکاری کے جوہر دکھا چکے ہیں۔ اور انہیں کئی اعزازات سے نوازا جا چکا ہے۔ ہندی فلموں کے علاوہ انہوں نے پنجابی فلموں میں بھی کام کیا۔ زبان کی ان کے سامنے کوئی رکاوٹ نہیں ہوئی اس لئے انہوں نے پاکستانی اور برطانیہ کی کئی فلموں میں بھی اداکاری کے جوہر دکھائے جن میں چٹنی اور ہوسٹ اینڈ ڈارکنس شامل ہیں۔ ۱۹۹۰ء میں انہوں نے برطانوی فلم دیول ان دی وراوئن میں بھی کام کیا۔ بعد ازاں ٹیلی وژن پر ان سے فینا کل اور شیکسپیئر کے ڈرامے "کنگ لیئر" میں بھی اداکاری کے جوہر دکھائے جس پر انہیں ۲۰۰۴ء میں برطانوی ایوارڈ "آرڈر آف برٹش ایمپائر" ملا۔ یہی نہیں انہوں نے ایک ازالیت، وائٹ ٹیتھ اور ہندی نشل ایک ٹی وی سیریل میں بھی کام کیا۔ ۲۰۰۷ء میں انہوں نے Charlie Wilson's War میں اداکارہ انجلینا اور نارم گلفس کے ساتھ سابق پاکستانی صدر جنرل ضیا الحق کا رول نبھایا۔ فلموں میں غیر معمولی کردار نبھانے والے اوم پوری کو کئی اعزازات مل چکے ہیں جن میں حکومت ہند کا پدم شری بھی شامل ہیں۔



اے آر رحمان۔ شہرۂ آفاق میوزک ڈائرکٹر اے آر رحمان کئی ناموں سے معروف ہیں جیسے اے آر دلیپ کمار، اللہ رکھا رحمان وغیرہ وہ ۶ جنوری ۱۹۶۶ء کو چنئی (مدراس) میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے گیارہ سال کی عمر سے میوزک میں حصہ لینا شروع کیا اور ان کا فلمی کیریئر تمل فلم "روجا" سے شروع

ہوا۔ اور اس وقت وہ دنیا کے سب سے زیادہ بکنے والے موسیقاروں میں سے ہیں اور انہیں متعدد ملکی اور غیر ملکی ایوارڈ مل چکے ہیں۔ ان کی بدولت ''جے ہو، جے ہو' کو عالمی شہرت ملی۔ انہوں نے 'روجا' کے بعد بامبے، دل سے، تال اور جودھا اکبر ایسی فلموں کی مسحور کن موسیقی کی تخلیق کی اور سلم ڈاگ ملینئر پر دو آسکر ایوارڈ جیت کر ملک کا سر فخر سے اُونچا کر دیا۔ انہوں نے انفرادی حیثیت سے دو گریمی ایوارڈ بھی حاصل کئے۔ ان کے علاوہ انہیں چار بار قومی ایوارڈ، چھ بار تمل ناڈو اسٹیٹ فلم ایوارڈ، پندرہ فلم فیئر ایوارڈ ،۱۳ ساؤتھ کے فلم فیئر ایوارڈ مل چکے ہیں۔ موسیقی میں ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ۲۰۱۰ء میں حکومتِ ہند نے انہیں پدم بھوشن عطا کیا۔

ایشوریہ رائے بچن: ۱۹۹۴ء میں حسینۂ عالم منتخب ہونے کے بعد فلموں میں قدم رکھنے والی اداکارہ ایشوریہ رائے بچن یکم نومبر ۱۹۷۳ء میں منگلور (کرناٹک) میں پیدا ہوئیں اور انہوں نے ممبئی کے آریہ ودیا مندر اسکینڈری اسکول اور جے ہند کالج میں تعلیم پائی۔ ۲۰/اپریل ۲۰۰۷ء کو ان کی امیتابھ بچن کے بیٹے اور مشہور اداکار ابھیشیک بچن سے شادی ہوئی اور ۱۶/نومبر ۲۰۱۱ء کو ان کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام 'ارادھیا' رکھا گیا۔



پہلی بار انہوں نے تمل فلم 'انوور' (Invur) میں کام کیا اور پھر اسی سال ہندی فلم ''اور پیار ہوگیا'' میں نمودار ہوئیں اور پھر آئندہ سال ''جین'' میں۔ ''دیوداس''، ''جودھا اکبر'' اور ''محبتیں'' ان کی کامیاب فلمیں ہیں۔ وہ اب تک چالیس کے قریب فلموں میں کام کر چکی ہیں جن میں سے کچھ کے نام ہیں: آ اب لوٹ چلیں، ہم دل دے چکے صنم، تال، مالا ا، جوش، ہمارا دل آپ کے پاس ہے، ڈھائی اکھشر پریم کے، محبتیں، البیلا، دیوداس، ہم تمہارے ہیں صنم، ہم کسی سے کم نہیں شکتی، دل کا رشتہ، کچھ نہ کہو، رین کوٹ، شبد، گورو، بنٹی اور ببلی، سرکار راج، راون، گزارش، ایکشن ری پلے، احترام، دھوم ۲ وغیرہ۔

بکرم کپور: اداکار بکرم (وکرم) کپور کی فلمیں ہیں: دھوپ چھاؤں (۱۹۳۵ء)، دیوداس (۱۹۳۶ء) بڑی بہن (۱۹۳۷ء) سٹریٹ سنگر (۱۹۳۸ء) جنٹس/ابھاگن (۱۹۳۸ء) جوانی کی ریت/پریسیر/ار بڑی دیدی (۱۹۳۹ء) زندگی (۱۹۴۰ء)، اناریاں (۱۹۴۱) جوار بھاٹا (۱۹۴۴ء) دیوداسی (۱۹۴۵ء) دھرتی (۱۹۴۶ء) جیل یاترا/ردو بھائی (۱۹۴۷ء) سودامنی (۱۹۵۰ء) مکتی (۱۹۳۷ء) سودامنی، (۱۹۵۰ء) آہوتی (۱۹۵۰ء) ترانہ (۱۹۵۱ء) پرنیتا (۱۹۵۳ء) براج بہو (۱۹۵۴ء) دیوداس/سوسائٹی (۱۹۵۵ء)



جاگتے رہو (۱۹۵۶ء) یہودی، لالہ رُخ، سونے کی چڑیا (۱۹۵۸ء) میں کیا کروں، بیگم، میرے گیت،، پھول، وغیرہ

ببیتا: مشہور اداکار رندھیر کپور کی اہلیہ اور کرینا کپور، کرشمہ کپور کی والدہ ببیتا کی ولادت ۲۰ / اپریل ۱۹۴۸ء کو ممبئی میں ہوئی۔ ان کے والد ہری شیو داسانی سندھ سے تعلق رکھتے تھے اور وہ بٹوارے کے بعد ہجرت کر کے ممبئی آ گئے تھے۔ وہ بھی فلموں میں اداکار تھے۔ ۱۹۶۶ء میں ببیتا نے بھی فلم لائن جوائن کر لی اور پہلی بار فلم ''دس لاکھ میں'' نمودار ہوئیں اور اپنی خوبصورتی اور اداکاری سے فلموں میں اچھی جگہ بنالی۔ مگر جلد ہی ان کا راج کپور کے بڑے بیٹے رندھیر کپور سے رومانس چل پڑا اور دونوں نے ۶ / نومبر ۱۹۷۱ء کو شادی کر لی اور فلم لائن سے سلسلہ منقطع کر لیا۔ تاہم اپنے قلیل فلمی کیریئر میں ببیتا نے متعدد فلموں میں کام کیا جیسے: دس لاکھ، راز، فرض، قسمت، حسینہ مان جائے گی، اولاد، تم سے اچھا کون ہے، ایک شریمان ایک شریمتی، ڈولی، انمول موتی، انجانا، کب کیوں اور کہاں؟، پہچان، کل آج اور کل، بکھرے موتی، بن پھول، جیت، ایک حسینہ دو دیوانے، سونے کے ہاتھ (۱۹۷۳ء) وغیرہ۔

بلراج ساہنی: اداکار بلراج ساہنی یکم مئی ۱۹۱۳ء کو راولپنڈی (پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ پہلے ان کا نام یدھشٹر رکھا گیا مگر بولنے میں مشکل محسوس ہونے کی وجہ سے بدل کر بلراج کر دیا گیا۔ وہ مشہور ہندی ادیب بھیشم ساہنی کے بڑے بھائی تھے جنہوں نے چند فلموں میں کام بھی کیا تھا۔ مقامی اسکول سے نمایاں کامیابی حاصل کرنے کے بعد وہ لاہور چلے گئے اور وہاں سے انگریزی میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔ اسکول اور کالج کے زمانے میں انہوں نے کئی ڈرامے تحریر کئے اور انہیں ڈائرکٹ کرنے کے ساتھ ساتھ ان میں اداکاری بھی کی۔ ۱۹۳۶ء میں انہوں نے اپنے انگریزی کے لیکچرر اور دوست جسونت رائے کی بہن سے شادی کی۔ ۱۹۳۷ء میں انہوں نے راولپنڈی کو خیر باد کہا اور کچھ مدت شانتی نکیتن میں ہندی کے ٹیچر کی حیثیت سے بھی کام کرتے رہے۔ انہوں نے کچھ وقت گاندھی جی کے سیوا گرام واردھا میں بھی گزارا اور جنگ کے دوران گاندھی جی کی اجازت سے چار سال تک بی بی سی لندن سے وابستہ رہے۔ انہوں نے اپنا کے لئے کئی ڈرامے لکھے جن میں 'انسپکٹر جنرل' اور 'ڈولس ہاؤس' خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ۱۹۴۵ء میں



انہوں نے خواجہ احمد عباس کی ہدایت میں بنی بنگال کے قحط سے متعلق فلم "دھرتی کے لال" میں ایک مفلس کسان کا کردار نبھایا اور ان کی اہلیہ دمینتی ساہنی اس میں ان کی بیوی بنی تھی (جس کی بعد ازاں بیماری کی وجہ سے موت واقع ہوگئی اور انہوں نے اپنی کزن سنتوش سے شادی کر لی) دھرتی کے لال نے غیر ممالک میں بھی بڑی تعریف ہوئی۔ اسی طرح بمل رائے کی فلم "دو بیگھہ زمین" میں انہوں نے ایک غریب رکشے والا کا یادگار رول ادا کیا، اور "کابلی والا" میں ایک سیدھے سادے پٹھان کا کردار بھی انہوں نے زندۂ جاوید بنا دیا۔

بلراج ساہنی نے ڈاکٹر چیرئین، دھرتی کے لال (۱۹۴۶ء) بدنامی، گڑیا، مالدار، ہم لوگ، ہلچل، بدنامی، راہی، دو بیگھہ زمین، بھاگیہ وان، آکاش، مجبوری، اولاد، تانگے والی، سیما، گرم کوٹ، ٹکسال، پردیسی، ماں باپ، کٹھ پتلی، لال بتی، بھابھی، سونے کی چڑیا، اجونتی، گھر سنسار، گھر گرہستی، خزانچی، سٹہ بازار، ہیرا موتی، چھوٹی بہن، دل بھی تیرا ہم بھی تیرے، سپنے سہانے، بندیا، سہاگ سندور، انورادھا، بٹوارا، کابلی والا، شادی، ان پڑھ، پنرملن، حقیقت، وقت، فرار، پنجرے کے پنچھی، آئے دن بہار کے، نیند ہماری خواب تمہارے، آسرا، نونہال، گھر کا چراغ، امن، ہمراز، سنگھرش، نیل کمل، عزت، دنیا، تلاش، ننھا فرشتہ، ایک پھول دو مالی، دو راستے، پہچان، پوتر پاپی، نیا راستہ، نانک نام جہاز ہے، میرے ہمسفر، ہولی آئی رے، جوانی دیوانی، دھرتی، جوان محبت، پرایا دھن، شاعر کشمیر مہجور، جنگل میں منگل، پیار کا رشتہ، ہنستے زخم، ہندوستان کی قسم، گرم ہوا، جلیاں والا باغ، امانت، وغیرہ متعدد فلموں میں اپنی اداکاری کی چھاپ چھوڑی۔

بلراج ساہنی اداکار کے ساتھ ساتھ اچھے ادیب بھی تھے۔ ان کے روس کے سفر پر لکھی کتاب پر انہیں سوویت لینڈ نہرو ایوارڈ ملا تھا۔ اس کے علاوہ انہوں نے پاکستان کا سفرنامہ بھی لکھا تھا۔ انہیں پدم شری سے بھی نوازا گیا۔ ان کا بیٹا پریکشت ساہنی بھی سنیما اور ٹی وی کا ایک جانا پہچانا اداکار ہے۔ انہوں نے آخری دنوں میں "گرم ہوا" کی ڈبنگ مکمل کی اور ۱۳ اپریل ۱۹۷۳ کو ممبئی میں ان کی وفات ہوئی۔



بمل رائے: بنگلہ ہندی کے ہدایت کار، کیمرہ مین، فلمساز بمل رائے (۱۲ جولائی ۱۹۰۹ء سوپور بنگال۔ ۸ جنوری ۱۹۶۶ء ممبئی) ہندوستانی فلمی صنعت کی ایک اہم شخصیت تھے جن کی بعض فلمیں کلاسیکل فلموں کا درجہ رکھتی ہیں۔ وہ مغربی بنگال (حال بنگلہ دیش) کے ایک زمیندار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے ڈھاکہ کے جگن ناتھ کالج میں تعلیم پائی اور ۱۹۳۰ء میں فلموں میں کام کرنے کا شوق انہیں کلکتہ لے گیا جہاں وہ نیو

تھیٹرز میں کیمرہ مین بن گئے اور ہدائت کار پی سی بروا کے قریبی ساتھی بن گئے حتیٰ کہ وہ ان سے ہر بات میں مشورہ بھی لیا کرتے تھے۔ پی سی بروا کی شاہکار فلم ''دیوداس'' کے وہ کیمرہ مین تھے اور اس فلم کی وجہ سے ان کا شمار سر فہرست کیمرہ مینوں میں ہونے لگا۔ پی سی بروا نے ان کی صلاحیتوں سے متاثر ہو کر اپنی اگلی فلم ''ماں'' کی ہدائت کی ذمہ داری انہیں سونپ دی اور یہ فلم بڑی کامیاب ثابت ہوئی۔ اس کے بعد انہوں نے کئی فلمیں جیسے مایا مکتی، بڑی دیدی، براج بہو اور ابھینیتری بنائیں۔ ۱۹۵۰ء میں بلراج ساہنی اور سمرتی بسواس کو لے کر انہوں نے نیو تھیٹرز کے لئے ''پہلا آدمی'' بنائی۔ اسی دوران دیوکا رانی نے ان کی صلاحیتوں سے متاثر ہو کر انہیں بمبئی ٹاکیز میں مدعو کر لیا۔ بعد ازاں انہوں نے بمئی ٹاکیز چھوڑ کر اپنی ذاتی فلم کمپنی بنائی اور ۱۹۵۳ء میں اپنی شاہکار فلم ''دو بیگھہ زمین'' پیش کی جسے کامیابی کے ساتھ ساتھ کئی ایوارڈز بھی ملے ۱۹۵۶ میں انہوں نے دلیپ کمار اور وجینتی مالا کو لے کر ''دیوداس'' بنائی جسے شاہکار فلموں میں شمار کیا جاتا ہے۔ انہوں نے متعدد فلموں کی ہدائت کاری کے فرائض انجام دیئے جن میں کچھ فلمیں ہیں: ہمراہی، دو بیگھہ زمین، دیوداس، مدھومتی، یہودی، سجاتا، پرکھ، پرنیتا، نوکری، باپ بیٹی، پریم پتر، بندنی، بے نظیر وغیرہ۔



بوبی دیول: اداکار بوبی دیول (وجے سنگھ دیول) مشہور اداکار دھرمیندر کے بیٹے اور سنی دیول کے چھوٹے بھائی ہیں۔ ان کی ولادت ۲۷؍جنوری ۱۹۶۷ء کو ممبئ میں ہوئی۔ انہوں نے میو کالج اجمیر میں تعلیم پائی او پہلی بار ۱۹۷۷ء میں بطور چائلڈ آرٹسٹ فلم ''دھرم ویر'' میں دھرمیندر جی کے بچپن کا رول کیا۔ ۱۹۹۰ء میں پہلی بار ٹونکل کھنہ کے بالمقابل بطور ہیرو نمودار ہوئے۔ انہوں نے زیادہ تر تھرلر فلموں میں کام کیا جیسے بادل، گپت اور بچھو وغیرہ۔ ان کی کچھ اہم فلمیں ہیں: اور پیار ہو گیا، قریب، سولجر، دل لگی، ہم تو محبت کرے گا، عاشق، اجنبی، کرانتی، ۲۳؍مارچ ۱۹۳۱ء شہید، ہمراز، چور مچائے شور، برداشت، اب تمہارے حوالے وطن ساتھیو، جرم، جینگو چارلی، برسات، اپنے، ہم کو تم سے پیار ہے، الگ، نقاب، اوم شانتی اوم، جھوم برابر جھوم، دوستی: فرینڈز فار ایور، ہیروز، دوستانہ، چمکو، وعدہ رہا، یملا پگلا دیوانہ، تھینک یو، پلیئرز، یملا پگلا دیوانہ۔۲ (۲۰۱۳ء) انہوں نے تانیا آہوجہ سے شادی کی ہے جن سے ان کے دو بچے ہیں۔

بورال. آر سی: بنگلہ، ہندی میوزک ڈائرکٹر رام چندر بورال (۱۹؍اکتوبر ۱۹۰۳ء بھاگلپور۔ ۲۵؍نومبر ۱۹۸۱ء کلکتہ) معروف موسیقار جو نیو تھیٹرز سے وابستہ تھے۔ ۱۹۲۷ء میں انہوں نے انڈین



براڈ کاسٹنگ کمپنی جوائن کی اور ۱۹۳۱ء میں نیو تھیٹر۔ انہوں نے پہلے 'دیونا پاؤنا' میں موسیقی ترتیب دیا اور بعد میں دھوپ چھاؤں کی۔ ۱۹۳۴ء میں انہوں نے نتن بوس کی ترغیب پر پہلے بیک موسیقی سے متعارف کرایا۔ انہوں نے محبت کے آنسو، زندہ لاش، صبح کا ستارا، میرا بائی، چنڈی داس، پورن بھگت، ودیا پتی، دھوپ چھاؤں، ہار جیت، لگن، سوگند، سٹریٹ سنگر، کاروان حیات، انقلاب، منزل، پریذیڈنٹ، واپس، ہمراہی، انجن گڑھ، بشنو پریہ، پہلا آدمی، سوامی وویکانند، دردِ دل، رچیتنہ مہا پربھو (۱۹۵۳ء) امر سہگل، (۱۹۵۵ء) وغیرہ کی موسیقی ترتیب دی۔ ان کا شمار اولین دور کے ممتاز موسیقاروں میں ہوتا ہے۔

بھارت بھوشن۔ اداکار بھارت بھوشن (۱۴/جون ۱۹۲۰ء میرٹھ اُتر پردیش۔ ۱۰/اکتوبر ۱۹۹۲ء ممبئی) المیہ اداکاری میں بڑی شہرت رکھتے تھے اور وہ نصف صدی تک ہندوستانی فلم صنعت کے ایک اہم اداکار رہے۔ وہ عموماً ایک شاعر، ایک عاشق، ایک گویے کے طور پر موزوں اداکار سمجھے جاتے تھے جو اپنی المیہ اداکاری سے کردار میں جان پھونک دیتے تھے۔ انہوں نے سب سے پہلے فلم ''بھگت کبیر'' میں صوفی شاعر کبیر کا رول ادا کیا جسے بہت پسند کیا گیا۔ ۱۹۴۱ء میں انہوں نے چتر لیکھا میں بھی کام کیا جس کی ہیروئن مہتاب تھیں۔ مگر انہیں شہرت کیدار شرما کی فلم ''سہاگ رات'' سے ملی



جس میں ان کے مقابل ہیروئن گیتا بالی تھیں۔ 'بیجو باورا' ان کی ایک ایسی فلم تھی جسے کبھی فراموش نہیں کیا جائے گا۔ انہیں متعدد فلموں میں کام کرنے کا موقع ملا جن میں آنند مٹھ، سوہنی ماہیوال، مرزا غالب، انگولی مالا، چکوری، چیتنا، بیجو باورا، شباب، بھاگن،، جہاں آرا، آنکھیں، پھاگن، رانی روپ متی، سنگیت سمراٹ تان سین، جے سنتوشی ماں، کالا دھندہ گورے لوگ، ہیرو، دوج کا چاند، کوی کالیداس، سہاگ رات، گھونگھٹ، تقدیر، پیار کا موسم، برسات کی رات، شری چیتنیہ، ماں، پردیسی، چمپا کلی، گیٹ وے آف انڈیا، سمراٹ چندر گپت، ساون، رہگزر (۱۹۸۵ء) اول نمبر (۱۹۹۰ء) وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

بھٹ، مہیش: پروڈیوسر ڈائرکٹر اسکرین رائٹر مہیش بھٹ ۲۰/ستمبر ۱۹۴۸ء کو ممبئی میں مشہور پروڈیوسر ڈائرکٹر نانا بھائی بھٹ کے ہاں پیدا ہوئے۔ ان کی والدہ شیریں اپنے وقت کی معروف اداکارہ



تھیں۔ پہلے انہوں نے کرن۔ سے شادی کی جس سے ان کی بیٹی پوجا بھٹ ہیں اور بعد ازاں سونی رازداں سے۔ انہوں نے اپنا فلمی کیریئر راج کھوسلہ کے معاون ہدائت کار کی حیثیت سے شروع کیا۔ پہلی فلم منزلیں اور بھی ہیں ۱۹۷۴ء میں ڈائرکٹ کی اور پھر ۱۹۷۹ء میں لہو کے دو رنگ۔ ارتھ (۱۹۸۲ء) سارانش (۱۹۸۴ء) جنم (۱۹۸۵ء) نام (۱۹۸۶ء) اور کاش (۱۹۸۷ء) ان کی یادگار فلمیں ہیں۔ ان کے علاوہ انہوں نے متعدد فلمیں پروڈیوس کیں اور ان کی اسکرین رائٹنگ کی۔ ۱۹۹۵ء میں وہ ٹی وی کی جانب راغب ہوئے اور کئی ٹی وی سیریل بنائے۔ جیسے: اے ماؤتھ فل آف اسکائی، سوابھیمان اور کبھی کبھی۔

مہیش بھٹ کا شمار ملک کے ذہین اور دانشور ہدائت کاروں میں ہوتا ہے اور انہیں ان کی کارکردگی پر متعدد اعزازات مل چکے ہیں۔



بھٹ وجے :اسٹڈیو کے مالک رہدائت کار رفلمساز وجے بھٹ، شنکر بھائی بھٹ کے چھوٹے بھائی تھے جنہوں نے فلمی دنیا میں بھرت ملاپ، رام راجیہ، اور بیجو باورا ایسی یادگار فلمیں بنا کر بڑا نام کمایا۔ وہ ۱۲ مئی ۱۹۰۷ء کو پلیتانا، کاٹھیاواڑ (گجرات) میں پیدا ہوئے۔ ۲۰ سال کی عمر میں اپنے بڑے بھائی شنکر بھائی بھٹ کے ساتھ بمبئی آ گئے جہاں وہ سینٹ زیویر کالج میں داخل ہو گئے۔ پھر وہاں سے انٹرمیڈیٹ کرنے کے بعد انہوں نے لندن الیکٹریکل انجینئرنگ کالج سے چار سالہ کورس پاس کیا اور بمبئی الیکٹریکل سپلائی اینڈ ٹرانس وے کمپنی "بیسٹ" میں ملازم ہو گئے۔ بعد ازاں بطور اسسٹنٹ ڈائرکٹر اپنے بڑے بھائی شنکر بھائی بھٹ کے ساتھ رائل سینے کارپوریشن میں کام کرنے لگے۔ ۱۹۳۴ء میں انہوں نے شنکر بھٹ کے ساتھ مل کر پرکاش پکچرز کی بنیاد رکھی اور کئی فلموں کی ہدائت کاری اور فلمسازی کے فرائض انجام دئے جیسے ایکٹریس، ڈریم لینڈ (۱۹۳۶ء)، پورنیما چیلنج، ہز ہائنیس، پاشنگ شو، پنگھٹ، اسٹیشن ماسٹر، بھگت دھرو، نرسی بھگت (۱۹۴۰ء)، بھرت ملاپ (۱۹۴۲ء)، رام راجیہ (۱۹۴۳ء)، وکرمادتیہ، سماج کو بدل دو، بیجو باورا (۱۹۵۲ء)، پٹ رانی (۱۹۵۶ء)، گونج اٹھی شہنائی (۱۹۵۹ء)، ہریالی اور راستہ (۱۹۶۲ء) ہمالیہ کی گود میں (۱۹۶۵ء فلم فیئر ایوارڈ)، شری چیتنیہ مہاپربھو وغیرہ۔ ۱۷ اکتوبر ۱۹۹۳ء کو ان کی ممبئی میں وفات ہو گئی۔

بھگوان: کامیڈین، ہیرو، پروڈیوسر، اور ڈائرکٹر بھگوان ابھاجی پلو عرف بھگوان دادا، یکم اگست ۱۹۱۳ء کو ممبئی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ایک ٹیکسٹائل مل میں ملازمت کرتے تھے اور وہ غربت کے باوجود ہمیشہ فلموں میں کام کرنے کے خواب دیکھتے تھے۔ انہوں نے پہلی بار خاموش فلم 'کریمنل' (Criminal) میں کام کیا۔ ۱۹۳۰ء میں انہوں نے "بے وفا عاشق" میں ایک کبڑے کا رول کیا اور فلم میں ان کی اداکاری کو بڑا پسند کیا گیا۔ اس کے بعد انہوں نے کئی فلموں میں چھوٹے موٹے رول کئے۔ ۱۹۳۶ء میں انہوں نے خود اپنی فلم "ہمت مرداں" بنائی۔ اس کے بعد انہوں نے فلم "بہادر کسان" بنائی جو زبردست ہٹ ہوئی۔ بھگوان نے کئی فلموں جیسے بڑے صاحب، دادا، بغضب، رام بھروسے اور بھولے بھٹکے میں ہیرو کا رول کیا۔ اُن کی فلم "بھیدی بنگلہ" تین مہینوں میں مکمل ہوئی تھی اس کے اسپیشل ایفیکٹس نے بڑے بڑے کیمرہ مینوں کو حیران کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ایک فلم صرف ۶۵۰۰۰ روپے میں بنائی تھی۔ ۱۹۵۱ء میں ہیروئن گیتا بالی کے ساتھ بنی ان کی میوزیکل فلم "البیلا" زبردست ہٹ ہوئی اور اس کے گانے گلی گلی میں گونجنے لگے۔ اور وہ اتنے مقبول ہو گئے کہ بڑے بڑے اداکاروں نے ان کے اداکاری کی نقل شروع کر دی۔ 'البیلا' کے بعد ان کی 'لابیلا' اور 'جھمیلا' بری طرح فلاپ ہوئیں۔ اس کے بعد انہوں نے کشور کمار کے ساتھ فلم 'ہنستے رہنا' بنائی جس میں انہوں نے اپنا بنگلہ، گاڑی اور بیوی کے زیور تک لگا دیئے مگر بوجوہ فلم درمیان میں رک گئی اور وہ مفلسی کے کگار پر کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے سینکڑوں فلموں میں کام کیا مگر آخر میں انہیں سائن آرٹسٹ ایسوسی ایشن کی طرف سے ملنے والے چند ہزار روپیوں پر گزر اوقات کرنی پڑی۔

۴ فروری ۲۰۰۲ء کو ممبئی میں ان کا انتقال ہو گیا۔

بی آر چوپڑہ: پروڈیوسر، ڈائرکٹر، رائٹر بی آر چوپڑہ کا پورا نام بلدیو راج چوپڑہ تھا۔ اور وہ ۲۲ اپریل ۱۹۱۴ء کو لدھیانہ (پنجاب) میں پیدا ہوئے تھے۔ انہوں نے پنجاب یونیورسٹی سے انگلش میں ایم اے کیا اور ۱۹۴۴ء میں لاہور سے انگریزی میں فلمی ماہنامہ "سینے ہیرالڈ" نکالا جو ۱۹۴۷ء تک جاری رہا۔ تقسیم کے بعد وہ ممبئی منتقل ہو گئے اور فلموں کی جانب رجوع کیا۔ ۱۹۵۱ء میں انہوں نے "افسانہ" فلم بنائی جو بڑی کامیاب رہی۔ وہ ایک

ایسے ہدائت کار اور فلمساز تھے جن کی زندگی کا مقصد اچھی، بامقصد فلمیں بنانا تھا۔ انہوں نے دو فلمیں ''اتفاق'' (راجیش کھنہ، نندہ سجیت کمار) اور 'قانون' (اشوک کمار) ایسی بنائی تھیں جن میں کوئی گانا نہیں تھا مگر پھر بھی سپر ہٹ رہیں۔ انہوں نے افسانہ، چاندنی چوک اور ایک ہی راستہ ڈائیرکٹ کی تھیں۔ ان کی ہدائت اور پروڈکشن میں بننے والی کچھ فلمیں ہیں: افسانہ (۱۹۵۱ء) ایک ہی راستہ (۱۹۵۶ء) نیا دور (۱۹۵۷ء) سادھنا (۱۹۵۸ء)، قانون، دھرم پتر، دھول کا پھول، گمراہ، وقت، ہمراز، آدمی اور انسان، اتفاق، داستان، دھند، چھوٹی سی بات، ضمیر، کرم (۱۹۷۷ء) پتی پتنی اور وہ (۱۹۷۸ء) انصاف کا ترازو (۱۹۸۰ء) نکاح (۱۹۸۲ء) عوام (۱۹۸۷ء) کل کی آواز (۱۹۹۲ء) وغیرہ۔ ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے حکومت ہند نے ۱۹۹۸ء میں انہیں دادا صاحب پھالکے ایوارڈ سے نوازا۔

۴رنومبر ۲۰۰۸ء کو ان کی ۹۴ سال کی عمر میں ممبئی میں وفات ہوگئی۔

بیگم اختر: (اختری بائی فیض آبادی) ۷را کتوبر ۱۹۱۴ء کو فیض آباد (اُتر پردیش) میں پیدا ہوئیں اور ۳۰را کتوبر ۱۹۷۴ء کو لکھنؤ میں انتقال کر گئیں۔ وہ بچپن میں ہی ہارمونیم اور ڈھولک سے آشنا ہوگئیں۔ اُن کی ماں کا نام مشتری بائی تھا۔ بڑی ہونے پر پٹیالہ گھرانے کے اُستاد عطا محمد سے گائیکی کی تعلیم پائی۔ ۱۹۳۳ء میں اختری بائی نے پہلی بار کلکتہ میں اسٹیج پر پرفارم کیا۔ پھر اختری بائی فلم اسٹار نرگس کی والدہ جدن بائی کے رابطے میں آئیں اور انہوں نے ہی انہیں مشہور دادرا ''تورا انئیں رلیہ جمنا کی ڈار'' سکھایا تھا۔ پھر وہ فلمی دنیا میں



آگئیں۔ ۱۹۴۱ء میں ہدائت کار محبوب خان نے انہیں اپنی شاہکار فلم ''روٹی'' میں پیش کیا اور انہیں اس دور کا سب سے بڑا معاوضہ بائیس ہزار روپے دیا گیا۔ انہوں نے اس فلم میں چھ گانے...... پھر فصل بہار آئی دل دیوانہ، چار دنوں کی جوانی متوالے پی لے......، اُلجھ گئے نینوا چھپٹے نہ چھپائے......، اے پریم تیری بلہاری ہوں وہ ہنس رہے ہیں آہ کیسے جا رہا ہوں میں،...... رہنے لگا ہے دل میں اندھیرا تیرے بغیر، گائے جو کہ آرزو لکھنوی، صفدر آہ اور بہزاد لکھنوی کے لکھے ہوئے تھے۔

بیگم اختر نے کچھ فلموں میں کام کیا جن میں کنگ فار اے ڈے (۱۹۳۳ء، پہلی فلم)۔ نل دمینتی (۱۹۳۳ء) آئینہ، ممتاز بیگم، روپ کماری، امینہ، (۱۹۳۴ء)، جوانی کا نشہ (۱۹۳۵ء) نصیب کا چکر (۱۹۳۶ء) انار بالا (۱۹۴۰ء)، روٹی (۱۹۴۲ء)، جلسہ گھر (۱۹۵۸ء) شامل ہیں۔ انہوں نے کچھ فلموں کا پلے بیک بھی دیا۔ بیگم اختر نے دادرا، ٹھمری، کجری، ٹپہ، کہربا اور دھرپد کے علاوہ بھوجپوری اور اودھی

زبانوں اورلوک شیلی میں بھی اپنی آواز کا استعمال کیا۔ [illegible] غزل ہے صرف غزل۔ اوران کی گائی شکیل بدایونی کی یہ غزل ہمیشہ یادرہے گی کہ...... ''اے محبت تیرے انجام پہ رونا آیا۔''

انہوں نے ۱۹۴۵ء میں اشتیاق احمد عباسی، بیرسٹر سے شادی کر لی اور اختری بائی سے بیگم اختر بن گئیں۔ اور پانچ سال تک انہوں نے کسی محفل میں کوئی گانا نہیں گایا۔ مگر جب وہ بیمار پڑ گئیں تو ان کی بیماری کا علاج صرف گانا بتایا گیا لہٰذا انہوں نے لکھنؤ ریڈیو پر کچھ گانے پیش کئے اور ایک بار پھر عوام کو ان کی آواز سننے کو ملی۔ اس کے بعد وہ پھر عوام کو اپنے جادو سے مسحور کرنے لگیں۔

بیگم پارہ: (۲۵؍دسمبر ۱۹۲۶ پنجاب۔ ۹؍دسمبر ۲۰۰۸ ممبئی) اپنے دور کی مشہور اداکارہ اور سیکس سائرن بیگم پارہ دلیپ کمار کے چھوٹے بھائی ناصر خان کی بیوی تھیں جس سے انہوں نے ۱۹۵۸ء میں شادی کی تھی اور جن کا ۱۹۷۴ء میں انتقال ہو گیا تھا۔ اب ان کا بیٹا ایوب خاں ٹی وی کا ایک اہم اداکار ہے اور اس کے علاوہ دو بیٹیاں ہیں۔ بیگم پارہ ۱۹ سال کی عمر میں فلموں میں وارد ہوئیں۔ ان کے والد میاں احسان الحق جج کے عہدے پر فائز تھے۔ بیگم پارہ نے کچھ ابتدائی سال بیکانیر میں گزارے تھے۔ ایک بار وہ چھٹیوں میں ممبئی آئیں تو ان کی بھائی کی بیوی پر تیما داس گپتا نے، جو مشہور اداکارہ تھیں انہیں



بھی فلموں میں کام کرنے پر راضی کیا۔ اور وہ پہلی بار فلم ''چاند'' میں بطور ہیروئن نمودار ہوئیں، جس کے ہیرو پریم ادیب تھے۔ انہوں نے متعدد فلموں میں کام کیا جن میں چاند، سہاگ رات، شہناز، نیا گھر، لیلیٰ مجنوں، مہندی، سوہنی ماہیوال، شمع، زنجیر، نیل کمل، مہربانی، بغداد، شہزادہ، پہلی جھلک وغیرہ شامل ہیں۔

وہ اپنے دور کی ایک الٹرا ماڈرن ہیروئن تھیں۔ وہ فیشن ایبل لباس پہننا پسند کرتی تھیں۔ فلم ''لٹیرا'' کے سیٹ پر ان کی ملاقات ناصر خان سے ہوئی اور دونوں نے شادی کر لی۔ حالانکہ دلیپ کمار نے اس کی سخت مخالفت کی جس کی وجہ سے بعد میں ان کے تعلقات کشیدہ ہی رہے۔ انہیں ٹی وی پر کئی رول آفر کیے گئے مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ ایکتا کپور نے انہیں سمرتی ایرانی کو دیئے گئے کردار کے لئے آفر دی تھی مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ ان کی آخری فلم بھگوان دادا کی ۱۹۶۰ء میں بننے والی فلم ''کربلا'' تھی۔ اس کے بعد انہوں نے کوئی فلم نہیں کی۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے کیمرے کے سامنے نہ آنے کی قسم کھالی تھی۔

بینا رائے: فلم ایکٹر پریم ناتھ کی اہلیہ اور مشہور اداکارہ بینا رائے کا اصلی نام کرشنا سرین تھا اور ان



کی پیدائش ۴ر جون ۱۹۳۱ء کو لاہور میں ہوئی تھی۔ پچاس ساٹھ دہے میں ان کا شمار حسین ہیروئنوں میں ہوتا تھا۔ انہوں نے کچھ فلموں میں کام کیا اور پھر پریم ناتھ سے شادی کے بعد انہوں نے فلموں سے سبکدوشی اختیار کر لی لیکن بعد ازاں انہوں نے چند فلموں میں کام کیا جن میں ایل وی پرساد کی فلم دادی ماں بھی شامل ہے۔ ان کی ازدواجی زندگی اچھی نہیں گزری کیونکہ پریم ناتھ شراب اور دوسری عورتوں میں دلچسپی رکھتے تھے اور ان پر مظالم بھی کرتے تھے۔ جس سے ان کا دماغی توازن بگڑ گیا اور وہ کچھ مدت مینٹل ہسپتال میں بھی رہیں، پھر ٹھیک ہو گئیں۔ فروری ۲۰۰۹ء میں انہیں قومی ایوارڈ برائے لائف اچیومنٹ ملا۔ بینا رائے نے سب سے پہلے ۱۹۵۱ء میں کشور ساہو کی فلم ''کالی گھٹا'' میں کام کیا۔ ان کا انارکلی (۱۹۵۳ء) اور تاج محل (۱۹۶۳ء) میں کیا گیا رول ہمیشہ یادگار رہے گا۔ ۱۹۶۰ء میں گھونگھٹ میں کام کرنے پر انہیں بہترین اداکارہ کا فلم فیئر ایوارڈ ملا تھا۔ ان کی فلموں میں کالی گھٹا، سپنا، عورت، انارکلی، گوہر، شگوفہ، پرزنرز آف گولکنڈہ، انسانیت، سردار، ہمارا وطن، بینار، میرین ڈرائیو، مدھ بھرے نین، تاج محل، بندی، درگیش نندنی، چنگیز خاں، بل اسٹیشن، رام راجیہ، دادی ماں، اپنا گھر، اپنی کہانی، واللہ کیا بات ہے، گھونگھٹ، تلاش، سمندر، میرا اسلام وغیرہ شامل ہیں۔

۶ر دسمبر ۲۰۰۹ء کو ان کی ممبئی کے ایک پرائیویٹ ہسپتال میں وفات ہوگئی جہاں چند دن پیشتر سانس کی تکلیف ہونے پر انہیں داخل کرایا گیا تھا۔

پدمنی: اداکارہ ر رقاصہ پدمنی کا تعلق جنوب سے ہے اور وہ ۴ر دسمبر ۱۹۳۲ء میں بمقام ترپوندرم (کیرالہ) پیدا ہوئیں۔ لگ بھگ ۲۵۰ تمل، ملیالم اور ہندی فلموں میں کام کر چکی ہیں۔ شیواجی گنیشن کے ساتھ ۵۹ فلموں میں کام کرنے کے علاوہ ایم جی راما چندرن، این ٹی راما راؤ، پریم نظیر، جیمنی گنیشن، راجکپور، شمی کپور وغیرہ بڑے بڑے اداکاروں کے بالمقابل کام کر چکی ہیں۔ پہلی بار ۱۹۴۸ء میں ہندی فلم ''کلپنا'' میں رقص کیا تھا۔ جس دیش میں گنگا بہتی ہے اور میرا نام جوکر میں راجکپور کے بالمقابل ہیروئن آئیں۔ ۱۹۶۲ء میں ''عاشق'' میں بھی راجکپور کے بالمقابل کام کیا۔ ان کی اہم ہندی فلمیں ہیں: مسٹر سمپت، قیدی، پائل،



پردیسی، ستمگر، راج تلک، راگنی، امر دیپ، امر شہید، سنگاپور، کلپنا، جس دیش میں گنگا بہتی ہے، میرا نام جوکر، بندیا، اپسرا، افسانہ، وسنت سینا، بھائی بہن، چندا اور بجلی، واسنا، مستانہ، درد کا رشتہ (بطور مہمان آرٹسٹ) وغیرہ۔



پران: اپنے دور کے مقبول ترین ویلن پران جنہیں حال ہی میں دادا صاحب پھالکے ایوارڈ (۲۰۱۳ء) سے نوازا گیا تھا، ۱۲؍ فروری ۱۹۲۰ء کو، بلیماراں پرانی دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کا پورا نام پران کشن سکند تھا۔ پہلے پہل وہ فلمساز دل سکھ پنچولی کی پنجابی فلم ''یملا جٹ'' میں نمودار ہوئے۔ اس فلم کو بڑی کامیابی حاصل ہوئی۔ بعد میں انہوں نے شوکت رضوی کی فلم ''خاندان'' میں نورجہاں کے مقابل ہیرو کا رول کیا اور اس فلم میں پران کی اداکاری اور نورجہاں کے گیتوں نے فلم کو سپر ہٹ کر دیا۔ اس کے بعد وہ ہیرو کے بجائے ویلن کی حیثیت سے فلموں میں کام کرنے لگے۔ ان کی کامیابی کا یہ عالم ہے کہ آج بھی ان کی نصف صدی پہلے کی بنی فلمیں دیکھ کر لوگوں کے دل میں ان کے خلاف نفرت کی آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ اور اُپکار اور زنجیر میں ان کی اداکاری سے جذبۂ محبت پیدا ہو جاتا ہے۔

تقسیم ملک کے بعد وہ لاہور سے اندور آ گئے اور پھر واپس لاہور نہ جا سکے۔ بمبئی آنے کے بعد انہیں اپنی بیوی کے زیورات بیچ کر چھوٹے موٹے ہوٹلوں میں قیام کرنا پڑا۔ پھر عصمت چغتائی کی تحریر کردہ فلم ''ضدی'' میں اُن کی اداکاری نے ان کا سکہ جما دیا اور وہ چل نکلے اور پھر انہوں نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ اُنہوں نے بے شمار فلموں میں کام کیا جن میں ہلاکو، پلپلی صاحب، آنسو بن گئے پھول، جانی میرا نام، وکٹوریہ نمبر ۲۰۳، شہید، بے ایمان، ڈان، دنیا، بہار، براج بہو، آزاد، چھلیا، جس دیش میں گنگا بہتی ہے، جب پیار کسی سے ہوتا ہے، گنوار، دل تیرا دیوانہ، ہاف ٹکٹ، پھر وہی دل لایا ہوں، میرے محبوب، کشمیر کی کلی، راجکمار، گوپی، ہمجولی، جانی میرا نام، ہیر رانجھا، پورب اور پچھم، گڈی، نیا زمانہ، ایک بیچارہ، آپ کے دیوانے، دوستانہ، قرض، کالیہ، نصیب، ناستک، بڑی بہن، برسات کی رات، منیم جی، چوری چوری، تم سا نہیں دیکھا، مدھومتی۔ گمنام، دل دیا درد لیا، لو ان ٹوکیو، این ایوننگ ان پیرس، زنجیر، بوبی، پتھر کے صنم، رام اور شیام، دس نمبری، سنیاسی، دھرم ویر، امر اکبر انتھونی، اندھا قانون، نوکر بیوی کا، سوتن، بے وفائی، دوستی دشمنی، مرتیو داتا، شہنشاہ، طوفان وغیرہ شامل ہیں۔

انہیں بہترین اداکاری پر کئی ایوارڈ مل چکے ہیں۔ ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے حکومت

ہند نے انہیں ۲۰۰۱ء میں پدم بھوشن عطا کیا تھا۔

وہ ایک مدت سے صاحب فراش تھے اور گزشتہ ایک مہینے سے ممبئی کے لیلاوتی ہسپتال میں زیرِ علاج تھے جہاں ۱۲؍جولائی ۲۰۱۳ء کو ان کی ۹۳ سال کی عمر میں وفات ہوگئی۔



پرتھوی راج کپور: اداکار پرتھوی راج کپور ۳؍نومبر ۱۹۰۱ء کو پشاور صوبہ سرحد (حال خیبر پختون خواہ پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ وہ فلموں کی ایسی قد آور شخصیت تھے جنہیں ہر فرد عزت واحترام کی نگاہوں سے دیکھتا ہے اور آج اُن کی چوتھی نسل فلموں میں اپنی اداکاری کے جوہر دکھا رہی ہے۔ اُن کے بیٹے راجکپور، ششی کپور اور شمی کپور کے بعد ان کی اولادیں، رندھیر کپور، رشی کپور، کرشمہ کپور، کرینہ کپور اور اب رنبیر کپور اس میدان میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ پرتھوی راج کپور نے ایڈورڈ کالج پشاور سے بی اے اور پھر ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کی۔ وہ کالج کے زمانے میں ڈراموں میں بھی حصہ لیتے رہے۔ فلموں کے شوق میں وہ کلکتہ پہنچے مگر وہاں نیو تھیٹر کا بنگالی ماحول دیکھ کر وہ بمبئی چلے گئے اور وہاں پہلی بار امپیریل فلم کمپنی کی خاموش رومانی فلم ''سنیما گرل'' میں ایرلین کے بالمقابل بطور ہیرو نمودار ہوئے جس کے ہدائت کار بی پی مشرا تھے۔ اس کے بعد انہوں نے وجے کمار، شیر عرب، نمک حرام کون، گولی بار اور طوفان وغیرہ کئی خاموش فلموں میں کام کیا اور جب ۱۹۳۱ء میں ہندوستان کی پہلی متکلم فلم 'عالم آرا' بنی تو پہلا مکالمہ ادا کرنے والے بھی پرتھوی راج کپور تھے۔ ان کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ انہوں نے پردۂ اسکرین پر ایک بھی رومانی گانا نہیں گایا۔ وہ ۱۹۳۳ء سے ۱۹۳۹ء تک نیو تھیٹر سے وابستہ رہے پھر بمبئی آ گئے جہاں انہوں نے کئی فلموں میں ہیرو کا رول ادا کیا۔ ۱۹۳۹ء میں انہوں نے 'ادھوری کہانی' میں درگا کھوٹے کے بالمقابل ہیرو کا رول ادا کیا اور پھر برسوں بعد ۱۹۶۰ء میں مغل اعظم میں وہ اکبر بنے تو درگا کھوٹے جودھا بائی۔ سہراب مودی کی تاریخی فلم ''سکندر'' میں اُن کے سکندر کے رول کو اور مغل اعظم میں شہنشاہ اکبر کے رول کو فراموش نہیں کیا جا سکے گا۔ انہوں نے بے شمار فلموں میں کام کیا جن میں عالم آرا، ودیاپتی، سکندر، آوارہ، آنند مٹھ، مغلِ اعظم، زندگی، سکندر اعظم، ڈاکو منگل سنگھ، نانک نام جہاز ہے، ہیر رانجھا، کل آج اور کل وغیرہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

فلموں کے علاوہ انہوں نے تھیٹر کی ترقی وفروغ میں بھی نمایاں حصہ لیا۔ وہ انڈین پیپلز تھیٹر ایسوسی ایشن کے بانی رکن تھے۔ بعد ازاں ۱۹۴۲ء میں انہوں نے بمبئی میں اپنا پرتھوی تھیٹر قائم کیا جس نے

پٹھان، دیوار وغیرہ کئی یادگار ڈرامے پیش کیے۔ ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں راجیہ سبھا کا رکن نامزد کیا گیا اور ۱۹۶۹ء میں انہیں پدم بھوشن اور ۱۹۷۲ء میں دادا صاحب پھالکے ایوارڈ (برائے ۱۹۷۱ء) سے نوازا گیا۔

آخری عمر میں انہیں گلے کا کینسر ہو گیا اور انہیں اگست ۱۹۷۱ء میں امریکہ لے جا کر نیو یارک کے میموریل سلون کیٹرنگ کینسر سینٹر میں داخل کرایا گیا مگر دو مہینے علاج کے باوجود افاقہ نہ ہوا تو انہیں واپس ممبئی لے آئے جہاں ۲۹ رمئی ۱۹۷۲ء کو ٹاٹا میموریل سینٹر میں ان کی وفات ہوگئی۔



پردیپ کمار: اداکار ر پروڈیوسر پردیپ کمار ۴ر جنوری ۱۹۲۵ء کو کلکتہ میں پیدا ہوئے۔ پہلے پہل ۱۹۴۷ء میں بنگلہ فلم '' آلوک نندہ'' میں نمودار ہوئے۔ ہندی میں پہلی فلم '' آنند مٹھ'' (۱۹۴۷ء) تھی۔ ۱۹۵۳ء میں بینا رائے کے ساتھ 'انار کلی' میں اور ۱۹۵۴ء میں وجینتی مالا کے ساتھ 'ناگن' میں کام کیا اور ان فلموں کی کامیابی کے ساتھ وہ بام شہرت پر پہنچ گئے۔ ان کی کچھ فلمیں ہیں: آنند مٹھ (۱۹۴۷ء) انار کلی، ناگن، الیلی، گھونگھٹ، عدل جہانگیر، بندھن، ایک شعلہ، ڈی ٹیکٹو، دنیا نہ مانے، مٹی میں سونا، تاج محل، پٹ رانی، درلیش نندنی، ڈھولا مارو، امروانی، جے شری، جاگتے رہو، عرب کا سوداگر، کھٹا میٹھا، زندگی اور موت، سند باد اینڈ علی بابا شیہ یں فرہاد، سمجھوتہ، سنجوگ، صبح کا تارہ، سہیلی، راکھی، رات اور دن، پیار کی راہیں، پولیس، نور جہاں، نیا سنسار، محبوب کی مہندی، مس انڈیا، لوک پرلوک، مہابھارت، کرانتی، کالا باز، چترلیکھا، جب سے تمہیں دیکھا ہے، عدالت، جلتے بدن، چیتالی، چنبل کی قسم، افسانہ، امرشکتی، بادشاہ، انجان، اپسرا، بہو بیگم، بنوارد، بھیگی رات، دنیا مانے، دور نہیں منزل، اُستادوں کے استاد، آخری انصاف وغیرہ (۱۹۸۰ء)۔

علاوہ ازیں فلم 'ایک جھلک' پروڈیوس کی۔

۲۷ر اکتوبر ۲۰۰۱ء کو کولکاتا (بنگال) میں انتقال کر گئے۔

پرساد ایل وی: ایکٹر ڈائرکٹر پروڈیوسر۔ ہندی تلگو اور تمل فلموں کے خالق ایل وی پرساد کا پورا نام اکینینی لکشمی ورا پرساد راؤ تھا اور ان کی پیدائش ۱۷ر جنوری ۱۹۰۸ء کو ایلورو مغربی گوداوری، آندھرا پردیش میں ہوئی۔ انہیں بچپن سے ہی تعلیم میں دلچسپی نہ تھی اور وہ فلموں کے شوقین تھے۔ لہٰذا ہوش سنبھالتے ہی انہوں نے بمبئی کا رُخ کیا اور کئی طرح کی نوکریاں کرتے رہے جن میں ایک درزی کے ہاں صفائی کا کام اور سنیما میں گیٹ کیپری بھی تھی۔ جب پہلی متکلم فلم عالم آرا بنی تو اس میں نیز پہلی متکلم

تلگو فلم بھکت پر بالا داور تمل فلم کالی داس میں بھی انہوں نے ایکٹنگ کی۔ بمبئی سے مدراس واپس آنے پر انہوں نے تلگو فلم "گرو پریسم" کی ڈائریکشن کی اور کامیابی نے ایسے قدم چومے کہ پھر انہوں نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا اور انہوں نے کوئی ساٹھ کے قریب ہندی تلگو اور تمل فلموں کی ہدایت کے فرائض انجام دیے اور کوئی پچاس کے قریب فلمیں پروڈیوس کیں۔ ان کی ڈائرکشن اور پروڈکشن کے تحت شاردا، چھوٹی بہن، بیٹی بیٹے، دادی ماں، جینے کی راہ، شادی کے بعد، بدائی اور ویر وجے وغیرہ بنیں۔ ان کے علاوہ انہوں نے کئی ہندی فلمیں پروڈیوس بھی کیں جیسے سسرال، ہمراہی، ملن، رامپو اور رنگ، کھلونا، اُدھار کا سندور، یہ کیسا انصاف؟ آپ کے واسطے کے لئے، میرا گھر میرے بچے، سواتی، بدائی، ارادھنا وغیرہ۔

اُن کی فلمی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ۱۹۸۲ء میں انہیں حکومت ہند نے دادا صاحب پھالکے ایوارڈ سے نوازا اور ۲۲ر جون ۱۹۹۴ء کو ان کی وفات ہوئی۔

پرکاش اروڑہ: مشہور فلم بوٹ پالش کے ڈائرکٹر پرکاش اروڑہ ۱۵ر اگست ۱۹۲۲ء کو آگرہ میں پیدا ہوئے۔ پرتھوی تھیٹر میں تربیت پائی اور راج کپور کے ساتھ بطور معاون ہدایت کار فلم آگ، برسات اور آوارہ میں کام کیا۔

پرکاش مہرہ: پرکاش مہرہ (۱۳ر جولائی ۱۹۳۹ء بجنور، اتر پردیش۔ ۱۷ر مئی ۲۰۰۹ء ممبئی) کا شمار



ملک کے کامیاب فلمسازوں اور ہدائت کاروں میں ہوتا ہے۔ بجنور سے میٹرک کرنے کے بعد وہ دہلی آگئے اور پھر فلموں میں کام کرنے کے شوق میں بمبئی چلے گئے۔ ۱۹۵۰ء کے اواخر میں کچھ فلمسازوں کے ساتھ بطور معاون کام کیا اور پھر بڑی جدو جہد کے بعد ایک کامیاب ہدائت کار رفلمساز بن گئے۔ ششی کپور کے ڈبل رول والی فلم حسینہ مان جائے گی (۱۹۶۸ء) نے انہیں زبردست کامیابی سے ہمکنار کیا اور زنجیر (۱۹۷۳ء) نے انہیں اور امیتابھ بچن کو شہرت کی بلندیوں تک پہنچا دیا اور وہ گولڈن ڈائرکٹرز میں شمار ہونے لگے۔ ان کی ہدائت میں بنی کچھ فلمیں ہیں: میلہ، ساتھی، آن بان، ایک کنواری ایک کنوارا، ہاتھ کی صفائی، ہیرا پھیری، خلیفہ، آخری ڈاکو، دیش دروہی، جوالا مکھی، نمک حلال، آؤ پیار کریں شرابی، جادوگر وغیرہ۔ ان کے علاوہ زنجیر، مقدر کا سکندر، لاوارث، مقدر کا فیصلہ، ایماندار، محبت کے دشمن، زندگی ایک جوا، اور بال برہمچاری کے وہ ہدائت کار کے ساتھ ساتھ فلمساز بھی تھے۔

پرمیلا: اداکارہ رونیپ ر پروڈیوسر پرمیلا مشہور کیرکٹر ایکٹر کمار کی اہلیہ تھیں۔ ان کا نام ایسٹھر وکٹوریہ ابراہیم تھا اور وہ یہودیوں کے بغدادی گروپ سے تعلق رکھتی تھیں۔ انہیں ہندوستان کی پہلی مس



انڈیا ہونے کا فخر بھی حاصل ہے۔ان کی ولادت ۳۰ر دسمبر ۱۹۱۶ء کو کلکتہ میں ہوئی۔انٹرمیڈیٹ تک تعلیم پائی اور لندن کا ٹیچنگ ڈپلومہ حاصل کیا۔ فلموں میں آنے سے پیشتر اسکول میں استانی تھیں۔۳۹۔۱۹۳۹ء میں مس انڈیا منتخب ہوئیں اور فلموں میں لیڈنگ رول کرنے لگیں۔پہلی فلم ''بھکارن'' تھی۔ان کی کچھ فلمیں ہیں: میرے لال، بلی، مہا مایا، سردار، کنچن، اوور ڈارلنگ ڈاٹر، جنگل کنگ ،جھنکار، بڑے نواب صاحب، اُلٹی گنگا، سرلا، شالیمار، بے قصور، دھن، بسنت، مدر انڈیا، دوسری شادی، بہانہ وغیرہ۔مشہور اداکار کمار سے شادی کی اور اُن کے ساتھ سلور فلمز بمبئی کی پارٹنر تھی۔ ان کے ساتھ انہوں نے کئی فلمیں پروڈیوس کیں۔ بڑے نواب صاحب، دیور، دھن کو پروڈیوس کیا۔اداکار کمار کے پاکستان چلے جانے کے بعد ۱۹۹۲ء میں انہوں نے پال نامی شخص سے شادی کی اور ۶ر اگست ۲۰۰۶ء کو ان کی ممبئی میں وفات ہوئی۔



پریش راول: کیرکٹر ایکٹر پریش راول (ولادت: ۳۰ر مئی ۱۹۵۰ء، ممبئی) جو ہر رول میں بہترین اداکاری دکھا کر ناظرین کی واہ واہ لوٹ لیتے ہیں۔کامیڈین کا کردار ہو یا غنڈے کا کردار، ہر کردار میں وہ جان ڈال دیتے ہیں۔ باغبان، کرودھ، سمندر، مرچ مسالہ، ہولی، بھگوان دادا، نام، اُتر دکھشن، قبضہ، کھنڈر، ہتھیار، طاقتور، ہمت والا، ضلع غازی آباد، کھلاڑی ۷۸۶، او مائی گاڈ، فراری کی سواری، تیز، رنگ، نو پرابلم، آکروش، پا، دے دنا دن، ویلکم، اوے لکی لکی اوئے، ہلچل، اعتراض، پھر ہیرا پھیری، بھاگم بھاگ، چینی کم، آنکھیں، چور مچائے شور، خوبصورت، بلندی، ہیرا پھیری، انگارے، بارود، چائنا گیٹ، انصاف، ارتھ، مہرا، لاڈلا، ملن، دل والا، وغیرہ۔متعدد ملکی اور غیر ملکی اعزازات پا چکے ہیں۔



پریم ادیب: پروڈیوسر ڈائرکٹر ایکٹر پریم نارائن (ادیب) ۱۰ر اگست ۱۹۱۸ء کو سلطان پور (اُتر پردیش) میں ایک کشمیری پنڈت پریوار میں پیدا ہوئے۔ان کے والد پنڈت رام پرساد وکیل تھے۔ پریم ادیب نے ۱۹۳۲ء میں جودھپور سے

میٹرک تک تعلیم پائی۔۱۹۳۴ء میں تعلیم کو خیر باد کہہ کر فلموں میں موقع پانے کے لئے کلکتہ چلے گئے۔ جہاں ۱۹۳۶ء میں انہیں پہلی بار رومانٹک انڈیا میں چھوٹا سا رول ملا۔ زیادہ تر دھارتک فلموں میں لیڈنگ رول کئے۔ رام راج اور بھرت ملاپ ان کی مقبول فلمیں ہیں۔ ''دیہاتی'' فلم پروڈیوس کی۔ ''رام وواہ'' کو پروڈیوس اور ڈائرکٹ کیا۔ انہوں نے متعدد فلموں میں اداکاری کی جن میں خان بہادر، نرالا ہندوستان، سادھنا، سبھدرا، درشن، اسٹیشن ماسٹر، پولیس، بھرت ملاپ، رام راجیہ، چاند، امر پالی، ملاقات، انوکھی ادا، ایکٹرس، بھگت سنگھ، کرشن سداماں، دلی دربار، رام نومی، وغیرہ شامل ہیں۔ ان کی آخری فلم انگلی مال (۱۹۶۰ء) تھی۔

۲۵ر دسمبر ۱۹۵۹ء کو وہ اپنی اہلیہ پرتیما کے ساتھ کسی پارٹی میں گئے جہاں برین ہیمبرج کا حملہ ہونے پر اُن کی اچانک موت ہوگئی۔

پریم چوپڑہ: اداکار، ویلن اور کامیڈین پریم چوپڑہ راج کپور کے ہم زلف ہیں اور ان کی بیوی



کرشنا کی چھوٹی بہن اُما کے شوہر۔ وہ ۲۳ر ستمبر ۱۹۳۵ء کو لاہور (پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ تقسیم کے بعد ان کی فیملی لاہور سے ہجرت کر کے شملہ آ گئی اور انہوں نے پنجاب یونیورسٹی سے گریجوئشن کیا۔ اس کے بعد وہ ممبئی آ گئے اور ٹائمز آف انڈیا کے سرکولیشن ڈیپارٹمنٹ میں ملازم ہو گئے۔ اس دوران وہ فلموں میں چانس ملنے کا انتظار کرتے رہے۔ ۱۹۶۲ء میں انہیں پنجابی فلم 'چودھری کرنیل سنگھ' میں رول مل گیا اور خوش قسمتی سے یہ فلم کامیاب ہوئی اور اسے نیشنل ایوارڈ بھی ملا۔ بعد ازاں فلم 'شہید' میں انہوں نے بھگت سنگھ کے انقلابی ساتھی سکھدیو کا رول کیا جو کہ مثبت رول تھا۔ تیسری منزل اور اُپکار کے بعد انہیں بطور ویلن کئی فلم سازوں نے اپنی فلم میں کام کرنے کی پیشکش کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۷۰، اور ۸۰ کی دہائی میں ان کا ہی جادو چلتا رہا۔ ان کی اہم فلمیں ہیں؛ ہم ہندوستانی، مڑ مڑ کے نہ دیکھ، میں شادی کرنے چلا، وہ کون تھی، پونم کی رات، مہا چور، دو انجانے، لال بادشاہ، کالی بستی، ہوتے ہوتے پیار ہوگیا، ہندوستان کی قسم، بادشاہ، میری عدالت، اگنی پتر، ورودھی، جادو ٹونا، پریم دیوانے، ڈریم گرل، دلدار، پاپی، محبوبہ، سگائی، میرا سایہ، تیسری منزل، ترشول، دو مسافر، انصاف کا خون، حقیقت، پاورکٹ، گھر پریوار، مست قلندر، داستان، قیمت، دوستانہ، دو انجانے، آدمی، کرانتی، انسانیت پیغام، شکتی، سوداگر وغیرہ۔

پریم ناتھ: ہیرو/ویلن/کیریکٹر ایکٹر پریم ناتھ (۲۱ر نومبر ۱۹۲۶ء پشاور، پاکستان۔ ۳ر نومبر ۱۹۹۲ء



ممبئی) ایک مدت تک ہیرو کا کردار کرنے کے بعد ویلن بن گئے۔ تقسیم ملک کے بعد ان کا کنبہ جبلپور (مدھیہ پردیش) میں جا بسا اور وہاں سے وہ بمبئی منتقل ہو گئے جہاں اُن کی بہن کرشنا راجکپور سے بیاہی ہوئی تھیں۔ ۱۹۴۸ء میں انہوں نے فلم ''اجیت'' میں مونیکا ڈیسائی کے بالمقابل ہیرو کا رول کیا۔ اور پھر راجکپور کی فلم ''آگ'' اور ''برسات'' میں نمودار ہوئے جن کی کامیابی سے وہ بھی معروف اداکار بن گئے اور کئی فلموں میں بطور ہیرو آئے۔ محبوب خاں کی پہلی ٹیکنی کلر فلم ''آن'' میں ویلن بنے اور انہیں خوب شہرت ملی۔ وہ جن فلموں میں ہیرو بنے وہ تو زیادہ کامیاب نہیں ہوئیں مگر جن فلموں میں انہوں نے ویلن رمعاون اداکار کا رول کیا وہ زیادہ تر کامیاب ہی ہوئیں۔ فلم ''تیسری منزل'' (۱۹۶۶ء) میں ان کے رول کو کبھی فراموش نہیں کیا جائے گا جس میں انہوں نے ایک خطرناک قاتل کا کردار نبھایا تھا۔ فلم ''عورت کی شوٹنگ کے دوران ان کا ہیروئن بینا رائے سے عشق ہو گیا اور انہوں نے اس سے شادی کر لی جس سے دو بیٹے پریم کشن اور کیلاش ناتھ ہوئے۔ ان کی اہم فلمیں ہیں: اجیت، آگ، برسات، آوارہ، نوجوان، بادل، آن، ساقی سمندر، اپنا گھر، عورت، رستم وسہراب، سکندر اعظم، امرپالی، پیار محبت، تیسری منزل، بہاروں کے سپنے، گورا اور کالا، جانی میرا نام، تیرے میرے سپنے، پشپانجلی، بے ایمان، موم کی گڑیا، راجہ جانی، رانی میرا نام، شور، وفا، بوبی، چھپا رستم، نفرت، امیر غریب، عشق عشق، پران جائے پر وچن نہ جائی، دھرم کرم، دھرماتما، دھوتی لوٹا او چوپاٹی، روٹی کپڑا اور مکان، جے بجرنگ بلی، آپ بیتی، دس نمبری، رانی اور لال پری، جانِ من، قبیلہ، کالی چرن، ناگن، چلا مراری ہیرو بننے، ڈھونگی، جانی دشمن، چاندی سونا، درندا، شرڈی کے سائی بابا، فرشتہ یا قاتل، جادو ٹونا، ہیرا لال پنا لال، گوتم گووندا، شالیمار، مقابلہ، دھن دولت، گیسٹ ہاؤس، قرض، کرودھی، دیش پریمی، کشن کنہیا (۱۹۹۰ء) وغیرہ۔ انہوں نے پنجابی فلم ''ست سری اکال'' کے علاوہ ۱۹۶۷ء میں امریکن ٹی وی سیریل ''مایا'' میں اور ۱۹۹۲ء میں امریکن فلم کینر (Kenner) میں معروف اداکار جم براؤن کے ساتھ کام کیا۔

۶۵ سال کی عمر میں دورۂ قلب سے ان کی ممبئی میں وفات ہوگئی۔



پرینکا چوپڑا :اداکارہ پرینکا چوپڑا ۱۸ر جولائی ۱۹۸۲ء کو جمشید پور (بہار) میں پیدا ہوئیں ۲۰۰۰ء میں مس ورلڈ منتخب ہوئیں۔ پھر فلمی دنیا میں وارد ہوئیں۔ انہوں نے متعدد فلموں میں کام کیا جن میں انداز، اعتراض،

فیشن، سات خون معاف، مینے، برفی، آئی چھ، ڈان ۔۲۔ وہاٹ از یور راشی، وغیرہ شامل ہیں آخر الذکر فلم میں انہوں نے ۱۲ کردار نبھائے تھے، جو غالباً ایک ریکارڈ ہے۔

پنچولی دل سکھ ایم: پروڈیوسر ڈائرکٹر دل سکھ پنچولی ۷ دسمبر ۱۹۰۶ء کو کراچی میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے نیویارک میں سنیما ٹوگرافی اور اسکرپٹ رائٹنگ کی تربیت پائی۔ پھر ۱۹۲۲ء میں اپنا کیریئر بطور ایگزیبیٹر کراچی میں شروع کیا۔ بعد ازاں ۱۹۳۱ء میں لاہور میں فلموں کی ڈسٹری بیوشن اور پروڈکشن سے کام کی ابتدا کی۔ لاہور میں انہوں نے اپنا پنچولی اسٹوڈیو قائم کیا جو بٹوارے سے پیشتر لاہور کا سب سے وسیع و عریض اسٹوڈیو تھا۔ علاوہ ازیں تقسیم سے پہلے انہوں نے سنیماؤں کا جال بچھایا۔ بٹوارے کے بعد لاہور سے ممبئی منتقل ہو گئے اور پنچولی پروڈکشن کی بنیاد رکھی۔ بطور پروڈیوسر پہلی فلم "گل بکاولی" بنائی۔ بعد میں خزانچی، خاندان، پونجی، نگینہ، یملا جٹ، شیریں فرہاد، چودھری، زمیندار، دھمکی، چندنی، پت جھڑ، مینا بازار، بھائی صاحب، لٹیرا وغیرہ بنائیں۔ ۱۹۵۹ء میں ان کی ممبئی میں وفات ہوئی۔

پنکج ملک: موسیقار اور گلوکار پنکج ملک (۱۰ مئی ۱۹۰۵ء کلکتہ۔ ۱۹ فروری ۱۹۷۸ء کلکتہ) کے والد منی موہن ملک کو بنگلہ موسیقی میں بڑی دلچسپی تھی لہٰذا انہیں موسیقی وراثت میں ملی تھی۔ اس سے ان کی موسیقی اور زندگی پر ٹیگور موسیقی کے گہرے اثرات پڑے۔ اور اس کا اثر ان فلموں پر بھی پڑا جن کا میوزک انہوں نے ترتیب دیا۔ ان کی آواز اور سہگل کی آواز بہت مشابہ تھی۔ ۱۹۲۷ء میں انہوں نے انڈین براڈکاسٹنگ کمپنی میں ملازمت اختیار کر لی اور ۱۹۲۹ء میں انہوں نے کلکتہ ریڈیو اسٹیشن سے گانے کے لئے آڈیشن دیا جس کے جج آر سی بورال پروگرام ڈائرکٹر تھے۔ بعد ازاں انہوں نے نیو تھیٹرز جوائن کر لیا۔ انہوں نے کانن دیوی، کے ایل سہگل، اور پی سی بروا کے ساتھ اداکاری بھی کی۔ انہوں نے ہی نتن بوس کے ساتھ ہندوستانی سنیما میں پلے بیک موسیقی کو متعارف کرایا۔ انہوں نے متعدد ہندی بنگلہ فلموں میں موسیقی دینے کے ساتھ ساتھ متعدد گانے بھی گائے اور اداکاری بھی کی۔ ان کی کچھ فلمیں ہیں: دیوداس، مکتی، دیدی، بڑی بہن، دشمن، دھرتی ماتا، ابھی گیان، ابھاگن، کپال کنڈلا، بڑی دیدی، زندگی، نرتکی، ڈاکٹر، میناکشی، میری بہن، مجبور، زلزلہ، یاترک، چترانگدا (۱۹۵۴ء)، راج کمل (۱۹۵۵ء)۔ موسیقی کے میدان میں ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ۱۹۷۲ء میں انہیں دادا صاحب پھالکے ایوارڈ سے نوازا گیا اور ۲۰۰۶ء میں حکومت ہند نے ان کی یاد میں پوسٹل ٹکٹ جاری کیا جو ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔



پوجا بھٹ: ایکٹریس رفلمساز رہدائت کار پوجا بھٹ (پیدائش ۲۴ رفروری ۱۹۷۲ء ممبئی) ہدائت کار مہیش بھٹ کی بیٹی ہیں اور ۱۹۸۹ء میں سترہ برس کی عمر میں پہلی بار اپنے والد کی ہدائت میں بنی فلم "ڈیڈی" میں نمودار



ہوئیں اور فلم ہٹ ہوگئی اور اس پر انہیں فلم فیئر ایوارڈ بھی ملا۔ ۱۹۹۱ء میں وہ "سڑک" میں ہیرو سنجے دت کے بالمقابل پردۂ اسکرین پر نمودار ہوئیں۔ اس کے بعد جنون، دل ہے کہ مانتا ہی نہیں، (بالمقابل عامر خاں، ۱۹۹۱ء) سر (۱۹۹۳ء) پھر تیری کہانی یاد آئی (۱۹۹۳ء) ترٖی پار (۱۹۹۳ء) گنہگار، ناراض (۱۹۹۴ء) ہم دنوں، انگ رکشک (۱۹۹۵ء) چاہت (ہیرو شاہ رُخ خاں ۱۹۹۶ء) تمنا، بارڈر (۱۹۹۷ء) زخم (۱۹۹۸ء) اور "ایوری باڈی سیز آئی ایم فائن (۲۰۰۱ء) میں نمودار ہوئیں اور اس کے بعد فلمسازی اور ہدائت کاری کی جانب متوجہ ہوئیں۔ ۲۰۰۴ء میں فلم "پاپ" کی ہدائت کار بنیں جس میں جان ابراہم اور اُدت گوسوامی نے کام کیا تھا۔ اس کے علاوہ انہوں نے ہالی ڈے (۲۰۰۶ء) دھوکہ (۲۰۰۷ء)، کجرارے (۲۰۱۰ء)، اور جسم (۲۰۱۲ء) کی ہدائت کاری کے فرائض انجام دیئے اور کئی فلموں کی فلمسازی بھی کی۔



پورنیما: اداکارہ پورنیما کو ڈائرکٹر رمن بی ڈیسائی نے ۱۶ سال کی عمر میں گجراتی فلم "رادھے شیام" میں متعارف کرایا۔ ٹھیس میں کام کرنے سے انہیں شہرت ملی۔ نرمل میں انہوں نے لیڈنگ رول کیا۔ انہوں نے زیادہ تر سائیڈ ہیروئن کا رول کیا۔ ان کی کچھ فلمیں ہیں: پتنگا (۱۹۴۹ء)، جوگن (۱۹۵۰ء)، گونا، بادل، پربت، سگائی، سلونی، مہمان، شعلے، عورت، سنسکار، جال، مالکن اور راجدھانی وغیرہ۔

پہاڑی سانیال: مشہور اداکار پہاڑی سانیال (اصلی نام نگیند رناتھ) ۲۳ رفروری ۱۹۰۶ء کو



دارجلنگ میں پیدا ہوئے۔ لکھنؤ سے اسکول کی تعلیم مکمل کی اور بنارس ہندو یونیورسٹی میں انجینئرنگ کے لئے داخلہ لیا۔ مگر تعلیم مکمل کئے بغیر فلموں کی جانب راغب ہوئے۔ ۱۹۳۱ء میں نیوتھیٹر کلکتہ جوائن کرلیا اور متعدد بنگلہ اور ہندی فلموں میں نمودار ہوئے۔ وہ اچھے گائیک اور موسیقار بھی تھے۔ انہوں نے اُستاد محمد حسین، چھوٹے منا خان، احمد خان، اور ناصر

خان سے گائیکی کی تعلیم پائی اور طبلے کی تعلیم راش بہاری سل اور استاد عابد خان سے پائی۔ان کی پہلی شادی مراد آباد اسکول کی پرنسپل سے ہوئی مگر بچے کو جنم دیتے ہوئے ان کی وفات ہوگئی۔ پھر انہوں نے اداکارہ میرا دیوی سے شادی کی جس سے ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ ہندی میں پہلی فلم ''راج رانی میرا'' تھی۔ بعد ازاں دھوپ چھاؤں، ودیا پتی، بڑی دیدی، دیوداس، کادمبری، مہا کوی کالیداس، پرستان، مَیں کیا کروں، انسان، موج، گیت، رامائنی، شرون کمار، کسی سے نہ کہنا، جاگتے رہو وغیرہ میں کام کیا۔انہوں نے فلموں میں گیت بھی گائے جن میں سے کئی بہت مقبول ہوئے۔

۱۰ر فروری ۱۹۷۴ء کو کلکتہ میں ان کی وفات ہوگئی۔

پھالکے دادا صاحب: دادا صاحب پھالکے: نام ڈھنڈی راج گووند پھالکے (۳۰ر اپریل ۱۸۷۰ء تریمبکیشور، ناسک، مہاراشٹر۔ ۱۶ر فروری ۱۹۴۴ء ناسک) ان کی ولادت داجی شاستری پھالکے کے ہاں ہوئی جو بمبئی کے ولسن کالج میں سنسکرت پڑھاتے تھے۔ابتدائی تعلیم انہوں نے اپنے وطن میں حاصل کی اور پھر مزید تعلیم کے لئے بمبئی آ گئے اور وہاں جے جے اسکول آف آرٹس میں داخلہ لیا اور وہاں سے ۱۸۸۵ء میں تعلیم کی تکمیل کے بعد مزید تعلیم کے لئے ۱۸۹۰ء میں بڑودہ کے کلا بھون میں داخل ہوگئے جس کے کرتا دھرتا پروفیسر گجر تھے۔انہوں نے پھالکے کی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے کلا بھون کے فوٹوگرافک اسٹڈیو کی ذمہ داری انہیں سونپ دی۔ ۱۹۱۰ء میں حضرت عیسیٰ مسیح سے متعلق فلم The life od Christ



دیکھ کر انہیں بھی کوئی ہندوستانی دیومالائی فلم بنانے کا خیال آیا اور انہوں نے قرض لے کر اور اپنی بیمہ پالیسی گروی رکھ کر کچھ روپیہ اکٹھا کیا اور فلموں سے متعلق جانکاری رتربیت حاصل کرنے اور فلموں کا ساز و سامان خریدنے انگلستان چلے گئے اور واپس آ کر ۱۹۱۳ء میں انہوں نے پہلی ہندوستانی فیچر فلم ''راجہ ہریش چندر بنائی جس کی بنا پر انہیں ''بابائے ہندوستانی سنیما' (Father of the Indian Cinema) کہا جاتا ہے۔۔ان کی دوسری فلم ''بھسما سر موہنی' (۱۹۱۳ء) تھی اور اس کے بعد آئندہ برس ان کی فلم ''ستیہ وان ساوتری'' منظر عام پر آئی اور ۱۹۱۷ء میں ''لنکا دہن''۔ ان کی دیگر فلمیں ہیں شری کرشن جنم (۱۹۱۸ء) کالیہ مردن (۱۹۱۹ء) سیتو بندھن (۱۹۳۲ء) اور گنگاوترن (۱۹۳۷ء) وغیرہ۔ سیتو بندھن ان کی آخری خاموش فلم تھی اور اس کے بعد انہوں نے متکلم فلموں کی جانب رجوع کیا۔ گنگاوترن (متکلم) ان کی آخری فلم تھی۔ انہوں نے اپنی زندگی میں ۹۵ فلمیں اور ۲۶ شارٹ فلمیں بنائیں۔

ان کی شاندار خدمات کا اعتراف کرتے ۱۹۶۹ء میں حکومت ہند نے ان کے نام پر "دادا صاحب پھالکے ایوارڈ" قائم کیا جو ہر سال کسی بڑی نمایاں فلمی ہستی کو دیا جاتا ہے اب تک یہ ایوارڈ دیویکا رانی، سہراب مودی، پرتھوی راج کپور، اشوک کمار، درگا کھوٹے، نرگس، نوشاد، لتا منگیشکر، مجروح سلطان پوری، دلیپ کمار، یش چوپڑہ، دیو آنند، راج کپور، وی شانتارام، پران، وغیرہ کو مل چکا ہے۔

پی ایل سنتوشی: ڈائرکٹر، پروڈیوسر، کہانی نویس، نغمہ نگار پی ایل سنتوشی (پیارے لال شریواستو) ۷؍ اگست ۱۹۱۶ء کو جبلپور میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے مقبول نغمہ بار فلمیں "شہنائی"، "کھڑکی" اور "سرگم" کی کہانیاں لکھنے کے ساتھ ساتھ ان کی ڈائرکشن اور ہدایت کاری بھی کی۔ وہ ۱۹۴۱ء میں فلموں میں وارد ہوئے اور بسنت، اور ہم ایک ہیں کے گیت لکھے، موخر الذکر کی ڈائرکشن بھی انہی کے تھی۔ بعد ازاں بطور ڈائرکٹر انہوں نے شین شنا کی بوبلا بو، گرما گرم، دلی کا ٹھگ، چھم چھما چھم، سب سے بڑا روپیہ، ہم پنچھی ایک ڈال کے، پہلی رات، نئی ماں، برسات کی رات، اوپیرا ہاؤس، پیار کی داستان، بالی ڈے ان بمبئی، دل ہی تو ہے، قوالی کی رات (۱۹۶۴ء) روپ روپیہ (۱۹۶۸ء) وغیرہ فلمیں بنائیں۔



۷؍ ستمبر ۱۹۷۸ء کو ممبئی میں ان کا انتقال ہو گیا۔

پی این اروڑہ: (پروڈیوسر، ڈائرکٹر) نام: پریم نارائن اروڑہ۔ ۱۲؍ جون ۱۹۱۴ء کو کوئٹہ میں پیدا ہوئے۔ کرشنا مووی میں ساؤنڈ ڈیپارٹمنٹ میں ریکارڈسٹ رہے۔ پہلی فلم جاگیردار کی آزادانہ طور پر ریکارڈنگ کی۔ اٹلی، فرانس، جرمنی میں ایڈوانس ساؤنڈ ریکارڈنگ کی تربیت پائی۔ پہلے پہل فلم ڈولی پروڈیوس کی۔ اور پہلی فلم ریل کا ڈبہ کی ہدائت کی۔ پگڑی، پارس، پردیس، نازنین، گوہر، لیلیٰ مجنوں، چور بازار، جو رم ب، پونم، متعدد فلمیں بنائیں۔ ۱۹۵۷ء تا ۱۹۷۳ء تک اداکارہ ؍ رقاصہ ہیلن کے ساتھ زندگی گزاری۔ اس کے بعد ہیلن ان سے الگ ہوگئی اور اس نے سلیم خان سے شادی کر لی۔



تپن سنہا: ہدائت کار، موسیقار، نغمہ نگار اور فلمساز تپن سنہا (۲؍ اکتوبر ۱۹۲۴ء کلکتہ۔ ۱۵؍ جنوری ۲۰۰۹ء کولکاتا) نے کابلی والا اور سگینہ مہتو (۱۹۷۰ء) بنا کر بڑی شہرت حاصل کی تھی۔ کلکتہ یونیورسٹی سے بی ایس سی کر کے ۱۹۴۶ء میں وہ نیو تھیٹرز کلکتہ سے بطور ساؤنڈ ریکارڈسٹ وابستہ ہو گئے۔ ۱۹۵۰ء میں لندن جا کر

انہوں نے فلم بنانے کی تکنیک سیکھی اور ہندوستان آ کر ٹیگور کی کہانیوں پر مبنی تین فلمیں' کابلی والا' ہنگری اسٹون' اور' ایتھی' بنائیں۔ان کے علاوہ انکش، اُپہار، آروہی، سکینہ، رلجہ، زندگی زندگی، سفید ہاتھی، دیدی، انوکھا موتی، مانش، آج کا رابن ہڈ، آتنک، ایک ڈاکٹر کی موت، انتر دھان، وہیل چیئر، آدمی اور عورت، بارمونیم، وغیرہ بھی ان کی یادگار ہیں۔ ۱۹۵۷ء میں ان کی فلم کابلی والا (بلراج ساہنی) کو برلن فسٹیول میں جگہ ملی۔انہیں کئی اعزازات سے نوازا گیا جن میں دادا صاحب پھالکے ایوارڈ (۲۰۰۶ء) بھی شامل ہے۔

ترپاٹھی ایس این: ایکٹر، میوزک ڈائرکٹر، کالم نویس، اسکرپٹ رائٹر، نغمہ نگار ایس این (سری ناتھ) تری پاٹھی ۱۳ر دسمبر ۱۹۱۲ء کو بنارس میں پیدا ہوئے۔الہ آباد یونیورسٹی سے بی ایس سی تک تعلیم پائی۔پھر لکھنو اور پریاگ میں سنگیت کی تعلیم حاصل کی۔۱۹۳۴ء میں فلموں سے وابستہ ہوئے اور ایک سو کے قریب فلموں میں میوزک دیا جن میں چندن،، دنیا تمہاری ہے، چوڑیاں، جے ہنومان، سوداسی لکشمی نارائن، پرستان، خدا کا بندہ، جوانی کی ہوا، پنچھت، رام بھگت ہنومان، گنیش مہما، علی بابا، رتن منجری، پنا، دلی دربار، انعام، حاتم طائی، انتر ااگھیمنیو، جنم جنم کے پھیرے، پیا ملن کی آس، رام لیلا، جے چند، شو پاروتی، چین کا جادو، لوکش، نادر شاہ، سمعد راہزن، ہرے کرشنا،، جے گنیش، جے مہا کالی، جمبو، مہا ستی تلسی (۱۹۸۵ء)، ۱۰۸ تیرتھ یاترا (۱۹۸۷ء) وغیرہ شامل ہیں۔اس کے علاوہ حاتم طائی، دسہرہ، ہمارا وطن، بسنت پنچمی، ستی مہما وغیرہ کئی فلموں میں اداکاری کی اور گنیش مہما رام بھگت ہنومان، علی بابا چالیس چور وغیرہ ان کی تحریر کردہ فلمیں ہیں۔انہوں نے کئی فلمیں ڈائرکٹ بھی کیں جیسے..... رام ہنومان یدھ، کوی کالیداس، رانی روپ متی، امرت منتھن، پیا ملن کی آس، سنگیت سمراٹ تان سین۔ شو پاروتی، دیویانی، مہاراجہ وکرم، کنواری وغیرہ۔

۲۸ر مارچ ۱۹۸۸ء کو بمبئی میں وفات ہوئی۔

تلوار آر سی: پروڈیوسر، ڈائرکٹر، ساؤنڈ انجینئر آر سی (رگھبیر چند) تلوار ۲۱ر اپریل ۱۹۱۰ء کو تلہ گنگ (پنجاب، پاکستان) میں پیدا ہوئے۔نیو یارک سے فوٹوگرافی میں گریجویشن کیا۔ہالی وڈ اور برٹش اسٹوڈیوز میں کام کرتے رہے۔۱۹۳۶ء میں بطور ٹیکنیشن بمبئی ٹاکیز اور ۱۹۳۷ء میں فلم کارپوریشن آف انڈیا جوائن کی۔بعد میں اپنی فلم کمپنی ''تلوار فلمز'' بنائی۔پنجابی میں ''پردیسی ڈھولا'' بنائی۔اور ہندی میں منچلی، اسیلی، کھلاڑی،، سنگدل، الزام، رخسانہ، میم صاحب، ایک دل سو افسانے اور (۱۹۶۳ء) نیا قانون (۱۹۶۵ء) ڈائرکٹ کیں۔میم صاحب اور سنگدل کو پروڈیوس کیا۔

تیواری: ویلن تیواری کا پورا نام اروند کمار تیواری تھا۔انہوں نے فلموں میں متعدد رول کئے مگر آج

انہیں بہت کم لوگ جانتے ہیں۔ انہوں نے پہلے دور میں ظالم بادشاہ، پھر بے رحم ساہوکار کی حیثیت سے فلموں میں اداکاری کی۔ آزاد کامران، دارا سنگھ، رندھاوا اور مہی پال کی فلموں میں ویلن کا رول کیا۔ ان کی فلموں میں مدھومتی، کاجل، مَیں سہاگن ہوں وغیرہ شامل ہیں،

تورنے، دادا صاحب: پروڈیوسر ڈائرکٹر دادا صاحب رام چندر گوپال تورنے ۱۳/اپریل ۱۸۸۰ء کو پیدا ہوئے۔ انہوں نے سب سے پہلی خاموش فلم ''پنڈلیک'' پہلی جنگ عظیم سے پیشتر بنائی اور



بمبئی میں اپنے کارپوریشن سنیما میں پردہ اسکرین پر پیش کی اور اس کی ایڈورٹائزمنٹ ۲۵/مئی ۱۹۱۲ء کو ٹائمز آف انڈیا بمبئی کے اخبار میں چھپی تھی۔ وقفے کے اعتبار سے پنڈلیک ۲۰ منٹ کی اور راجہ ہریشچندر ۴۰ منٹ کی فلم تھی۔ ۲۴-۱۹۲۰ء کے دوران مہاراشٹر فلم کمپنی آف کولہاپور کے منیجر بن گئے۔ شیام سندر کی ساؤنڈ ریکارڈنگ کی اور کئی مراٹھی اور ہندی فلمیں پروڈیوس کیں جن میں بھگت پرہلاد، شیام سندر، راجہ گوپی چند، سامبھاجی، سندباد دی سیلر،۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران انہوں نے اپنی سرگرمیاں بند کردیں۔

۱۹/جنوری ۱۹۶۰ء کو بمبئی میں اُن کی وفات ہوگئی۔

ثریا: معروف اداکارہ اور گلوکارہ ثریا کا پورا نام ہے ثریا جمال شیخ اور ان کی ولادت ۱۵/جون ۱۹۲۹ء کو گوجرانوالہ (پنجاب) میں ہوئی تھی۔ انہوں نے فارسی اور دینیات کی تعلیم گھر پر حاصل کی اور عام تعلیم جے بی پیٹٹ اسکول فار گرلز ممبئی میں۔ انہیں اور نور جہاں کو ہی یہ شرف حاصل ہے کہ انہوں نے اداکاری کے ساتھ ساتھ گلوکاری میں بھی کمال کا مظاہرہ کیا۔ ثریا نے پہلی بار چائلڈ اسٹار کی حیثیت سے فلم'' تاج محل'' میں کام کیا جو ۱۹۴۱ء میں ریلیز ہوئی۔ اس کے بعد ۱۹۴۲ اور ۱۹۴۳ء میں انہوں نے اسٹیشن ماسٹر، تمنا اور ہماری بات میں بطور چائلڈ آرٹسٹ کام کیا۔ اے آر کاردار نے پہلی بار ثریا کو فلم'' شاردا'' میں '' پنچھی جا پیچھے رہا ہے بچپن میرا اُس کو جا کے لا'' گانے کا موقع فراہم کیا۔



۱۹۴۳ء میں انہوں نے '' اشارہ'' میں پرتھوی راج کے مقابل بطور ہیروئن کام کیا۔ ثریا اور دیو آنند نے کئی فلموں میں ساتھ کام کیا اور یہ اپنے وقت کی مقبول ترین جوڑی تھی۔ انہوں نے جیت، صنم، افسر وغیرہ فلموں مس ایک ساتھ کام کیا۔ چیتن آنند کی فلم 'افسر' کی شوٹنگ کے دوران ثریا اور دیو آنند ایک دوسرے کے قریب آ گئے

مگر بعد ازاں دیو آنند نے کلپنا کارتک سے شادی کر لی اور ثریا کا ایسا دل ٹوٹا کہ انہوں نے شادی نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا اور زندگی بھر کنواری رہیں...... اور جوانی میں ہی فلموں سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔'انمول گھڑی' ان کی واحد فلم ہے جس میں انہوں نے نور جہاں کے ساتھ کام کیا تھا۔ ان کی کچھ فلمیں ہیں:۔ لیکھ، بڑی بہن، دل لگی، چار دن، امر کہانی، بالم، دنیا، کمل کے پھول، کھلاڑی، نیلی، دوستارے، شان، راجپوت، شوخیاں خوبصورت، گونج، دیوانہ، موتی محل، لال کنور، معشوقہ، بلوامنگل، مرزا غالب، وارث، شمع پروانہ، انعام، کنچن اور لبوو غیرہ۔''مرزا غالب'' ان کی یادگار فلم تھی۔

۳۱ رجنوری ۲۰۰۴ء میں ان کی ممبئی میں وفات ہوگئی۔

جاگیردار: کیرکٹر ایکٹر، ہدائت کار، فلمساز گجانن جاگیردار ۲ راپریل ۱۹۰۷ء کو امراؤتی میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۳۱ء میں بطور معاون ہدائت کار فلموں میں کام کرنے لگے۔ ۱۹۳۳ء میں پروڈیوسر ڈائرکٹر بن گئے اور جیل یاترا اور سنگھاسن وغیرہ پروڈیوس کیں۔ نیز انہوں نے رام شاستری، بیرم خان وغیرہ فلمیں ڈائرکٹ کیں۔ انہوں نے طلاق (۱۹۳۸ء) جلتی نشانی، پڑوسی (۱۹۴۱ء)، میٹھا زہر، وسنت سینا، گھر گھر میں دیوالی، زندگی کے میلے، رام شاستری، جھمکے، لیکھ، چھترپتی شواجی، چھومنتر، اپرادھی کون، سبق، بے انگ گیسٹ، یہودی کی لڑکی، تلاش، راج تلک، کاریگر، بابر، آرتی، میں چپ رہوں گی، ہم دونوں، گرہستی، کاجل، تو ہی میری زندگی، ایک سال پہلے، گائیڈ، امر پالی، چھوٹی بھابھی، شنکر خان، دل لگی، مایا، میرا نام جوکر، جھک گیا آسمان، نانک نام جہاز ہے، ساجن، اتفاق، جیون مرتیو، پیسہ اور پیار، گھر گھر کی کہانی، دیوی، انسان اور شیطان، البیلا، آشیانہ، بدنام، گمراہ، لیلیٰ، مان مریادا، لو ان گوا، رشتہ کاغذ کا، لال چڑیا، امراؤ جان، خوددار، کالیہ، دہشت، بے قصور، مان ایمان، نیا، آدمی سڑک کا، آپ کے ساتھ (۱۹۸۶ء) سوتر دھار (۱۹۸۷ء) پیا سے نین (۱۹۸۹ء) وغیرہ بے شمار فلموں میں اداکاری کے جوہر دکھائے۔ پڑوسی اور بیرم خان میں ان کی اداکاری بے مثال تھی جسے فلم بین کبھی بھلا نہیں پائیں گے۔



۱۳ راگست ۱۹۸۸ء کو ممبئی میں ان کی وفات ہوگئی۔

جال مستری: کیمرہ مین جال مستری کیمرہ مین اور ڈائرکٹر فالی مستری کے بھائی تھے۔ اور انہوں نے ۱۹۴۱ء میں اپنا فلمی کیریئر رجنی کانت پانڈیا کے تحت شری ساؤنڈ اسٹڈیو میں شروع کیا تھا۔ ان کی پہلی فلم ''پریت تھی۔ دیگر فلمیں ہیں: برہمن کنیا، ٹوٹے تارے، برسات، جان پہچان، بزدل، صنم،

سزا، آندھیاں، ارمان، اُڑن کھٹولا وغیرہ۔

جان ابراھم: اداکار ر پروڈیوسر جان ابراہم ۱۷ دسمبر ۱۹۷۲ء کو ممبئی میں پیدا ہوئے۔ کئی اشتہاروں میں ماڈلنگ کرنے کے بعد وہ پہلی بار ۲۰۰۳ء میں فلم "جسم" میں نمودار ہوئے اور فلم فیئر کا ایوارڈ حاصل کیا۔ انہوں نے کئی فلموں میں اداکاری کی جن میں دھوم (۲۰۰۴ء) واٹر (۲۰۰۵ء) زندہ، بابل، (۲۰۰۶ء) سایہ، پاپ، اعتبار، لکیر مدہوش، اعلان، کرم، کال، وردوھ، گرم مسالہ، شکار، کبھی الوداع نہ کہنا، ویلکم، دوستانہ۔ ۲ ریس۔ ۲، می اور مَیں، شوٹ آؤٹ ایٹ وڈالا، ہاؤس فُل، دیسی بوائیز، سات خون معاف، میرے بھائی کی دلہن، نیو یارک، لکی بائی چانس، وغیرہ شامل ہیں۔ ۲۰۱۲ء میں انہوں نے وکی ڈونرز" پروڈیوس کی جسے بڑی کامیابی ملی۔ حال ہی میں انہوں نے "مدراس کیفے" پروڈیوس کی ہے۔



جان کاوس: سٹنٹ مین اور سٹنٹ فلموں کے ہیرو جان کاوس کی ولادت ۱۹۱۰ء میں بمقام جبلپور ایک پارسی خاندان میں ہوئی۔ ۱۹۳۰ میں انہوں نے باڈی بلڈنگ چمپئن شپ جیتی۔ سب سے پہلے ۱۹۳۵ء میں فلم ہنٹر والی میں ناڈیا کے بالمقابل کام کیا۔ انہوں نے کئی فلمیں ڈائرکٹ بھی کیں جیسے فلائنگ پرنس، مالا دی مائٹی، بغداد کا جادو۔ بطور اداکار انہوں نے ان فلموں میں کام کیا: طوفانی ٹارزن (۱۹۳۷ء) سٹنٹ کنگ، ٹائیگر کوئین قسمت والی، ہمت والی، شمشیر باز، جنگ بلیک اینڈ وائٹ، بیری کین ہنسا، پنجاب میل، ہنٹر والی (۱۹۳۵ء) ڈیش دیپک، مس فرنٹیر میل (۱۹۳۶ء)، جنگل کنگ، ون رات، ٹارزن ڈائمنڈ کوئین، شیر بغداد، فلائنگ پرنس، کارنیوال کوئین، جنگل کا جادو، بغداد کا جادو، جنگل کوئین وغیرہ۔





جانکی داس: معروف سائیکلسٹ اور کامیڈین جانکی داس ایم اے کی ولادت ۱۹۱۰ء میں ہوئی تھی اور وہ ۱۸ر جون ۲۰۰۳ء کو جوہو ممبئی میں ۹۳ سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔ انہوں نے ۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۷ کے دوران سائیکلنگ ریس میں ورلڈ ریکارڈ توڑے۔ ۱۹۳۶ء میں انہوں نے برلن میں منعقد ہونے

والے اولمپک میں چیمپئین سائیکلسٹ کی حیثیت سے ہندوستان کی نمائندگی کی۔ اُن کی سائیکل چلانے کی رفتار ۳۰ میل فی گھنٹہ تھی۔ انہوں نے دو کتابیں "مس ایڈونچر ان فلم لینڈ" اور "ایکٹنگ فار بیگنرز" بھی تصنیف کی تھیں۔ انہوں نے خنجر، کالی گھٹا، خاندان، پریم بندھن، اور دیس پردیس وغیرہ متعدد فلموں میں ایکٹنگ بھی کی۔

جانی واکر: کامیڈین جانی واکر کا اصلی نام بدرالدین جمال الدین قاضی تھا اور وہ ۱۱ر نومبر ۱۹۲۶ء کو اندور میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد بھوپال کی کسی ٹیکسٹائل مل میں کام کرتے تھے، مل بند ہونے پر انہوں نے ممبئی کا رخ کیا جہاں جانی واکر کو کئی کام کرنے پڑے۔ ابتدا میں وہ سبزی بیچتے رہے اور پھر بیسٹ کی بسوں میں کنڈکٹری۔ بعد میں گورودت کے سامنے انہوں نے آڈیشن کے وقت شرابی کی اداکاری اس عمدگی سے کی کہ گورودت نے ان کا نام ہی جانی واکر رکھ دیا۔ پھر جب بازی (۱۹۵۱ء) ریلیز ہوئی تو لوگوں نے دیوآنند کے ساتھ جانی واکر کی موجودگی کو بھی محسوس کیا اور وہ شرابی کی اداکاری کے ساتھ ہٹ ہو گئے۔ بعدازاں انہوں نے متعدد فلموں میں اپنی کامیڈی کی چھاپ چھوڑی۔ ان کی اہم فلمیں ہیں: ٹیکسی ڈرائیور، آر پار، مسٹر اینڈ مسز ۵۵، سی آئی ڈی، چوری چوری، پیاسا، مدھومتی، کاغذ کے پھول، نیا دور، امر دیپ، مغل اعظم، چودھویں کا چاند، بیس سال بعد، میرے محبوب، حسینہ مان جائے گی، شکار، آنند، پرتگیا، فرشتہ یا قاتل، شان وغیرہ۔ اُن کی آخری فلم چاچی چار سو بیس تھی۔ ۲۹ر جولائی ۲۰۰۳ء کو وہ اس دار فانی سے کوچ کر گئے اور ہندوستانی سنیما ایک اچھے کامیڈین سے محروم ہو گیا۔



جتیندر: اداکار/فلمساز جتیندر ۷ر اپریل ۱۹۴۲ء کو امرتسر میں امرناتھ کپور کے ہاں پیدا ہوئے جو امیٹیشن جیولری کا بزنس کرتے تھے۔ جتیندر نے گرگام میں سینٹ سبیسٹین (subastian) گاؤں ہائی اسکول میں تعلیم پائی جہاں راجیش کھنہ بھی زیر تعلیم تھے۔ اس کے بعد انہوں نے کے سی کالج میں داخلہ لیا۔ وہ وی شانتا رام کو جیولری سپلائی کرنے کے تو وہ شانتا رام کو بھاتے اور انہوں نے ۱۹۵۹ء میں انہیں "نو رنگ" میں سندھیا کے بالمقابل بریک دے دیا۔ ۱۹۷۰ کے دہے میں ان کی شہرت عروج پر تھی۔ ابتدائی دور میں راج شری کی



فلم ''گیت گایا پتھروں میں'' اور ''سہاگ رات'' میں کام کرنے کے بعد ۱۹۶۷ء میں وہ بدانت کار ڈھونڈی کی فلم فرض'' میں نمودار ہوئے جس کی ہیروئن ببیتا تھیں۔انہوں نے بے شمار فلموں میں کام کیا جن میں...... بوند جو بن گئی موتی، سہاگ، اولاد، پریوار، جگری دوست، وارث، انمول موتی، بڑی دیدی، جینے کی راہ، دھرتی کہے پکار کے، دو بھائی، نیا راستہ، میرے ہمسفر، کھلونا، یار میرا، گناہوں کے دیوتا، ہمت، ماں اور ممتا، کاروان، کٹھ پتلی، بکھرے موتی، ایک حسینہ دو دیوانے، شادی کے بعد، بن پھول، گہری چال، روپ تیرا مستانہ، بھائی ہو تو ایسا، جیسے کو تیسا، بدائی، انوکھی ادا، دلہن، خوشبو، آخری داؤ، اُدھار کا سندھور، ناگن، سوتن، دھرم ویر، کنارا، قسم خون کی، دیدار، ایک ہی راستہ، اپنا پن، دل اور دیوار، پیاسا ساون، شاکا، رکشا، جیوتی، وقت کی دیوار، آشا، جدائی، ٹکر، بدلتے راستے، سورگ نرک، بیرنگ ٹرین، ہم تیرے عاشق ہیں، ایک ہی بھول، بدلے کی آگ، کہانی ایک چور کی، شاردا، قیدی، عقلمند، تحفہ، گھر سنسار، دوست دشمن، جال، خزانہ، نئی دہلی، سوتن کی بیٹی، نفرت کی آگ، سنتان، ادھار کی زندگی، پریچے، میرے حضور، مقصد بھولی، اوم شانتی اوم (۲۰۰۷ء) وغیرہ شامل ہیں۔ان کی شادی اپنے بچپن کی دوست شوبھا کپور سے ہوئی جن سے دو بچے تشار کپور اور ایکتا کپور ہیں۔اب جتیندر فلموں سے سبکدوش ہو گئے ہیں اور ان کی بیٹی ایکتا کپور ٹی وی سیریل بنا رہی ہیں اور بیٹا تشار کپور فلموں میں مختلف طرح کے رول کر رہا ہے۔خود انہوں نے بھی مشہور ٹی وی سیریل'' کیونکہ ساس بھی کبھی بہو تھی'' میں ایک بزرگ کا کردار نبھایا تھا نیز ''جھلک دکھلا جا'' اور ''ڈانسنگ کوئین'' میں بطور جج شامل ہوئے تھے۔

جدن بائی: اداکارہ، گلوکارہ، پروڈیوسر، ڈائرکٹر اور فلم اسٹار نرگس کی والدہ جدن بائی ۱۸۹۲ء میں پیدا ہوئیں۔پانچ سال کی تھیں کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا اور انہیں گانے کے پیشے میں ڈال دیا گیا۔ مگر تربیت کی کمی کی وجہ سے وہ کامیاب نہ ہوئیں۔پھر وہ کلکتے جا کر بھیا صاحب گنپت کی شاگرد بن گئیں مگر ابھی وہ اپنی تربیت مکمل ہی نہ کر پائی تھیں کہ بھیا جی کی وفات ہو گئی اور وہ استاد معین الدین کی شاگرد بن گئیں۔بعد ازاں انہوں نے استاد چھڈو خان اور اُستاد لاب خان صاحب سے تربیت پائی۔اپنی گائیکی کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے بعد وہ کولمبیا گراموفون کمپنی کے لئے نغمے ریکارڈ کرانے لگیں۔انہوں نے ملک کے مختلف ریڈیو اسٹیشنوں سے بھی اپنے نغمے پیش کئے۔ ۱۹۳۳ء میں انہیں لاہور کی فوٹو ٹون کمپنی نے ''راجہ گوپی چند'' میں رول کرنے کے لئے مدعو کیا اور وہ فلم اداکارہ بن گئیں۔اپنی نجی فلم کمپنی سنگیت فلمز شروع کرنے سے پہلے



انہوں نے دو فلموں ''پریم پریکشا'' اور ''سیوا سدن'' میں کام کیا۔ ۱۹۳۵ء میں انہوں نے اپنی فلم کمپنی کے بینر تلے ''تلاش حق'' بنائی جس میں اداکاری کرنے کے علاوہ انہوں نے موسیقی کو بھی ترتیب دیا۔ اس فلم میں ان کی ننھی بیٹی نرگس نے بھی بطور چائلڈ آرٹسٹ کام کیا تھا۔ اس فلم کے بعد ۱۹۳۶ء میں انہوں نے فلم ''میڈم فیشن'' بنائی جس میں ہیروئن کا رول کرنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے اسے ڈائرکٹ بھی کیا اور موسیقی بھی تحریر کی۔ ان کے علاوہ انہوں نے ہردے منتھن (۱۹۳۶ء) موتی کا ہار (۱۹۳۷ء) اور جیون سپنا (۱۹۳۷ء) نامی فلمیں بھی ڈائرکٹ کیں۔ انہوں نے تین شادیاں کیں۔ پہلی نروتم داس کھتری سے جو مذہب اسلام قبول کرکے بابی بابو بن گئے تھے جن سے ان کا بیٹا اختر حسین پیدا ہوا۔ پھر استاد ارشد میر خان سے جن سے انور حسین پیدا ہوئے۔ تیسری شادی انہوں نے موہن بابو سے کی جو راولپنڈی کے ایک موہیال برہمن خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور پیشے سے ڈاکٹر تھے۔ انہوں نے مذہب اسلام قبول کرکے اپنا نام عبدالرشید رکھ لیا تھا۔ تاہم انہیں عام طور پر موہن بابو کے نام سے پکارا جاتا تھا جو اُن کا سرنام اور کاسٹ تھی۔ ۸/اپریل ۱۹۴۹ء کو اس منفرد فلمی ہستی کی ممبئی میں وفات ہوئی۔

جگ دیپ: کامیڈین جگدیپ یعنی ''شعلے'' کے سورما بھوپالی کو بھلا کون بھول سکتا ہے؟ ان کا اصلی



نام ہے سید اشتیاق احمد جعفری اور ان کی پیدائش ۲۹/مارچ ۱۹۳۹ء کو دتیا میں ہوئی تھی۔ انہوں نے اپنے فلمی کیریئر کی شروعات چائلڈ آرٹسٹ کی حیثیت سے کی اور بی آر چوپڑا کی فلم ''افسانہ''، خواجہ احمد عباس کی فلم ''منا''، اب دلی دور نہیں اور بھولی میں نمودار ہوئے۔ وجے بھٹ کی فلم ''راجہ'' میں انہوں نے مسخرے راجکمار کا رول کیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے دو بیگھہ زمین، آر پار، بھابھی، بدائی، آئینے، سورگ نرک، کالی گھٹا، پھر وہی رات، مورچہ، قربانی، شہنشاہ، انداز اپنا اپنا، وارث، جینے کی راہ، فرض قربانی، کھلونا، من مندر، انوکھا بندھن، سانجھ اور سویرا، پتی پتنی، دیکھ کبیرا رویا، بھولی، چائنا گیٹ، وغیرہ بے شمار فلموں میں مزاحیہ کردار نبھائے۔ نوید جعفری اور جاوید جعفری ان کے بیٹے ہیں جنہوں نے مشہور ٹی وی پروگرام ''بوگی ووگی'' پیش کیا ہے۔



جگدیش سیٹھی: اداکار، ڈائرکٹر، فلمساز جگدیش سیٹھی ۳۱ جنوری ۱۹۰۳ء کو کیمبلپور (پاکستان) میں پیدا ہوئے اور ۱۹۲۹ء میں بطور ایکسٹرا نیو تھیٹر میں کام شروع کیا۔ بعد ازاں اچھے کیریکٹر اداکاروں میں شمار ہونے لگے۔ انہوں نے فلم

عالم آرا(۱۹۳۱ء)، پریذیڈنٹ، گھر کی لاج، اناتھ آشرم، جوانی کی ریت، ملتی، اسٹیشن ماسٹر، آبرو، دوست، دودل (۱۹۴۷ء) آر پار (۱۹۵۴ء) سردار (۱۹۵۵) انارکلی (۱۹۶۰ء) میرا سایہ (۱۹۶۶ء) وغیرہ میں اداکاری کے جوہر دکھائے۔ نیز "رات کی رانی" اور "پینشنر" کو اپنے بینر جے ایس فلمز کے تحت ڈائرکٹ کیا۔



جلال آغا: مشہور اداکار آغا کے فرزند جلال آغا (۱۹۲۶۔۱۹۹۵ء) نے پونے فلم انسٹی ٹیوٹ میں تربیت پائی۔ ۱۹۶۰ میں فلم مغلِ اعظم میں سلیم کے بچپن کا کردار نبھایا۔ فلم 'شعلے' میں ان پر فلمایا گیا گانا "محبوبہ او محبوبہ" ہٹ ہوا جس میں بنجو پر یہ گانا گاتے ہیں۔ ۱۹۹۰ تک فلموں میں زیادہ تر معاون کردار نبھاتے رہے۔ وہ بمبئی رات کی باہوں میں، سات ہندوستانی، دو چور، بمبئی ٹاکیز، یادوں کی برات، شعلے، گرم ہوا، جولی، جنون، گمن، قرض، تھوڑی سی بے وفائی، گاندھی، کتھا، نوکر، دو قیدی، پہلا نشہ وغیرہ جیسی سائنھ فلموں میں نمودار ہوئے۔ ۵رمئی ۱۹۹۵ء کو اچانک حرکت قلب بند ہو جانے سے ان کا انتقال ہو گیا۔

جلو بائی: اداکارہ جلو بائی (مسز زلیخا ابراہیم) ۱۹۰۵ء میں بمقام بمبئی پیدا ہوئیں اور مختلف طرح کے رول انجام دیے۔ پہلی فلم اندرا کماری (خاموش) تھی۔ رضیہ بیگم میں ہیروئن تھیں۔ ان کی اہم فلمیں ہیں: انارکلی، ہمارا ہندوستان، ٹیمپل بیل، (خاموش) اور عالم آرا، پکار، جگنو، تدبیر، چاندنی رات، پھول، رومال، مغرور، مدہوش، صنم، سبق، زینت، مغل اعظم وغیرہ (متکلم) فلمیں۔ انہوں نے پہلی ٹاکیز "عالم آرا" (۱۹۳۱ء) میں گانا بھی گایا تھا۔

جوائے مکرجی۔ اداکار، ڈائرکٹر، پروڈیوسر ۲۴رفروری ۱۹۳۹ء کو جھانسی (اتر پردیش) میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۶۰ء میں فلم 'ہم ہندوستانی' میں سائیڈ ہیرو کا رول کیا۔ اور اسی برس 'لو ان شملہ' میں سادھنا کے مقابل بطور ہیرو نمودار ہوئے۔ ان کی اہم فلمیں ہیں "پھر وہی دل لایا ہوں"، ضدی، اور لو ان ٹوکیو، ایک مسافر ایک حسینہ، ہم ہندوستانی، ہم سایہ، شاگرد، ایک بار مسکرا دو، جیوان، احسان، کہیں آر کہیں پار، دوپٹہ، انسپکٹر، پرسکار، مجرم، دل اور محبت، ایک کلی مسکائی، یہ زندگی کتنی حسین ہے، امید، جی چاہتا ہے، اشارہ، دور کی آواز، آؤ پیار کریں، ساز اور آواز، بہو بیٹی وغیرہ۔



۹ مارچ ۲۰۱۲ء کو ۷۳ سال کی عمر میں لیلا وتی ہسپتال ممبئی

میں ان کی وفات ہوئی۔

جوہر. آئی ایس۔ کامیڈین، ایکٹر، ڈائرکٹر، رائٹر اندر سین جوہر۔ ولادت ۱۶ر فروری ۱۹۲۰ء،



تلہ گنگ، کیمبلپور حال اٹک (پاکستان)۔ وہ اقتصادیات اور سیاسیات میں ایم اے کے علاوہ ایل ایل بی کی ڈگری یافتہ بھی تھے۔ بٹوارے سے پیشتر وہ ایک شادی میں پٹیالہ آئے ہوئے تھے کہ لاہور میں فسادات بھڑک اٹھے اور وہ واپس نہ جا سکے۔ پھر ان کی فیملی دہلی آکر بس گئی۔ جہاں سے جوہر ممبئی آ گئے اور فلموں میں کام کرنے لگے۔ پہلے پہل انہوں نے ۱۹۴۹ء میں روپ کے شوری کی فلم ''ایک تھی لڑکی'' میں کام کیا۔ ۱۹۵۰۔۸۰ کے دوران میں انہوں نے کئی فلموں میں کام کیا اور ہدایت دی۔ جانی میرا نام ان کی ایک یادگار فلم ہے۔ جوہر انگریزی کے ماہر تھے اور انہوں نے کئی بار آکسفورڈ یونیورسٹی میں لیکچر بھی دیئے۔ انہوں نے ہندی کے علاوہ انگریزی فلموں ہیری بلیک (۱۹۵۸ء) نارتھ ویسٹ فرنٹیر (۱۹۵۹ء) لارنس آف عربیہ (۱۹۱۶۲ء) اور ڈیتھ آن نائیل'' (۱۹۷۸ء) میں کام کرنے کے علاوہ 'مایا' نامی امریکن سیریل میں بھی ایکٹنگ کی۔ انہوں نے پنجابی فلموں ''چھڑیاں دی ڈولی''، نانک نام جہاز ہے اور یملا جٹ میں بھی کام کیا۔ انہوں نے ہم سب چور ہیں، بیوقوف، مسٹر انڈیا، تین دیویاں، تیسری آنکھ، گوپی چند جاسوس، شاگرد، پوتر پاپی، سفر، چھوٹی بہو، تانگے والا، داستان، مزدور زندہ باد، گنگا کی سوگند، تری مورتی، وغیرہ میں اداکاری کرنے کے علاوہ شریمتی جی، ناستک، شری نقد نارائن، ہم سب چور ہیں، کتنا بدل گیا انسان، جوہر محمود ان گوا، وغیرہ کی ہدایت کاری کے فرائض بھی انجام دیئے۔

۱۰ مئی ۱۹۸۴ء کو ممبئی میں ان کی وفات ہوئی۔



جے راج پی: اداکار، ڈائرکٹر اور پروڈیوسر جے راج کا پورا نام: جے راج پیڈا تھا۔ ولادت ۲۸ر دسمبر ۱۹۰۸ء کو حیدرآباد میں ہوئی۔ فلموں میں بطور ٹیکنیشن آئے اور بعد میں ہیرو اور پھر کیریکٹر ایکٹر بن گئے۔ پہلی بار ۱۹۳۰ء میں خاموش فلم 'سپارکلنگ یوتھ' میں کام کیا اور پھر اسی برس 'ٹرایمف آف لو' میں بطور ہیرو نمودار ہوئے۔ پنا، بیلا، راج مکٹ، ساگر پروڈیوس کیں اور مالا، پرتیما، ساگر، راج گڑھ، مدر کو ڈائرکٹ کیا۔ وہ کھلونے، بھابھی،

رائفل گرل، پریم سنگیت، شاہجہاں، راجپوتانی، سوامی، نئی دنیا نئی کہانی، ہماری بات، تیر انداز، سلطانہ ڈاکو وغیرہ میں جلوہ گر ہوئے۔1981ء میں انہیں دادا صاحب پھالکے ایوارڈ برائے ۱۹۹۰ء عطا کیا گیا۔۱۱راگست ۲۰۰۰ء کوممبئی میں ان کا انتقال ہو گیا۔

جے شری: اداکارہ۔ڈاکٹر کوٹنس کی امر کہانی اور شکنتلا (۱۹۴۳ء) کی مشہور ہیروئن جے شری کی پہلی فلم چندرراؤ مورے (مراٹھی) تھی۔ ہندی اور انگریزی میں ڈاکٹر کوٹنس کی امر کہانی۔ بعدازاں ہدائت کار وی شانتارام سے شادی کرلی۔ ان کی اہم فلمیں ہیں۔ جہیز (۱۹۵۰ء)، صبح کا تارہ۔ پرچھائیاں، وغیرہ۔ ڈاکٹر کوٹنس کی امر کہانی، جہیز اور شکنتلا میں گیت بھی گائے۔ان کے تین بچے ہیں ایک کرن چندر، راج شری اور تیج شری۔



جے کشن: میوزک ڈائرکٹر جے کشن ۴رنومبر ۱۹۲۹ء کو ونسدا، گجرات میں پیدا ہوئے۔۱۹۴۵ء میں بمبئی میں وارد ہوئے۔اور فلموں میں آنے سے پیشتر پرتھوی تھیٹر میں کام کرتے رہے۔ راجکپور نے فلموں میں شنکر کے ساتھ انہیں بھی متعارف کرایا۔ان کی اہم فلمیں برسات، بادل، آوارہ، داغ، سیما، قسمت کا کھیل، چوری چوری، اناڑی، دل اپنا اور پریت پرائی، پروفیسر، سورج، برہمچاری، پہچان، بے ایمان، میرا نام جوکر، یہودی، چھوٹی بہن، جس دیش میں گنگا بہتی ہے، دل ایک مندر، سنگم، آرزو، دیوانہ، انداز، ریشم کی ڈوری، سنیاسی، چندا اور بجلی وغیرہ ہیں۔حکومت ہند نے انہیں پدم شری سے نوازا۔۱۲رستمبر ۱۹۷۱ء کوممبئی میں ان کا انتقال ہو گیا۔



جیکی شراف: اداکار جیکی شراف کا پورا نام جے کشن کاکو بھائی شراف ہے اور وہ یکم فروری ۱۹۶۰ء کوممبئی میں پیدا ہوئے تھے۔وہ گزشتہ تین عشرے سے ہندی اور گجراتی سنیما میں کام کررہے ہیں اور اب تک نو زبانوں (ہندی، گجراتی، مراٹھی، بنگلہ، تلگو، تمل، کنڑ، ملیالم اور پنجابی) کی ڈیڑھ سو سے زائد فلموں میں کام کر چکے ہیں۔ بچپن میں وہ ایک معمولی سی چال میں رہتے تھے اور انہوں نے ابتدائی دور میں بڑی جدوجہد کی، پہلے وہ ماڈلنگ کرتے رہے پھر اداکاری کے میدان میں اترے۔جیکی شراف نام انہیں سبھاش گھئی نے دیا جب انہوں نے ان کی فلم 'ہیرو' میں کام کیا۔انہوں نے اپنی پرانی دوست عائشہ دت سے شادی کی جو بعد میں پروڈیوسر بن گئیں۔ان کے دو بچے ہیں۔ایک بیٹا ٹائیگر (جے



ٹینمنٹ) اور بنی (کرشنا) بعدازاں انہوں نے ایک میڈیا کمپنی
جیکی شراف انٹرٹینمنٹ لمٹیڈ کی بنیاد رکھی۔

جیکی شراف نے دیوانند کی فلم ''سوامی دادا'' سے اپنی اداکاری کی شروعات کی۔ ۱۹۸۳ء میں سبھاش گھئی کی فلم ''ہیرو'' سے وہ شہرت کی بلندیوں پر پہنچ گئے۔ ان کی کچھ اہم ہندی فلمیں ہیں: سوامی دادا، ہیرو (۱۹۸۳) اندر باہر، یدھ، تیری مہربانیاں، شیوا کا انصاف، پیسہ ہی پیسہ، جانو، میرا جواب، پالے خاں، میرا دھرم، ہاتھوں کی لکیریں، دہلیز، اللہ رکھا، کرما، مرد کی زبان، جواب ہم دیں گے، دل جلا، سڑک چھاپ، ڈاکو حسینہ، کاش، قدرت کا قانون، اُتر دکھن، فلک، آخری عدالت، تیجے کا بول بالا، رام لکھن، پرندہ، میں تیرا دشمن، کالا بازار، ہم بھی انسان ہیں، تری دیو، سنگ، وردی، پتھر کے انسان، جینے دو، باپ نمبری بیٹا دس نمبری، آزاد دیش کے غلام، ہفتہ بند، لاٹ صاحب، دل ہی تو ہے، عزت، لکشمن ریکھا، سوداگر، پریم دیوانے، کھل نائیک، بستی، ۱۹۴۲: اے لو اسٹوری، گنگا کی قسم، کہرام، جنگ، البیلا، یادیں، فرض، مشن کشمیر، تیرے پیار ہو نہ جائے، لاوارث، بندھن، میراث، شپتھ، بارود، آر یا پار، ہفتہ وصولی، جان جگر، بدمعاش، اُستادوں کے استاد، ایک پُرش، کبھی نہ کبھی، ہلچل، کیونکہ، بھوت انکل، بھاگم بھاگ، میرا دل لے کے دیکھو، دو یار تھے، بالا بول، کسان، دھوم دھڑکا، ہم سے ہے جہان، ویر، تین پتی، چہرے، ہم دو انجانے، بھوت اینڈ فرینڈز، پنجہ، جماعت، شوٹ آؤٹ ایٹ وڈالا، اورنگ زیب (۲۰۱۰ء) وغیرہ

جینت: (ایکٹر) ۔ امجد خان، عنایت خاں اور امتیاز کے والد اور اپنے دور کے مشہور ہیرو، ویلن اور کریکٹر ایکٹر جینت کا اصلی نام زکریا خاں تھا اور ان کی ولادت ۱۵/ اکتوبر ۱۹۱۵ء کو نودہ پایان Nodeh Payan نواکلی (Nawa Kali) پشاور (صوبہ سرحد، حال خیبر پختون خواہ) میں ہوئی۔ ڈائرکٹر وجے بھٹ نے جب انہیں فلم ''مالا'' میں پیش کیا تو ان کا نام جینت رکھ دیا۔ وہ ۱۹۳۵ء میں پہلی بار شمشیر عرب اور لال چیتا میں نمودار ہوئے۔ ۱۹۴۶ء میں لاہور میں بنی فلم ''شیریں فرہاد'' ان کی مشہور فلم تھی جس میں انہوں نے راگنی کے بالمقابل فرہاد کا رول کیا تھا۔ بٹوارے کے بعد بمبئی چلے آئے اور انہوں نے متعدد فلموں میں اداکاری کے جوہر دکھائے۔ انہوں نے بے شمار فلموں میں کام کیا جن میں سردار، سردار اول، آزاد ویر، مالا، پونجی، روپ نگر، ماں باپ کی لاج،



دلاری، زیورات، بالم، پردیس، سیاں، نازنین، ریل کا ڈبہ، عجیب لڑکی، یاسمین، امر کیرتن، ستارہ، تانگے والی، مسافر خانہ، گرم کوٹ، انسانیت، باپ رے باپ، چار پیسے، سن آف انڈیا، مایا، بڑا آدمی، کابلی خان، زندگی، حقیقت، اشارہ، لوائینڈ گاڈ، ریشماں اور شیرا، میرا گاؤں میرا دیش، ہیر رانجھا، انسپکٹر، مجرم، دوراستے، اپنی نگریا، سنگھرش، امر، مدھومتی، انسانیت وغیرہ شامل ہیں۔

۱۹۷۵ء میں ان کی ممبئی میں وفات ہوگئی۔

جیون: جیون ہندوستانی فلموں کے معروف ویلن تھے۔ ان کی ولادت ۲۴ راکتوبر ۱۹۱۵ء کو سری نگر (کشمیر) میں ہوئی۔ وہ کشمیری پنڈت تھے اور ان کا اصلی نام اونکار ناتھ در تھا۔ ابتداء میں وہ دھارمک



فلموں میں ناردمنی بن کر نمودار ہوئے اور پھر ویلن کی حیثیت سے شہرت پائی۔ ان کی پہلی فلم 'فیشن ایبل انڈیا' تھی۔ ۱۹۳۵ میں انہوں نے رومانٹک انڈیا میں ، ۱۹۴۲ء میں'' اسٹیشن ماسٹر'' میں اور ۱۹۴۶ء میں'' افسانہ'' میں اداکاری کے جوہر دکھائے۔ انہوں نے ناگن، دو پھول، رنگولی، نیا دور، دو پھول، نو دو گیارہ، مہابھارت، پھول اور پتھر، وقت، دل نے پھر یاد کیا، ہمراز، بھائی ہوتو ایسا، شریف بدمعاش، روٹی، ڈارلنگ ڈارلنگ، امر اکبر انتھونی، بندھن۔ خدا گواہ، دھرم ویر، گرم مسالہ، ہتھکڑی، نشان، کالا دھندہ گورے لوگ۔ دلیش پر یمی، صنم تیری قسم، لاوارث، نصیب، پروفیسر پیارے لال، چاچا بھتیجا، دلدار، سلام وغیرہ کوئی تین سو کے قریب فلموں میں کام کیا۔ اور انہوں نے کئی فلموں میں بطور ویلن یادگار رول کیئے۔ مشہور اداکار کرن کمار اُن کے بیٹے ہیں۔

جیون کی وفات ۱۰ رجون ۱۹۸۷ کو ممبئی میں ہوئی۔



چارلی: بٹوارے سے پیشتر کے معروف کامیڈین چارلی کا اصلی نام نور محمد میمن تھا اور چارلی چیپلن کی تقلید کرنے کی وجہ سے وہ انڈین چارلی کے نام سے مشہور ہوئے۔ وہ ہندوستانی سنیما کے پہلے اسٹار کامیڈین تھے۔ اُن کی ولادت پور بندر (گجرات) کے ایک گاؤں میں ہوئی اور انہوں نے زیادہ تر رنجیت مووی ٹون کی فلموں میں کام کیا۔ ان کی پہلی فلم زرینہ تھی جو ۱۹۳۲ء میں بنی۔ سنجوگ (۱۹۴۳ء) میں ان کا یہ مکالمہ 'پلٹ تیرا دھیان کدھر ہے بھائی' زبان زد خاص و عام ہوا۔ فلم'' ڈھنڈورہ'' انہوں نے

خود ہی پروڈیوس کی تھی اور اس میں انہوں نے ڈبل رول ادا کیا تھا اور یہ فلم چلی بھی خوب۔ ''مسافر'' میں انہوں نے کلیدی رول ادا کیا۔ ان کے علاوہ انہوں نے پریمی پاگل، چندرہاس، طوفان میل، ستم گر، نادرہ، فرزند ہند، رات کی رانی، دلیش داسی، کانچ کنیا، بیرسٹرز وائف، سپاہی کی سجنی، جوالامکھی، چالاک چور، سیکریٹری، ٹھوکر، پاگل، اچھوت، ڈسٹنی (Destiny)، سنجوگ، رونق، منورما، بیچلرز ہسبینڈ، چاند تارا، بیقرار وغیرہ میں کام کیا۔

بٹوارے کے چند سال بعد ۱۹۵۵-۵۶ میں وہ ہندوستان سے پاکستان چلے گئے اور وہاں کچھ فلموں جیسے عمر ماروی، پردیسی، پرانی زمین، ممتاز، اکیلی مت جئیو میں کام بھی کیا مگر تب ان کا زمانہ عروج ختم ہو گیا تھا۔ وفات سے کچھ دن قبل انہیں دل کا دورہ پڑا تو انہیں کراچی کے ہسپتال میں داخل کرایا گیا مگر وہ جانبر نہ ہو سکے اور ۳۰؍ جون ۱۹۸۳ کو وہ اس جہان فانی سے کوچ کر گئے۔



چترگپت: چترگپت (۱۶؍نومبر ۱۹۱7، سوریہ ضلع گوپال گنج، بہار - ۱۴؍جنوری ۱۹۹۱، ممبئی) ہندوستانی سنیما کے ایک معروف موسیقار تھے۔ اور موسیقار آنند۔ ملند ان کے بیٹے ہیں اور وہ آٹھ برس تک اپنے والد کے معاون موسیقار رہے۔ چترگپت نے اپلم چپلم، بڑا آدمی، اونچے لوگ، اولاد، میں چپ رہوں گی، آکاش دیپ، بھابی (۱۹۵۷ء) چاند میرے آجا، بڑے گھر کی بہو، تیل مالش بوٹ پالش، گنگا میا تو سے پیہری چڑھائبو، اونچے لوگ، میں شادی کرنے چلا، ایک راز، ہم متوالے نوجوان، باغی، گھر بسا کے دیکھو، گنگا کی لہریں، ماں، پیار کا سپنا، ساز اور سنگم، بالک اور جوان، گائتری مہما، دوست، دو شکاری، جوالا دیپ کی، بھیا دوج، گنگا کنارے مورا گاؤں، پیا کے گاؤں، انصاف کی منزل (۱۹۸۸ء)۔ وغیرہ کی موسیقی ترتیب دی۔



چمن پوری: اداکار چمن پوری ۲؍اکتوبر ۱۹۱۳ء کو نواں شہر، جالندھر (پنجاب) میں سردار نہال سنگھ کے ہاں پیدا ہوئے۔ مشہور ولین امریش پوری اور مدن پوری اُن کے چھوٹے بھائی ہیں اور انہوں نے متعدد فلموں میں کام کیا ہے۔ گریجوئشن کرنے کے بعد وہ کلکتہ چلے گئے اور فلم لائن جوائن کر لی۔ ان کی پہلی فلم نیو تھیٹر کی فلم پریذیڈنٹ تھی۔ اس کے علاوہ انہوں نے پردیسی ڈھولا، بڑی دیدی، (بنگلہ) چپکے چپکے، سٹریٹ سنگر، نرالا گیت،

موہنی، رات کی رانی، تنہائی، جوانی کی ریت، استاد پیڈرو، افسانہ، ایکٹریس، گوہر سنگم، نادان، جگو، تلسی داس، انسان، مستانہ، شہید، شبنم، بہار، آنکھیں، جے شری، جلتی نشانی، مہر، ۲۶ جنوری، سینا پتی، ہیر، شرط، پے اِنگ گیسٹ، ہم بھی انسان ہیں، لیڈر، ہم متوالے نوجوان، شہید، پتنگ، راز کی بات، برما روڈ، پھول بنے انگارے، بہو بیٹی، پیار کئے جا، ممتا، نوجوان، وارث، نئی روشنی، چوری میرا کام، چور مچائے شور، غلام بیگم بادشاہ، وکٹوریہ نمبر ۲۰۳، جنگل میں منگل، جوالا، سنسار، آن ملو سجنا، انسان اور شیطان، بی ٹرین، گیت، نئی روشنی، خلیفہ، آپ بیتی، فقیرا، پیار جھکتا نہیں (۱۹۸۵ء)، اولاد، خزانہ (۱۹۸۷ء) پہلا ساون (۱۹۸۹ء) وغیرہ بے شمار فلموں میں اداکاری کی۔

چندر شیکھر : اداکار رہدائت کار رفلمساز چندر شیکھر ۸/ جولائی ۱۹۲۷ء (یا ۱۹۲۲ء) کو حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے کوئی ڈیڑھ سو فلموں میں کام کیا۔ پہلی فلم 'بے بس' تھی۔ ہیرو اور دیگر ہر طرح کے رول نبھائے۔ ان کی ڈائرکٹ اور پروڈیوس کی گئی فلم ''چا چا چا'' میں وہ خود ہیرو تھے اور یہ میوزیکل پکچر اچھی کامیاب رہی۔ ان کی اہم فلمیں ہیں۔ اپنا دیش، جہیز، سرنگ، مستانہ، عورت تیری یہی کہانی، برادری، باغی سپاہی، مسٹر چکرم، پاشنک شو، زندگی کے میلے، پناہ، بسنت بہار، کالی ٹوپی لال رومال، سٹریٹ سنگر، رستمِ بغداد، برسات کی ایک رات، کٹی پتنگ، شرابی (۱۹۸۴ء) وغیرہ۔

چندر کانت: کہانی نویس رمکالمہ نویس اسکرین پلے رائٹر، مکالمہ نویس چندر کانت: ۱۵/ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو گوجرانوالہ پنجاب میں پیدا ہوئے۔ پہلی فلم 'کروٹ'۔ دیگر فلمیں شہنشاہ، پتیتا، بادشاہ، سیما وغیرہ کے لئے انہوں نے کہانی رمکالمے لکھے۔

چوپڑہ دھرم ویر: کیمرہ مین دھرم ویر چوپڑہ بی آر چوپڑہ کے چھوٹے بھائی تھے اور وہ ۲۴/ اگست ۱۹۲۴ء کو فیروز پور پنجاب میں پیدا ہوئے۔ بی اے کرنے کے بعد ۱۹۴۹ء میں ایم اینڈ ٹی اسٹڈیو میں کئی کیمرہ مینوں کے ساتھ بطور معاون کام کیا۔ پہلی فلم ''داروغہ جی چوبے جی'' تھی۔ انہوں نے بی آر چوپڑہ کی تقریباً سبھی فلموں میں کیمرہ مینی کی۔ انہوں نے دھول کا پھول (۱۹۶۰ء) دھرم پتر (۱۹۶۱ء) کالج گرل (۱۹۶۲ء) دل ہی تو ہے (۱۹۶۴ء) وقت (۱۹۶۵ء) اتفاق (۱۹۶۹ء) داستان (۱۹۷۲ء) دھند (۱۹۷۳ء) ضمیر (۱۹۷۵ء) کرم (۱۹۷۷ء)، پتی پتنی اور وہ (۱۹۷۸ء)، برننگ ٹرین (۱۹۸۰ء) ۳۶ گھنٹے، امانت، طوائف، سادھنا، افسانہ، چاندنی چوک، ایک ہی راستہ، وغیرہ ان کے کیمرے کی مرہونِ منت ہیں۔ انہیں فلم ''وقت'' پر بہترین کیمرہ مین کا فلم فیئر ایوارڈ ملا۔ اور آدمی اور انسان پر نظام حیدرآباد ایوارڈ۔ انہوں نے بی آر چوپڑہ کی کئی ٹیلی فلمیں اور مشہور سیریل ''مہابھارت'' میں بھی بطور کیمرہ مین کام کیا۔

وہ حرکتِ قلب بند ہو جانے سے ۲۸ر ستمبر ۲۰۰۲ء کو ممبئی میں انتقال کر گئے اور انہیں سانتا کروز شمشان گھاٹ میں نذرِ آتش کیا گیا۔

چیتن آنند: ہدائت کار رفلمساز چیتن آنند (۳رجنوری ۱۹۲۱ء لاہور۔ ۶ر جولائی ۱۹۹۷ء ممبئی) لاہور کے مشہور وکیل پشوری لال آنند کے ہاں پیدا ہوئے۔ وہ دیو آنند اور وجے آنند کے بڑے بھائی تھے۔ بی سے کرنے کے بعد ریڈیو اور اسٹیج کے لئے ڈرامے پروڈیوس کئے۔ وہ آئی سی ایس کا امتحان پاس کرنا چاہتے تھے مگر ناکام ہوئے۔ تبھی فنی مجمدار نے ۱۹۴۴ء میں انہیں اپنی فلم 'راج کمار' میں متعارف کرایا۔ ان کی پہلی ''فلم نیچا نگر'' تھی جس کی ڈائرکشن اور منظر نامہ ان کا مرہونِ منت تھا۔ اس فلم پر انہیں ۱۹۴۶ء میں کینس کے بین اقوامی فلمی میلے میں گرینڈ پرکس عطا کیا گیا۔ ۱۹۴۹ء میں انہوں نے اپنے بھائی دیو آنند کے اشتراک سے نوکیتن کی بنیاد رکھی اور کئی فلمیں بنائیں جیسے افسر، بازی، آندھیاں، ٹیکسی ڈرائیور وغیرہ۔ بعد ازاں انہوں اپنی فلم کمپنی ہمالیہ فلمز قائم کی اور حقیقت، ہیر رانجھا، ہنستے زخم، اور ہندوستان کی قسم ایسی فلمیں پیش کیں۔ سپر اسٹار راجیش کھنہ کو بھی انہوں نے پہلی بار فلم '' آخری خط'' میں متعارف کرایا تھا۔ پھر انہوں نے راجیش کھنہ کو قدرت میں پیش کیا۔ ۱۷ فلمیں بنانے کے علاوہ چیتن آنند نے دوردرشن کے لئے سیریل '' پریم ویر چکر'' بھی بنایا۔ ۶ر جولائی ۱۹۹۷ء کو ان کی ممبئی میں وفات ہوگئی۔



حسن بانو: اداکارہ حسن بانو (روشن آرا شیرازی) ۸ر فروری ۱۹۲۲ء کو سنگاپور میں پیدا ہوئیں۔ اداکار ہونے کے علاوہ گلوکارا اور رقاصہ بھی تھیں۔ بطور ہیروئن فلموں میں کام کرتی رہیں۔ ان کی پہلی فلم '' ڈاکو منصور'' تھی۔ اس کے علاوہ نورِ یمن، جے بھارت، سسٹر،، جوانی، پریم نگر، بڑے بھیا، واسکو ڈے گاما، دوست، آئینہ، درد، دیوانی، سمراٹ اشوک، پتلی، گماشتہ، زمانے کی ہوا، امر، پیسہ ہی پیسہ وغیرہ میں بھی وہ نمودار ہوئیں۔



حسن لال بھگت رام: موسیقار حسن لال اپنے بھائی بھگت رام کے ساتھ موسیقی ترتیب دیتے رہے اور ان دونوں کی جوڑی (حسن لال بھگت رام) بڑی کامیاب ثابت ہوئیں۔ انہوں نے کوئی پچاس سے زائد فلموں کی موسیقی ترتیب دی۔ جیسے پیار کی

جیت (۱۹۴۸ء)، بڑی بہن، بالم، بنسریا، ہماری منزل، جلترنگ، آدھی رات، افسانہ، چھوٹی بھابھی، مینا بازار، سرتاج، صنم، نمائش، عدلِ جہانگیر وغیرہ۔

خان اے ایم: پروڈیوسر ڈائرکٹر اے ایم خان نے زیادہ تر سٹنٹ فلمیں بنائیں۔ اور موہن اسٹڈیو سے وابستہ رہے۔ ان کی ہدائت میں بنی کچھ فلمیں ہیں: غیبی تلوار، جادوئی انگوٹھی، بگڑے دل، پولیس والی وغیرہ۔

خورشید: ماضی کی ہیروئن اور گلوکارہ خورشید (ارشاد بیگم) ۱۴/ اپریل ۱۹۱۴ء کو لاہور کے قریب قصبہ چونیاں میں پیدا ہوئیں۔ ان کے والد لاہور ہائی کورٹ میں ناظر تھے۔ اُن کا گھر علامہ اقبال کی کوٹھی کے قریب تھا لہٰذا انہیں علامہ اقبال کی گود میں کھیلنے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ انہوں نے ادبیات، اخلاقیات، عربی، فارسی، اردو، پنجابی، انگریزی میں تعلیم پائی۔ اور ہوش سنبھالنے پر فلموں میں کام کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو گھر والوں نے ناپسند کیا۔ تاہم انہوں نے لاہور کی "ہند ماتا سینے ٹون" کمپنی جوائن کر لی اور ۱۹۳۱ء میں فلم "مرزا صاحباں" میں بطور ہیروئن نمودار ہوئیں۔ ہندی میں ان کی پہلی فلم "تجوارا" تھی۔ اور آخری "پپیہارے"۔ اس کے بعد وہ پاکستان چلی گئیں۔ بٹوارے سے پہلے انہوں نے تجوارا سے لے کر پپیہارے تک متعدد فلموں میں کام کیا جن میں کچھ فلمیں ہیں۔ چراغِ حسن، بمبئی ستارہ، سورگ کی سیڑھی، ایمان فروش، ساقی، پریم سادھی، اعلانِ جنگ، شوخ دلربا، سپہ سالار، مدھر ملن، ہوائی کا کا، امبری، آنکھیں، مسافر، بیٹی، پردیسی، شادی، آپ کی مرضی، آندھی، بھگت سورداس، چاندنی، تان سین، زمین، ممتاز محل، مورتی، نیلم، پربھو کا گھر، پردیسی، منجدھار، مٹی، آپ بیتی، وغیرہ۔



انہوں نے ماڈرن پکچرز کے نام سے ذاتی فلم کمپنی بنائی اور پنجابی فلم "پھوا" (۱۹۴۲ء) بنائی۔ ۱۹۴۲ء میں انہوں نے معروف اداکار لالہ یعقوب سے شادی کر لی۔ بٹوارے کے بعد ۱۹۴۸ء میں وہ ہجرت کرکے کراچی چلی گئیں۔ ۱۹۵۹ء میں لالہ یعقوب سے اختلاف ہونے پر طلاق ہوئی۔ اس کے بعد خورشید نے ایک تاجر یوسف بھائی سے شادی کر لی۔

۱۸/ اپریل ۲۰۰۱ء کو اُن کی کراچی میں وفات ہوئی۔

خیام: میوزک ڈائرکٹر خیام کا پورا نام محمد ظہور خیام ہاشمی ہے اور وہ ۱۸/ فروری ۱۹۲۷ء کو راہون نواں شہر (پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ پانچویں جماعت تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد موسیقی کے شوق میں گھر سے بھاگ کر دہلی پہنچ گئے اور پھر لاہور جا کر میوزک ڈائرکٹر بابا چشتی سے موسیقی کی تعلیم پائی اور چھ مہینے



تک ان کے معاون رہے۔ پھر دو سال فوج میں رہے اور جنگ کے خاتمے پر بمبئی چلے گئے اور ۱۹۴۸ء میں انہوں نے ہیر رانجھا میں شرما جی ورما جی جوڑی بنا کر پہلی بار میوزک دیا۔ تقسیم کے بعد ان کے جوڑی دار رحمان ورما پاکستان ہجرت کر گئے اور انہوں نے شرما کے بجائے خیام کے نام سے میوزک دینا شروع کیا۔ بیوی میں اُن کا گیت ''اکیلے میں وہ گھبراتے تو ہوں گے'' ہٹ ہوگیا اور ان کی گاڑی پٹڑی پر چل نکلی اور ''پھر صبح ہوگی'' کی موسیقی نے انہیں بلندیوں پر پہنچا دیا۔ انہیں ''کبھی کبھی'' اور ''امراؤ جان'' پر بہترین موسیقی پیش کرنے پر فلم فیئر ایوارڈ دیا گیا اور ۲۰۱۱ء میں ان کی خدمات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے انہیں پدم شری سے نوازا گیا۔ انہوں نے متعدد فلموں میں میوزک دیا جن میں فٹ پاتھ (۱۹۵۳ء)، گل بہار، پھر صبح ہوگی (۱۹۵۸ء) لالہ رُخ، شعلہ و شبنم، شگون، محبت اس کو کہتے ہیں، خاندان، آخری خط، سنکلپ، کبھی کبھی، شنکر حسین، ترشول، نوری، تھوڑی سی بے وفائی، چمبل کی قسم، امراؤ جان، ناخدا، درد، آہستہ آہستہ، دلِ ناداں، بازار، سوال، دل آخر دل ہے، رضیہ سلطان، مہندی، لوری، بے پناہ، انجمن، ایک نیا راستہ، جانِ وفا (۱۹۹۰ء) یاترا (۲۰۰۶ء) وغیرہ شامل ہیں۔

درگا کھوٹے :(۱۴؍جنوری ۱۹۰۵ء، ممبئی۔ ۲۲؍ستمبر ۱۹۹۱ء ممبئی) گزرے دور کی ہیروئن اور بعد کی کیریکٹر ایکٹر درگا کھوٹے ایک مکمل اداکارہ تھیں اور نیچرل اداکاری میں بے مثال۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے نصف صدی سے زائد عرصہ فلموں میں کام کیا اور دو سو سے زائد فلموں میں اداکاری کے جوہر دکھائے۔ ۱۹۳۱ء میں وہ ''فریبی جال'' میں نمودار ہوئیں۔ ۱۹۳۲ء میں خاموش فلم ''مایا مچھندر'' میں ایک اہم رول ادا کیا۔ پھر اسی سال بنی ہندی اور مراٹھی متکلم فلم ''ایودھیا کا راجہ'' میں تارامتی کا رول ادا کیا۔ ۱۹۳۷ء میں انہوں نے ''فلم'' ساتھی'' کی ہدایت و فلمسازی بھی کی۔ ۱۹۴۱ء میں چرنوں کی داسی'' اور پھر وجے بھٹ کی فلم ''بھرت ملاپ'' میں یادگار رول نبھایا۔ ان کی اہم فلمیں ہیں مرزا غالب (۱۹۵۷ء) بابی (۱۹۷۳ء) بدانی، (۱۹۷۴ء) مغل اعظم (۱۹۶۰ء) وغیرہ۔ اس



کے علاوہ ان کی کچھ اور اہم فلمیں ہیں: سیتا، امر جیوتی، انقلاب، ساتھی، ادھوری کہانی، گیتا، نرسی بھگت، بھرت ملاپ، پرتھوی ولبھ، مہارتھی کرن، پھول، ہم لوگ، سزا، پٹ رانی، بھابھی کی چوڑیاں، لو ان شملہ، سن آف انڈیا، مجھے جینے دو، دو دل، انوپما، دادی ماں، دیور، سپنوں کا سوداگر، باؤس ہولڈر، آنند،

نمک حرام، ابھیمان، باورچی، کھلونا، دل دیوانہ، چاچا بھتیجا، خوشبو، چور سپاہی، قرض، دولت کے دشمن (۱۹۸۳) وغیرہ۔

انہوں نے ٹی وی سیریلز میں بھی کام کیا جن میں ''واگلے کی دنیا'' بھی شامل ہے۔ ۱۹۸۳ء میں ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے حکومتِ ہند نے انہیں داداصاحب پھالکے ایوارڈ سے نوازا۔

دلیپ کمار: ممتاز و نامور فلم اداکار دلیپ کمار ۱۱ر دسمبر ۱۹۲۲ء کو پشاور (صوبہ سرحد، حال خیبر پختون خواہ) کے محلّہ خداداد میں پیدا ہوئے۔ اُن کا اصلی نام محمد یوسف خان ہے اور ان کی ابتدائی تعلیم پشاور میں اُردو میڈیم سے ہوئی۔ پھر ۱۹۳۲ء میں ان کی فیملی پشاور سے دیولالی (مہاراشٹر) منتقل ہوگئی جہاں ان کے والد پھلوں کا کاروبار کرتے تھے۔ انہوں نے انجمن اسلام ہائی اسکول بمبئی سے میٹرک اور خالصہ کالج سے بی اے کا امتحان پاس کیا اور پونہ کی ملٹری کینٹین میں بطور منیجر ملازم ہوگئے۔ پھر بامبے ٹاکیز کی دیوکا رانی کی نظروں میں وہ بھا گئے اور انہوں نے ان کے ساتھ تین فلموں کا معاہدہ کرلیا۔ اور وہ دیوکا رانی کے عطا کئے گئے 'دلیپ کمار' نام سے فلمی دنیا میں داخل ہوگئے اور امیہ چکرورتی کی ہدائت میں بنیں تین فلموں جوار بھاٹا، پرتیما، اور ملن میں نمودار ہوئے۔ لیکن یہ فلمیں زیادہ کامیاب نہ ہوئیں تاہم بطور اداکار انہوں نے



اپنا اچھا تاثر چھوڑا۔ ۱۹۴۷ء میں شوکت حسین رضوی کی فلم ''جگنو'' میں وہ نور جہاں کے بالمقابل بطور ہیرو پیش کئے گئے۔ یہ فلم بڑی کامیاب و مقبول ہوئی اور دلیپ کمار کی شہرت ملک بھر میں پھیل گئی۔ وہ چونکہ سال میں دو فلموں میں کام کرتے تھے لہٰذا انہوں نے لگ بھگ چھ دہوں کے دوران صرف ۵۸ فلموں میں ہی کام کیا۔ انہوں نے ''انداز'' میں راجکپور کے ساتھ ''انسانیت'' میں دیوآنند کے ساتھ ''پیغام'' میں راج کمار کے ساتھ اور ''شکتی'' میں امتیابھ بچن کے ساتھ اپنی اداکاری کے جوہر دکھائے۔ دلیپ کمار کو ٹریجڈی کنگ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے اور ان کی اداکاری میں ایک منفرد انداز پایا جاتا ہے۔ انہوں نے ''رام اور شیام'' اور ''داستان'' میں ڈبل رول اور ''بیراگ'' میں تین رول ادا کرکے فلم بینوں پہ اپنی غیر معمولی چھاپ چھوڑی۔ ان کی اہم فلموں میں انداز، جگنو، شبنم، جوگن، انوکھا پیار، بابل، آرزو، ترانہ، ہلچل، دیدار، آزاد، نیا دور، مسافر، بیراگ، رام اور شیام، داغ، دیوداس، آن، امر، شکست، اُڑن کھٹولہ، گنگا جمنا، مغل اعظم، لیڈر، دل دیا درد لیا، سلطنہ مہتو، گوپی، کرانتی، مزدور، دنیا، مشعل، کرما، سوداگر، کوہ نور، لیڈر، عزت دار، قلعہ، وغیرہ شمار ہوتی ہیں۔ اداکاری کے میدان میں ان کی شاندار

کارکردگی کا اعتراف کرتے ہوئے حکومت ہند نے انہیں ۱۹۹۴ء میں دادا صاحب پھالکے ایوارڈ سے نوازا تھا۔ ۱۹۶۳ء میں انہیں پدم شری اور ۱۹۹۷ء میں پدم بھوشن اعزاز سے نوازا گیا۔ ۱۹۸۱ء میں انہیں ''شیرف آف بمبئی'' بنایا گیا۔ اس کے علاوہ انہیں راجیہ سبھا کا رکن بھی نامزد کیا گیا۔ یہی نہیں ۱۹۹۹ء میں انہیں حکومت پاکستان نے وہاں کا سب سے اعلیٰ شہری اعزاز ''نشانِ پاکستان'' عطا کیا۔ اب کئی برس سے ضعیفی اور کمزوری کے کارن وہ سبکدوشی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

دھرمیندر: اداکار رفلساز دھرمیندر کا اصلی نام دھرم سنگھ دیول ہے اور وہ ۸ر دسمبر ۱۹۳۵ء کو ساہنیوال پنجاب میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ابتدائی زندگی اپنے گاؤں ساہنیوال میں بسر کی اور سینئر سیکنڈری اسکول لالٹن کلاں (لدھیانہ) میں تعلیم پائی جہاں ان کے والد کیول کرشن سنگھ دیول ہیڈ ماسٹر تھے۔ بعد ازاں ان کی فیملی نقلِ مکانی کر کے بمبئی چلی گئی۔ جہاں ۱۹۶۰ء میں انہوں نے پہلی بار فلم ''دل بھی تیرا ہم بھی تیرے'' میں کام کیا۔ ساٹھ کے دہے میں انہوں نے کئی فلموں میں رومانٹک رول کیے اور ۱۹۶۶ء میں ان کی فلم ''پھول اور پتھر'' نے انہیں زبردست کامیابی سے دوچار کیا۔ انہوں نے نوتن کے ساتھ صورت اور سیرت (۱۹۶۲ء) اور بندنی (۱۹۶۳ء) میں



مالا سنہا کے ساتھ ان پڑھ (۱۹۶۲ء) اور پوجا کے پھول (۱۹۶۴ء) میں، ...... سائرہ بانو کے ساتھ شادی (۱۹۶۲ء) اور آئی ملن کی بیلا (۱۹۶۴ء) میں ...... اور مینا کماری کے ساتھ میں بھی لڑکی ہوں (۱۹۶۴ء)، کاجل، پورنیما (۱۹۶۵ء) اور پھول اور پتھر (۱۹۶۶ء) میں کام کیا۔ پھر ۱۹۷۴ء کے بعد وہ رومانٹک ہیرو سے ایکشن ہیرو بن گئے۔ انہوں نے متعدد فلموں میں کام کیا جن میں ستیہ کام، انوپما، جیون مرتیو، شرافت، یادوں کی بارات، میرا گاؤں میرا دیش، نیا زمانہ، سادھی، دوست، شعلے، چپکے چپکے، پرتگیا، دھرم ویر، رضیہ سلطان، غلامی حکومت، راجہ جانی، جگنو، سیتا اور گیتا، تم حسین میں جواں، چرس، ماں، چاچا بھتیجا، آزاد، قاتلوں کے قاتل، بھاگوت، دھرم اور قانون، راج تلک، وطن کے رکھوالے، آگ ہی آگ، غلامی ہتھیار، لوہا، یملا، پگلا، دیوانہ، اور یملا پگلا دیوانہ۔۲۔ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

بطور فلمساز انہوں نے ۱۹۸۳ء میں وجیتا فلمز نامی کمپنی قائم کی جس کے بینر تلے انہوں نے سب سے پہلے فلم ''بیتاب'' پیش کی جس میں انہوں نے اپنے بیٹے سنی دیول کو متعارف کرایا۔ یہ فلم بڑی کامیاب ہوئی پھر ۱۹۹۰ء میں انہوں نے ''گھائل'' فلم پروڈیوس کی جس میں ہیرو سنی دیول تھے اور جسے

سات فلم فیئر ایوارڈ ملے تھے۔1995ء میں انہوں نے ''برسات'' میں اپنے چھوٹے بیٹے بوبی دیول کو متعارف کرایا اور ۲۰۰۵ء میں اپنے بھتیجے ابھے دیول کو فلم ''سوچ'' میں۔ ۲۰۰۴ء میں وہ ۱۴ویں لوک سبھا کے رُکن منتخب ہوئے۔ ۲۰۱۲ء میں انہیں حکومت ہند نے پدم بھوشن سے نوازا۔ ۱۹۹۷ء میں انہیں فلم فیئر کی جانب سے لائف اچیومنٹ ایوارڈ دیا گیا، ان کے علاوہ انہیں کئی اور اعزازات بھی عطا کئے جا چکے ہیں۔

۱۹۵۴ء میں دھرمیندر کی پہلی شادی پرکاش کور سے ہوئی جس سے دو بیٹے سنی دیول اور ابھے دیول ہیں۔ اور دوسری شادی ۱۹۷۵ء میں انہوں نے مشہور ہیروئن ہیما مالنی سے کی جس سے دو بیٹیاں ایشا اور آہنا ہیں جن کی شادی ہو چکی ہے۔

دھومل: کامیڈین دھومل ۲۹ر مارچ 1914 کو پیدا ہوئے۔ اُن کے دادا وکیل تھے۔ مگر ان کے انتقال سے بوجوہ سارا بوجھ دھومل پر آپڑا۔ انہوں نے کئی طرح کے کام کیے۔ وہ ایک ڈرامہ کمپنی میں ملازم



ہوگئے جہاں وہ شراب پلانے کی خدمت انجام دیتے تھے اور برتن صاف کرتے تھے۔ بالآخر انہیں انتہائی کوششوں کے بعد فلموں میں کام کرنے کا موقع مل گیا اور انہوں نے ۱۹۶۰ اور ۱۹۸۰ء کے دوران کوئی ایک سو فلموں میں کام کیا جن میں من کی پیاس، حاتم طائی، شکست، آسرا، جیون، ہم پنچھی ایک ڈال کے، باغی سپاہی، جادوئی چراغ، سند باد جہازی، من پیاسا ہے، ضدی، لو ان ٹوکیو، سہاگ رات، آنکھیں، دیوار، فرض، جال، بکھرے موتی، دس لاکھ، ایک پھول دو مالی، وغیرہ شامل ہیں۔

۱۳ر فروری ۱۹۸۷ء کو وہ اچانک بیمار پڑ گئے۔ انہیں ہسپتال میں داخل کرایا گیا مگر وہ جانبر نہ ہو سکے اور چند گھنٹوں میں ہی ان کی زندگی کا خاتمہ ہو گیا۔



دیو آنند: اداکار، ہدائت کار فلمساز دیو آنند ۲۶ ستمبر ۱۹۲۳ء گورداسپور، پنجاب میں پیدا ہوئے۔ نوجوانی کے زمانے میں ہندوستانی فلم انڈسٹری میں اُن کا دلیپ کمار کا اور راجکپور کا طوطی بولتا تھا اور تینوں ہی مشہور و مقبول ہیرو تھے۔ دیو آنند نے پنجاب یونیورسٹی لاہور سے بی اے کی ڈگری حاصل کی اور اسٹیج کے توسط سے فلموں میں وارد ہوئے۔ اور سب سے پہلے وہ فلم ''ہم ایک ہیں'' میں جلوہ گر ہوئے۔ ۱۹۴۹ء میں انہوں نے اپنے

بڑے بھائی چیتن آنند کے اشتراک سے نوکیتن فلمز کی بنیاد رکھی۔ انہوں نے متعدد فلموں میں کام کیا جن میں ضدی، افسر، برہا کی رات نیلی، بادبان، زلزلہ، ملاپ، ٹیکسی ڈرائیور، بازی، ہاؤس نمبر ۴۴، سزا، منیم جی، فنٹ پاتھ، فنٹوش، پاکٹ مار، جیول تھیف، گائیڈ، ہرے راما ہرے کرشنا، سی آئی ڈی، خالی بوتل، کنارے کنارے، پریم پجاری، روپ کی رانی چوروں کا راجہ، سولہواں سال، عشق عشق عشق، پریم شاستر، سوامی دادا، ریٹرن آف جیول تھیف، انسانیت، دیس پردیس، جال، جانی میرا نام، سی آئی ڈی، کالا پانی، شاعر جیت، آگے بڑھو، نرالا، مدھوبالا، کھیل صنم، نادان، دو ستارے، بازی، آرام، تماشہ، راہی، پتا، ہمسفر، ارمان، کشتی، انسانیت، پے انگ گیسٹ، نو دو گیارہ، دشمن، بارش، امردیپ، لو میرج، سرحد، منزل، بمبئی کا بابو، ہم دونوں، اصلی نقلی، تیرے گھر کے سامنے، شرابی، کہیں اور چل، تین دیویاں، دنیا، گیمبلر، بیس سولہ برس کی، لینکسٹر، مسٹر پرائم منسٹر، سوامی دادا، اول نمبر، سینسر وغیرہ بھی شامل ہیں۔ انہوں نے کئی فلمیں ڈائرکٹ کیں جیسے ہرے راما ہرے کرشنا، ہیرا پنا، پریم پجاری، عشق عشق عشق، دیس پردیس، لوٹ مار، سوامی دادا، سچے کا بول بالا، آنند ہی آنند، ہم نوجوان، اول نمبر، پیار کا ترانہ، سینسر، لو ایٹ ٹائم اسکوئر، چارج وغیرہ۔ وہ ایک مقبول اداکار تھے جنہوں نے اپنے دور کی ہر ہیروئن کے ساتھ کام کیا جن میں ثریا، وحیدہ رحمان، شکیلہ، مدھوبالا، زینت امان خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ٹیکسی ڈرائیور کی شوٹنگ کے دوران ان کا ہیروئن کلپنا کارتک سے عشق ہو گیا اور فلم کے دوران ہی انہوں نے خفیہ طور پر شادی کر لی اور ایک سال بعد سنیل آنند کی ولادت ہوئی مگر ان کی یہ شادی کامیاب نہ ہوئی اور دونوں الگ الگ سے رہنے لگے۔

دویچا دوارکا: کیمرہ مین دویچا دوارکا (۱۹ مارچ ۱۹۱۸ ممبئی۔ ۵ جنوری ۱۹۷۸ء ممبئی) ہندوستانی سنیما کے ایک ممتاز کیمرہ مین تھے جنہوں نے "شعلے" ایسی فلم کی بھی عکاسی کی تھی۔ ۱۹۳۲ء میں وہ بطور معاون کیمرہ مین فلمی دنیا میں داخل ہوئے۔ ۱۹۳۶ء میں انہوں نے "ہاٹ بلڈ" کی فوٹوگرافی کی۔ اس کے بعد انہوں نے بہت سی فلموں کی عکاسی کی جن میں سنجوگ (۱۹۴۳ء) رتن (۱۹۴۴ء) جیون جیوتی، دل ناداں، یاسمین، باپ رے باپ، نئی ریت، پارس، سولہواں سال، دو پھول، سسرال، پروفیسر، چائنا ٹاؤن، ہم راہی، دل دیا درد لیا، دادی ماں، جھک گیا آسمان، آمرپالی، پرنس۔ جینے کی راہ، کھلونا، لال پتھر، منورنجن، شعلے، ادھار کا سندور اور ترشنا (۱۹۷۸ء) وغیرہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

دیپکا پاڈوکون: اداکارہ دیپکا پاڈوکون ۵ جنوری ۱۹۸۶ء کو کوپن ہیگن (ڈنمارک) میں مشہور بیڈمنٹن کھلاڑی پرکاش پاڈوکون کے ہاں پیدا ہوئیں۔ انہوں نے کھلاڑی بننے پر اداکاری کو ترجیح دی۔ انہوں نے سب سے پہلے ۲۰۰۶ء میں ایک کنڑ فلم "ایشوریہ" میں کام کیا اور پھر آئندہ برس شاہ رخ خان



کے بالمقابل ہندی فلم "اوم شانتی اوم" میں ہیروئن کی حیثیت سے نمودار ہوئیں۔ انہوں نے ابھی زیادہ فلموں میں کام نہیں کیا مگر اس وقت کی ٹاپ ہیروئنوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ان کی کچھ فلمیں ہیں: بچنا اے حسینو، چاندنی چوک ان چائنا، لو آج کل، بلو، میں اور مسز کھنہ، کارتک کالنگ کارتک، ہاؤس فل، لفنگے پرندے، بریک کے بعد، کھیلیں ہم جی جان سے، دم مارو دم، آرکشن، دیسی بوائیز، کاک ٹیل، ریس۔۲، بیے تا کیز، یہ جوانی ہے دیوانی، چنئی ایکسپریس (۲۰۱۳ء) وغیرہ۔

دیویندر گونل: پروڈیوسر ڈائرکٹر دیویندر چندر گوئل (۳ر مارچ ۱۹۱۹ء میرٹھ، اُترپردیش۔ ۲۶ر فروری ۱۹۷۹ء ممبئی) ایم اے تک تعلیم پائی اور فلموں سے وابستہ ہو گئے۔ وہ چھ برس تک فاضلی برادرز لمیٹیڈ میں مختلف حیثیتوں سے کام کرتے رہے۔ پھر اپنی کمپنی گوئل سینے کارپوریشن قائم کر لی۔ انہوں نے سب سے پہلے ۱۹۵۰ء میں فلم "آنکھیں" ڈائرکٹ کی۔ پھر نرسی بھگت، چراغ کہاں روشنی کہاں، رضیہ سلطانہ، ادا، آس، وچن، البیلی ریس کورس، ایک سال، پیار کا ساگر، دور کی آواز، دس لاکھ، ایک پھول دو مالی، دھڑکن، ایک محل ہو سپنوں کا (۱۹۷۵ء) آدمی سڑک کا (۱۹۷۷ء) اور دو مسافر (۱۹۷۸ء) وغیرہ بنائیں۔

دیوکا رانی: معروف اداکارہ دیوکا رانی چودھری (۳۰ر مارچ ۱۹۰۸ء وشاکھا پٹنم۔ ۹ر مارچ ۱۹۹۴ء بنگلور) کی دادی سوکماری دیوی گرودیو رابندر ناتھ ٹیگور کی بہن تھیں۔ دیوکا رانی کے والد کرنل چودھری برٹش میڈیکل کور میں ملازم تھے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم شانتی نکیتن میں حاصل کی اور پھر اپنے والد کے ساتھ لندن چلی گئیں اور وہاں انہوں نے رائل اکادمی آف ڈرامیٹک آرٹ، اور رائل اکادمی آف میوزک میں تربیت پائی۔ ۱۹۲۸ء میں ان کی ملاقات نرنجن پال اور ہمانسو رائے سے ہوئی۔ ۱۹۲۹ء میں دیوکا رانی ہمانسو رائے کے ساتھ انگلستان سے ہندوستان آئیں اور پھر دونوں جرمنی چلے گئے جہاں دیوکا رانی نے میک اپ، آرائش اور فن اداکاری کی تربیت حاصل کی اور پہلی بار ہمانسو رائے کی تیسری فلم "تھرو آف ڈ ائس" میں بطور اداکارہ نمودار ہوئیں۔ ۱۹۳۴ء میں انہوں نے ۱۲۵ لاکھ روپے کے



سرمائے سے بمبے ٹاکیز کی بنیاد رکھی جس میں کئی فلموں میں دیوکارانی نے بطور اداکارہ کام کیا۔اُن کی اہم فلمیں تھیں: کرما (۱۹۳۳ء) جوانی کی ہوا (۱۹۳۵ء) ممتا، جیون نیا،، اچھوت کنیا، جنم بھومی (۱۹۳۶ء) عزت، ساوتری، جیون بھارت (۱۹۳۷ء) نرملا، وچن (۱۹۳۸ء) درگا (۱۹۳۹ء) انجان (۱۹۴۱ء) اور ہماری بات (۱۹۴۳ء)۔ ہمانسورائے کی وفات کے بعد ۱۹۴۵ء کے اواخر میں انہوں نے روسی مصور رورک سے شادی کر لی اور کلومنالی میں جابسیں، جہاں ان کے سسر کی آرٹ گیلری اور سیب کے باغات تھے۔ ۱۹۵۸ء میں انہیں پدم شری کے اعزاز سے نوازا گیا۔ ۱۹۷۰ء میں انہیں دادا صاحب پھالکے اعزاز اور ۱۹۸۹ء میں سوویت لینڈ ایوارڈ عطا کیا گیا۔

ڈابکے ڈی ڈی: اداکار دتاتریہ دامودر ڈابکے پہلے اداکار تھے جو ہندوستان کی پہلی خاموش فلم ''راجہ ہریشچندر'' میں بحیثیت ہیرو (راجہ ہریش چندر) نمودار ہوئے تھے۔اُن کی پیدائش مہاراشٹر کے تعلقہ دیولی کے ایک گاؤں آسود میں ہوئی تھی۔ وہ پانچ سال تک دادا صاحب پھالکے کے معاون کی



حیثیت سے کام کرتے رہے اور اس دوران انہوں نے ڈائرکشن اور فوٹوگرافی کے گر سیکھے۔ پھر ۱۹۲۲ میں وہ کوہ نور فلم کمپنی اور ۱۹۲۸ء میں جگدیش فلم کمپنی میں شامل ہوگئے۔ ۱۹۲۴ء میں انہوں نے راجہ ہریش چندر کی ری میک کے ڈائرکشن کے فرائض انجام دیے۔ ۱۹۲۹ء میں انڈین فلم پروڈیوسنگ کمپنی کلکتہ میں پانچ سو روپے ماہوار پر ملازم ہوئے اور ۱۹۳۳ء میں ودیا سینےٹون میں بطور کیمرہ مین کام کرنے کے ساتھ ساتھ ''سیتا سوئمبر'' میں جزوی طور پر ڈائرکشن بھی کی۔ انہوں نے سات فلموں وندے ماترم آشرم، موجیلی بمبئی، فنکلد وفتوری، ویرکنال، وملا، بیسویں صدی، کالاناگ کی فوٹوگرافی کی۔ چار فلموں شری کرشن جنم (۱۹۱۸ء)، لنکا دہن (۱۹۱۷ء)، ستیہ وادی راجہ ہریش چندر (۱۹۱۷ء)، اور راجہ ہریشچندر (۱۹۱۳ء) میں اداکاری کی۔

ڈینی ڈین زنگپا: ولین۔ ڈینی ڈین زنگپا جنہیں فلموں میں ڈینی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، ایک منجھے ہوئے اور باصلاحیت اداکار ہیں اور انہوں نے ہندی، انگریزی، نیپالی اور بنگلہ فلموں میں کام کیا ہے۔ ڈینی ۲۵ر فروری ۱۹۴۹ء کو گنگٹوک (سکم) میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے اسکول کی تعلیم برلا ودیا مندر نینی تال (اُترکھنڈ) میں حاصل کی۔ وہ آرمڈ فورسز میڈیکل کالج پونے میں داخلہ کے لئے منتخب ہوگئے تھے مگر اس کے بجائے انہوں نے اداکاری کی تربیت کے لئے فلم اینڈ ٹی وی انسٹی ٹیوٹ پونے میں داخلہ لے لیا اور یہاں سے کورس مکمل کرنے کے بعد ۱۹۷۱ء میں فلموں میں رول کرنے لگے۔ پہلے



پہل انہوں نے بی آر اشارہ کی فلم 'ضرورت' اور گلزار کی فلم 'میرے اپنے' میں اس انداز سے رول کیے کہ تماش بینوں پر اپنی زبردست چھاپ چھوڑی۔ بی آر چوپڑہ کی فلم ''دھند'' میں ایک مفلوج ویلن اور زینت امان کے شوہر کا رول اس خوبصورت انداز میں نبھایا کہ وہ ایک یادگار رول بن کر رہ گیا۔ اس کے بعد ڈینی کو ویلن کے رول کے لئے منتخب کیا جانے لگا۔ حتیٰ کہ انہیں فلم 'شعلے' میں گبر سنگھ کا رول بھی آفر ہوا تھا جسے انہوں نے ٹھکرا دیا۔ وہ 'ہم' میں گودی مزدوروں کے دادا ہیں لیکن بیٹی کے قتل پر اُن کا پھوٹ پھوٹ کر رونا، ہیما مالنی کے عشق میں ناکامی پر غمزدہ ہونا اور راجکمار ایسے اداکار کے سامنے ندرتا سے مکالمے ادا کرنا ان کی انفرادیت کو نمایاں کرتا ہے۔ ڈینی نے متعدد فلموں میں کام کیا جن میں جواب، راکھی اور ہتھکڑی، خون خون، دھند، یہ گلستاں ہمارا، کھوٹے سکے، ۳۶ گھنٹے، آخری داؤ، دھرماتما، چور مچائے شور، رانی اور لال پری، کالی گھٹا، بندش، عبداللہ، برننگ ٹرین، اللہ رکھا، بھگوان دادا، یدھ، ادھیکار، چمبل کا بادشاہ، آگ ہی آگ، اتہاس، پاپ کی دنیا، یتیم، قسم سہاگ کی، کھوج، شیش ناگ، شہزادے، ہم صنم بے وفا، بہادر، یودھا، اگنی پتھ، باغی، اُونچے لوگ، اندر باہر، مجھے انصاف چاہیے، میرا شکار، ہمالیہ پتر وغیرہ شامل ہیں۔

راج ببر: ایکٹر، سیاست دان۔ ممبر پارلیمنٹ راج ببر ۲۳ رجون ۱۹۵۲ء کو بمقام ٹنڈلا (اُتر پردیش) پیدا ہوئے۔ آگرہ کالج سے گریجویشن کرنے اور نیشنل اسکول آف ڈرامہ میں تعلیم و تربیت پانے کے بعد وہ قسمت آزمانے ممبئی چلے گئے۔ ۱۹۷۷ء میں فلمی دنیا سے وابستہ ہوئے۔ پہلے پہل فلم 'قصہ کرسی کا' میں نمودار ہوئے۔ انہوں نے متعدد فلموں میں کام کیا جن میں نکاح، آپ تو ایسے نہ تھے، جذبات، ساجن میرے میں ساجن کی، آشا، سودن ساس کے، نذرانہ پیار کا، انصاف کا ترازو، ہم پانچ، ارمان، دلہا بکتا ہے، بھیگی پلکیں، آپس کی بات، میرا فرض، میرا مقدر، بنی اور ببلی، کھلاڑی ۷۸۶، باڈی گارڈ، فیشن، کیا دل نے کہا، قہر، برسات، مسٹر آزاد، آنکھیں، بڑی بہن، سادھنا، زدالی، ایل او سی کارگل، دلال، گھائل، گیت، وغیرہ شامل ہیں۔ پہلے ہیرو کے طور پر کام کیا پھر 'اعتبار' میں بحیثیت ویلن نمودار ہوئے اور پھر ویلن کے رول نبھانے لگے۔ 'انصاف کا ترازو' میں ان کے رول کی پران اور جیون ایسے اداکاروں نے بھی تعریف کی۔



پہلے ان کی شادی نادرہ سے ہوئی اور بعد ازاں اداکارہ سمتا پاٹل سے۔ان کے تین بچے ہیں۔آریہ ببر، جوہی ببر اور پرتیک ببر۔اداکاری کے ساتھ ساتھ سیاست سے بھی منسلک ہیں۔ پہلے سماج وادی پارٹی میں تھے اوراب انڈین نیشنل کانگریس کے ساتھ۔اب چوتھی بارممبر پارلیمنٹ منتخب ہوئے ہیں۔

راج کپور: اداکار رہدائت کار رفلساز راج کپور ۱۴ر دسمبر ۱۹۲۴ء کو پشاور (صوبہ سرحد حال خیبر پختون خواہ، پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ ہندوستانی فلمسازی کا ایک بہت بڑا شو مین جس نے ہندوستانی فلموں کو غیر ملکوں خصوصاً سوویت روس میں مقبول بنانے میں اہم رول ادا کیا اور کئی غیر ملکی ایوارڈ بھی جیتے۔۱۹۵۱ء اور ۱۹۵۴ء میں انہوں نے آوارہ اور بوٹ پالش پر بالترتیب کینس فلم فسٹیول میں اعزازات حاصل کئے۔ ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے حکومت ہند نے انہیں ۱۹۷۱ء میں پدم بھوشن اور ۱۹۸۷ء میں واداصاحب پھالکے ایوارڈ عطا کیا۔



راج کپور نے کچھ مدت کرنل براؤن کیمبرج اسکول دہرہ دون اور سینٹ زیئی ہائی اسکول راولپنڈی میں تعلیم حاصل کی۔ سب سے پہلے ۸ سال کی عمر میں انڈین تھیٹر کے ڈرامے کھلونا گاڑی (The Toy Cart) میں اسٹیج پر اداکاری کی۔ پھر ۱۹۳۵ء میں وہ پہلی بار بطور چائلڈ آرٹسٹ نیو تھیٹر کی فلم ''انقلاب'' میں نمودار ہوئے اور ۱۹۴۷ء میں اپنے گاڈ فادر ہدائت کار کیدار شرما کی فلم ''نیل کمل'' میں بطور ہیرو پردہ اسکرین پر جلوہ گر ہوئے جس میں ہیروئن مدھو بالا (ممتاز کے نام سے) تھیں۔ جب ۱۹۴۲ء میں پرتھوی تھیٹر قائم ہوا تو انہوں نے ''شکنتلا'' ڈرامے میں نوعمر راجہ دشینت کا رول بھی ادا کیا۔انہوں نے اپنا فلمی کیریئر بمبئی ٹاکیز میں ایک معمولی کلیپر بوائے کی حیثیت سے شروع کیا اور ۱۹۴۳ء میں فلم 'ہماری بات' (دیوکارانی۔ جے راج) میں چھوٹا سا رول بھی ادا کیا۔ ۱۹۴۸ء میں انہوں نے اپنی ذاتی فلم کمپنی آر کے فلمز کی بنیاد رکھی اوراس کے بینر تلے برسات، آگ، آوارہ وغیرہ کئی کامیاب فلمیں بنائیں۔انہوں نے نرگس کے ساتھ کوئی ۱۶ فلموں میں ہیروکا رول ادا کیا جن میں چھ خود ان کے اپنے ادارے کی تھیں۔ ان کی اہم فلموں میں نیل کمل، آگ، برسات، آوارہ، آہ، شری چار سو بیس، انداز، جاگتے رہو، چوری چوری، پھر صبح ہوگی، اناڑی، پرورش، جس دیش میں گنگا بہتی ہے، میرا نام جوکر، عبداللہ، سنگم، تیسری قسم، چھلیا، عاشق، ایک دل سو افسانے، اراؤنڈ دی ورلڈ، دیوانہ، سپنوں کا سوداگر، کل آج اور کل، پیار، امیر، ان ہونی، پاپی، آشیانہ، بے وفا، جان پہچان، میں نشے میں ہوں، خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔انہوں نے فلمساز رہدائت کار کی حیثیت سے بھی بڑا نام کمایا۔

برسات، آوارہ، شری چار سو بیس، پریم روگ، رام تیری گنگا میلی، بوبی، بوٹ پالش، تیسری قسم، وغیرہ اس کی بولتی تصویریں ہیں۔

دہلی میں دادا صاحب پھالکے ایوارڈ لینے آئے تھے کہ اچانک دل کا دورہ پڑا اور ۲رجون ۱۹۸۸ء کو نئی دہلی میں اس عظیم شومین کی وفات ہوگئی۔

راج کمار: اداکار راجکمار جو ہندی فلموں میں ''جانی'' کے نام سے بھی معروف ہیں، ۸راکتوبر ۱۹۲۶ء کو لورالائی (بلوچستان۔پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ اُن کا اصلی نام کل بھوشن تھا۔ چوتھے دہے میں وہ ممبئی آئے اور پولیس میں سب انسپکٹر بھرتی ہوگئے۔ ساٹھ کے دہے میں ان کی شادی گائتری سے ہوئی جس سے تین بچے دو بیٹے پورو، پانینی اور ایک بیٹی واستوکتا ہے جس نے ۲۰۰۶ء میں پہلی بار فلم ''ایٹ: دی پاور آف شنی'' میں کام کیا تھا۔



راج کمار پہلی بار ۱۹۵۲ء میں فلم ''رنگیلی'' میں نمودار ہوئے مگر کسی نے نوٹس نہیں لیا۔ انہیں شہرت اس وقت نصیب ہوئی جب ۱۹۷۵ء میں انہوں نے محبوب خاں کی فلم ''مدر انڈیا'' میں نرگس کے شوہر کا رول ادا کیا۔ بعد ازاں وہ اپنے چندر موہن اور سہراب مودی کی طرح زوردار مکالموں کی بدولت مشہور ہوئے۔ ان کے کئی مکالمے ناظرین کبھی نہیں بھولے جیسے ''ہم کو مٹا سکے یہ زمانے میں دم نہیں، زمانہ ہم سے ہے زمانے سے ہم نہیں (بلندی) اور اپنے نازک پاؤں زمین پر مت رکھیئے گا میلے ہو جائیں گے (پاکیزہ) وہ ایک خاص انداز سے ''جانی'' پکارتے تھے لہٰذا انہیں جانی کے نام سے بھی پکارا جانے لگا۔ وہ بہت مغرور بھی تھے اور کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ ان کی اہم فلموں میں رنگیلی، آبشار، گھمنڈ، مدر انڈیا، کرشن سداماں، نوشیروانِ عادل، نیل منی، دلہن، جیلر، پنچائت، درگا ماتا، اردھانگنی، پیغام، شرارت، اُجالا، دل اپنا اور پریت پرائی، سورگ سے سندر دیش ہمارا، مایا مچھندر، گھرانہ، سوتیلا بھائی، دل ایک مندر، آج اور کل، پھول بنے انگارے، پیار کا بندھن، دوج کا چاند، وقت، زندگی، کاجل، اُونچے لوگ، رشتے ناتے، ہمراز، نئی روشنی، میرے حضور، نیل کمل، واسنا، لال پتھر، مریادا، پاکیزہ، دل کا راجہ، ہندوستان کی قسم، ۳۰۶ کنٹے، ایک سے بڑھ کر ایک، راج تلک، دھرم کانٹا، سوداگر، گلیوں کا بادشاہ، ترنگا، جواب، بکواس، (۱۹۹۵ء)، وغیرہ شامل ہیں

۳رجولائی ۱۹۹۶ کو گلے کے کینسر سے اُن کا ممبئی میں انتقال ہوگیا۔



راجندر کمار: اداکار رفلمساز راجندر کمار (۲۰ رجولائی ۱۹۲۹، سیالکوٹ، پنجاب پاکستان۔ ۱۲ رجولائی ۱۹۹۹، ممبئی) چھٹے دہے کے ایک مقبول ہیرو تھے اوران کی اکثر فلموں کے گولڈن اور سلور جوبلی منانے کی وجہ سے انہیں '' جوبلی کمار'' بھی کہا جاتا تھا۔ تقسیم کے بعد کچھ مدت وہ سبزی منڈی دہلی میں مقیم رہے۔ پھر فلموں میں اپنی قسمت آزمانے کے لئے بمبئی چلے گئے اور وہاں ان کی ملاقات سنیل دت سے ہوئی جواُن ہی کی طرح فلموں میں کام کرنے کے لئے کوشاں تھے۔ دونوں کچھ مدت ایک جانکار کے ہاں قیام پذیر رہے۔ پھر نغمہ نگار راجندر کرشن کی مدد سے راجندر کمار کو ۱۵۰ روپے ماہانہ پر ہدائت کار ایچ ایس رویل کے معاون کی حیثیت سے ملازمت مل گئی۔ بعدازاں ہدائت کار دیویندر گوئل نے انہیں اپنی فلم '' وچن'' میں ہیرو کا رول دے دیا اور فلم چل نکلی اور راجندر کمار کو فلموں میں کام ملنے لگا۔ '' مدر انڈیا'' میں سنیل دت اور راجندر کمار نے نرگس کے بیٹوں کا رول ادا کیا اور اس دوران ان کی دوستی اور بڑھ گئی یہاں تک کہ بالآخر یہ دوستی رشتہ داری میں بدل گئی اور راجندر کمار کے بیٹے کورو کی شادی سنیل دت کی بیٹی سے ہوئی۔ راجندر کمار نے متعدد فلموں میں اداکاری کے جوہر دکھائے جن میں گھر سنسار، دھول کا پھول، مدر انڈیا، گونج اٹھی شہنائی، سسرال، آس کا پنچھی، سنگم، آئی ملن کی بیلا، آپ آئے بہار آئی، دل ایک مندر، میرے محبوب، سورج، جھک گیا آسمان، قانون، ساجن کی سہیلی، پھول، لو اسٹوری، کہ بھنجن تیرا نام، دو جاسوس، تانگے والا، گیت، میرا نام جوکر، شطرنج، جھک گیا آسمان، تلاش، ساتھی، امن، پالکی، جوگن، آواز، دیور بھابھی، طلاق، سنتان، بے ایمان، چراغ کہاں روشنی کہاں، سہاگن، گنوار، گورا اور کالا، ساجن بنا سہاگن، آرزو، دیا اور طوفان، ارتھ (۱۹۹۸ء) وغیرہ شامل ہیں۔ علاوہ ازیں انہوں نے جنگل بُک، پھول، جرأت، نام، لورز (Lovers)، لواسٹوری نامی فلمیں پروڈیوس بھی کیں۔



راجندر ناتھ: مشہور کامیڈین راجندر ناتھ جو بہت سی فلموں میں پوپٹ لال کہلائے، یہاں تک کہ ٹی وی سیریل '' ہم پانچ'' میں بھی وہ پوپٹ لال ہی تھے، معروف ویلن پریم ناتھ کے چھوٹے بھائی تھے اور راجکپور کی اہلیہ کرشنا کپور کے بھائی۔ انہوں نے بہت سی فلموں میں کامیڈین کا رول کیا۔ فلم دل دے کے دیکھو، جب پیار کسی سے ہوتا ہے، گمنام، پھر وہی دل لایا ہوں، تیسری منزل، بہاروں کے سپنے۔ پیار کا موسم، ہمراہی، جیون

مرتیو، این ایوننگ ان پیرس وغیرہ ان کی مشہور فلمیں ہیں۔

۱۳ر فروری ۲۰۰۸ء کو ممبئی میں ان کی وفات ہوگئی۔

راجیش کھنہ: ہندی فلموں کے ہیرو راجیش کھنہ جو امیتابھ بچن سے پیشتر ہندی سنیما کے سپر اسٹار مانے جاتے تھے، ۲۹ر دسمبر ۱۹۴۲ء کو بمقام امرتسر (پنجاب) پیدا ہوئے۔ ان کا اصلی نام جتن کھنہ تھا جو فلمی دنیا میں راجیش کھنہ ہوگیا۔ وہ ممبئی میں فلم اسٹار جتیندر کے ہم جماعت رہے۔ پہلی بار وہ بی آر چوپڑہ کی فلم ''آخری خط'' میں جلوہ گر ہوئے اور اس کے بعد راز، بہاروں کے سپنے، اتفاق اور ارادھنا ایسی فلموں نے انہیں ہندوستانی سنیما کا ایک مشہور اداکار بنادیا۔ مارچ ۱۹۷۳ء میں ان کی شادی ڈمپل کپاڈیا سے ہوئی



جس نے پہلی بار راج کپور کی فلم 'بوبی' میں رشی کپور کے بالمقابل ہیروئن کا رول ادا کیا تھا۔ ۱۹۸۴ء میں اس شادی میں دراڑ آگئی مگر علیحدگی کی نوبت نہیں آئی اور ۱۹۹۰ء سے ۲۰۱۲ء تک وہ ان کے ساتھ ہر اہم فنکشن میں شامل ہوتی رہیں یہاں تک کہ الیکشن کے دوران ڈمپل نے ان کے ساتھ مل کر الیکشن مہم میں بھی حصہ لیا۔ ان کی دو بیٹیاں ٹوئنکل اور رنکی کھنہ ہیں جن میں سے اول الذکر کی شادی فلم اسٹار اکشے کمار سے ہوئی ہے۔ مرحوم نے کل ۱۸۰ فلموں میں کام کیا جن میں ۱۶۳ فیچر فلمیں اور ۱۷ اشارٹ فلمیں تھیں۔ ان کی اہم فلموں میں دل دولت دنیا (سادھنا) کٹی پتنگ (آشا پاریکھ) داغ (نندہ) دشمن/ اپنا دیش/ بندھن/ دوراستے/ سچا جھوٹا (ممتاز) امر پریم/ سفر (شرمیلا ٹیگور) اتفاق (نندہ) آنند/ نمک حرام (امیتابھ بچن) اجنبی، گرہ پرویش، عاشق ہوں بہاروں کا بنڈل باز، انداز، روٹی، پریم کہانی، آپ کی قسم، شہزادہ، میرے جیون ساتھی، مہا چور، پھر وہی رات، آنچل، قدرت، اگر تم نہ ہوتے، اشانتی، آواز، ہم دونوں، الگ الگ، مقصد، محبوب کی مہندی، ہاتھی میرے ساتھی، پلکوں کی چھاؤں میں، چکرویو، جنتا حوالدار، باورچی، انورودھ، محبوبہ، بھولا بھالا، چھیلا بابو، تھوڑی سی بے وفائی، آج کا ایم ایل اے، درد، دھنوان، اگر تم نہ ہوتے، آخر کیوں، اوتار، سوتن، جانور، آشا جیوتی، نذرانہ، ادھیکار، انصاف میں کروں گا، انگارے، جے شیو شنکر، خدائی، امرت، عوام، وغیرہ شامل ہیں۔

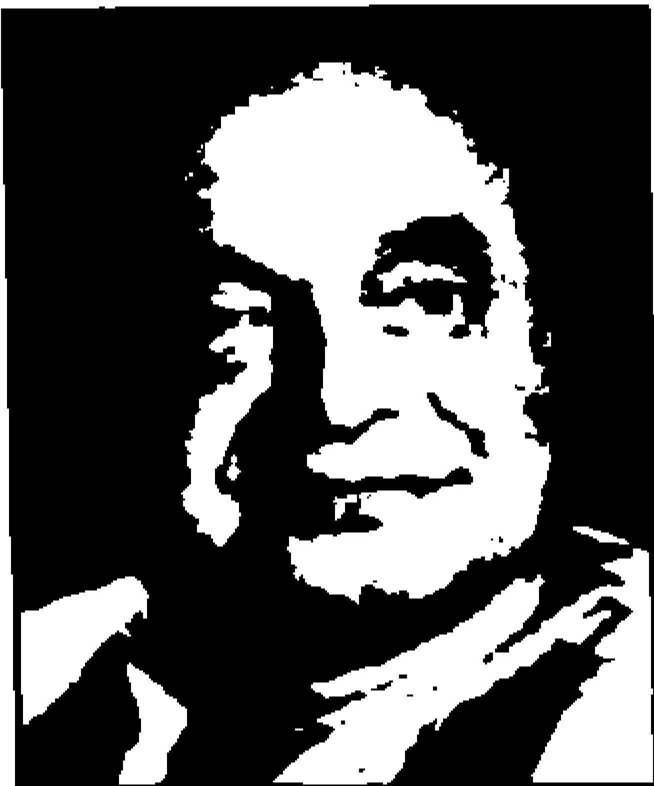
فلموں میں گائے ان کے بہت سے گیت بڑے مقبول ہوئے جن میں..... خزاں کے پھول پہ آتی کبھی بہار نہیں (دو راستے) میرے نینا ساون بھادوں/ یہ جو محبت ہے یہ اُن کا ہے کام (کٹی پتنگ) روپ تیرا مستانہ/ میرے سپنوں کی رانی/ کورا کاغذ یہ من میرا (ارادھنا) دور کہیں جب دن ڈھل

جائے رزندگی میں نے تیرے لئے ہی سات رنگ کے سپنے چنے (آنند) زندگی اک سفر ہے سہانا (انداز) دنیا میں کتنا غم ہے میرا غم کتنا کم ہے (امرت) دشمن نہ کرے دوست نے وہ کام کیا ہے (آخر کیوں) چل چل میرے ہاتھی (ہاتھی میرے ساتھی) چنگاری کوئی بھڑکے (امر پریم) وغیرہ فلموں کے ساتھ ساتھ راجیش کھنہ سیاست میں بھی حصہ لیتے رہے۔ ۱۹۹۲ء میں وہ کانگریس کے امیدوار کی حیثیت سے نئی دہلی سے بھارتیہ جنتا پارٹی کے شری ایل کے ایڈوانی سے جیتے۔ اور اپنی چار سالہ رکنیت کے دوران انہوں نے سوائے ایک فلم ''خدائی'' کے کوئی فلم نہیں کی۔ بعد ازاں وہ کانگریس کے لئے سرگرمی سے کام کرتے رہے اور پنجاب کے ۲۰۱۲ء کے الیکشن تک سرگرم عمل رہے۔

جون ۲۰۱۲ء میں راجیش کھنہ کی صحت یکلخت بگڑ گئی اور انہیں ۲۳ر جون کو اور ۱۴ر جولائی کو لیلا وتی ہسپتال میں داخل کرایا گیا اور ۸ر جولائی ر ۱۶ر جولائی کو انہیں ہسپتال سے ڈسچارج کیا گیا اور ۱۸ جولائی ۲۰۱۲ء کو ان کی وفات ہوئی۔ جسے ایک بہت بڑا نقصان بتایا گیا اور بڑی بڑی ملکی اور غیر ملکی ہستیوں نے ان کے انتقال پر اظہار افسوس کیا۔

انہیں فلم فیئر ایوارڈ کے علاوہ کئی ملکی اور غیر ملکی ایوارڈ ملے۔ ان کی فلمی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے حکومت ہند نے انہیں پدم بھوشن ایوارڈ سے نوازا۔

راما نند ساگر: ہدائت کار، فلمساز، رائٹر، راما نند ساگر (۲۹ر دسمبر ۱۹۱۷ء لاہور۔ ۱۲ر دسمبر ۲۰۰۵ء ممبئی) نے بٹوارے پر ناول ''اور انسان مر گیا'' لکھا اور ادبی حلقوں میں عرصہ تک چرچا میں رہے۔ تقسیم سے پیشتر طرح طرح کے کام کئے اور ۱۹۴۲ء میں سنسکرت اور فارسی میں گولڈ میڈل پایا۔ وہ لاہور میں روزنامہ 'ملاپ' میں بھی کام کرتے رہے۔ تقسیم کے بعد ممبئی منتقل ہو گئے اور راجکپور کی فلم ''برسات'' کی کہانی لکھی جس کی کامیابی کے ساتھ وہ بھی فلموں میں جانی پہچانی شخصیت بن گئے۔ انہوں



کئی فلموں کے مکالمے، کہانیاں، لکھنے کے علاوہ کئی فلموں کی ہدائت کے فرائض بھی انجام دئے۔ ان کی ہدائت میں بنی فلمیں ہیں: مہمان (۱۹۵۳ء)، بازو بند، گھونگھٹ، زندگی، آرزو، آنکھیں، گیت، جلتے بدن، چرس، پریم بندھن، اور سلمہ وغیرہ۔ لیکن فلموں سے زیادہ راما نند ساگر کو ٹی وی سیریل میں شہرت ملی۔ ۱۹۸۷ء میں انہوں نے رامائن پر ٹی وی سیریل بنایا تو ان کا نام ہندوستان کے طول وعرض میں پھیل گیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے وکرم بیتال (۱۹۸۸ء)، لوکش (۱۹۸۹ء) کرشنا (۱۹۹۳ء)،

الف لیلیٰ (۱۹۹۳ء) اور سائی بابا (۲۰۰۵ء) ٹی وی سیریل بنائے جنہیں عوام نے بے حد پسند کیا۔
۸۷ برس کی عمر میں ان کا ممبئی میں انتقال ہو گیا۔

رادھا کرشن: مزاحیہ اداکار رادھا کشن فلموں میں ایک مکار اور سازشی کے رول میں خوب جچتے تھے۔ ۱۹۴۵ء سے ۱۹۶۵ء تک کئی فلموں میں مزاحیہ رول کئے۔ انہوں نے بی آر چوپڑہ کی فلم ''سادھنا'' اور ''نیا دور'' میں کمال کی ایکٹنگ کی۔ اس کے علاوہ فلم سونے کی چڑیا، کنارے کنارے، ہم پنچھی ایک ڈال کے، برما روڈ وغیرہ میں بھی اپنی اداکاری کے جوہر دکھائے۔ وہ اپنی مخصوص مکارانہ مسکراہٹ اور دانت کھسوڑ کر بات کرنے میں منفرد انداز رکھتے تھے۔

راہل دیو برمن: موسیقار/گلوکار راہل دیو برمن (آر ڈی برمن) ۲۷ر جون ۱۹۳۹ء کو کلکتہ میں مشہور موسیقار ایس ڈی برمن کے ہاں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم انہوں نے سینٹ زیویرس اسکول کلکتہ میں حاصل کی۔ وہ بچپن میں سُر اختراع کر لیتے تھے اس لئے انہیں پنچم دا کہا جاتا تھا۔ انہوں نے بچپن میں کئی طرزیں بنائیں۔ ایسے ہی ان کے دو گیتوں ''اے میری ٹوپی پلٹ کے آ'' اور ''سر جو تیرا ٹکرائے'' کو ان کے والد نے بالترتیب 'فنٹوش' اور 'پیاسا' میں استعمال کیا تھا۔ بمبئی آنے پر انہوں نے



اُستاد علی اکبر خاں (سرود) اور طبلہ نواز سامتا پرساد سے تعلیم پائی۔ میوزک ڈائرکٹر سلیل چودھری کو تو وہ اپنا گورو مانتے ہی تھے۔ بڑے ہونے پر وہ اپنے والد کے معاون موسیقار بن گئے اور پھر خود موسیقی ترتیب دینے لگے۔ انہوں نے کلاسیکل سنگیت اور غیر ملکی موسیقی کے امتزاج سے ایک ایسا اسلوب اختراع کیا کہ نئی نسل کے چہیتے موسیقار بن گئے۔ انہوں نے امر پریم، شعلے، ہرے راما ہرے کرشنا، ۱۹۴۲: اے لو اسٹوری، کارواں، پڑوسن، بھوت بنگلہ، یادوں کی بارات، آپ کی قسم، محبوبہ، ہم کسی سے کم نہیں، کنارا، شالیمار، شان، جوانی، ساگر، لو اسٹوری، بیتاب، صنم تیری قسم، معصوم، اور راکی وغیرہ میں متعدد یادگار گیت دیئے جنہیں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔
انہوں نے ۳۳۱ فلموں میں موسیقی دی جن میں ۲۹۲ ہندی میں، ۳۱ بنگلہ میں اور باقی تمل تلگو اور اوڑیا میں تھیں۔ ۱۹۶۶ء میں انہوں نے ریتا پٹیل سے شادی کی مگر ۱۹۷۱ء میں اس سے ان کی طلاق ہو گئی اور پھر ۱۹۸۰ء میں انہوں نے آشا بھونسلے سے شادی کر لی۔ مگر افسوس کہ ۴ر جنوری ۱۹۹۴ء کو وہ ممبئی میں انتقال کر گئے۔

رحمان: نام سید رحمان۔ پہلی بار فلم 'نرگس' میں نرگس کے مقابل بطور ہیرو آئے۔ بعد ازاں کچھ فلموں



میں ہیرو آنے کے بعد سائڈ ہیرو اور پھر کیرکٹر ایکٹر کا رول کرنے لگے۔ یہ افغانستان کے بادشاہ امان اللہ خان کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی ولادت ۲۳ر جون ۱۹۲۴ء کو لاہور میں ہوئی۔ بعد ازاں ان کا خاندان جبلپور میں سکونت پذیر ہو گیا، جہاں وہ رابنسن کالج میں زیر تعلیم رہے۔ پھر انڈین ایئر فورس میں پائلٹ بن گئے۔ اور ۱۹۴۶ء سے فلموں میں کام کرنے لگے۔ ان کی اہم فلمیں ہیں: نرگس، شاہجہان، تحفہ، روپ ریکھا، مالا، رومال، بڑی بہن، پارس، پردیس، پیار کی منزل، بھائی بہن، گھونگھٹ، چھلیا، بنوارا، چودھویں کا چاند، صاحب بی بی اور غلام، پیاسا، پھول بنے انگارے، بادشاہ، غزل، گنگا کی لہریں، تاج محل، یہ راستے ہیں پیار کے، دل نے پھر یاد کیا، دل دیا درد لیا، دلہن ایک رات کی، پالکی، بہاریں پھر بھی آئیں گی، چھوٹا بھائی، جواری، میرے ہمدم میرے دوست، ہمسایہ، شکار، پیار کی جھنکار، آبرو، ابھلاشا، بہاروں کی منزل، درپن، ماں اور ممتا، مستانہ، دیوی، امنگ، تم سے اچھا کون ہے، دشمن، چنگاری، آپ کی قسم، آشیانہ، ہیرا پنا، دوست، کشمکش، گومتی کے کنارے، نیناں، آروپ، ان ہونی، سلام میم صاحب، عاشق ہوں بہاروں کا، وکیل بابو، راجپوت، دل آخر دل ہے، وقت، امانت، انتقام، وغیرہ۔

۱۹۷۹ء میں ان کی ممبئی میں وفات ہوئی۔

رشک. ارجن دیو: کہانی نویس، مکالمہ نگار، اسکرپٹ رائٹر اور نغمہ نگار ارجن دیو رشک ۱۹ر اگست ۱۹۱۹ء کو مانڈلے (برما) میں پیدا ہوئے۔ جاپانیوں کے برما پر قبضے سے پہلے رنگون میں برما اسٹیٹ براڈ کاسٹنگ سروس رنگون میں انڈین شعبے کے سربراہ تھے۔ ۱۹۴۲ء میں انڈیا واپس آ گئے۔ پہلے پہل ''پیا گھر آجا'' کے مکالمے اور ''سلونی'' کے گیت لکھے۔ مستانہ، وارث پاکٹ مار، مہر، غزل اجنتا وغیرہ میں بھی ان کے قلم کی کاوش شامل ہے۔

رشی کیش مکرجی: فلمساز، کہانی کار، ایڈیٹر رشی کیش مکرجی ۳۰ ستمبر ۱۹۲۲ء کو کولکاتا میں پیدا ہوئے۔ کلکتہ یونیورسٹی سے انہوں نے کیمسٹری میں گریجویشن کیا اور کچھ مدت درس و تدریس کے پیشے سے وابستہ رہے۔ بعد میں وہ بمل رائے کے اسسٹنٹ رہے اور ''دو بیگھہ زمین'' اور ''دیوداس'' میں ان کا بھی نمایاں حصہ تھا۔ ۱۹۵۰ سے ۱۹۸۰ء تک فلموں سے وابستہ رہے اور انہوں نے بیالیس کے قریب فلمیں ڈائرکٹ کیں جن میں انوپما، ستیہ کام، آشیرواد، آنند، ابھیمان، خوبصورت، اناڑی، انورادھا، نمک حرام، اصلی نقلی، آشیرواد، میم دیدی، چپکے چپکے، جھوٹ بولے کوا کاٹے، گول مال، باورچی اور گڈی



خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ اور یہ فلمیں منفرد موضوعات پر ہونے کے ساتھ ساتھ انسانی زندگی سے جڑی ہوئی ہیں۔ ۱۹۵۷ء میں انہوں نے بمل رائے کی فلم ''مسافر'' سے اپنے فلمی کیریئر کی شروعات کی اور ہندی سنیما کو یادگار فلمیں عطا کیں۔ انہیں ۱۹۹۹ء میں دادا صاحب پھالکے ایوارڈ سے نوازا گیا اور ۲۰۰۱ء میں پدم وی بھوشن سے۔

۲۷/اگست ۲۰۰۶ء کو ممبئی میں ان کی وفات ہوگئی۔

رضا مراد: مشہور اداکار مرحوم مراد کے بیٹے رضا مراد مختلف کرداروں میں اپنی اداکاری کے جوہر دکھا چکے ہیں جن میں ویلن کا رول بھی شامل ہے۔ ان کی ولادت ۲/ جولائی ۱۹۴۶ کو ہوئی۔



۷۱۔۱۹۶۹ء میں فلم اینڈ ٹی وی انسٹی ٹیوٹ میں تربیت پائی اور پھر فلموں میں کام کرنے لگے۔ ۱۹۷۳ء میں 'نمک حرام' میں ان کی عمدہ اداکاری اور مکالموں کی ادائیگی نے فلم بینوں کو ان کا گرویدہ بنا دیا۔ اب تک دو سو سے زائد فلموں میں کام کر چکے۔ رام تیری گنگا میلی، پریم روگ، حنا، خوددار، ارم لکھن، تری دیو، پیار کا مندر، آنکھیں، مہرہ گپت، جودھا اکبر، ایک ہی راستہ وغیرہ اُن کی قابلِ ذکر فلمیں ہیں۔ ان دنوں ٹی وی سیریل ''مدھوبالا: ایک عشق، ایک جنوں'' میں کام کر رہے ہیں۔

ان کے دو بچے ہیں۔ علی مراد اور عائشہ مراد۔

رنجن: اسٹنٹ فلموں کے ہیرو رنجن کی ولادت ۲/ مارچ ۱۹۱۸ء کو ہوئی۔ انہوں نے بی اے (فزکس)



اور ایم لٹ (موسیقی) کی ڈگری مدراس یونیورسٹی سے حاصل کی۔ رقص اور موسیقی سے متعلق میگزین ''ناٹیم'' کے ایڈیٹر رہے اور رقص سے متعلق کئی مستند کتابیں لکھیں۔ انہیں شمشیر زنی میں بڑی مہارت تھی لہٰذا سہراب مودی نے انہیں فائٹ ماسٹر کے طور پر رکھ لیا۔ انہوں نے ''پکار'' کے بعد ''سکندر'' میں شمشیر بازی کے جوہر دکھائے۔ پھر وہ فلموں میں بطور ہیرو آنے لگے۔ انہوں نے پہلی بار ۱۹۳۹ء میں فلم ''رشیا سرنگار'' میں بطور ہیرو کام کیا۔

''چندرلیکھا'' اور ''نشان'' اُن کی یادگار فلمیں ہیں۔ انہوں نے وجے بھٹ کی فلم ''باغی سپاہی'' میں بینا رائے کے مقابل ہیرو کا کردار نبھایا۔ اس کے بعد انہوں نے جادوئی چراغ میں شکیلہ کے ساتھ، حاتم طائی کی بیٹی میں گیتا بالی اور بزدل سورما میں شیاما کے ساتھ کام کیا۔ ۱۹۶۰ اور ۱۹۶۸ء کے دوران وہ کوئی چالیس فلموں میں نمودار ہوئے، جن میں شین شنا کی بوبلا بو، سند باد دی سیلر، شہنشاہ، قافلہ، باپ بیٹی، نشان، ڈنکا، مسٹر چکرم، قسم، باغی سپاہی قابل ذکر ہیں۔ علاوہ ازیں فلمستان کے لئے انہوں نے ''منیم جی'' کی کہانی بھی لکھی۔ ۱۲ر ستمبر ۱۹۸۳ء کو نیوجرسی (امریکہ) کے ہوٹل میں شدید قلبی دورے سے اُن کی وفات ہوگئی۔

رنجیت: مشہور کیرکٹر ایکٹر اور ویلن رنجیت (گوپال بیدی، گولی) جنڈیالہ گورو ضلع امرتسر (پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ سنیل دت کی فلم ریشما اور شیرا میں کام کیا تو سنیل دت نے ان کا نام رنجیت رکھا۔ ''ریشماں اور شیرا'' سے پہلے ان کی فلم 'ساون بھادوں' ۱۹۷۰ء میں ریلیز ہوئی جبکہ 'ریشماں اور شیرا'



۱۹۷۱ء میں۔ دو سو سے زائد فلموں میں کام کر چکے ہیں جن میں شرمیلی، ہلچل، حسینوں کا دیوتا، دوست اور دشمن، پرچھائیاں، رامپور کا لکشمن، وکٹوریہ نمبر ۲۰۳، قیمت، کشمکش، دھمکی، بندھے ہاتھ، مسٹر رومیو، پران جائے پر وچن نہ جائے، کھوٹے سکے، فریبی، جھیل کے اُس پار، بنڈل باز، آج کا مہاتما، ہیرا لال پنا لال، امر شکتی، کالا آدمی، انجانے میں، ڈاکو اور جوان، خون پسینہ، امر اکبر انتھونی، کچا چور، ضمانت، ناگن، نیا دور، سلام میم صاحب، نکر، سہاگ، یووراج،، پھانسی، پرماتما، یہ تو کمال ہوگیا، میری آواز سنو، ففٹی ففٹی، لاوارث، راکی، خون اور پانی، یارانہ، چمبل کی قسم، لوٹ مار،، دردِ دل، سرفروش، میٹھا زہر، ہوشیار، جاگیر، نیا قدم، انقلاب، دھوکے باز، مقدر کا فیصلہ، ایماندار، ایک سے بھلے دو، لکشمی، غضب، صنم تیری قسم، ہیرو، گنگا میری ماں، رام کلی، دلارا، ظالم، ماہر، ہم ہیں پریمی، آتنک، کالی ٹوپی لال رومال، بلندی، شہید اودھم سنگھ، آکروش، بیبے ٹو گو، نو پرابلم، شوٹ آؤٹ ایٹ وڈالا، پانچ گھنٹے میں پانچ کروڑ وغیرہ شامل ہیں۔ ۱۹۹۲ء میں انہوں نے 'غضب تماشا' پروڈیوس اور ڈائرکٹ کی اور 'کارنامہ' ۱۹۹۰ء میں صرف ڈائرکٹ۔

روشن: موسیقار روشن کا نام روشن لال ناگرتھ تھا اور ان کی پیدائش ۱۴ر جولائی ۱۹۱۷ء کو گوجرانوالہ (پنجاب، پاکستان) میں ہوئی تھی۔ انہوں نے لکھنؤ کے میرلیس کالج میں موسیقی کی تعلیم پانے کے علاوہ اُستاد علاءالدین اور سارنگی کے معروف استاد بندو خاں سے بھی موسیقی کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۴۰ء اور



۱۹۵۰ کے دوران انہوں نے ریڈیو کے لئے کئی پروگراموں میں موسیقی ترتیب دی۔ بمبئی میں انہوں نے فلم 'سنگار' میں خواجہ خورشید انور کے معاون کی حیثیت سے کام کیا۔ ۱۹۴۹ء میں انہوں نے ہدائت کار کیدار شرما کی فلم ''نیکی اور بدی'' میں پہلی بار موسیقی دی مگر فلم ناکام ہوئی۔ تاہم کیدار شرما کی اگلی فلم ''باورے نین'' میں دی گئی ان کی موسیقی ہٹ ہوگئی اور اس کے بعد انہوں نے متعدد فلموں میں موسیقی دی۔ وہ غزل، قوالی گیت وغیرہ میں بڑی مہارت رکھتے تھے اور فلم ''برسات کی رات'' میں ان کی قوالی آج بھی قوالیوں میں سرفہرست شمار کی جاتی ہے۔ انہوں نے گیت کار اندیور اور آنند بخشی کو فلموں میں متعارف کرایا۔ اور اُن کی موسیقی سے مزین بعض غزلیں آج بھی لوگ نہیں بھولے۔ اُن کی موسیقی سے مزین کچھ فلمیں ہیں: ماہار، شیشم، ان ہونی، نو بہار، دیور، برسات کی رات، برادری، ہم لوگ، راگ رنگ، سنسکار، آغوش، مالکن، معشوقہ، باپ بیٹی، چاندنی چوک، براتی، محبوبہ، چھورا چھوری، جشن، رنگین راتیں، ٹکسال، ہیرا موتی، میں نے جینا سیکھ لیا، بھیگی رات، نئی عمر کی نئی فصل، دیدی ماں، ممتا، بہو بیگم، نور جہاں، انوکھی رات، دل ہی تو ہے، تاج محل وغیرہ۔ اُن کے یادگار گیتوں میں سنسار سے بھاگے پھرتے ہو (چترلیکھا) نہ تو کارواں کی تلاش ہے، زندگی بھر نہ بھولے گی وہ برسات کی رات (برسات کی رات) جو وعدہ کیا تو نبھانا پڑے گا (تاج محل) ایسے متعدد نغمے ہیں جنہیں حیاتِ جاوداں ملی۔

روشن بیس سال تک عارضۂ قلب میں مبتلا رہے اور پھر ۱۶ نومبر ۱۹۶۷ کو ممبئی میں ان کا انتقال ہوگیا۔ راجیش روشن (موسیقار) اور راکیش روشن (ایکٹر، ہدائت کار، فلمساز) اُن کے بیٹے ہیں اور رتک روشن اُن کے پوتے۔

روی: میوزک ڈائرکٹر روی شنکر شرما ۳ر مارچ ۱۹۲۶ کو دہلی میں پیدا ہوئے اور ۷ر مارچ ۲۰۱۲ کو ممبئی میں انتقال کر گئے۔ وہ ایک کامیاب موسیقار تھے جن کی کئی فلموں کو بڑی کامیابی و مقبولیت حاصل ہوئی جن میں ''وقت'' ہمراہ، ہمراز، پھول اور پتھر اور دو کلیاں وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ انہیں سب سے پہلے ہدائت کار دیویندر گوئل نے ۱۹۵۵ء میں اپنی فلم ''وطن'' میں موسیقی پیش کرنے کا موقع دیا جس کا گیت ''چندا ماما دور کے'' سپر ہٹ ہوگیا۔ ان کی موسیقی سے مزین متعدد



گیت ہٹ ہوئے جن میں یہ وادیاں یہ فضائیں بلا رہی ہیں تمہیں (گمراہ) لو آ گئی اُن کی یاد وہ نہیں آئے (دو بدن) بھلا کرنے والے بھلائی کئے جا (گھر سنسار) سب کچھ لٹا کے ہوش میں آئے تو کیا کیا (ایک سال) راز دل ان سے چھپایا نہ گیا (اپنا بنا کے دیکھو) شامل ہیں۔ انہوں نے ان فلموں میں موسیقی ترتیب دی: وطن، البیلی (۱۹۵۵ء) نرسی بھگت، دلی کا ٹھگ، مہندی، چراغ کہاں روشنی کہاں، وچن، گمراہ، اپنا بنا کے دیکھو، وندنا، دو بدن، چودھویں کا چاند، گہرا داغ، ٹاور ہاؤس، پیار کا ساگر، دور کی آواز، گھنشا، ایک سال، نکاح، اپنا بنا کے دیکھو، دلہن، نئی راہیں، پہلی رات، تو نہیں اور سہی، گھرانہ، نذرانہ، پیار کا ساگر، سلام میم صاحب، چاندنا ٹاؤن، راکھی، نرتکی، اُستادوں کے اُستاد، دو کلیاں، آنکھیں، کاجل، من کا میت، پیار یا پیسہ، دھند، مہمان، اک محل ہو سپنوں کا، آج کی آواز، آدمی سڑک کا، مہمان، دھڑکن، بابل کی گلیاں، چنگاری، ایک پھول دو مالی، کندن، وقت، طوائف، دلبیر، عوام، گھر کا سکھ، ایک الگ موسم (۲۰۰۳ء) وغیرہ۔

ریحانہ: اداکارہ ریحانہ (مشتری جہاں) ۲۰ مارچ ۱۹۳۴ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئیں۔ کے ایل سہگل اور ثریا کی فلم ''تدبیر'' اور ''ہم ایک ہیں'' میں نمودار ہوئیں۔ پہلی بار پی ایل سنتوشی کی فلم ''شہنائی'' میں لیڈنگ رول کیا۔ ان کی اہم فلمیں ہیں: ایکٹریس، سرگم، ساجن، کھڑکی، نتیجہ، سگائی، بجلی، دلربا، لاجواب، نردوشی، ادا، شیشن شنائی، بو بالو، ہزار راتیں، ڈھولا مارو، محفل، دلی دربار، رتن منجری، قیمت وغیرہ۔ انڈیا میں اپنا تنزل دیکھ کر ریحانہ پاکستان منتقل ہو گئیں اور وہاں شالیمار (سد عیر کے بالمقابل۔ ۱۹۵۶ء)، وحشی (۱۹۵۶ء) اور اپنا پرایا (۱۹۵۹ء) میں کام کیا مگر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ تاہم ۱۹۶۰ء میں بنی ''رات کے راہی'' اور ۱۹۶۲ء میں بنی ''اولاد'' میں انہیں کامیابی ملی۔ مگر اب وہ لیڈنگ رول کے قابل نہیں رہی تھیں۔ پھر انہوں نے رات کے راہی کے پروڈیوسر اقبال شہزاد سے شادی کر لی۔ مگر اس میں ناکامی کے بعد انہوں نے ایک تاجر صابر احمد سے ازدواجی سلسلہ جوڑ لیا۔ ۱۹۶۳ء میں فلم ''دل نے تجھے مان لیا'' میں نظر آئیں اور پردہ اسکرین سے غائب ہو گئیں۔ ۱۹۹۵ء میں نگار ایوارڈ کمیٹی کی انہیں رکن بنایا گیا۔ اب شوہر کی وفات کے بعد تنہائی کی زندگی گزار رہی ہیں۔



ریکھا: ریکھا کا پورا نام کمار بھانو گنیشن ہے۔ ان کی والدہ پشپاولی تلگو فلموں کی معروف ہیروئن تھیں اور والد جیمنی گنیشن نامور ہیرو۔ ان کی ولادت ۱۰ اکتوبر ۱۹۵۴ء کو مدراس میں ہوئی۔ جیمنی گنیشن نے بعد ازاں ساوتری نامی اداکارہ سے شادی کر لی اور پشپاولی کو اپنے چھ بچوں کو پالنا پڑا۔ ریکھا کی تعلیم



چرچ ہاؤس میں ہوئی اور اس کے بعد ایک اقامتی سکول میں۔ گھر کے خستہ حالات کی وجہ سے ریکھا کو کمسنی میں ہی فلموں میں کام کرنا پڑا۔ ابتدا میں ریکھا نے تلگو فلم ''اماں کوسم'' میں ایک رول کیا اور پھر انہیں ایک تمل فلم میں ہیروئن کا رول مل گیا۔ بعد ازاں بسوجیت کو ریکھا بھا گئی اور انہوں نے فلمساز شروجیت پال سے اس کی سفارش کی مگر شروجیت نے ریکھا کے سامنے شرط رکھی کہ وہ ان کی آٹھ فلموں میں کام کرے گی اور اس بیچ کسی اور فلم میں کام نہیں کرے گی۔ ریکھا نے شرط مان لی لیکن ان کی پہلی فلم ''انجانا سفر'' مکمل نہ ہو پائی جس کے ہیرو بسوجیت تھے۔ البتہ اس فلم میں بسوجیت اور ریکھا کے بوسوں کو بڑی پبلسٹی ملی اور انہیں کئی رسائل میں بھی شائع کیا گیا۔ بعد میں ہدائت کار موہن سہگل نے انہیں فلم ''ساون بھادوں'' میں چانس دیا جس کے ہیرو نوین نشچل تھے۔ اس فلم کی کامیابی نے ریکھا کے لئے راستہ صاف کر دیا اور کئی فلموں میں کام کرنے لگیں۔ پہلی بار ''دو انجانے'' میں ریکھا کی اداکاری کی بڑی تعریف ہوئی۔ ریکھا کی فلم نمک حرام (۱۹۷۳ء) الاپ (۱۹۷۷ء) گھر (۱۹۷۸ء) اور خوبصورت (۱۹۸۰ء) کو بڑی کامیابی ملی۔ اس کے بعد مظفر علی کی فلم ''امراؤ جان'' نے ان کی شہرت کے جھنڈے گاڑ دیئے اور اس پر انہیں نیشنل ایوارڈ بھی ملا۔

۱۹۹۰ء میں ریکھا نے مکیش اگروال سے شادی کر لی مگر افسوس کہ کچھ مدت بعد مکیش نے خودکشی کر لی۔

ریکھا اب تک ۱۶۰ کے قریب فلموں میں کام کر چکی ہیں جن میں کچھ کے نام ہیں: ساون بھادوں (۱۹۷۰ء) ڈبل کراس، رام پور کا لکشمن، گورا کالا، ایک بیچارہ، دھرما، پران جائے پر وچن نہ جائی، دھرم کرم، کہانی قسمت کی، نمک حرام، دھرماتما، دو انجانے، آکرمن، قبیلہ، سنتان، خون پسینہ، آپ کی خاطر، گنگا کی سوگند، الاپ، کچا چور، ایمان دھرم، کرتویہ، سہاگ، مقدر کا سکندر، مسٹر نٹور لال، جانی دشمن، آنچل، جدائی، کالی گھٹا، کل یگ، سلسلہ، جال محل، بسیرا، ایک ہی بھول، وجیتا، جیون دھارا، نشان، مجھے انصاف چاہیے، اگر تم نہ ہوتے، بندیا چمکے گی، فاصلے، پیار کی جیت، خون بھری مانگ، پھول بنے انگارے، میرا پتی صرف میرا ہے، اجازت، بیوی ہو تو ایسی ہو، اُڑان، آستھا، بلندی، کرم سوتر: اے نیل آف لو، زبیدہ، لجا، مجھے میری بیوی سے بچاؤ، کوئی مل گیا، بچ کے رہنا رے وغیرہ۔

ان کی آنے والی فلموں میں سنجے لیلا بھنسالی کی فلم ''باجی راؤ مستانی'' ہے جس میں ریکھا سلمان خان کی ماں کا رول کر رہی ہیں۔

زار تیج ناتھ: پروڈیوسر، کہانی نویس، نغمہ نگار مکالمہ نویس تیج ناتھ زار ۱۹۲۶ء میں

دھرول (کانگڑہ) میں پیدا ہوئے۔ بی اے تک تعلیم حاصل کی اور فلمی دنیا جوائن کر لی اور سند باد دی سیلر، نشان، ڈنکا، ہزار راتیں، منچلا، الہ دین، ونڈر فل لیمپ، ہمارا وطن، شاہی مہمان، کھوج، تاج پوشی، گلبدن، سانوری کے لئے بطور رائٹر کام کیا۔

زبیدہ: مشہور اداکارہ، ہدائت کار فاطمہ کی بیٹی اور اپنے دور کی مشہور اسٹار زبیدہ (۱۹۸۸ـ۱۹۱۱ء) جسے پہلی متکلم فلم ''عالم آرا'' میں ہیروئن کا رول کرنے کا فخر حاصل ہوا اور جنہوں نے دیوداسی (۱۹۳۷ء) اور ساگر موومی ٹون کی پہلی متکلم فلم ''میری جان'' میں بھی کام کرنے کا شرف حاصل کیا۔



زبیدہ نے اپنے بہن اداکارہ سلطانہ کے ساتھ بھی کئی فلموں میں کام کیا۔۱۹۲۴ء میں انہوں نے ایک ساتھ فلم کلیان خزینہ میں بھی کام کیا تھا حتی کہ زبیدہ کی پہلی فلم بطور ہیروئن ''ویر ابھمنیو'' میں بھی ان کے ساتھ سلطانہ بھی شامل تھیں۔ ۱۹۲۵ء میں زبیدہ نے ۹ فلموں میں کام کیا جن میں کالا چور، دیوداسی اور دلیش کا دشمن خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ۱۹۲۷ء میں ان کی یادگار فلمیں لیلےٰ مجنوں، نند بھوجائی، اور سیکری فائس (Sacrifice) منظر عام پر آئیں۔ مؤخر الذکر فلم گورو دیو ٹیگور کی کہانی بلیدان پر مبنی تھیں اور اس میں سلوچنا، ماسٹر وٹھل اور جال کھمباتا نے بھی اداکاری کی تھی۔ تیسرے اور چوتھے دہے میں انہوں نے دروپدی، اترا اور سبھدرا کے کردار نبھائے اور بڑی مقبولیت حاصل کی۔ علاوہ ازیں انہوں نے عذرا میر کی فلم ''زرینہ'' میں سرکس گرل کا یادگار رول نبھایا۔ ۱۹۳۴ء میں نانو بھائی وکیل کے اشتراک سے انہوں نے مہالکشمی مووی ٹون کی بنیاد رکھی اور گل صنوبر اور رشک لیلےٰ ایسی ہٹ فلمیں بنائیں۔ وہ ۱۹۴۹ء تک فلموں میں رول ادا کرتی رہیں اور ان کی آخری فلم ''مدہوش ابلا'' تھی۔

زبیدہ نے حیدرآباد کی مشہور شخصیت مہاراج نرسنگھ گیر دھنراج گیر مہاراج بہادر سے شادی کی اور ان کے دو بیٹے ہمایوں دھنراج گیر اور دھرا ایشور دھن راج گیر ہیں جو بہت بڑے کارپوریٹر ہیں۔ زبیدہ نے اپنی زندگی کے آخری دن دھن راج پیلیس بمبئی میں گزارے اور ۱۹۸۸ء میں ان کی ۹۱ سال کی عمر میں وفات ہوئی۔

زہرہ سہگل: اداکارہ، ڈانس ڈائرکٹر اور سب سے معمر فلم ہستی زہرہ سہگل ۲۷ راپریل ۱۹۱۲ء کو سہارنپور (اتر پردیش) میں پیدا ہوئیں۔ ۱۹۳۵ سے ۱۹۴۳ء تک اودے شنکر کے ڈانس ٹروپ میں شامل رہیں اور مختلف ملکوں کا دورہ کیا۔ المورہ ڈانس سینٹر میں ڈانس ٹیچر بھی رہیں۔ یہیں پر ان کی کامیشور سہگل



سے ملاقات ہوئی جو سائنسدان، آرٹسٹ اور رقاص بھی تھے۔ پھر ۱۴/اگست ۱۹۴۲ء کو دونوں نے شادی کر لی جن سے دو بچے ہوئے۔ پون سہگل اور کرن سہگل۔ پھر سترہ سال کی ازدواجی زندگی کے بعد کامیشور کی وفات ہوگئی۔ ۱۹۴۳ء میں زہرہ نے لاہور میں اپنا ڈانس اسکول کھولا۔ ۱۹۴۵ء میں بمبئی چلی گئیں اور پرتھوی تھیٹر گروپ میں شامل ہوگئیں۔ تھیٹر کے علاوہ کئی فلموں میں کام بھی کیا۔ جیسے نیچا نگر، دھرتی کے لال، افسر، بازی، فریب، راگ رنگ، حرم، پارٹیشن، ہیر، تمنا، دل سے ......، دل لگی، ہم دل دے چکے صنم، خواہش، تیرا جادو چل گیا، کبھی خوشی کبھی غم، زندگی کتنی خوبصورت ہے، کون ہے جو سپنوں میں آیا، ویرزارا، چینی کم، سانوریا (۲۰۰۷ء) وغیرہ۔ ان کے علاوہ کئی ہندی اور انگریزی ٹی وی سیریل میں بھی کام کیا۔ گزشتہ سال ان کا سوواں جنم دن منایا گیا تھا۔ اور اب یہ ایک ۱۰۱ سال کی ہوچکی ہیں۔

سائرہ بانو: اداکارہ۔ پری چہرہ نسیم کی بیٹی اور دلیپ کمار کی اہلیہ سائرہ بانو ۲۳/اگست ۱۹۴۴ء کو پیدا ہوئیں۔ ان کی نانی دہلی کی مشہور رقاصہ چھمیاں بائی عرف شمشاد بیگم تھیں۔ سائرہ کو بچپن میں ہی تعلیم کے لئے لندن بھیجا گیا۔ انہوں نے کتھک اور بھارت ناٹیم کی تعلیم بھی پائی۔ ۱۹۶۱ء میں سبودھ مکرجی نے انہیں اپنی فلم ''جنگلی'' میں شمی کپور کے بالمقابل بطور ہیروئن پیش کیا۔ دو سال بعد ۱۹۶۳ء میں یہ دونوں فلم 'بلف ماسٹر' میں بھی ایک ساتھ آئے۔ پھر فلموں کی لائن لگ گئی اور سائرہ نے جوائے مکرجی، دیوآنند سنیل دت، دھرمیندر، راجندر کمار، دلیپ کمار، فیروز خاں، منوج کمار وغیرہ کے ساتھ کام کیا۔ ۱۹۶۶ء میں جب ان کی عمر ۲۲ سال کی تھی تو ان کی شادی دلیپ کمار سے ہوگئی جو اس وقت ۴۴ سال کے تھے۔ انہوں نے لگ بھگ ۲۷ سال فلموں میں کام کیا اور پھر فلموں سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ ان کی آخری فلم فیصلہ تھی جو ۱۹۸۸ میں پردۂ اسکرین پر پیش ہوئی۔ ان کی اہم فلمیں ہیں۔ جنگلی، شادی، ہلف ماسٹر، دُور کی آواز، آئی ملن کی بیلا، اپریل فول، ساز اور آواز، یہ زندگی کتنی حسین ہے، پیار محبت، شاگرد، دیوانہ، پڑوسن، امن، جھک گیا آسمان، آدمی اور انسان، گوپی، پورب اور پچھم، ریشم کی ڈوری، جوار بھاٹا، وکٹوریہ نمبر ۲۰۳، سگینہ، پاکٹ مار، ضمیر، سازش، ہیرا پھیری، چیتالی، بیراگ، کالا آدمی، دیا، فیصلہ وغیرہ۔





سادھنا: (۲ر ستمبر ۱۹۴۱ء، کراچی (پاکستان) نام سادھنا شیو داسانی: سادھنا اپنے دور کی حسین ہیروئنوں میں شمار ہوتی تھیں اوران کے بالوں کے منفرد اسٹائل نے انہیں "سادھنا کٹ" کا نام دے دیا تھا۔ ابتداً انہوں نے راجکپور کی فلم "شری ۴۲۰" کے کورس ڈانس میں حصہ لے کر کی تھی۔ تاہم بطور ہیروئن ان کی پہلی فلم "لو ان شملہ" (۱۹۶۰ء) تھی اور دوسری بمل رائے کی فلم "پرکھ"۔ "سادھنا کٹ" کے علاوہ راج کھوسلہ کی ہدائت میں بنی پُراسرار فلموں "وہ کون تھی (۱۹۶۴) میرا سایہ (۱۹۶۶) اور انیتا" (۱۹۶۷ء) نے انہیں پُراسرار لڑکی (Mystery girl) کے نام سے بھی مشہور کردیا۔ انہوں نے آکسلیم (Auxilium) کانونٹ اسکول وڈالا اور جے ہند کالج ممبئی میں تعلیم پائی۔ ۷ر مارچ ۱۹۶۶ء کو انہوں نے ہدائت کار رام کشن نیر سے شادی کر لی جنہوں نے ان کی پہلی فلم "لو ان شملہ" بنائی تھی۔ تیس سال تک دونوں کی ازدواجی زندگی مزے سے کٹتی رہی پھر ۱۹۹۴ء میں نیر کی وفات ہوئی۔ سادھنا کا کوئی بچہ نہیں اور اب بوجوہ انہوں نے فلموں سے کنارہ کشی اختیار کر لی ہے حتیٰ کہ پردہ اسکرین پر اپنا چہرہ دکھانا بھی پسند نہیں کرتیں۔ وہ سانتا کروز ممبئی میں آشا بھونسلے کے اپارٹمنٹ میں کرایہ دار ہیں۔ ۱۹۸۹ء میں انہوں نے ایک فلم ڈائرکٹ بھی کی تھی جس میں ڈمپل کپاڈیا نے کام کیا تھا۔ ان کی کچھ اہم فلمیں ہیں: ہم دونوں، اصلی نقلی، ایک مسافر ایک حسینہ، پریم پتر، میرے محبوب، وہ کون تھی، راجکمار، وقت، آرزو، میرا سایہ، غبن، بدتمیز، انیتا، سچائی، انتقام، ایک پھول دو مالی، عشق پر زور نہیں، آپ آئے بہار آئی، گیتا میرا نام، چھوٹے سرکار، امانت، ہم سب چور ہیں، دل دولت دنیا، عشق پر زور نہیں، محفل، وندنا، آخری نشچے، الفت کی نئی منزلیں (آخری ریلیز ۱۹۹۴ء)

سبودھ مکھرجی: ڈائرکٹر، کہانی نویس، مکالمہ نویس اسکرین پلے رائٹر سبودھ مکھرجی کی ولادت ۱۴ر اپریل ۱۹۲۱ء کو جھانسی (اترپردیش) میں ہوئی۔ بی اے ایل ایل بی تک تعلیم پائی۔ فلموں میں شروعات اسسٹنٹ ڈائرکٹر سے کی۔ پھر کہانی اور مکالمے وغیرہ لکھتے لکھتے ڈائرکٹر بن گئے۔ فلم چل چل رے نوجوان میں اسسٹنٹ ڈائرکٹر تھے۔ "کستوری" کی کہانی لکھی اور ۱۹۵۵ء میں فلم "منیم جی" ڈائرکٹ کرنے کے بعد لومیرج، پے انگ گیسٹ، جنگلی، اپریل فول، ساز اور آواز، اھپیٹری، تیسری آنکھ، اُلٹا سیدھا (۱۹۸۵ء) کی ہدائت کاری کی۔

۲۱ر مئی ۲۰۰۵ء کو ممبئی میں ان کی وفات ہوگئی۔

سپرو: اداکار رولین سپرو (دیاکشن سپرو) مارچ ۱۹۱۷ء کو جموں (جموں وکشمیر) میں پیدا ہوئے۔



دھارمک فلموں میں دیوتا اور دیگر فلموں میں ویلن کا رول کرتے رہے۔ بعد میں کیرکٹر ایکٹر کی حیثیت سے نمودار ہوتے رہے۔ ۱۹۴۷ء میں انہوں نے رومیو جولیٹ میں کام کیا۔ پھر ۱۹۵۶ء میں جھانسی کی رانی میں جنرل سر ہیو روز کا کردار نبھایا۔ اب تک متعدد فلموں میں کام کر چکے ہیں جیسے: کالا پانی، صاحب بی بی اور غلام، ہم ہندوستانی، مجھے جینے دو، لیڈر، شہید، دل دیا درد لیا، جیول تھیف، ستیہ کام، ہیر رانجھا، پریم پجارن، گیمبلر، پاکیزہ، بھائی ہو تو ایسا، شیطان، زنجیر، پریم شاستر، پیسے کی گڑیا، دکھ بھنجن تیرا نام، چوکیدار، امتحان، دو چٹانیں، کسوٹی، مجبور، لفنگے، دیوار، ہاتھ کی صفائی، رفو چکر، پرتگیا، عدالت، چھیلا بابو، ملتی، گورو مانیو گرنتھ، دھرم ویر، ڈریم گرل، رام قسم، پھانسی، وشو ناتھ، نیا دور، چور کے گھر چور، جیوتی بنی جوالا (۱۹۸۰ء)، کرودھی (۱۹۸۱ء)، قدرت (۱۹۸۱ء) وغیرہ۔

۱۹۷۹ء میں ان کی ممبئی میں وفات ہوگئی۔

اُن کی بیٹی پریتی سپرو اور بیٹا تیج سپرو پنجابی/ہندی فلموں کے مشہور اداکار ہیں۔

سپی جی پی: پروڈیوسر/ڈائرکٹر جی پی سپی ۱۴/ستمبر ۱۹۱۴ء کو حیدرآباد سندھ میں پیدا ہوئے۔ جی پی پروڈکشن کے مالک تھے اور سپی فلمز لمیٹڈ کے ڈائرکٹر۔ بطور پروڈیوسر پہلی فلم "سزا" (۱۹۵۱ء) بنائی۔



ان کے علاوہ بارہ بجے، بھائی بہن، میرے صنم، برہمچاری، بندھن، انداز، سیتا اور گیتا (۱۹۷۲ء)، شعلے (۱۹۷۵ء)، ترشنا، احساس، شان (۱۹۸۰ء)، ساگر (۱۹۸۵ء) بھرشٹا چار، پتھر کے پھول، راجو بن گیا جنٹلمین، آتش، زمانہ دیوانہ، ہمیشہ (۱۹۹۷ء) وغیرہ بھی پروڈیوس کیں۔ بطور ڈائرکٹر ان کی فلمیں ہیں: میرین ڈرائیو (۱۹۵۵ء)، عدل جہانگیر (۱۹۵۵ء)، شریمتی ۴۲۰ (۱۹۵۶ء) بھائی بہن (۱۹۵۹ء) اور مسٹر انڈیا (۱۹۶۱ء)۔ ان کی فلمیں شعلے، گیتا اور سیتا، راجو بن گیا جنٹلمین وغیرہ نے زبردست کامیابی حاصل کی اور فلم "شعلے" تو ہندوستانی سینما کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔

۲۵/دسمبر ۲۰۰۷ء کو ممبئی میں ان کی وفات ہوگئی۔ رمیش سپی ان کے فرزند ارجمند ہیں جنہوں نے فلم "شعلے" ڈائرکٹ کی تھی۔



ستارہ : رقاصہ/اداکارہ ستارہ دیوی سکھ دیومشہور ہیروئن اور کتھک کی کلاسیکل ڈانسر ہیں۔ ان کی ولادت نومبر ۱۹۲۳ء میں بمقام کلکتہ ہوئی۔ اندرون ملک اور بیرون ملک اپنے رقص کا مظاہرہ کرتی رہی ہیں۔ انہیں ''کتھک کوئین'' کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ دیوالی کے دنوں میں پیدا ہونے کی وجہ سے ان کا نام دھن لکشمی (دھنو) رکھا گیا مگر ستارہ دیوی کے نام سے فلموں میں مشہور ہوئیں۔ پہلی فلم محبوب کی ''الہلال'' تھی۔ کچھ دیگر فلمیں ہیں پوجا، آبرو، نجمہ، سلمہ، چاند، بڑی ماں، پرندے، پھول، میری آنکھیں، امرآشا، لیکھ، پاچل، بجلی، وطن، روٹی، ندیا کنارے، وغیرہ۔ انہیں سنگیت ناٹک اکادمی ایوارڈ (۱۹۶۹) پدم شری (۱۹۷۳ء) اور کالیداس سمان (۱۹۹۵ء) وغیرہ متعدد اعزازات سے نوازا جاچکا ہے۔

ستیہ جیت رے : بنگلہ اور ہندی کے ممتاز فلمساز اور ہدایت کار ستیہ جیت رے (۲/مئی ۱۹۲۱ء کلکتہ - ۲۳/اپریل ۱۹۹۲ء کلکتہ) کے والد سکمار رے بنگلہ ادب کے معروف مزاح نگار تھے جن کے فن سے گورو دیو رابندر ناتھ ٹیگور بھی متاثر تھے۔ انہوں نے ۱۹۴۰ء میں پریذیڈنسی کالج کلکتہ سے گریجویشن کیا اور اس کے بعد انہوں نے آرٹ میں تعلیم پانے کی خاطر شانتی نکیتن میں داخلہ لیا جہاں انہوں نے نند لال بوس اور ونود بہاری مکرجی ایسے اساتذہ سے تعلیم پائی۔ بعد ازاں انہوں نے ایک ایڈورٹائزنگ



ایجنسی ڈی جی کپور اینڈ کمپنی میں ملازمت کرلی اور ساتھ ہی انہوں نے اپنے دادا کے بچوں کے رسالے ''سندیش'' کا دوبارہ اجراء کیا۔ اور اس میں اپنی چھوٹی چھوٹی کہانیاں لکھتے رہے نیز انہوں نے بنگلہ میں کئی کتابوں تصنیف کی۔ چونکہ انہیں فلمیں بنانے کا شوق تھا لہٰذا انہوں نے قرض لے کر اور اپنی بیوی کے زیورات گروی رکھ کر ۱۹۵۵ء میں اپنی پہلی فلم ''پاتھر پنچالی'' بنائی جسے غیر معمولی شہرت کے علاوہ قومی اور بین اقوامی ایوارڈ بھی ملے۔ اس کے بعد انہوں نے لگ بھگ ۳۶ فلمیں بنائیں جن میں اپور سنسار، جلسہ گھر، دیوی، کنچن جنگا، مہانگر، چارولتا، سچایدھ، شاکھ، پراجتو، اگنگ اور پارس پتھر بھی شامل ہیں۔ رے نے پریم چند کی کہانی پر مبنی فلم ''شطرنج کے کھلاڑی'' بھی ہندی میں بنائی جسے کوئی خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی اور یہ وہ تاثر نہ چھوڑ سکی جو ان کی بنگلہ فلموں نے چھوڑا تھا۔ انہیں بے شمار ملکی اور غیر ملکی ایوارڈ عطا کیے گئے۔

حکومتِ ہند نے ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں 'بھارت رتن' (۱۹۹۲ء) اور دادا صاحب پھالکے ایوارڈ عطا کیا۔ ستیہ جیت چارلی چپلن کے بعد دوسری فلمی شخصیت تھے جنہیں آکسفورڈ یونیورسٹی نے اعزازی ڈی لٹ ڈگری سے نوازا تھا۔ ۱۹۸۲ء میں انہیں کینس فلم فیسٹیول میں آنریری ایوارڈ عطا کیا گیا تھا۔ علاوہ ازیں انہیں کئی فلم فیسٹیول کے علاوہ کئی اکادمیوں اور یونیورسٹیوں نے بھی اعزازات عطا کئے۔

سجن: اداکار سجن (سجن لال پروہت) ۱۵ر جنوری ۱۹۲۱ء کو جودھپور میں پیدا ہوئے۔ اور جسونت کالج جودھپور سے بی اے کرنے کے بعد ۱۹۴۲ء میں بطور اپرنٹس فلمی دنیا جوائن کر لی۔ ۵۰-۱۹۴۴ء کے دوران پرتھوی تھیٹر میں کام کرتے رہے۔ 'مینا' (۱۹۴۴ء) اور 'دور چلیں' (۱۹۴۶ء) کے گیت لکھے اور بطور ایکسٹرا (معصوم ۱۹۴۱ء اور چورنگی ۱۹۴۲ء) بھی کام کرتے رہے۔ پہلی بار 'میرا سہاگ' میں اور 'دھنیہ واد' میں لیڈنگ رول کرنے کا موقع ملا۔ انہوں نے کوئی ۱۵۰ فلموں میں کام کیا جیسے:۔ مقدر، سنگرام، ہم لوگ، سیاں، نیلم پری، نجریہ، پونم، نرموہی، شیشہ، طوفان، جگو، پرچھے، لگن، ہا ہا ہی ہی ہو، شاہی مہمان، ریل کا ڈبہ، مالکن، دو دو لیے، گھر گھر میں دیوالی، پونم، جھانجھر، ہلاگلا، گرلز اسکول، کستوری، وغیرہ۔ انہوں نے ٹی وی سیریل میں بھی کام کیا۔ ان کا سیریل 'وکرم بیتال' بہت مقبول ہوا۔ علاوہ ازیں انہوں نے 'لینا دینا' میں کام کیا۔



سچترا سین: (۶ر اپریل ۱۹۳۱ء پبنہ (بنگلہ دیش)۔ ہندی اور بنگلہ فلموں کی معروف اداکارہ سچترا سین نے ہندی میں زیادہ فلمیں نہیں کیں مگر ان کی گنتی کی فلمیں دیوداس، بمبئی کا بابو، ممتا، آندھی، چمپا کلی، مسافر، سرحد، نے ناظرین پر بڑا تاثر چھوڑا تھا۔ اس جذبات نگاری سے بھرپور اداکارہ کی فلم 'آندھی' بڑی متنازعہ فیہ فلم تھی جس میں انہوں نے 'اندرا گاندھی' کا رول کیا تھا۔ ۱۹۶۳ء میں انہیں بنگلہ فلم 'سات پاکے بادھا' پر ماسکو فلم فیسٹی ویل میں بہترین اداکارہ کا ایوارڈ ملا تھا۔ اُن کی بیٹی من من سین بھی معروف اداکارہ ہیں۔ گزشتہ تین دہوں سے وہ گوشہ نشینی کی زندگی گزار رہی ہیں۔



سچن دیو برمن: موسیقار گلوکار سچن دیو برمن یکم اکتوبر ۱۹۰۶ء کو کوملا (بنگلہ دیش) میں پیدا ہوئے اور وہ تری پورہ کے مہاراجہ ایشن چندر مانکیہ دیو برمن کے بیٹے تھے۔ وہ ایک اچھے گلوکار ہونے کے



علاوہ اعلیٰ پایہ کے موسیقار بھی تھے۔ انہوں نے کوملا وکٹوریہ کالج سے بی اے اور کلکتہ یونیورسٹی سے ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔ ۳۰۔۱۹۲۵ کے دوران انہوں نے مشہور سنگر کے سی ڈے سے موسیقی کی تربیت پائی۔ ان کے علاوہ انہوں نے استاد بادل خاں اور علاء الدین خاں صاحب سے بھی تربیت پائی اور ۱۹۳۵ء میں بنگلہ فلموں سے وابستہ ہو گئے۔ ۱۹۴۰ء میں فلمستان کے ایس مکھر جی کی دعوت پر وہ بمبئی چلے گئے اور وہاں اشوک کمار کی فلموں شکاری اور آٹھ دن سے اُن کا ناتا جڑ گیا۔ ۱۹۴۷ء میں گیتادت کے گیت ''میرا سندر سپنا ٹوٹ گیا' نے اُن کو بطور موسیقار شہرت کے راستے پر گامزن کر دیا جو آخری دم تک جاری رہا۔ ۱۹۵۱ء میں فلم 'بازی' کے بعد ان کا دیو آنند اور گورودت سے ایسا رشتہ جڑا کہ ان کی بہت سی فلموں جیسے ٹیکسی ڈرائیور، کالا پانی، پیاسا، کاغذ کے پھول وغیرہ کو انہوں نے لاجواب موسیقی عطا کی۔ سجاتا اور بندنی بھی ان کی یادگار فلمیں ہیں۔ انہوں نے متعدد فلموں کو موسیقی عطا کی جن میں دو دیا، شبنم، افسر، پیار، بزدل، نوجوان، بازی، بہار، سزا، ایک نظر، جال، شہنشاہ، جیون جیوتی، ٹیکسی ڈرائیور، انگارے، دیوداس، منیم جی، فنٹوش، پے انگ گیسٹ، پیاسا، نو دو گیارہ، مس انڈیا، سولہواں سال، لاجونتی، چلتی کا نام گاڑی، کالا پانی، سجاتا، کاغذ کے پھول، انسان جاگ اٹھا، بندنی، بمبئی کا بابو، بیوقوف، میری صورت تیری آنکھیں، ضدی، گائیڈ، جیول تھیف، ارادھنا، پریم پجاری، تیرے میرے سپنے، ابھیمان، زندگی زندگی، انوراگ، شرمیلی، چھپا رستم، جگنو، پھاگن، اُس پار، سگینہ، پریم نگر، چپکے چپکے، ملی، بارود، ارجن پنڈت وغیرہ شامل ہیں۔ اُن کے گیتوں میں ''دھیرے سے جانا بگیا میں سن میرے بندھو رے (سجاتا) میرے ساجن ہیں اُس پار، (بندنی) وہاں کون ہے تیرا (گائیڈ) میری دنیا ہے ماں (تلاش) سپھل ہو گئی تیری ارادھنا (ارادھنا) خاص طور پر مشہور اور عوام کے پسندیدہ ہیں۔ اُن کے بیٹے راہل دیو برمن بھی معروف موسیقاروں رگلو کاروں میں شمار ہوتے تھے۔

۳۱ر اکتوبر ۱۹۷۵ء کو ممبئی میں ان کا انتقال ہو گیا۔



سردار اختر: اداکارہ سردار اختر (۱۹۱۵۔۱۹۸۴ء) اپنے دور کی معروف اداکارہ تھیں۔ ان کی ولادت ۱۹۱۵ء میں بمقام لاہور (پاکستان) میں ہوئی تھی۔ اور اس کے ناچ کے لوگ دیوانے تھے اور کہا جاتا ہے کہ طوائفیں بھی ان کا رقص دیکھ کر رقص

کی تربیت پاتی تھیں۔ان کا تعلق ہیرامنڈی لاہور سے تھا۔انہوں نے محبوب کی فلم 'عورت' میں لیڈنگ رول کیا تھا اور بعدازاں ہدائت کار محبوب سے شادی کر لی۔ ان کی دوسری بہن بہار اختر تھی۔ بہار نے بعد میں پروڈیوسرا ے آر کاردار سے شادی کر لی تھی اور فلموں میں کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔سردار اختر نے پچاس کے قریب فلموں میں کام کیا جن میں آخری فلم 'پگھلتا آسمان' ۱۹۸۵ء میں ریلیز ہوئی تھی۔ان کی اہم فلمیں ہیں: عید کا چاند (۱۹۳۲) روپ بسنت (۱۹۳۳) نقش سلیمانی، مالتی مادھو، طلسمی تلوار، جوہر شمشیر، جان نثار، حاتم طائی، غافل مسافر، دلارا، اجامل، شاہ بہرام، مصر کا خزانہ، فریبی دنیا، دھوپ چھاؤں، دھرم کی دیوی، شیر کا پنجہ، سنگدل سماج، پریم بندھن، پیا کی جوگن، کروڑ پتی، پریتما، پوجا، بھروسہ، خواب کی دنیا، ہزہائی نیس، عورت، پکار، علی بابا، اُلجھن، آسرا، نئی روشنی، پھر ملیں گے، دنیا ایک تماشا، فیشن، راحت، سنگر (بطور بیگم اختر) ہلچل، بندھے ہاتھ، جے ماتا دی، (۱۹۷۷ء) پگھلتا آسمان (۱۹۸۵ء)

۱۹۸۴ء میں ان کا ممبئی میں انتقال ہو گیا۔



سرکار بی این: پروڈیوسر اور اسٹڈیو کے مالک بیریندر ناتھ سرکار ۵/جولائی ۱۹۰۵ء کو بھاگلپور میں پیدا ہوئے۔لندن سے بی ایس سی کیا۔ان کے والد وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے لا ممبر تھے۔بی این سرکار نے اپنا کیریر انجینئر کی حیثیت سے شروع کیا، پھر فلموں کی جانب راغب ہوئے۔نیو تھیٹرز کے مینجنگ ڈائرکٹر تھے۔انہوں نے ۱۹۳۱ء میں نیو تھیٹرز قائم کیا اور بوکر بھوجا، چور کانتا، چاسر مئے وغیرہ خاموش فلمیں بنائیں۔ بعد ازاں دیوداس، اسٹریٹ سنگر، پریذیڈنٹ، مکتی، پورن بھگت، چنڈی داس، ودیا پتی، ادھیکار، زندگی، ڈاکٹر، واپس، کاشی ناتھ وغیرہ متعدد یادگار فلمیں پیش کیں۔



سری دیوی: اداکارہ۔سری دیوی (کپور) ۱۳/اگست ۱۹۶۳ کو پیدا ہوئیں۔انہوں نے چار سال کی عمر میں بطور چائلڈ آرٹسٹ تلگو، تمل، ملیالم اور کچھ کنڑ فلموں میں کام کیا۔ہندی میں پہلی بار بطور چائلڈ آرٹسٹ ۱۹۷۵ء میں فلم ''جولی'' میں نمودار ہوئیں۔ تاہم ہندی میں انہیں شہرت ۱۹۸۳ء میں فلم ''صدمہ'' سے حاصل ہوئی جس میں ہیرو کمل ہاسن تھے۔اس کے بعد ۱۹۸۶ء

میں ''نگینہ''، مسٹر انڈیا (۱۹۸۷ء) چاندنی، ر چالباز (۱۹۸۹ء) لمحے (۱۹۹۱ء) خدا گواہ (۱۹۹۲) گمراہ (۱۹۹۳ء) اور جدائی (۱۹۹۷ء) نے انہیں شہرت کی بلندیوں پر پہنچا دیا۔ ۱۹۹۶ء میں انہوں نے مشہور فلمساز ر ہدایت کار بونی کپور سے شادی کر لی اور ۲۰۱۲ء میں وہ دوبارہ پندرہ سال بعد فلم ''انگلش ونگلش'' میں نمودار ہوئیں اور دوبارہ کامیابی نے ان کے پاؤں چومے۔ یہ واحد اداکارہ ہیں جنہوں نے پندرہ سال بعد دوبارہ آنے پر زبردست کامیابی حاصل کی۔ ۲۰۱۳ء میں حکومت ہند نے انہیں پدم شری سے نوازا۔ ان کی چند فلمیں یہ ہیں: سولہواں سال، ہمت والا، جانی دوست، جسٹس چودھری، موالی، کلاکار، جاگ اٹھا انسان، عقلمند، تحفہ، انقلاب، مقصد، نیا قدم، سرفروش، بلیدان، ماسٹر جی، گھر سنسار، آگ اور شعلہ، سلطنت، دھرم ادھیکاری، بھگوان دادا، آخری راستہ، جوشیلے، گورو، چاندنی، کرما، سہاگن، وطن کے رکھوالے، جواب ہم دیں گے، اولاد، نذرانہ، ہمت اور محنت، سونے پہ سہاگا، مجال، شیرنی، رام اوتار، وقت کی آواز، غیر قانونی، پتھر کے صنم، میری بیوی کا جواب نہیں، ہلا بول، کون سچا کون جھوٹا، مسٹر بیچارہ، چاند کا ٹکڑا، میں تیرا دشمن، روپ کی رانی چوروں کا راجہ، چندر مکھی، گورو دیو، ہیر رانجھا، بنجارن، ناکہ بندی، فرشتے، لاڈلا، انگلش ونگلش (۲۰۱۲ء) پیپے ناکیز (۲۰۱۳ء)

سریش: اداکار سریش (ناظم علی) ۱۳ر نومبر ۱۹۲۸ء کو ضلع گورداسپور میں پیدا ہوئے۔ پہلی بار سات سال کی عمر میں بطور چائلڈ آرٹسٹ نمودار ہوئے۔ اور بہت سی فلموں میں جیسے ساقی، نیا سنسار، بندھن، بسنت اور بہار وغیرہ میں بطور چائلڈ آرٹسٹ کام کیا۔ فلم بندھن میں ان کا گانا ''چل چل رے نوجوان'' بہت مشہور ہوا۔ جوان ہونے پر کئی فلموں میں لیڈنگ رول کئے۔ سونا چاندی (پنجابی) ادھوری کہانی، بازی گر، ریت، رنگ محل، دلاری، داستان، دیوانہ، حفاظت، ہار جیت، یاسمین، بہادر، چار چاند، گونج، زمانے کی ہوا وغیرہ کوئی پچاس کے قریب فلموں میں کام کیا۔ بٹوارے کے بعد پاکستان چلے گئے مگر کچھ مدت بعد واپس ممبئی آ گئے اور جوانی میں ہی انتقال کر گئے۔



سریندر ناتھ: اداکار رگلوکار سریندر ناتھ ۱۱ر نومبر ۱۹۱۱ء کو بٹالہ میں پیدا ہوئے۔ بی اے ایل ایل بی تک تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۳۶ء میں فلموں میں داخل ہوئے اور ایک مدت تک بطور ہیرو نمودار ہوتے رہے۔ بعد ازاں کیرکٹر ایکٹر کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ اپنی ہر فلم میں ''سوائے بیجو باورا'' اور ''بھگت کبیر'' کے خود نغمے گاتے رہے۔ ان کے مقبول گیتوں میں ''کیوں یاد آ رہے ہیں گزرے ہوئے زمانے (انمول گھڑی)۔ برہا کی آگ

لگی،......کرشن مرلی والیا مرلی بجاندا جاذرا،......اب کون ہے میرا..... اب رات گئی رے بیت رے (بھنورا) اک بار پھر سے آجا (اعلان) وغیرہ بہت مقبول ہوئے۔اُن دنوں وہ اور سہگل ہی دو ایسے مقبول ہیرو تھے جن کے نغموں پر لوگ فدا تھے۔ان کی پہلی پکچر ''دکن کوئین'' تھی۔ان کی اہم فلمیں ہے: من موہن، جاگیردار، عورت، لال حویلی، انمول گھڑی، غریب، گراموفون سنگر، سیوا سماج، علی بابا، مہاتما، بھرتری ہری، مایا مچھندر، ودیش، گیت گایا پتھروں نے، وقت، ملن، ،ایوننگ ان پیرس، جوہر محمود ان گوا، دھند، داغ: اے پوئیم آف لو، ۳۶ گھنٹے، فوجی، قبیلہ، ضمیر، ابھی تو جی لیں (۱۹۷۷ء)، وغیرہ۔

۱۹۸۷ء میں اُن کی ممبئی میں وفات ہوگئی۔

سلمان خان: ہندوستانی سنیما کے مقبول اداکار: سلمان خاں کی ولادت ۲۷؍دسمبر ۱۹۶۵ء کو ممبئی میں اسکرپٹ رائٹر سلیم خان کے ہاں ہوئی۔۔۱۹۸۸ء میں انہوں نے مختصر مدت کے لئے اپنے مکان کے قریبی راک ہوٹل میں ملازمت اختیار کرلی۔مگر پھر اس سال 'فلک' کے ہدائت کار ششی لال نائر کے شاگرد بن گئے اور ہدائت کاری اور فلم میکنگ کی تربیت پائی۔پہلی بار فلم ''بیوی ہو تو ایسی'' میں ہیرو فاروق شیخ کے نوعمر بھائی کا رول کیا۔پھر ۱۹۸۹ء میں سورج برجاتیہ کی فلم ''مَیں نے پیار کیا'' میں بھاگیہ شری کے مقابل ہیرو کا کردار نبھایا۔فلم اتنی کامیاب ہوئی کہ ہر طرف ان کے چرچے ہونے لگے اور انہیں Hottest Selling Star



کے لقب سے نوازا گیا۔وہ متعدد فلموں میں ہیرو کا کردار کرچکے ہیں جن میں باغی، پتھر کے پھول، صنم بے وفا، قربان، ساجن، لو ۱۹۹۱ء،، سوریہ ونش، جاگرتی، نشچے، چندر مکھی، دل تیرا عاشق، چاند کا ٹکڑا، انداز اپنا اپنا، سنگدل صنم، کرن ارجن، خاموشی جیت، دشمن دنیا کا، جڑواں، اوزار، دیوانہ مستانہ، پیار کیا تو ڈرنا کیا، جب پیار کسی سے ہوتا ہے، ہم، بندھن، ہم دل دے چکے صنم، صرف تم، ہیلو برادر، وانٹیڈ، دبنگ وغیرہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔انہوں نے کرن جوہر کی فلم ''کچھ کچھ ہوتا ہے'' (۱۹۹۰ء) میں ......روی چوپڑہ کی فلم ''باغبان'' (۲۰۰۵ء) میں......اور سنجے لیلا بھنسالی کی ''سانوریا'' (۲۰۰۸ء) میں مہمان اداکار کی حیثیت سے کام کیا اور ان کے مختصر رول نے تماش بینوں پر گہرے تاثر چھوڑے۔وہ ایک کامیاب اور امیر ترین اداکاروں میں سے ہیں اور دین دکھیوں کی خدمت کے لئے کئی خیراتی اداروں کی مدد کرتے ہیں۔

سلمیٰ آغا: نکاح کی ہیروئن سلمیٰ آغا کی نانی انوری بیگم خاموش فلموں کی معروف اداکارہ تھی جس



نے ۱۹۳۲ء میں ''ہیر رانجھا'' میں ہیر کا رول ادا کیا تھا۔ اور اس کی والدہ نسرین آغا نے اے آر کاردار کی فلم ''شاہجہاں'' میں کے ایل سہگل کے بالمقابل کام کیا تھا۔ سلمیٰ کی پیدائش ۲۵ راکتوبر ۱۹۶۶ء کو لندن میں ہوئی۔ اُن کا سارا کنبہ لندن میں سکونت پذیر ہے اور سلمیٰ نے لندن اور سویٹزرلینڈ میں تعلیم پائی تھی۔ سلمیٰ نے اپنی بہن شبینہ کے اشتراک سے ایک البم بھی تیار کیا تھا جو بہت ہٹ ہوا۔

سلمیٰ فلموں میں کام کرنے کی خواہش رکھتی تھیں لہٰذا جب انہیں معلوم ہوا کہ بی آر چوپڑہ اپنی فلم طلاق، طلاق، طلاق (نکاح) کے لئے کسی ہیروئن کی تلاش میں ہیں تو وہ راجکپور کے توسط سے اُن سے ملیں اور انہیں اس فلم کے لئے سائن کرلیا گیا۔ اس فلم کے ہٹ ہونے کے ساتھ ہی وہ بھی معروف فلم اسٹار بن گئیں۔ اس فلم پر انہیں بہترین ایکٹرس کا نیز مشہور گانے 'دل کے ارماں آنسوؤں میں بہہ گئے'' پر بہترین پلے بیک سنگر کا فلم فیئر ایوارڈ بھی ملا۔ اس کے بعد ان کی دوسری فلم ''قسم پیدا کروالے کی'' بھی ہٹ ثابت ہوئی۔ بعد ازاں سلمیٰ آغا نے ہندوستان کے علاوہ پاکستان کی بھی چند فلموں میں اداکاری کرنے کے ساتھ ساتھ گانے بھی گائے۔ انہوں نے جاوید شیخ سے اور بعد ازاں اسکوائش پلیئر رحمت خان سے شادی کی مگر پھر طلاق ہوگئی۔ انہوں نے پاکستان میں جاوید شیخ کے ساتھ فلم ''ہم اور تم'' میں کام کیا مگر یہ فلم فلاپ ہوگئی۔ ان کی کچھ فلمیں یہ ہیں: پتی پتنی اور طوائف،، سلمہ، اُونچے لوگ، وغیرہ۔ موخر الذکر دو فلموں میں راجیش کھنہ ہیرو تھے۔

سلوچنا: ہندی مراٹھی اداکارہ۔ پیدائش ۳۰ رجولائی کو کولہاپور سے کوئی تیس میل کی دوری پر واقع کھڈکلاٹ گاؤں میں ہوئی۔ پہلے پہل 'چمکیلا سنسار' میں چھوٹا سا رول کیا۔ پھر مہارتھی کرن اور بالمیکی میں نمودار ہوئیں اور مراٹھی فلم ''ساسرواس' 'میں ہیروئن کا کردار نبھایا۔ اڑھائی سو سے زائد ہندی مراٹھی فلموں میں کام کر چکی ہیں۔ ۱۹۵۴ میں فلم 'عورت تیری یہی کہانی' میں ہیروئن کا رول ادا کیا جس کے ہیرو بھارت بھوشن تھے۔ 'سجنی' میں انوپ کمار کے ساتھ، بھگت کبیر میں سریندر کے ساتھ کام کیا۔ دھارمک فلم ستی انسوئیا ایسی چلی کہ دھارمک فلموں کی اداکارہ بن گئیں۔ ان کی اہم فلمیں ہیں: مکتی، سنت نام دیو، دل دے کے دیکھو، آئی ملن کی بیلا، سنگھرش، ریشماں اور شیرا، آئے



دن بہار کے، جانی میرا نام، مجبور کسوٹی، کرانتی، سنیاسی، پتنگ، کورا کاغذ، کٹی پتنگ، اندھا قانون، مقدر کا سکندر، رام پور کا لکھن، جانی میرا نام، ساجن، پریم نگر، گنگا کی سوگندھ، اب دلی دور نہیں، بندنی، میں سندر ہوں، کالا دھندا گورے لوگ، دیور، آدمی وغیرہ۔ کئی ایوارڈ کمیٹیوں کی رکن ہیں۔

سلوچنا (مس روبی منیرس) : اپنے دور کی حسین وجمیل ہیروئن سلوچنا جو خاموش فلموں اور متکلم فلموں کے ابتدائی دور میں ہندوستانی سینما کا بہت بڑا نام تھا، ۹ ر اکتوبر ۱۹۰۷ء کو پونے میں پیدا ہوئیں۔ فلموں میں کام کرنے سے پیشتر وہ پونے میں ٹیلی فون آپریٹر تھیں۔ کوہ نور اسٹڈیوز کے موہن بھونانی کو وہ بھا گئیں اور اصرار کر کے انہیں فلموں میں لائے۔ ان کی پہلی فلموں میں "ویر بالا" بڑی مشہور ہوئی۔ انہیں خاموش فلموں کی "لیڈنگ لیڈی" کہا جاتا تھا۔ بعد ازاں کیرکٹر رول کرتی رہیں۔ انہوں نے متعدد خاموش اور متکلم فلموں میں کام کیا جن میں کچھ کے نام یہ ہیں:: ٹائپسٹ گرل، بمبئی کی بلی، بلیدان، مادھوری، انارکلی، اندرا ایم اے، شان خدا، ہیر رانجھا، گل صنوبر، دو گھڑی کی موج، مادھوری سلوچنا، چورنگی جگنو، اناڑی، لال بتی، جانی واکر، کاغذ کے پھول، بجلی، ناگن، انارکلی، اپنی عزت، انکھیوں کے جھروکے سے، جولی، رفتار، آپ کی قسم، سندھیا راگ، رئیس، تاج محل، ہنی مون، اشارہ، حقیقت، امر پالی، اپریل فول، نیل کمل، میرے ہمدم میرے دوست، تلاش، بمبئے ٹاکیز، دوستانہ (۱۹۸۰) کھٹا میٹھا (۱۹۸۱ء) وغیرہ۔ انہوں نے 'پریم جیوتی' فلم پروڈیوس بھی کی۔ پلے بیک گانوں کی شروعات سے پیشتر وہ فلموں میں گاتی بھی رہیں۔ مگر افسوس وہ اداکارہ جو اپنے زمانے میں گورنر سے زیادہ تنخواہ/معاوضہ لیتی تھی، ۱۰ ر اکتوبر ۱۹۸۳ء کو گمنامی کی حالت میں وفات پا گئی اور لوگوں کو پتہ بھی نہ چلا۔



سمترا دیوی : سمترا دیوی (مسز للی مکرجی) ۲۲ر جولائی ۱۹۲۷ء کو مظفر پور (بہار) میں پیدا ہوئیں۔ میٹرک تک تعلیم پائی۔ پہلی بار ۱۹۴۴ء میں بنگلہ فلم "سندھی" میں نمودار ہوئیں۔ جس پر انہیں ایوارڈ بھی ملا۔ بعد ازاں کئی ہندی فلموں میں بھی کام کیا۔ ان کی کچھ ہندی فلمیں ہیں: وصیت نامہ، مائی سسٹر، اونچ نیچ، دیوانہ، مشال، مہاتما، ہریشچندر، میور پنکھ، راج یوگی، گنگا میا، جاگتے رہو، وغیرہ۔

۲۴ر اگست ۱۹۹۰ کو ان کا انتقال ہو گیا۔





سمرتی بسواس: اداکارہ سمرتی بسواس (۱۷ فروری ۱۹۳۲ء کلکتہ) نے ۱۰ سال کی عمر میں فلم ہمراہی میں کام کیا۔ مہارانی پچھر کی فلم "رانی" میں پران کے بالمقابل لیڈنگ رول کیا۔ بہت سی بنگالی فلموں کے علاوہ ہندی میں بھی متعدد فلموں میں نمودار ہوئیں جن میں پہلا آدمی، شمشیر، ہمدرد، بھگت سنگھ، جھملی، چاندنی چوک، باپ رے باپ، آب حیات، جاگتے رہو، عرب کا سوداگر، ایک عورت، نئی بھابھی، اپراجیتا، یہودی کی لڑکی، وغیرہ شامل ہیں۔ دس سال تک ان کا مشہور اداکار پروڈیوسر ایس ڈی نارنگ (خزانچی اور زمیندار کے ہیرو) سے رومانس چلتا رہا اور پھر دونوں نے شادی کرلی اور اس کے بعد انہوں نے فلموں میں کام کرنا بھی چھوڑ دیا۔

سمیتا پاٹل: اداکارہ۔ (۱۷ اکتوبر ۱۹۵۵ء شرپور دھولے مہاراشٹر۔ ۱۳ دسمبر ۱۹۸۶ء ممبئی) سمیتا پاٹل ایک باکمال اداکارہ تھیں جنہوں نے آرٹ فلموں اور کمرشل فلموں کا فرق ختم کردیا۔ سمتا نے اپنی شروعات ٹی وی پروگرام اور ڈراموں سے کی۔ پھر ۱۹۷۴ء میں انہوں نے شیام بینیگل کی پکچر 'نشانت' سے اپنی آمد کا احساس کرایا۔ نشانت، منتھن اور بھومیکا میں ان کی اداکاری بام عروج پر تھی۔ اور 'ارتھ' میں ان کی اور شبانہ اعظمی کی لاجواب اداکاری میں فیصلہ کرنا مشکل ہوجاتا ہے کہ کون بازی مارگیا۔ 'وارث' میں انہوں نے امریش پوری ایسے ویلن کو بھی مات دیدی۔



سمتا پاٹل کو اپنی قابل قدر اداکاری کی بدولت کئی اعزازات بھی ملے اور ۱۹۸۵ء میں انہیں پدم شری سے بھی نوازا گیا۔ انہوں نے "جواب" اور "میرا گھر میرے بچے" میں راج ببر کے ساتھ کام کیا اور پھر دونوں نے شادی کرلی۔ وہ کوئی ڈیڑھ دہے تک فلموں میں اپنی کامیابی کے جھنڈے گاڑتی رہیں اور پھر ظالم موت نے انہیں اپنے شکنجے میں جکڑ لیا۔ ان کی یادگار ان کا بیٹا پرتیک ببر ہے جو ۲۰۰۸ء سے فلموں میں کام کر رہا ہے۔۔ ان کی اہم فلموں میں ڈسکو ڈانسر، نمک حلال، بدلے کی آگ، شرابی، میرے ساتھ چل، چکر، داغ چور، سامنا، نمن، آکروش، نکسلائٹ، شکتی، بازار، تجربہ، درد کا رشتہ، گھنگھرو، ارتھ، ترنگ، شپتھ، میرا دوست میرا دشمن، غلامی، آنند اور آنند، فرشتہ، انوکھا رشتہ، انگارے، دہلیز، تیسرا کنارہ، دل

والا، مرچ مسالہ، ڈانس ڈانس، ٹھکانہ، ستوتر دھار، انسانیت کے دشمن، نذرانہ، شیو شواجی، وارث، ہم فرشتے نہیں، آکرشن، گلیوں کا بادشاہ (۱۹۸۹ء) وغیرہ۔

سنجے خان: ایکٹر ڈائرکٹر پروڈیوسر سنجے خان ۳ر جنوری ۱۹۴۱ء کو بنگلور میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۶۴ء میں پہلی بار فلم ''حقیقت'' میں نمودار ہوئے۔ اور اسی سال ان کی فلم دوستی بھی ریلیز ہوئی۔ ۸۰ کی دہے تک انہوں نے تیس فلموں میں کام کیا۔ آخری بار 'کالا دھندا گورے لوگ' میں اداکاری کی۔ ۱۹۹۰ء میں انہوں نے ٹی وی سیریل The Sword of Tipu Sultan ڈائرکٹ کی جس میں انہوں نے بحیثیت ٹیپو سلطان کام کیا۔ انہوں نے کئی فلموں کی ہدائت کاری کے فرائض انجام دئے جیسے چاندی سونا (۱۹۷۷ء)، عبداللہ (۱۹۸۰ء)، کالا دھندا گورے لوگ (۱۹۸۶ء) دی سورڈ آف ٹیپو سلطان (۱۹۸۹ء) جے ہنومان (ٹی وی سیریل ۱۹۹۷ء تا ۲۰۰۰ء)، مہا کاویہ مہابھارت (ٹی وی سیریل مختصر ۲۰۰۱ء) علاوہ ازیں انہوں نے کالا دھندا گورے لوگ خود لکھی، اور عبداللہ پروڈیوس بھی کی۔ ٹی وی سیریل ''دی سورڈ آف ٹیپو سلطان'' کی شوٹنگ کے دوران میسور کے پریمیر اسٹڈیو میں آگ لگ جانے سے وہ بری طرح جھلس گئے اور کافی عرصہ تک زیر علاج رہے۔ ان کی کچھ فلموں کے نام ہیں: دوستی، دس لاکھ، حقیقت، دل لگی، دل نے پکارا، ملن کی رات، ابھیلاشا، انتقام، ایک پھول دو مالی، بیٹی، ساس بھی کبھی بہو تھی، پشپانجلی، مہاراجہ، وہ دن یاد کرو، دنیا کا میلہ، حسینوں کا دیوتا، اُپاسنا، وفا، دھڑکن، سب کا ساتھی، بابل کی گلیاں، انوکھی پہچان، ماہتوی، چنگاری، دامن، سونے کے ہاتھ، دھند، تری موورتی، میرا وچن گیتا کی قسم، ناگن، زندگی اور طوفان وغیرہ۔



سنجے دت: ایکٹر، کامیڈین، پروڈیوسر، ٹی وی پروگرمر، سیاستداں سنجے دت کی ولادت مشہور فلمسٹار سنیل دت اور نرگس کے ہاں ۲۹ر جولائی ۱۹۵۹ کو بمبئی میں ہوئی۔ انہوں نے لارنس اسکول، سناور میں تعلیم پائی۔ ۱۹۷۲ء میں وہ بطور چائلڈ آرٹسٹ 'ریشماں اور شیرا' میں نمودار ہوئے۔ پھر ۱۹۸۰ میں سنیل دت نے اپنی فلم کمپنی اجنتا آرٹس کے بینر تلے فلم 'راکی' بنا کر انہیں لانچ کیا۔ اس فلم میں ایک نوجوان انڈر ورلڈ لوگوں کے عتاب کا شکار ہوجاتا ہے۔ فلم کامیاب ثابت ہوئی اور وہ سپر اسٹار



بن گئے۔ پھر سنجے دت اور کمار گورو کو لے کر راجندر کمار کے بھائی نریش نے فلم 'نام' بنائی جس میں نوتن نے دونوں کی ماں کا کردار نبھایا تھا۔ یہ فلم بھی تماش بینوں نے پسند کی۔ ان کی کامیاب فلموں میں کھلنائک، منا بھائی ایم بی بی ایس، مشن کشمیر، ودھاتا دیوار، ساجن، کرودھ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ انہوں نے جان کی بازی، میں آوارہ ہوں۔ جیوا، واستو، ایک ایک گیارہ، پنا، ضلع غازی آباد، میرا حق، ایماندار، جیتے ہیں شان سے، مردوں والی بات، علاقہ، ہم بھی انسان ہیں، خون اپنا پنا، مسافر، پرنیتا وغیرہ میں بھی اپنی اداکاری کے جوہر دکھائے ہیں۔ انہیں اعلیٰ کارکردگی پر کئی اعزازات سے نوازا گیا۔

۱۹۸۷ء میں انہوں نے اداکارہ رچا شرما سے شادی کی جس سے ۱۹۸۷ء میں ایک لڑکی ترشلا پیدا ہوئی جو اب اپنے نانا نانی کے ساتھ امریکہ میں رہتی ہے۔۔ رچا شرما کی برین ٹیومر سے وفات ہو جانے پر انہوں نے ۱۹۹۸ میں ریبا پلے سے شادی کی جس سے ۲۰۰۵ء میں طلاق ہوگئی۔ بعد ازاں ۲۰۰۸ء میں انہوں نے تیسری شادی مانیتا (دلنواز شیخ) سے کی جس سے ۲۱/اکتوبر ۲۰۱۰ء کو دو جڑواں بچے ایک بیٹا شاہران اور ایک بیٹی اقرا پیدا ہوئے۔

۱۹۹۳ء میں سنجے اے کے ۴۷ رائفل رکھنے کے جرم میں گرفتار کیے گئے اور اٹھارہ مہینے تک جیل میں قید رہے۔ پھر انہیں رہا کر دیا گیا۔ پھر ۲۱/مارچ ۲۰۱۳ء کو سپریم کورٹ نے انہیں مذکورہ جرم میں پانچ سال کی سزا دے کر جیل بھیج دیا۔ اس سزا میں سے اٹھارہ مہینے وہ پہلے ہی جیل میں کاٹ چکے ہیں۔

سنجیو کمار: اداکار سنجیو کمار کا پورا نام ہری بھائی زری والا تھا اور وہ ۹/جولائی ۱۹۳۸ء کو سورت (گجرات) میں پیدا ہوئے تھے اور ۶/نومبر ۱۹۸۵ء کو شدید دورۂ قلب سے صرف ۴۸ سال کی عمر میں ان کی ممبئی میں وفات ہوگی۔ سب سے پہلے ۱۹۶۰ء میں وہ فلم ''ہم ہندوستانی'' میں نمودار ہوئے اور اس کے بعد انہوں نے بہت سی فلموں جیسے کھلونا، پوتر پاپی، شعلے، کوشش، آندھی، یہ ہے زندگی اور انگور وغیرہ میں اپنی اداکاری کے امٹ نشان چھوڑے۔ ''آندھی'' (۱۹۷۶ء) اور ارجن پنڈت (۱۹۷۷ء) میں بہترین اداکاری پر انہیں فلم فیئر ایوارڈز اور دستک (۱۹۷۱ء) اور کوشش (۱۹۷۳ء) پر نیشنل ایوارڈ عطا کئے گئے۔ فلم ''نیا دن نئی رات'' میں نو رول ادا کر کے انہوں نے فلم بینوں پر اپنی گہری چھاپ چھوڑی۔ اُن کی کچھ اہم فلمیں ہیں: کھلونا، شعلے، سنگھرش، ودھاتا، ہم ہندوستانی، شکار، نشان، علی بابا، امگر، دو چہرے، انگور، سچائی، ستیہ کام، نیا



دن نئی رات، آندھی، ترشول، وشواس گھات، محبت اور خدا، الجھن، بے رحم، دیوتا، پرتیچے، دھرتی کہے پکار کے، پارس، من کی آنکھیں آشیرواد وغیرہ۔

سندر ۔ پرانے عہد کے اداکار کامیڈین سندر اگست ۱۹۱۶ء میں بمقام سیالکوٹ (پاکستان) پیدا ہوئے۔ شروع شروع میں پنجابی فلموں میں آئے اور پھر ہندوستانی فلموں میں کامیڈین کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ وہ ایک اچھے گلوکار بھی تھے اور انہوں نے کئی گیت بھی گائے جن کی وجہ سے انہیں 'طوطیٔ پنجاب' کا خطاب بھی ملا۔ اُن کی پہلی فلم امپاسیبل (Impossible) ۱۹۳۸ء میں بنی تھی۔ ابتدا میں وہ پنجابی فلموں میں ہیرو بھی رہے اور بعد میں سائیڈ ہیرو اور کامیڈین۔ پنجابی فلموں دو لچھیاں، کھلاڑی،، مداری، ولائتی بابو، بھانگڑا ان کی اہم فلمیں ہیں۔ چھیئ، کھلاڑی، بانورا، مُیار، جوہری، جگنی، وساکھی بھی ان کی پنجابی فلمیں ہیں۔ ہندی فلمیں بھی بے شمار ہیں جن میں البیلا، جھانجھر، تلوار، لاہور، دنیا گول ہے، لہریں، نولکھا ہار، بہار، تلسی داس، جھمیلا، سیما، سب سے بڑا روپیہ، انوسوئیا، دوار کا دھیش، یہودی کی لڑکی، عرب کا سوداگر، بیتاب، شرابی، بیوی او بیوی، ماں قسم، ارجن، ڈکیت، بہورانی،، ڈولی، بندھن، پھول اور پتھر، وغیرہ شامل ہیں۔



سندھیا: اداکارہ/رقاصہ سندھیا کو مشہور ڈائرکٹر وی شانتارام نے فلموں میں متعارف کرایا اور بعد ازاں ان سے شادی کر لی۔ پہلی فلم مراٹھی میں ''امر بھوپالی'' تھی۔ ان کی فلمیں تین بتی چار رستہ، پرچھائیں، جھنک جھنک پائل باجے، شاعر پربھاکر، وغیرہ ہیں۔

سنی دیول :اداکار سنی دیول (اجے سنگھ دیول) دھرمیندر کے بڑے بیٹے ہیں اور ان کی ولادت ۱۹/اکتوبر ۱۹۵۶ء میں ساہنیوال میں ہوئی تھی۔ انہوں نے ایکٹنگ کی تربیت لندن میں پائی اور برمنگھم کے اولڈ ریپ تھیٹر میں زیر تعلیم رہے۔ ۱۹۸۳ء میں انہوں نے پہلی بار ''بیتاب'' میں امرتا سنگھ کے بالمقابل بطور ہیرو کام کیا اور فلم ہٹ ہوگئی۔ وہ ایک کامیاب اداکار مانے جاتے ہیں۔ ان کی فلم بارڈر (۱۹۹۷ء) اور غدر: ایک پریم کتھا (۲۰۰۰ء) زبردست ہٹ فلمیں ثابت ہوئیں۔ ان کے علاوہ ان کی فلمیں...... بیتاب، ارجن، سلطنت، پاپ کی دنیا، چالباز، ترِی دیو، گھائل، دامنی، ڈر، جیت، گھاتک، ضدی، انڈین، ہیرو: لو اسٹوری آف اے سپاہی، اپنے، یملا پگلا دیونہ اور یملا پگلا دیوانہ-۲ بھی کامیاب فلمیں مانی جاتی ہیں۔



ان کی پوجا دیول سے شادی ہوئی ہے اور ان کے دو بیٹے ہیں کرن اور راج دیپ۔

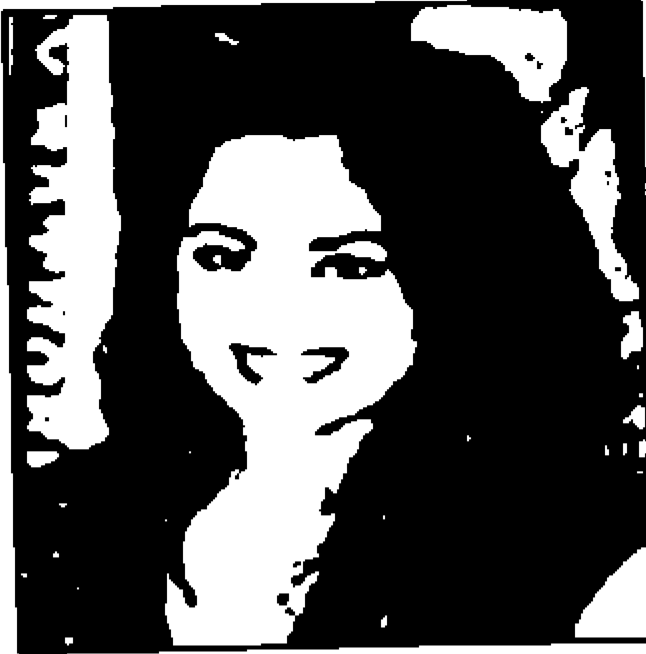
سنیل دت: اصلی نام بلراج دت تھا اور ان کی پیدائش ۶ر جون ۱۹۲۹ء کو خورد گاؤں ضلع جہلم (پاکستان) میں دیوان رگھوناتھ دت کے ہاں ہوئی۔ جب وہ پانچ سال کے تھے تو ان کے والد کا انتقال ہو گیا مگر زمین جائیداد کافی ہونے کی وجہ سے انہیں کوئی معاشی پریشانی نہیں ہوئی مگر اگست ۱۹۴۷ء میں ملک کا بٹوارہ ہو جانے پر انہیں اپنی ماں اور بہن بھائیوں کے ساتھ ہندوستان آنا پڑا اور یہاں یمنا ندی کے قریب منڈولی گاؤں میں سکونت اختیار کرنی پڑی۔ اس کے بعد وہ کچھ مدت لکھنؤ میں رہے پھر تعلیم مکمل کرنے کے لئے اپنے کزن کے پاس بمبئی چلے گئے اور وہاں ایک کالج میں داخلہ لے لیا۔ کالج کے بعد وہ پارٹ ٹائم کر کے اپنا گزارہ چلاتے تھے۔ ایک بار کالج کے ایک پروگرام میں ان کی آواز سے متاثر ہو کر ریڈیو سیلون کے ایک افسر نے انہیں ریڈیو سیلون میں فلم اسٹارز کا انٹرویو لینے پر مامور کر دیا۔ فلم شہید کے سیٹ پر جب وہ دلیپ کمار کا انٹرویو لے رہے تھے تو رمیش سہگل نے ان کی شخصیت سے متاثر ہو کر انہیں اپنی اگلی فلم "ریلوے پلیٹ فارم" میں کام کرنے کی پیشکش کر دی۔ اس کے بعد انہیں کئی فلموں میں کام کرنے کا موقع ملا۔ ۱۹۵۷ء میں انہوں نے محبوب کی فلم "مدر انڈیا" میں نرگس کے چھوٹے بیٹے کا رول ادا کیا۔ اسی فلم کی شوٹنگ کے دوران سیٹ پر آگ لگ گئی اور سنیل دت نے نرگس کو آگ سے بچا کر ان کا دل جیت لیا۔ اس کے بعد ان میں قربت بڑھی اور ۱۱ر مارچ ۱۹۵۸ء کو دونوں نے شادی کر لی۔



سنیل دت نے بہت سی فلموں میں اداکاری کے جوہر دکھائے جن میں مجھے جینے دو، ملن، ریشماں اور شیرا، خاندان، گمراہ، ہمراز، وقت، ہم ہندوستانی، چھایا، یہ راستے ہیں پیار کے، آج اور کل، درد کا رشتہ، یہ آگ کب بجھے گی؟، سجاتا، ایک پھول چار کانٹے، میں چپ رہوں گی، بیٹی بیٹے، میرا سایہ، مہربان، پڑوسن، ہیرا، یتیم، [illegible] ۳۶ گھنٹے، جوالا، زخمی، ناگن، کالا آدمی، ڈاکو اور جوان، بدلے کی آگ، جانی دشمن، راکھی، نشان، راج تلک، فیصلے، قربان، رشتے، پھول، پرمپرا، یادیں، سادھنا، منا بھائی (۲۰۰۳ء) وغیرہ شامل ہیں۔ ۱۹۸۱ء میں کینسر سے ان کی رفیقۂ حیات نرگس کی وفات ہوگئی اور وہ ٹوٹ سے گئے۔ اس کے بعد انہوں نے کینسر کے خلاف جنگ لڑنے کے لئے نرگس فاؤنڈیشن کی بنیاد رکھی اور سماجی بہبود کے کاموں میں جٹ گئے۔ ۱۹۸۶ء میں انہیں پدم شری دیا گیا۔ ۱۹۹۲ء میں وہ شیرف آف بمبئی بنائے گئے۔ وہ راجیو گاندھی کی موت پر سیاست میں داخل ہوئے اور پانچ بار لوک سبھا کے رکن

منتخب ہوئے۔ انہیں مرکزی وزیر بنایا گیا اور ۲۵ مئی ۲۰۰۵ء کو ان کی ہارٹ اٹیک سے وفات ہوئی۔

سوناکشی سنہا: اداکارہ سوناکشی سنہا مشہور اداکار شتروگھن سنہا کی بیٹی ہیں اور ان کی ولادت ۲ جون ۱۹۸۷ء کو ممبئی میں ہوئی تھی۔ آریہ ودیا مندر ممبئی میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد انہوں نے شریمتی ناتھی بائی دامودر ٹھاکرسی ویمن یونیورسٹی ممبئی سے فیشن ڈیزائننگ میں گریجویشن کی اور ۲۰۰۵ء میں فیشن ڈیزائنر کی حیثیت سے فلم میرا دل لے کے دیکھو میں فرائض انجام دیئے۔ ۲۰۱۰ء میں انہوں نے پہلی بار فلم دبنگ میں سلمان خان کے بالمقابل بطور ہیروئن کام کیا اور فلم ہٹ ہوئی اور ان کی مانگ بڑھ گئی۔ اب یہ نئی اداکاروں میں



اہم نام ہے اور اب تک وہ راؤڈی راٹھور، جوکر، او مائی گاڈ، سن آف سردار، دبنگ ۲، لٹیرا، ہمت والا، ونس اپون اے ٹائم ان ممبئی دوبارہ، بلٹ راجہ، ریمبو راجکمار، ہیرو، ٹائمنگ، اپنے وغیرہ میں اداکاری کے جوہر دکھا چکی ہیں۔

سہراب مودی: سہراب مودی ایک پارسی اسٹیج ایکٹر، فلم ایکٹر اور اداکار و فلمساز تھے ان کی ولادت ۲ نومبر ۱۸۹۷ء کو ممبئی میں ہوئی۔ ابتدا میں وہ تھیٹر میں کام کرتے تھے مگر جب متکلم فلموں کے بعد تھیٹر پر زوال آیا تو وہ فلموں کی جانب رجوع ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے مکالموں میں تھیٹریکل انداز پایا جاتا تھا اور لوگ بھی ان کی فلموں کے مکالمے سننے ہی جاتے تھے۔ خصوصاً تاریخی فلم "پکار" کے مکالمے تو لوگ آج بھی نہیں بھولے۔ انہوں نے منروا مووی ٹون کی بنیاد رکھی اور ۱۹۳۵ء میں انہوں نے شیکسپیئر کے ڈرامے ہیملٹ پر مبنی فلم خون کا خون (۱۹۳۵ء) بنائی جس میں پری چہرہ نسیم پہلی بار جلوہ گر ہوئی تھی اس کے بعد انہوں نے پکار، سکندر، پرتھوی ولبھ جیسی تاریخی فلمیں بنائیں۔ ۱۹۴۶ء میں انہوں نے فلم ایکٹریس مہتاب سے شادی کر لی تھی۔ ۱۹۴۴ء میں انہوں نے فلم [illegible] کی ہدایت دی تھی اور جس کے بعد [illegible] فلم جھانسی کی رانی میں بھی کام کیا تھا۔ مودی نے سب ملا کر [illegible] فلمیں بنائی تھیں اور متعدد فلموں میں کام کیا جن میں



خون کا خون (۱۹۳۵ء)، پکار، سکندر، پرتھوی ولبھ، شیش محل، راج ہٹ، کندن، جھانسی کی رانی، مرزا غالب، نوشیروان عادل [illegible] مودی کی وفات [illegible] ۱۹۸۴ء [illegible] ایک [illegible]

سلطان (۱۹۸۳ء) جہیز اور اپنا دیش وغیرہ شامل ہیں۔

۱۹۸۰ء میں ان کی شاندار فلمی خدمات پر انہیں دادا صاحب پھالکے ایوارڈ سے نوازا گیا اور چار سال بعد ۲۸ رجنوری ۱۹۸۴ء کو ممبئی میں ان کی وفات ہوگئی۔

سہگل کے ایل: گلوکار اور اداکار کندن لال سہگل (۱۱ راپریل ۱۹۰۴ء جموں۔ ۱۸ رجنوری ۱۹۴۷ء، جالندھر) ہندوستانی سنیما میں ایک لی جینڈ (Legend) کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اُن کی مسحور کن



آواز سُن کر لوگ آج بھی جھوم جھوم اُٹھتے ہیں اور آنے والی گلوکار نسل کو وہ تحریک وترغیب بخشنے والے ایسے سرچشمہ ہیں جسے کبھی فراموش نہیں کیا جاسکے گا۔

سہگل کے والد امر چند مہاراجہ کشمیر کی جموں عدالت میں تحصیلدار تھے۔ انہیں بچپن سے ہی گانے کا شوق تھا اور اس سلسلے میں اُن کی والدہ کیسر بائی اُن کی تحریک وترغیب تھیں۔ انہوں نے ملک پنکج، پہاڑی سانیال اور اُستاد فیاض خاں صاحب سے موسیقی کی تعلیم پائی تھی۔ فلموں میں آنے سے پیشتر انہوں نے کئی طرح کے کام کیے۔ وہ ریلوے میں ٹائم کیپر رہے، اور ایک ٹائپ رائٹر کمپنی میں سیلز مین بھی۔ ۱۹۳۰ء کے قریب موسیقار ہریش چندر بالی انہیں کلکتہ لائے اور انہیں میوزک ڈائرکٹر آر سی بورال سے متعارف کرایا جنہوں نے ان کی آواز سے متاثر ہو کر انہیں نیوتھیٹر کے بی این سرکار سے ملوایا اور انہیں فلموں میں کام کرنے کا موقع مل گیا۔ ۱۹۳۲ء سے ۱۹۴۷ تک انہوں نے تقریباً ۳۹ فلموں میں کام کیا اور ۱۴۲ فلمی گیت گائے۔ ان کی اہم فلمیں ہیں:۔ محبت کے آنسو، زندہ لاش، صبح کے ستارے، یہودی کی لڑکی، روپ ریکھا، کاروانِ حیات، چنڈی داس، راج رانی میرا، پجارن، دیدی، بڑی بہن، بھنورا، کورکشیتر، پورن بھگت دیوداس، پریزیڈنٹ، دھرتی ماتا، اسٹریٹ سنگر، دشمن، زندگی، بھگت سورداس، تان سین، تدبیر، مائی سسٹر، شاجہاں، عمر خیام اور پروانہ وغیرہ۔

اُن کے کچھ مشہور گیت ہیں: رادھا رانی دے ڈارونا (پورن بھگت ۱۹۳۳ء) بالم آئے بسو مورے من میں/دکھ کے دن بیتت ہیں ناہیں (دیوداس ۱۹۳۵ء) اک بنگلہ بنے نیارا (پریذیڈنٹ ۱۹۳۷ء) دنیا رنگ رنگیلی بابا (دھرتی ماتا ۱۹۳۸ء) بابل مورا نیہر چھوٹا جائے (اسٹریٹ سنگر ۱۹۳۸ء) کروں کیا آس نراس بھئی (دشمن ۱۹۳۹ء) سوجا راج کماری سوجا (زندگی ۱۹۴۰ء) نسدن برست نین ہمارے (بھگت سورداس ۱۹۴۲ء) دیا جلاؤ، دیا جلاؤ (تان سین ۱۹۴۳ء) دونیناں متوارے/اے کاتبِ تقدیر مجھے اتنا بتا دے (مائی سسٹر ۱۹۴۴ء) جنم جنم کا دکھیا پرانی آیا شرن تہاری (تدبیر ۱۹۴۵ء) غم دیئے مستقل/چاہ برباد

کرے گی ہمیں معلوم نہ تھا رہم جی کے کیا کریں گے جب دل ہی ٹوٹ گیا (شاہجہاں ۱۹۴۶ء) وغیرہ

سی رام چندر: موسیقار سی رام چندر (آر چتلکر) ۱۲؍جنوری ۱۹۱۸ کو احمد نگر کے ایک چھوٹے سے گاؤں پنٹامبا میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے گوردھن مہاودیالیہ میں ونائیک بوا پٹوردھن سے موسیقی کی تعلیم حاصل کرنے کے علاوہ ناگپور میں شنکر راؤ سپرے سے بھی موسیقی سیکھی۔ ۱۹۳۴ء میں کولہاپور اسٹڈیو میں بطور اداکار شامل ہوئے مگر بعد ازاں میوزک ڈائرکٹر بن گئے۔ بھگوان دادا کی فلم "سکھی جیون" سے ان کی فلموں میں پہچان بنی اور "شہنائی" میں دی گئی ان کی دھنوں نے انہیں بڑی شہرت بخشی۔ انہوں نے متعدد فلموں کی موسیقی ترتیب دی جن میں دل کی بات، ساجن، لیلا، کھڑکی، ندیا کے پار، دنیا، پتنگا، ساتھی، نرالا، نمونہ، سنگرام، سرگم، البیلا، خزانہ، خوبصورت، سوداگر، ساقی، شین شاکی بوبلا بو، کوی، پہلی جھلک، مینار، یاسمین، دنیا گول ہے، آزاد، انسانیت، انارکلی، پرچھائیں، جھانجھر، بہورانی، یاسمین، سنگیتا، خزانہ، سگائی، ناستک، کنگنا، دو امر دیپ، زبان، وغیرہ شامل ہیں۔ ان کے کچھ ترتیب دئے گئے گیت ہیں: یہ زندگی اسی کی ہے (انارکلی) دھیرے سے آجا ری اکھین میں (البیلا) جاگ درد عشق جاگ (انارکلی) محبت میں ایسے زمانے بھی آئے (سگائی) او نردہی پریتم (استری) بلما بڑا نادان رے (البیلا) محبت ایسی دھڑکن ہے (انارکلی) مجھ پر الزامِ بے وفائی ہے (یاسمین) دل سے بھلا دو تم ہمیں (پتنگا) وغیرہ



۵؍جنوری ۱۹۸۲ء کو شدید السر سے ان کی ممبئی میں وفات ہوگئی۔

شاہد کپور: شاہد کپور مشہور ہدائت کار اور اداکار پنکج کپور اور نیلما عظیم کے بیٹے ہیں۔ ان کی ولادت ۲۵؍فروری ۱۹۸۱ء کو دہلی میں ہوئی۔ جب وہ صرف تین سال کے تھے تو ان کے والدین میں طلاق ہو گیا اور وہ اپنے نانا (معروف افسانہ نگار انور عظیم) اور نانی کے ساتھ پریس انکلیو، ساکیت میں رہنے لگے۔ انہوں نے گیان بھارتی اسکول دہلی میں تعلیم پائی۔ پھر تین سال بعد وہ ممبئی شفٹ ہو گئے اور راج ہنس میں تعلیم پانے لگے۔ بڑے ہونے پر انہوں نے اپنی شروعات ماڈلنگ سے کی۔ اور اس دوران ان کے والد پنکج کپور



ان کی رہبری و رہنمائی کرتے رہے۔ پہلی بار انہوں نے کین گھوش کی فلم ''عشق وشق'' میں امرتا راؤ کے مقابل ہیرو کا رول کیا اور یہ فلم تجارتی لحاظ سے کامیاب ثابت ہوئی، ان ہی کی دوسری فلم ''خدا'' میں بھی انہیں کلیدی رول ملا اور ان کے مقابل ہیروئن'' کرینہ کپور'' تھیں۔ اس فلم میں دونوں نجی زندگی میں بہت قریب آ گئے اور ایک ساتھ رہنے لگے۔ ان دنوں ستیش کوشک کی فلم ''ملیں گے ملیں گے'' پرتیش نندی کی ''چپ چپ کے'' اور امتیاز علی کی ''جب وی میٹ'' بڑی کامیاب ثابت ہوئیں۔ شاہد کپور کی بہت سے فلمیں پروڈیوسرز پر کامیابی کے جھنڈے گاڑ چکی ہیں۔ اور اب تک ان کی کئی فلمیں جیسے دل مانگے مور، قسمت کنکشن، چھپے، دیوانے ہوئے پاگل، الاف ہوتو ایسی، چپ چپ کے، بدمعاش کمپنی۔ واہ، مینے، چانس پہ ڈانس، وغیرہ منظر عام پر آ چکی ہیں۔

شاہد لطیف پروڈیوسر ڈائرکٹر رائٹر شاہد لطیف مشہور اردو کہانی نویس عصمت چغتائی کے شوہر تھے۔ ان کی ولادت ۱۱ر جنوری ۱۹۱۳ء چندوسی (اتر پردیش) کو ہوئی۔ بی اے تک تعلیم پائی اور ۱۹۴۰ء میں بمبئی ٹاکیز میں بطور کہانی نویس اور مکالمہ نگار شامل ہو گئے۔ بسنت، جھولا، نیا سنسار، قسمت وغیرہ فلمیں اور ان کی اسکرپٹ لکھنے میں اشتراک و تعاون دیا۔ بعد ازاں فلمستان لمیٹیڈ جوائن کرلیا اور چل چل رے نوجوان کی اسکرپٹ پر کام کیا۔ پھر جینت دیسائی پروڈکشن لمیٹیڈ جوائن کرلی اور للکار، سمراٹ چندر گپت وغیرہ لکھیں۔ شکایت، ضدی (۱۹۴۸ء)، آرزو (۱۹۵۰ء) شیشہ (۱۹۵۲ء) فریب، دروازہ، سوسائٹی، سونے کی چڑیا، پتنگ (۱۹۶۲ء) بہاریں پھر بھی آئیں گی (۱۹۶۶ء) اور جواب آئے گا (۱۹۶۸ء) ڈائرکٹ کیں۔ بزدل (۱۹۵۱ء) کو پروڈیوس اور ڈائرکٹ کیا۔ فلم انڈیا کارپوریشن کے مالک تھے۔ ۱۹۴۱ء میں انہوں نے عصمت چغتائی سے شادی کی جن سے دو بیٹیاں پیدا ہوئیں۔

۱۶ر اپریل ۱۹۶۷ء کو صرف ۵۴ سال کی عمر میں ان کی بمبئی میں وفات ہوگئی۔

شاہ رخ خان ایکٹر پروڈیوسر بادشاہ خان ایس آر کے کنگ خان اور ہندوستانی فلموں کے بے تاج بادشاہ کے نام سے موسوم شاہ رخ خان آج ہندوستانی فلم انڈسٹری کے چوٹی کے اسٹار مانے جاتے ہیں۔ ان کی پیدائش ۲ر نومبر ۱۹۶۵ء کو نئی دہلی میں ہوئی۔ والد تاج محمد کا انتقال ۱۹۸۱ء میں ہو گیا جبکہ وہ کوئی ۱۶ سال کے تھے۔ ان کی والدہ فاطمہ بیگم آکسفورڈ سے اعلی تعلیم یافتہ تھیں اور پیشے سے مجسٹریٹ تھیں۔ انہوں نے ۲۵ر اکتوبر ۱۹۹۱ء کو گوری خان (چھبر) سے شادی کی۔ ان کے تین بچے ہیں دو بیٹے آرین اور ابرام۔ اور ایک بیٹی سہانا۔



شاہ رخ کے والد کا تعلق پشاور (صوبہ سرحد/ خیبر پختون خواہ) سے تھا اور وہ مجاہد آزادی تھے۔ بٹوارے کے بعد وہ ہجرت کر کے ہندوستان آ گئے اور دہلی میں سکونت اختیار کی۔ شاہ رخ نے دہلی یونیورسٹی سے کمیونیکیشن میں ماسٹرز ڈگری حاصل کی۔ اور شنکر ناگ کے سیریل ''واگلے کی دنیا'' میں نمودار ہوئے اور اس کے بعد لیکھ ٹنڈن کے سیریل ''دل دریا'' میں ایک سکھ نوجوان کا رول نبھایا۔ لیکن ان کی اصلی پہچان 'فوجی'، 'سرکس' اور لیکھ ٹنڈن کے ٹی وی سیریل ''دوسرا کیول'' سے بنی۔ پھر انہوں نے بالی وڈ کی جانب کوچ کیا اور پہلی بار منی کول کی فلم ''ایڈیٹ' میں نمودار ہوئے جو فلاپ ثابت ہوئی۔ ''دل آشنا ہے'' کا بھی یہی حشر ہوا۔ مگر ۱۹۹۲ء میں 'دیوانہ' کی ریلیز سے وہ جانے پہچانے ہیرو بن گئے۔ ۱۹۹۲ میں ہی 'چمتکار'، راجو بن گیا جنٹلمین، اور ''مایا میم صاحب'' کے بعد یش چوپڑا کی فلم ''ڈر'' اور عباس مستان کی فلم ''بازی گر'' نے انہیں شہرت کی بلندیوں تک پہنچا دیا۔ اس کے بعد اُن کی کئی فلموں نے دھوم مچادی۔ کاجول کے ساتھ اُن کی فلم ''دل والے دلہنیا لے جائیں گے'' (۱۹۹۵ء)، بہت ہی کامیاب فلموں میں شمار ہوتی ہے جو ممبئی کے مراٹھا مندر میں گزشتہ سات سو سے زیادہ ہفتوں سے لگا تار چل رہی ہے۔ اس کے علاوہ ان کی کامیاب اور ہٹ فلموں میں 'دل تو پاگل ہے (۱۹۹۷ء) کچھ کچھ ہوتا ہے/ دل سے (۱۹۹۸ء) دیوداس (۲۰۰۲ء) ویرزارا/ سودیش (۲۰۰۴ء) چک دے انڈیا (۲۰۰۷ء) مائی نیم از خان (۲۰۱۰ء) ڈان (۲۰۱۱ء) اور یش چوپڑا کی فلم 'جب تک ہے جان' (۲۰۱۲ء) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ابھی حال ہی میں ریلیز ہوئی ان کی فلم ''چنئی ایکسپریس'' بھی عوام کو پسند آئی ہے اور اس نے ریکارڈ بزنس کیا ہے۔ 'ہیپی نیو ایئر'' اُن کی آنے والی متوقع فلم ہے۔

شاہ رُخ خان کو متعدد ملکی اور غیر ملکی ایوارڈ حاصل ہو چکے ہیں۔

شاہو مودک: اداکار شاہو مودک ۱۹۱۸ء میں بمقام احمد نگر پیدا ہوئے۔ زیادہ تر مراٹھی اور ہندی فلموں میں کام کیا۔ شری کرشن اور سنت دیانیشور کے کردار نبھائے۔ انہوں نے کئی فلموں میں لیڈنگ رول کئے خصوصاً دیو مالائی فلموں میں کام کیا۔ ابتدا میں وہ چائلڈ آرٹسٹ کی حیثیت سے ''شیام سندر'' (۱۹۳۲ء) میں جلوہ گر ہوئے۔ بے شمار فلموں میں کام کیا جن میں مانوس، اپنا پرایا، بھرت ملاپ، شوبھا، وسنت سینا، دلہن، لڑائی کے بعد، قانون، گیت، مہارتھی کرن، میگھ دوت، شری کرشن ارجن یدھ،، رام اوتار، بھیشم پرتگیہ، آدمی، سنت دیانیشور، نند کا لالہ، سیوا سدن، ہند مہلا، ہونہار، بے گناہ، آوارہ شہزادہ، پری جاتک، شری کرشن



بھگوان، بھگت پورن، امر کیرتن، چکر دھاری، درگا پوجا، شو بھگت، اُترا بھیمنیو، شری رام اوتار، جے مہا کالی، دروپدی وستر ہرن، عاشق، دسہرہ، دوار کا دھیش، بھگت دھرو، لکشمی پوجا، گج گوری، گوپی چند، بھگت راج، رام لیلا، بتیارا۔ رضیہ سلطان، (۱۹۸۳ء) کرشنا کرشنا (۱۹۸۶ء)، وغیرہ کچھ اہم فلمیں ہیں۔

۱۹۹۳ء میں ان کی ممبئی میں وفات ہوگئی۔

شبانہ اعظمی: معروف اداکارہ ۱۸ ستمبر ۱۹۵۱ء کو اعظم گڑھ (اُتر پردیش) میں مشہور شاعر کیفی اعظمی کے گھر پیدا ہوئیں۔ ان کی والدہ شوکت اعظمی نے بھی متعدد فلموں میں اداکاری کی ہے۔ انہوں نے کوئین میری اسکول اور سینٹ زیوئیر کالج ممبئی میں تعلیم پائی۔ بعد ازاں فلم اینڈ ٹی وی انسٹی ٹیوٹ پونے میں اداکاری کی تربیت پانے کے بعد ۱۹۷۴ میں پہلی بار شیام بینگل کی فلم ''انکور'' میں نمودار ہوئیں اور متوازی سنیما کی اہم اداکارہ بن گئیں۔ بعد میں انہوں نے شیام بینگل کی کئی فلموں نشانت (۱۹۷۵ء) جنون (۱۹۷۸ء) شرط (۱۹۸۶)



اور انتر ناد (۱۹۹۲ء) میں بھی کام کیا۔ ۱۹۸۳ء سے ۱۹۸۵ء تک لگاتار اپنی فلموں، ارتھ، کھنڈر اور پار کے لئے نیشنل فلم ایوارڈ پایا۔ انہوں نے متعدد فلموں میں کام کیا جن میں کچھ فلمیں ہیں: شطرنج کے کھلاڑی، فقیرا، امر اکبر انتھونی، سپرش، معصوم منڈی، شرط، اوتار، مکڑی، گاڈ مدر، تھوڑی سی بے وفائی، پتنگ، لباس، امراؤ جان، تہذیب، متروکی بجلی کا ہنڈولہ، رکلپ ورکش (۲۰۱۲ء) وغیرہ۔ مشہور فلمی شاعر جاوید اختر ان کے شوہر ہیں۔

شتروگن سنہا: شتروگن سنہا جو بہاری بابو کے نام سے بھی معروف ہیں، ۹ دسمبر ۱۹۴۵ء کو پٹنہ میں پیدا ہوئے۔ سائنس کالج پٹنہ میں تعلیم پانے کے بعد انہوں نے فلمز اینڈ ٹی وی انسٹی ٹیوٹ پونے میں تربیت پائی اور ممبئی کی فلم انڈسٹری سے وابستہ ہوگئے۔ پہلے پہل انہوں نے دیوانند کی فلم 'پریم پجاری' میں ایک فوجی افسر کا کردار نبھایا لیکن اس کے ریلیز ہونے میں تاخیر ہوگئی لہٰذا ان کی پہلی فلم ۱۹۶۹ء میں 'ساجن' ریلیز ہوئی۔ ۱۹۷۱ء میں گلزار کی فلم ''میرے اپنے'' میں کام کرنے سے پیشتر انہوں نے کئی فلموں میں رول ادا کئے اور تین فلموں نرم گرم، جوالا مکھی اور دوست میں پس پردہ گانا بھی گایا۔ اور فلم ''ملاپ'' میں پانچ مختلف طرح کے رول بھی ادا کئے۔ ان کی اہم فلمیں ہیں: پیار ہی پیار، ساجن



(۱۹۶۹)راتوں کا راجہ،کھلونا، ہولی آئی رے،ایک ننھی منی لڑکی تھی، چیتنا، پریم پجاری پروانہ،پارس میرے اپنے،ایک ناری ایک برہمچاری، دوست اور دشمن، دوراہا، بن پھول، شرارت،شادی کے بعد، راستے کا پتھر،دو یار، بنیاد، بھائی ہوتو ایسا، بابل کی گلیاں، ہمے توگوا، سمجھوتہ،سبق، پیار کا رشتہ،شہید اور ہم سنگھ،دل تیرا دیوانہ، طاقت، پتنگ، چاند کا ٹکڑا،بے تاج بادشاہ،رام پور کا لکشمن،شریف بدمعاش، انصاف اپنے لہو کا،دوست، جگو، دو ٹھگ،آ گلے لگ جا، شیطان،سنگرام،خان دوست، یاروں کے یار،آدمی سڑک کا، کوتوال صاحب،چور ہوتو ایسا،بھوک، وشو ناتھ، جانی دشمن،مقابلہ،مجبور،ہیرا موتی،چوروں کی بارات، دوستانہ،شان،کالی چرن،آج پھر جینے کی تمنا رکت چرتر (۲۰۱۰ء)،وہ آدمی بہت کچھ جانتا تھا(۲۰۱۳ء)وغیرہ۔

اداکار ہونے کے علاوہ وہ بھارتیہ جنتا پارٹی کے ایک اہم رکن ہیں اور دو بار راجیہ سبھا کے ممبر نامزد ہونے کے علاوہ مرکزی سرکار میں وزیر برائے فیملی ،ہیلتھ اور شپنگ بھی رہ چکے ہیں۔وہ پندرہویں لوک سبھا کے ۲۰۰۹ء میں رکن منتخب ہوئے۔ان کی بیٹی سوناکشی سنہا بھی ہندی فلموں کی مشہور ہیروئن ہے۔

شـــرر دیـــوان: پروڈیوسر رڈائرکٹر رکہانی نویس رمکالمہ نگار دیوان شرر ۲۸راگست ۱۸۹۷ء کو پیدا ہوئے۔کچھ مدت لندن میں بحثیت رائٹر کام کرتے رہے۔پھر ہندوستان واپس آ گئے اور فلموں میں کام کرنے لگے۔بطور رائٹر ان کی فلمیں ہیں۔کرما (۱۹۳۳ء)،اشارہ،شکنتلا (۱۹۴۷ء)،شہنشاہ اکبر، پنا دائی ،اپنا دیش، ڈاکٹر کوٹنس کی امر کہانی، پربت پہ اپنا ڈیرا (۱۹۴۴ء)،تین بتی چار راستہ،جھنک جھنک پائل باجے، ہندوستان ہمارا، وغیرہ۔بحثیت اداکار انہوں نے لوآف اے مغل پرنس،،دل ناداں ،تین بتی چار راستہ، ڈاکٹر کوٹنس کی امر کہانی ،اپنا دیش وغیرہ میں کام کیا اور' ناگن کی راگنی' ڈائرکٹ کی۔

ششـــی کپــور: ایکٹر،ڈائیرکٹر، پروڈیوسر۔نام بلبیر راج رششی راج   ولادت:۱۸رمارچ ۱۹۳۸ء بمقام کلکتہ۔پرتھوی راج کپور کے کے منجھلے بیٹے ہیں۔۱۹۴۳ء میں پانچ سال کی عمر میں پرتھوی تھیٹر کے ڈرامے میں شکنتلا اور دشینت کے بیٹے بھارت کا رول کیا۔ ڈرامہ کسان میں عیاش جاگیردار کا کردار نبھایا۔ چائلڈ آرٹسٹ کے طور پر مینا (۱۹۴۴ء) 'تدبیر' اور' بچپن' (۱۹۴۵ء) میں ششی راج کے نام سے کام کیا۔ دس سال کی عمر میں فلم 'آگ (۱۹۴۸ء)' میں راج کپور کے بچپن کا رول کیا۔'سماجی' اور' سنگرام' میں بھی بطور اداکار نمودار ہوئے۔ پھر لندن میں انگریزی ڈراموں سے وابستہ رہے۔اسی دوران ۱۹۶۰ء میں جینفر سے



شادی کر لی جو کہ ان کی طرح شیکسپیئر ین تھیئٹریکل کمپنی میں کام کر رہی تھی اور اس کے مالک جیوفری کینڈل کی بیٹی تھیں۔

ان کی پہلی فلم چار دیواری تھی جو ۱۹۶۱ء میں ریلیز ہوئی۔ اسی سال ان کی فلم "دھرم پتر" بڑی کامیاب ثابت ہوئی جس کے ہدایت کار بی آر چوپڑہ تھے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی ذاتی فلم کمپنی بنا کر "فلم والا" کی جس کے وہ پروڈیوسر بھی تھے۔ اس کے بعد انہوں نے اسی کمپنی کے بینر تلے شیکسپیئر والا (۱۹۶۵) بامبے ٹاکیز (۱۹۷۰ء) سدھارتھ (۱۹۷۲ء) ہیٹ اینڈ ڈسٹ (۱۹۸۳ء) سیمی اینڈ روزی لیٹ لینڈ (۱۹۸۷ء) دی ڈیسیورز (۱۹۸۸) دس انگریزی فلمیں بنائیں۔ اسماعیل مرچنٹ نے انہیں ڈائریکٹ کیا تھا۔ اس کے علاوہ انہوں نے کمپنی کے تحت جنون (۱۹۷۸ء) و جیتا (۱۹۸۰ء) وجیتا (۱۹۸۲ء) اور آسو (۱۹۸۴ء) بھی بنائیں۔ امیتابھ بچن کے ساتھ انہوں نے دس فلموں دیوار، ایمان دھرم، ترشول، کالا پتھر، سہاگ، شان، ایک اور ایک گیارہ، سلسلہ، نمک حلال وغیرہ میں سپورٹنگ رول کیا۔ انہوں نے متعدد فلموں میں کام کیا جن میں جب جب پھول کھلے (۱۹۶۵ء) گوتم گووند، روٹی کپڑا اور مکان، پرانی تلاش، تمنا، جنون، ستیم شوم سندرم، نیند ہماری خواب تمہارے، حسینہ مان جائے گی، پیار کئے جا، آ گلے لگ جا، پیار کا موسم، چوری میرا کام، شرمیلی، مکتی، ترشنا، سدھارتھ، کل یگ، آسوا، نیو دہلی ٹائمز، چور مچائے شور، قصہ، دوسرا آدمی وغیرہ شامل ہیں۔

نیو دہلی ٹائمز (۱۹۸۶ء) میں بہترین اداکار کا قومی اعزاز ملا۔ ۱۹۷۹ء میں بہترین فیچر فلم 'جنون' (۱۹۷۹ء) پر بطور پروڈیوسر اور ۱۹۹۴ء میں فلم محافظ (۱۹۹۳ء) پر جیوری کا خصوصی نیشنل ایوارڈ۔ ۲۰۱۰ء میں فلم فیئر ایوارڈ برائے مجموعی کارکردگی۔ اس سے پہلے تین بار ۱۹۷۶ء، ۱۹۸۰ء اور ۱۹۸۲ء میں فلم فیئر ایوارڈ ملے۔

۲۰۱۱ حکومت ہند نے ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے پدم بھوشن عطا کیا۔



ششی کلا اداکارہ و سپورٹنگ معاون اداکارہ ششی کلا کی ولادت ۳؍اگست ۱۹۳۳ کو شولاپور میں ہوئی۔ پانچ برس کی عمر میں ہی شولاپور میں اسٹیج پر ناچنے اور گانے لگیں۔ بڑی تگ و دو کے بعد فلموں میں آپائیں۔ پہلی بار فلم زینت کی قوالی "آہیں نہ بھریں شکوے نہ کئے" میں نمودار ہوئیں جس کے لئے انہیں ۲۵ روپے معاوضہ ملا۔ مراٹھی فلم پاٹھے باپوراؤ میں کام کیا۔ ان کی ہندی فلمیں ہیں: ڈولی، پجاری، جل ترنگ، نظارہ، آرزو، نذرانہ، رات رانی، روپیہ، سرکار، چنگی، ہم تم، پریت کا گیت، چاچا

چوہدری، سرنگ، ستارہ، سماج، سوسائٹی، پرتیچھے، گرلز اسکول، بھاگم بھاگ، سب سے بڑا روپیہ، کروڑ پتی، پٹ رانی، کیپٹن کشور، ہمجولی، گھر گھر کی کہانی، پھر وہی رات، خوبصورت، کرانتی، راکی، بیوی او بیوی، درد دل، سوتن، انوکھا بندھن، ہمارا سنسار، دیدار، ساس بھی کبھی بہو تھی، دادا گیری، طوائف، رام تیرا دیش، چندر ہاس، مجھ سے شادی کروگی، رخصت (۲۰۰۴ء) پدم شری لالو پرساد یادو (۲۰۰۵ء) وغیرہ۔

اب گزشتہ دس سال سے ٹی وی کے کئی سیریل میں نمودار ہوتی ہیں جن میں جینا اسی کا نام ہے (سونی) اپنا پن (زی) دل دے کے دیکھو اور ''سون پری'' (اسٹار پلس) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

انہوں نے پروڈیوسر اوم پرکاش سہگل سے شادی کی ہے۔

شکتی سامنت : بنگلہ، ہندی فلموں کے ہدائت کار، فلمساز شکتی سامنت (۱۳/جنوری ۱۹۲۶ء بردوان۔ ۹/اپریل ۲۰۰۹ء ممبئی) نے ابتدائی تعلیم اپنے چچا کے پاس دہرہ دون میں حاصل کی اور ۱۹۴۴ء میں کلکتہ یونیورسٹی سے گریجویشن کیا اور پھر کچھ مدت دہلی میں رہنے کے بعد فلموں میں قسمت آزمانے بمبئی پہنچ گئے مگر فلموں میں کام نہ ملنے کی وجہ سے بمبئی سے کوئی دو سو کلومیٹر کی دوری پر ایک قصبے دیولی (Dapoli) میں ٹیچری کرتے رہے۔ پھر ۱۹۴۸ء میں باقاعدہ فلموں سے وابستہ ہو گئے اور ستیش نگم، گیان مکھرجی، اور فنی مجموددار کے معاون کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ سب سے پہلے انہوں نے ستیش نگم کی ہدائت میں بننے والی فلم ''سنہرے دن'' میں بطور معاون ہدائت کار کام کیا۔ انہوں نے اپنی ہدائت میں پہلی فلم ۱۹۵۴ء میں ''بہو'' بنائی جس میں اوشا کرن، کرن دیوان، ششی کلا اور پران تھے۔ ۱۹۵۷ء میں انہوں نے اپنی فلم پروڈکشن 'شکتی فلم' تیار کی۔ اور کل ملا کر انہوں نے ۴۳ فلمیں بنائیں جن میں چھ بنگلہ تھیں انہیں ارادھنا، انوراگ اور امانش پر فلم فیئر ایوارڈ لائف اچیومنٹ ایوارڈ بھی ملے۔ ان کی کچھ فلمیں ہیں۔ بہو (۱۹۵۵ء) انسپکٹر، ہل اسٹیشن، شیرو، ہوڑہ برج، انسان جاگ اٹھا، ڈی ٹیلو جعلی نوٹ، سنگا پور، چائنا ٹاؤن، امر پریم، ارادھنا، ایک راز، کشمیر کی کلی، این ایوننگ ان پیرس، ساون کی گھٹا، کٹی پتنگ، پگلا کہیں کا، جانے انجانے، انوراگ، چرتر ہین، اجنبی، بالیکا بدھو، محبوبہ، انورودھ، آنند آشرم، دی گریٹ گیمبلر، خواب، برسات کی ایک رات (۱۹۸۱ء)، الگ الگ (۱۹۸۵ء)، دیوداس (۲۰۰۲ء)۔



شکتی کپور : ہندوستانی سنیما کے معروف ویلن اور کامیڈین شکتی کپور (سنیل کپور) ۳/ستمبر ۱۹۵۸ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم دہلی پبلک اسکول میں پائی اور گریجویشن کروڑی



مل کالج سے کی۔ابتدا میں بطور ویلن بڑی شہرت پائی پھر کامیڈین کا رول بھی کرنے لگے اور ان کی اور قادر خان کی جوڑی بڑی مقبول ہوئی۔انہوں نے بے شمار فلموں میں کامیڈین اور ویلن کا کردار نبھایا اور اب ان کی بیٹی شردھا کپور بھی فلموں میں کام کرنے لگی ہے۔ان کی پہلی فلم کھیل کھلاڑی کا ۱۹۷۷ء میں پردہ اسکرین پر پیش کی گئی اور دروازہ ۱۹۷۸ء میں۔ ۱۹۸۰ء میں راکی میں ویلن کا رول کیا تو سنیل دت نے سنیل کپور سے شکتی کپور کا نام دیا جو اب ایک مشہور ومعروف نام ہے۔ان کی اہم فلمیں ہیں: جانی دشمن،سرگم، آشا، مورچہ، قربانی،نصیب، ستے پہ ستہ،وقت کے شہزادے، مہان، عقلمند،تحفہ،ہمت والا، بھاگو بھوت آیا،کرما، جاں باز، ڈانس ڈانس،آگ ہی آگ، رام اوتار،ستیہ میو جیتے ،انصاف، پیار کا مندر، وجے، چالباز، راجہ بابو، باپ نمبری بیٹا دس نمبری،کھلاڑی، گیت، آنکھیں، مقابلہ،جلاد، بے وفا صنم،مَیں کھلاڑی تو اناڑی، پرتھوی،لوفر، یارانہ،ہمارا فیصلہ، جڑوا، بھائی،ہیرو ہندوستانی، غنڈے،ہم ساتھ ساتھ ہیں، ہیرا لال پنا لال،میرے آغوش میں، ہر دل جو پیار کرے گا،زبیدہ،تلاش،ایک رشتہ،ہاں مَیں نے پیار کیا،ہنگامہ،مسافر،ہلچل،دوستی،مالا مال ویکلی،چُپ چُپ کے، بھاگم بھاگ،نو پرابلم، بن بلائے باراتی، دال میں کچھ کالا ہے،ناٹی، دے دنا دن، ربا مَیں کیا کروں(۲۰۱۳)وغیرہ۔

شکیلہ: اداکارہ۔آر پار(۱۹۵۴ء)اور سی آئی ڈی(۱۹۵۶ء) کی حسین وجمیل ہیروئن شکیلہ(یکم جنوری ۱۹۳۵ء) کو بھلا کون بھول سکتا ہے؟اس نے''ٹاور ہاؤس''میں اجیت،اشوک کماراور پردیپ کمار کے ساتھ کام کیا اور ۱۹۶۲ء میں شکتی سامنت کی فلم''چائنا ٹاؤن''میں شمی کپور کے بالمقابل ہیروئن کا رول نبھایا تھا۔انہوں نے کئی فلموں میں کام کیا جن میں کچھ یہ ہیں: سلوتی، راج رانی، دمینتی، دنیا، داستان، امان، مدمست، آغوش، شہنشاہ، علی بابا چالیس چور، ہلا گلا،گل بہار، لیلیٰ۔خوشبو، لال پری، نور محل، مست قلندر، رتن منجری، کاروان، سی آئی ڈی، آر پار، روپ کماری، بے گناہ، ناگ پدمنی، پرستان، الہلال، چوبیس گھنٹے، فارٹی ڈیز، گیسٹ ہاؤس، کالی ٹوپی لال رومال، عبداللہ، برات، ڈاکٹر شیطان، گیمبلر ،شریمان ستیہ وادی، ریشمی



رومال، بغداد کی راتیں، چائنا ٹاؤن، نقلی نواب، ٹاور ہاؤس، کہیں پیار نہ ہو جائے، ملزم، اُستادوں کے استاد وغیرہ۔ اس اداکارہ کا تعلق حیدر آباد کے ایک راسخ العقیدہ مسلم گھرانے سے تھا۔ اور ان کی ابتدائی تعلیم و پرورش لندن میں اپنے نانا مشرف خان کے ہاں ہوئی تھی۔ جب ان کے نانا مشرف خان کی وفات ہوگئی تو وہ حیدر آباد اپنے والدین کے پاس آ گئیں۔ ان کے والد بیمار رہتے تھے اور گھر کی حالت اچھی نہ تھی لہٰذا راجکپور کے مشورے پر انہوں نے فلموں میں چھوٹے رول کرنے شروع کئے۔ شروع میں انہوں نے ۱۹۵۰ء میں بننے والی فلم ''داستان'' میں وینا کے بچپن کا رول ادا کیا۔ شکیلہ نے زیادہ فلموں میں کام نہیں کیا اور وہ لندن کے ایک مسلم تاجر سے شادی کر کے ہندوستان سے چلی گئیں۔ ان کی بہن نور مشہور مزاحیہ اداکار جانی واکر سے بیاہی ہوئی تھیں۔

شمشاد بیگم: معروف گلوکارہ شمشاد بیگم کی ولادت ۱۴/اپریل ۱۹۱۹ء کو امرتسر (پنجاب) میں ہوئی۔ اور وفات ۲۳/اپریل ۲۰۱۳ء کو ممبئی میں۔ انہیں یہ فخر حاصل ہے کہ وہ ہندوستانی فلموں کی اولین



پلے بیک سنگر میں سے ایک تھیں۔ انہوں نے ہندی، اردو، پنجابی، بنگالی، گجراتی، تمل، کئی زبانوں میں اپنے نغمے بھیرے اور کوئی چھ ہزار گیت گائے۔ انہوں نے نوشاد، ایس ڈی برمن، او پی نیر، سی رام چندر ایسے نامور موسیقاروں کے ساتھ کام کیا۔ ان کے کچھ گیت ہمیشہ یاد رہیں گے جیسے بوجھ میرا کیا نام رے، لے کے پہلا پہلا پیار (سی آئی ڈی) آنا میری جان سنڈے کی سنڈے (؟) اوا لگی لاگی (آن) کبھی آر کبھی پار (آر پار) کہیں پہ نگاہیں کہیں پہ نشانہ (سی آئی ڈی) ہولی آئی رے کنہائی (مدر انڈیا) دھرتی کے میرے لال (بابل) تیری محفل میں قسمت آزما کر (مغل اعظم) گجرا محبت والا (قسمت) میری نیندوں میں تم میرے خوابوں میں تم (نیا انداز) وغیرہ۔ ۱۹۳۲ء میں انہیں ایک وکیل لال ہو سے عشق ہو گیا اور خاندان کی مخالفت کے باوجود ۱۹۳۴ء میں انہوں نے ان سے شادی کر لی اور ممبئی میں منتقل ہو گئیں۔ جہاں ۱۹۵۵ میں ان کے شوہر کی وفات ہو گئی۔ اُن کی ایک بیٹی اوشا ہے جس کی شادی لیفٹیننٹ کرنل یوگیش راترا سے ہوئی تھی۔ شوہر کی موت کے بعد شمشاد بیگم اپنی بیٹی اور داماد کے ساتھ رہ رہی تھیں۔

شمی کپور: اداکار شمی کپور (۲۱/اکتوبر ۱۹۳۱ء بمبئی۔ ۱۴/اگست ۲۰۱۱ء ممبئی) پرتھوی راج کے تیسرے بیٹے تھے اور ان کا پورا نام شمشیر راج کپور تھا۔ رویا کالج مونگا میں کچھ مدت تعلیم پانے کے بعد انہوں نے اپنے والد کا پرتھوی تھیٹر جوائن کر لیا۔ پہلے پہل انہوں نے ۱۹۴۴ء میں پرتھوی تھیٹر کے ڈرامہ



"شگفتہ" میں رول ادا کیا۔ ۱۹۵۳ء میں ان کی فلموں کی شروعات ہوئی اور مذکورہ سال انہوں نے فلم جیون جیوتی اور گل بکاولی میں کام کیا جو کہ فلاپ ہو گئیں۔ آئندہ چار برسوں (۱۹۵۳۔۵۷) کے دوران انہوں نے ریل کا ڈبہ، لیلیٰ مجنوں، ذرا بچ کے، رنگین راتیں وغیرہ کئی فلموں میں کام کیا مگر ان کی کوئی بھی فلم کامیاب نہ ہوئی۔ مگر جب ۱۹۵۷ء میں ناصر حسین کی فلم "تم سا نہیں دیکھا" ریلیز ہوئی تو او پی نیر کی موسیقی سے مزین اس فلم کو بڑی کامیابی حاصل ہوئی اور وہ باغی اداکار کے روپ میں مشہور ہو گئے اور ۱۹۶۱ء میں "جنگلی" کی ریلیز کے بعد تو وہ ٹاپ اسٹار میں شمار ہونے لگے۔ ۱۹۵۵ء میں انہوں نے گیتا بالی سے شادی کی مگر ۱۹۶۵ء میں راجندر سنگھ بیدی کی فلم "رانو" (ایک چادر میلی سی) کی شوٹنگ کے دوران انہیں چیچک کی بیماری لاحق ہوئی اور ان کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد شمی نے نیلا دیوی سے شادی کی جس نے انہیں ایسا سہارا دیا کہ انہوں نے شراب اور سگریٹ تک ترک کر دئے۔ شمی نے بے شمار فلموں میں کام کیا جن میں شمع پروانہ، دل دے کے دیکھو، انتخاب، ٹھوکر، ہم سب چور ہیں، تانگے والا، بھگت سنگھ، جنگلی، بدتمیز، شالیمار، ضمیر، انداز، دیش پردیسی، پریم روگ، ودھاتا، ہیرو، آوارہ، ہیر رانجھا، تہلکہ، منورنجن، بندل باز، مرزا صاحباں، چار دل چار راہیں، اجالا، رات کے راہی، بسنت، کالج گرل، سنگاپور، پروفیسر، دل تیرا دیوانہ، واللہ کیا بات ہے، پیار کیا تو ڈرنا کیا، چائنا ٹاؤن، جانور، راجکمار، بلف ماسٹر، کشمیر کی کلی، پگلا کہیں کا، جلوت، جانے انجانے، برہمچاری، پرنس، پریت نہ جانے ریت، الاٹ صاحب، تم سے اچھا کون ہے، آپ کی قسم، جب بھی کرو، واہ کیا بات ہے، راک اسٹار وغیرہ شامل ہیں۔

۱۴ اگست ۲۰۱۱ء کی صبح ان کی ممبئی کے بیچ کینڈی ہسپتال میں کڈنی فیل ہو جانے سے وفات ہوئی۔



شنکر (جے کشن): موسیقار شنکر جے کشن کی جوڑی بٹوارے کے بعد ہندوستانی سنیما کے طلوع ہوئی اور تین دہوں تک ان کی موسیقی کی ملک بھر میں دھوم رہی۔ اس جوڑی کا اصل نام شنکر سنگھ رگھونشی اور جے کشن بھائی پنچال تھا۔ شنکر ۵ر اکتوبر ۱۹۲۲ء کو گلدروازہ، نرسنگھ پور (مدھیہ پردیش) میں پیدا ہوئے اور ۲۶ر اپریل ۱۹۸۷ء میں ان کی

لندن کے ایک ہسپتال میں وفات ہوگئی۔شنکر کچھ مدت مشہور موسیقار خورشید انور اور جوڑی حسن لال بھگت رام کے معاون کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔وہ پرتھوی تھیٹر میں بھی کام کرتے رہے۔انہیں سب سے پہلے راج کپور نے اپنی فلم ''برسات'' میں بطور موسیقار متعارف کرایا اور اس فلم کے گیت اتنے مقبول ہوئے کہ گھر گھر گونجنے لگے۔اور اس کے بعد ان کی فلموں آوارہ اور سنگم وغیرہ تمام فلموں میں انہوں نے ہی میوزک دیا۔انہوں نے لگ بھگ دو سو فلموں میں موسیقی دی اور انہیں بہترین موسیقی پر کوئی نو بار فلم فیئر ایوارڈ دیا گیا۔انہوں نے جن فلموں کی موسیقی دی ہے ان میں آوارہ، برسات، چوری چوری، آن، دل اپنا اور پریت پرائی، پروفیسر، سورج، برہمچاری، میرا نام جوکر، بے ایمان، یہودی، چھوٹی بہن، جس دیش میں گنگا بہتی ہے، دل ایک مندر، سنگم، آرزو، دیوانہ، چندا اور بجلی، انداز، ریشم کی ڈوری، سنیاسی، تیسری قسم، برہمچاری، بسنت بہار، آئی ملن کی بیلا، شطرنج، کل آج اور کل، آہ، میرا نام جوکر، جھک گیا آسمان، جب پیار کسی سے ہوتا ہے، آس کا پنچھی، میرے حضور، لال پتھر، راج کمار، جانور، کنیا دان، لو ان ٹوکیو، پیار ہی پیار، یہودی، سیما، رات اور دن، اصلی نقلی، ہریالی اور راستہ، کنیا دان، اپریل فول وغیرہ شامل ہیں۔

شوری، روپ کشور: پروڈیوسر ڈائرکٹر روپ کشور شوری ۲۸ رجنوری ۱۹۱۴ء کو کوئٹہ (بلوچستان) میں پیدا ہوئے۔کیمرہ مین کی حیثیت سے فلموں میں داخل ہوئے، پھر ایڈیٹر، لیبارٹری انچارج کی حیثیت سے کام کرتے کرتے پروڈیوسر اور ڈائرکٹر بن گئے۔



یہاں تک کہ لاہور میں اسٹڈیو قائم کرلیا۔اور متعدد فلموں کی ڈائرکشن، فلمسازی اور فوٹو گرافی کی۔بٹوارے کے بعد ۱۹۴۸ء میں ایک سال تک حکومت ہند کے فلمز ڈویژن سے منسلک رہے۔پھر بمبئی میں شوری فلمز کی شروعات کی اور فلمیں بنانے لگے۔انہوں نے منگتی، مجنوں ڈلا بھٹی، نشانی، چمن، کوئل، پنجابی فلموں کے علاوہ ایک تھی لڑکی، ایک دو تین، ٹارزن کی بیٹی، خونی جادوگر، ہمت، پارو، شالیمار، مکھڑا، آگ کا دریا، جلوہ، ڈھولک، مرزا صاحباں، اپلم چپلم، میں شادی کرنے چلا، عقلمند، اور ایک تھی ریٹا (۱۹۷۱ء) وغیرہ ہندی فلمیں بھی بنائیں۔۱۹۵۶ء میں انہوں نے پاکستان میں فلم ''مس ۱۹۵۶ء'' ڈائرکٹ کی جسے جے سی آنند نے پروڈیوس کیا تھا۔مشہور اداکارہ مینا سے شادی کی جو کامیاب نہ ہوئی۔مینا پاکستان چلی گئیں اور شوری صاحب اس غم کو برداشت نہ کر سکے اور ان کا ۱۹۷۳ء میں ممبئی میں انتقال ہوگیا۔



شیام: اداکار شیام چڈھا ایک خوبصورت ہیرو تھے جن کا "شبستان" کی شوٹنگ کے دوران گھوڑے سے گرنے سے ۲۵ اپریل ۱۹۵۱ء کو عین عالم شباب میں انتقال ہو گیا۔ ان کی ولادت فروری ۱۹۲۰ء میں بمقام سیالکوٹ (پنجاب، پاکستان) ہوئی۔ ان کا پورا نام سندر شیام چڈھا تھا۔ وہ سیالکوٹ کے رہنے والے تھے مگر ان کی زندگی کا زیادہ عرصہ راولپنڈی میں گزرا۔ انہوں نے گارڈن کالج راولپنڈی سے بی اے کیا۔ اور سب سے پہلے ایک پنجابی فلم "گوانڈھی" میں نمودار ہوئے جس میں ان کے ساتھ وینا اور منورما نے بھی کام کیا تھا۔ پھر بمبئی چلے گئے اور "من کی جیت" (۱۹۴۴ء) مجبور (۱۹۴۸ء)، دل لگی، بازار، چاندنی رات، مینا بازار، اور البیلا (۱۹۵۱ء) وغیرہ فلموں میں بطور ہیرو جلوہ گر ہوئے۔ "بازار" ان کی مقبول فلم تھی جس میں ان کے بالمقابل نگار سلطانہ نے ہیروئن کا رول کیا تھا۔ ان کی شادی ممتاز قریشی (تاجی) سے ہوئی تھی جو ان کی وفات کے بعد پاکستان چلی گئیں۔ ان کی بیٹی سائرہ کاظمی پاکستان ٹی وی کی مشہور آرٹسٹ ہیں۔

شیاما شیاما کا اصلی نام خورشید اختر ہے اور ان کی ولادت ۷ جون ۱۹۳۵ء کو لاہور میں ہوئی تھی۔ ہدایت کار وجے بھٹ نے انہیں شیاما کا نام دیا۔ ۱۹۵۳ء میں انہوں نے فالی مستری سے شادی کر لی۔ ان کی یادگار فلمیں ہیں آر پار، برسات کی رات اور ترانہ۔ ان کا بیٹا فرون مستری مشہور کیمرہ مین ہے اور لندن میں مقیم ہے۔ شروع میں وہ فلم "زینت" کی قوالی میں نمودار ہوئی تھیں۔ اس کے بعد ۱۹۴۹ء میں انہوں نے فلم "شاعر" میں کام کیا۔ انہوں نے لاتعداد فلموں میں کام کیا جن میں کی کچھ فلموں کے نام یہ ہیں: شبنم، روپ لیکھا، چٹکا، ناچ، نشانہ، ترانہ، سزا، شریمتی جی، سہاگ سندور، ٹھوکر، شیاما، آسمان، لالہ رخ، مسافر خانہ، خاندان، بھگوت مہما، بھائی بھائی، چھو منتر، نیلی،



...نیا، جان پہچان، دل ناداں، چار چاند، شرط، ساودھان، دروازہ، پہلی صاحب، مجبوری، شاردا، ماں باپ، مرزا صاحباں، جانی واکر، بھابھی، تقدیر، پنچایت، چندن، چھوٹی بہن، ملن، آگ، بیٹی، دل دیا درد لیا، جانور، اپنا گھر، برسات کی رات، شادی کے بعد، گومتی کے کنارے، پربھات، نیا دن نئی رات، سورج اور چندا، جیسل جھالا زی کا (۱۹۷۔) پائل کی جھنکار (۱۹۸۰ء) وغیرہ

شیام لال: اداکار شیام لال ۱۹۰۸ء میں بمقام لاہور (پاکستان) پیدا ہوئے اور کئی پنجابی اور ہندی

فلموں میں نمودار ہوئے۔ان کی پہلی فلم پگڈنڈی (پنجابی) تھی۔ان کی دیگر فلمیں ہیں نگینہ، ڈھولک، شکست، آسمان، بہار، ایک دو تین، حاتم طائی کی بیٹی، گوہر، ایک روز، عرب کا چور، اپنا خون، شاہی رقاصہ، نئی دہلی، میور پنکھ، ہار جیت، ظالم تیرا جواب نہیں، تو نہیں اور سہی، من موجی، ہاف ماسٹر، دس لاکھ، آئے دن بہار کے، گوری، ڈولی، ہیر رانجھا، بدنام رشتے، گوپی (۱۹۷۳ء) سنہرا سنسار (۱۹۷۵ء) وغیرہ۔

شیخ مختار: ہندوستانی فلموں کے لمبے تڑنگے اداکار شیخ مختار جنہیں پہلا اینٹی ہیرو کہا جاتا ہے اور جو شہنشاہوں ڈاکوؤں اور داداؤں کا رول کرنے کے سلسلے میں موزوں ترین اداکار تھے پشاور (صوبہ سرحد پاکستان) میں پیدا ہوئے اور فلموں کے شوق میں بھاگ کر بمبئی پہنچ گئے اور تگ و دو کے بعد انہیں فلموں میں چانس مل گیا۔



انہوں نے ۱۹۳۹ء میں 'ایک ہی راستہ' میں کام کیا اور اس کے بعد وہ متعدد فلموں میں جلوہ گر ہوئے جیسے شبنم، روٹی، انوکھا پیار، دو بھائی، انسان اور شیطان، سرحدی لٹیرا، سپائی ان گوا، ٹھاکر جرنیل سنگھ، سردار، شیرا ڈاکو، کریمنل، کہیں آر کہیں پار، گہرا راز، لبوان ہانگ کانگ، نادر شاہ، چنگیز خاں، ہلاکو، بابر، ایک رات، نور جہاں، رات اندھیری تھی، میرا دوست، ہم سب اُستاد ہیں، دنیا نہ مانے، بادبان، لال بنگلہ، انوکھا پیار، غنڈہ، بہن، دی بریڈ، ٹوٹے تارے، نئی زندگی، بھوک، گھائل، چار چاند، ڈاکو کی لڑکی، کیپٹن کشور، قیدی نمبر ۹۱۱، تیل مالش بوٹ پالش، جادو محل، راموداد، باغی حسینہ، اسمگلر، ان داتا، بے گناہ، استاد، منگو دادا، ہم سب چور ہیں وغیرہ۔انہوں نے آٹھ فلمیں پروڈیوس بھی کیں جن میں ''نور جہاں'' بھی تھی۔ اس فلم میں انہوں نے نور جہاں کے پہلے شوہر شیر افگن قلی خاں کا رول ادا کیا تھا۔ مذکورہ فلم فلاپ ہوئی اور انہیں شدید قلبی دورہ پڑا۔صحت یاب ہونے پر انہوں نے فلم کی تمام ریلیں اکٹھی کیں اور ایک دن خاموشی سے پاکستان چلے گئے جہاں ان کے فلم سپر ہٹ ہوگئی اور وہاں انہوں نے کروڑوں کمائے۔مگر اسی دوران انہیں پھر دل کا دورہ پڑا اور ۱۲ رمئی ۱۹۸۰ء کو کراچی میں ان کی وفات ہوئی۔

شیکھر: اداکار۔کئی فلموں میں ہیرو کا رول کیا۔ ۷ راکتوبر ۱۹۳۵ء میں دہرہ دون میں پیدا ہوئے۔آگرہ یونیورسٹی سے گریجوئشن کی۔دو سال تک آل انڈیا ریڈیو سے وابستہ رہے۔ پھر 'آنکھیں' میں ہیرو کا رول ادا کیا۔ان کی اہم فلمیں ہیں: ہماری بیٹی، بہورانی، سبز باغ، چمکی، بڑی بہو، ادا، دروازہ، چاندنی چوک، چنگاری، بندیا، شکار وغیرہ۔

شیکھر سمن: اداکار شیکھر سمن فلموں اور ٹی وی کے اداکار ہیں۔۔ان کی کچھ فلمیں ہیں: ربلزار

(۱۹۸۵ء) ناچے میوری، انوبھو (۱۹۸۶ء) سنسار (۱۹۸۷ء) تری دیو (۱۹۸۹ء) پروفیسر کی پڑوسن (۱۹۹۳ء) چور مچائے شور (۲۰۰۲ء)، ایک سے بڑھ کر ایک (۲۰۰۴ء)۔ وہ متعدد ٹی وی پروگراموں میں جلوہ گر ہو چکے ہیں جن میں "دیکھ بھائی دیکھ، ریپورٹر، کبھی ادھر کبھی ادھر، واہ جناب، چھوٹے بابو، امر پریم، آہ، ولاتی بابو، موورز اینڈ شیکرز، کیری آن شیکھر وغیرہ شامل ہیں علاوہ ازیں وہ کامیڈی سرکس میں جج بھی بنے۔ ۴ مئی ۱۹۸۴ء کو انہوں نے الکا کپور سے شادی کی جس سے ایک بیٹا ادھیائن ہے۔

شیکھر کپور: پروڈیوسر، ڈائرکٹر، ایکٹر شیکھر کپور ۶ دسمبر ۱۹۴۵ء کو لاہور (پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ ماڈرن اسکول نئی دہلی اور سینٹ اسٹیفن کالج میں اکنامکس کی تعلیم پائی۔ ان کے والد شو بزنس پسند نہیں کرتے تھے لہٰذا انہوں نے اپنا کیریئر ایک ملٹی نیشنل آئل کمپنی سے شروع کیا اور کئی برس لندن میں بحیثیت چارٹرڈ اکاؤنٹینٹ کام کرتے رہے۔ پھر فلموں کی جانب راغب ہوئے جہاں ان کے ماموں چیتن آنند، دیو آنند اور وجے آنند شہرت کی چوٹیوں پر تھے۔ بطور اداکار انہوں نے عشق عشق عشق (۱۹۷۴ء)، جان حاضر ہے (۱۹۷۵ء) ٹوٹے کھلونے، جینا یہاں، خنجر، بندیا چمکے گی، فقط، گواہی، درشٹی، نظر، ساتواں آسمان، وشوروپم، وشوروپم ۲ (۲۰۱۳ء) میں کام کیا۔ بہت سی فلمیں ڈائرکٹ کیں جن میں معصوم (۱۹۸۳ء)، مسٹر انڈیا (۱۹۸۷ء)، جوشیلے، ٹائم مشین، بینڈٹ کوئین، الزبیتھ، آئی لو نیو یارک، چینج تھری اسپلٹ فیل فرام ہیون، وغیرہ شامل ہیں۔ جلد ہی وہ فلم "پانی" بنانا چاہتے ہیں جس میں رتک روشن ہیرو ہوں گے اور آدتیہ چوپڑہ ڈائرکٹر۔

شیلا رامانی اداکارہ شیلا رامانی (مس شیلا نیول رامانی) ۲ اپریل ۱۹۳۱ء کو کراچی میں پیدا ہوئیں۔ بی اے تک تعلیم پائی اور مس شملہ منتخب ہوئیں۔ فلموں میں اہم اور لیڈنگ رول کئے۔ ان کی چند فلمیں ہیں بدنام، شرطیہ، ٹیکسی ڈرائیور، چمن، چوراہا، نوکری، سرنگ، جلتارا، فنٹوش، انجلی، منگو، مینار، ریلوے پلیٹ فارم، ابھیمان، جنگل کنگ (۱۹۵۹ء)، دی ریٹرن آف سپر

مین (۱۹۶۰ء) وغیرہ۔ انہوں نے اپنے چچا شیخ لطیف کی استدعا پر ۱۹۵۶ء میں پاکستانی فلم ''انوکھی'' میں بھی کام کیا تھا۔

صفدر آہ: پروڈیوسر، ڈائرکٹر، کہانی نویس، نغمہ نگار، سکرپٹ رائٹر، مکالمہ نویس صفدر آہ کا نام محمد صفدر تھا۔ وہ ۲۸ راگست ۱۹۰۵ء کو سیتاپور (اتر پردیش) میں پیدا ہوئے۔ منروا مووی ٹون سے وابستہ رہے۔ 'بھوک' کو پروڈیوس اور ڈائرکٹ کیا، اور 'ماں' کو ڈائرکٹ۔ پہلی فلم محبوب کی فلم 'علی بابا' تھی۔ متعدد فلموں جیسے شمع پروانہ، مہاتما کبیر، روٹی، عورت، عمر خیام، بھگت رائے داس، پہلی نظر، اا جواب ۱۸۵۷ء وغیرہ کے مکالمے رکہانی، اسکرپٹ وغیرہ لکھیں۔ انہوں نے کئی فلموں کے گانے لکھے جنہیں کے ایل سہگل، محمد رفیع، لتا منگیشکر، بیگم اختر، کمار سانو، اشرف خاں، کویتا کرشنا مورتی، ثریا وغیرہ نے گایا۔ ان کے کچھ گیت ہیں:...... آج چلی سسرال سکھی ری...... آج ہولی کھیلیں گے ساجن کے سنگ دل جلتا ہے تو جلنے دے...... گجرے والی نجریا ملائے جا...... آج تو جھومتی ہے ڈالی ڈالی وغیرہ۔

ضیا سرحدی: ہدائت کار، رائٹر ضیا سرحدی ۱۹۱۴ء میں پشاور صوبہ سرحد (حال خیبر پختون خواہ، پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ وہ ہندوستان کے قابل ہدائت کاروں میں شمار ہوتے تھے اور ان کی فلموں ''فٹ پاتھ (۱۹۵۱ء) اور ہم لوگ (۱۹۵۳ء) کو عوام کبھی نہیں بھول پائیں گے۔



فلموں کا شوق انہیں کلکتہ لے گیا اور ۱۹۳۳ء میں انہوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کلکتہ جوائن کر لی۔ پھر ایک سال بعد وہ بمبئی چلے گئے اور ساگر فلم کمپنی میں ملازم ہو گئے۔ ۱۹۳۶ء میں انہوں نے 'من موہن' کی کہانی لکھی اور ۱۹۳۷ء میں جاگیردار کے مکالمے۔ اس کے بعد انہوں نے گراموفون، ابھیلاشا، سیوا سماج، جیون ساتھی، بہن، انوکھی ادا، بیجو باورا، فٹ پاتھ، انوکھا پیار، دل کی دنیا اور سرحد وغیرہ کی کہانی رمکالمے لکھے۔ مدر انڈیا کی کہانی لکھنے میں بھی وہ بحیثیت مشیر شامل تھے۔ پاکستان بننے کے کچھ سال بعد وہ ہجرت کر کے پاکستان چلے گئے مگر وہاں انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور مارشل لاء کے دوران قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنی پڑیں۔ آخر ۲۷ رجنوری ۱۹۹۷ء کو ان کا کراچی میں انتقال ہو گیا۔

طلعت محمود: گلوکار راداکار شہنشاہ غزل طلعت محمود (۲۴ فروری ۱۹۲۴ء لکھنؤ۔ ۹ رمئی ۱۹۹۸ء ممبئی) نے موسیقی کی تعلیم میرس کالج کے پنڈت ایس آر سی بھٹ صاحب سے پائی اور ۱۹۳۹ء میں غزل گانے کا سلسلہ شروع کیا اور آل انڈیا ریڈیو سے میر، داغ اور جگر کی غزلیں گانے لگے۔ ان کی گائی

غزل'' تصویر تیری دل میرا بہلا نہ سکے گی'' ملک بھر میں مشہور ہوگئی۔طلعت ۱۹۴۵ء میں فلموں سے وابستہ ہوئے اور انہوں نے فلموں کے لئے گانے کے علاوہ کئی فلموں میں اداکاری بھی کی۔جیسے راج لکشمی (۱۹۴۵ء) تم اور میں، سماپتی، ڈاک بابو، وارث، رفتار، ایک گاؤں کی کہانی، دیوالی کی رات، لالہ رُخ، مالک سونے کی چڑیا، دائرہ وغیرہ۔اُن کے کچھ مقبول گیت ہیں۔ہم سے آیا نہ گیا (دیکھ کبیرا رویا ۱۹۵۷ء) جائیں تو جائیں کہاں (ٹیکسی ڈرائیور ۱۹۵۴ء) تصویر بناتا ہوں (برادری ۱۹۵۵ء) دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے (مرزا غالب ۱۹۵۴ء) آنسو سمجھ کے کیوں مجھے (چھایا۔۱۹۶۱ء) شامِ غم کی قسم (فٹ پاتھ (۱۹۵۳ء) جلتے ہیں جس کے لئے میری آنکھوں کے دیئے (سجاتا ۱۹۵۹ء) میری یاد میں تم نہ آنسو بہانا (مدہوش ۱۹۵۱ء) میں دل ہوں اک ارمان بھرا (ان ہونی ۱۹۵۲ء) وغیرہ۔

موسیقی میں اُن کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ۱۹۹۲ء میں انہیں پدم بھوشن عطا کیا گیا۔

عامر خاں: اداکار رہدائت کار رفلساز عامر خاں ۱۴ر مارچ ۱۹۶۵ء کو باندرہ کے ہولی فیملی ہسپتال میں پیدا ہوئے۔اُن کے والد طاہر حسین تھے اور چچا ہدائت کار رفلساز ناصر حسین۔پہلی بار انہوں نے چائلڈ آرٹسٹ کے طور پر ۱۹۷۳ء میں فلم ''یادوں کی بارات'' میں کام کیا۔اور بطور ہیرو اُن کی پہلی فلم ''قیامت سے قیامت تک'' تھی جو ۱۹۸۸ء میں بنی تھی اور جس میں ہیروئن جوہی چاولہ تھیں۔اس فلم کو زبردست کامیابی ملی اور عامر خان کو بطور ہیرو زبردست شہرت۔عامر خان ناصر حسین کا اسسٹنٹ رہنے کے علاوہ کیتن مہتہ کے بھی اسسٹنٹ رہے اور ہدائت کاری میں بھی مہارت حاصل کی جو مستقبل میں ان کے کام آئی۔ان کی ابتدائی فلموں میں لولو، اول نمبر اور دیوانہ مجھ سے نہیں، کچھ زیادہ کامیاب نہیں ہوئیں مگر ۱۹۹۱ء میں مہیش بھٹ کی فلم 'دل ہے کہ مانتا نہیں' اور منصور خان کی دوسری فلم 'جو جیتا وہی سکندر (۱۹۹۲ء) اچھی کامیاب ثابت ہوئیں۔'راکھ' میں انہوں نے ایک منفرد کردار ادا کر کے اپنے چاکلیٹی ہیرو کی شناخت ختم کردی۔رنگیلا، راجہ ہندوستانی، غلام اور، عشق عامر خاں کو سپر ہٹ فلمیں ثابت ہوئیں۔پھر رنگ دے بسنتی چولا، منگل پانڈے اور تھری ایڈیٹ نے انہیں مزید کامیابی سے ہمکنار کیا۔

عامر نے دو شادیاں کیں پہلی رینا دت (۲۰۰۲ء-۱۹۸۶ء) سے جس سے دو بچے ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہیں۔اسے طلاق دے کر بعدازاں ۲۰۰۶ء میں انہوں نے دوسری شادی خاتون صحافی کرن راوَ سے کی جس سے ایک بیٹا ہے۔حکومتِ ہند نے ۲۰۱۰ء میں انہیں پدم بھوشن عطا کیا۔ٹائمز میگزین نے انہیں دنیا کے ایک سو بارسوخ اشخاص میں شمار کیا ہے۔

اُن کی نجی کمپنی عامر خان پروڈکشن نے ۲۰۰۱ء میں فلم لگان بنائی جو بڑی کامیاب ثابت ہوئی اور جسے متعدد ایوارڈس سے نوازا گیا۔۲۰۰۷ء میں انہوں نے ''تارے زمین پر'' پروڈیوس کی جو سپر ہٹ ثابت ہوئی اور جسے اپنے منفرد موضوع کی وجہ بے حد پسند کیا گیا۔۲۰۱۱ء میں انہوں نے فلم'' دھوبی گھاٹ'' پیش کی جسے ان کی بیوی ''کرن راوَ'' نے ڈائرکٹ کیا تھا۔''تلاش'' بھی عامر خان پروڈکشن کی فلم تھی جس نے زبردست بزنس کیا۔

عذرا میر: ڈائرکٹر عذرا میر نے سینٹ زیویئر میں تعلیم پائی۔سینئر کیمبرج پاس کرنے کے بعد تھیٹریکل کمپنی جوائن کی۔نور جہاں ڈرامے میں انہوں نے خسرو کا رول کیا۔۱۹۲۳ء میں سینماٹوگرافی سیکھنے کے لئے بمبئی گئے اور یونیورسل اسٹڈیو میں فلم ایڈیٹر کے طور پر کام کرتے رہے۔اور بھی کئی اداروں سے وابستہ رہے۔ پھر بیرون ملک مزید تربیت کے لئے گئے اور ۱۹۳۱ء میں واپس بمبئی آ ئے۔اور ڈاکومنٹری اور فیچر فلمیں بنانے لگے۔فلم پاپوش انہوں نے ہندی اور انگریزی میں بنائی۔

عرفان خان: اداکار عرفان خان کا شمار اس دور کے اُن کیرکٹر ایکٹرا داکاروں میں ہوتا ہے جو ہر طرح کا رول بخوبی نبھا سکتے ہیں۔وہ ۷رجنوری ۱۹۶۷ء کو جے پور (راجستھان) میں پیدا ہوئے۔ جے پور میں تعلیم پانے کے بعد انہوں نے نیشنل اسکول آف ڈرامہ نئی دہلی سے اداکاری کا ڈپلومہ حاصل کیا۔ بعدازاں فلموں میں کام کرنے کی غرض سے ممبئی چلے گئے۔وہاں انہوں نے ''چندرکانتا''، ''چانکیہ'' اور ''بیسٹ سیلر'' ٹی وی سیریلز میں کام کیا۔اس کے ساتھ ہی وہ کچھ آرٹ فلموں جیسے، کملا کی موت، پردھا اور ایک ڈاکٹر کی موت میں نمودار ہوئے۔اس دوران ایک غیر ملکی سیریل ''دی واریئر'' میں مرکزی کردار ادا کرنے کا موقع ملا تو بالی وڈ میں ان کے نام کی دھوم مچ گئی۔اُن کی فلم' حاصل' کا بڑا شہرہ ہوا اور اس کے بعد انہوں نے کئی فلموں میں کام کیا۔ جہاں وہ ''مقبول'' اور ''بار بر'' ایسی فلموں کے ہیرو تھے وہیں انہوں نے نیم سیک، کریزی ۴، آج نچ لے، بڑا دن، کالی شلوار، گناہ، دھند، فٹ پاتھ،



چرس، آن، روگ، چہرہ، ساڑھے سات پھیرے، بڑا دن، گھات، چاکلیٹ، اپنا آسمان، بمبئی میری جان، نیویارک، ایسڈ فیکٹری، اے مائی ہارڈ، دل کبڈی، سنڈے وغیرہ میں مختلف طرح کے کردار ادا کئے۔ دی واریئر کے بعد ہالی وڈ میں انہیں فلم 'انڈین سمر' میں جواہر لال نہرو کے رول کے علاوہ آسکر ایوارڈ فلم 'سلم ڈاگ ملینئر'' میں پولیس انسپکٹر کا کردار ملا۔ ان کی کردار نگاری کا اندازہ ان کی فلم ''رائٹ یا رانگ'' سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ کتنے کامیاب اداکار ہیں۔

عصمت چغتائی: پروڈیوسر/کہانی نویس/اسکرپٹ رائٹر/مکالمہ نویس عصمت چغتائی ۱۵/ اگست ۱۹۱۵ء کو بدایوں (اُتر پردیش) میں پیدا ہوئیں مگر ان کا زیادہ عرصہ جے پور میں گزرا جہاں اُن کے



والد سول سرونٹ تھے۔ عصمت نے علی گڑھ یونیورسٹی سے گریجویشن کیا اور پھر بی ایڈ کی ڈگری لینے کے بعد درس و تدریس کے پیشے سے وابستہ ہوگئیں۔ ہدائت کار شاہد لطیف سے شادی ہوئی اور بمبئی منتقل ہوگئیں۔ اسکرپٹ رائٹر کی حیثیت سے شکایت، ضدی (۱۹۴۸ء) آرزو (۱۹۵۰ء) بزدل وغیرہ ان کے زورِ قلم کا نتیجہ تھیں۔ اور دروازہ سوسائٹی وغیرہ کی وہ رائٹر اور پروڈیوسر تھیں۔ 'جنون' کی رائٹر اور اداکارہ تھیں۔ ۱۹۶۷ء میں اُن کے شوہر شاہد لطیف کی وفات ہوگئی۔ ۱۹۷۵ء میں انہیں ''گرم ہوا'' پر بہترین کہانی کا فلم فیئر ایوارڈ ملا (بہ اشتراک کیفی اعظمی)۔ ۱۹۷۴ء میں ادبی خدمات پر غالب ایوارڈ اور ۱۹۹۰ء میں اقبال سمان عطا کیا گیا۔

۲۴/ اکتوبر ۱۹۹۱ء کو ممبئی میں ان کا انتقال ہوگیا اور انہیں چندن واڑی کے شمشان گھاٹ پر نذرِ آتش کیا گیا۔ اُن کے پسماندگان میں اُن کی دو بیٹیاں ہیں۔



غلام حیدر: موسیقار ماسٹر غلام حیدر نے فلموں کی موسیقی کو ایک نئی جہت سے متعارف کرایا تھا اور اسے بنگالی اسلوب کے بجائے کلاسیکل موسیقی اور پنجابی لوک دھنوں کے امتزاج سے ایک نئی موسیقی سے روشناس کرایا تھا۔ اُن کی ولادت ۱۹۰۸ء میں حیدرآباد سندھ میں ہوئی تھی۔ وہ ابتدا میں ایک ناٹک کمپنی میں ہارمونیم بجایا کرتے تھے، اسی لئے ان کے نام کے ساتھ ماسٹر چپک کر رہ گیا تا کہ جب انہیں خاں صاحب کا

خطاب دینے کی بات ہوئی تو انہوں نے خان صاحب کی بجائے ماسٹر غلام حیدر ہی کہلانے کو ترجیح دی۔ان کی پہلی فلم خزانچی کے گیتوں نے پشاور سے لے کر رنگون تک تہلکہ مچادیا اور سب کی زبان پر اس فلم کے گیت تھے جو شمشاد بیگم کے گائے ہوئے تھے۔انہوں نے شمشاد کے علاوہ نور جہاں، ایس ڈی باتش، نسیم اختر اور زینت بیگم کو بھی فلموں سے متعارف کرایا۔

انہوں نے انٹرمیڈیٹ تک تعلیم پانے کے بعد کالج جوائن کیا مگر موسیقی کے شوق میں کالج چھوڑ کر موسیقی کی جانب راغب ہوئے۔انہوں نے بابو گنیش لال جی سے موسیقی کی تربیت پائی۔وہ کلکتہ میں بطور ہارمونیم ماسٹر الفریڈ تھیٹریکل کمپنی اور الیگزنڈر تھیٹریکل کمپنی میں کام کرتے رہے۔پھر وہ فلموں سے وابستہ ہوگئے۔۱۹۳۲ء میں انہوں نے ''تھیف آف عراق'' فلم کی موسیقی ترتیب دی اور پھر آئندہ برس مجنوں اور سورگ کی سیڑھی کی۔انہوں نے گل بکاولی، یملا جٹ، خزانچی، چودھری، زمیندار، خاندان، پونجی، بھائی، چل چل رے نوجوان، پھول، ہمایوں، بیرم خاں، جگ بیتی، مہندی، بُت تراش، منجھدھار، پت جھڑ، برسات کی ایک رات، شمع، شہید، پدمنی، مجبور، کنیز، تتلی، دو سوداگر، بیقرار، آبشار اور گلنار کی موسیقی ترتیب دی اور ان کے نغمے آج بھی لوگ نہیں بھولے۔ جیسے......تو کون سی بدلی میں میرے چاند ہے آجا......ساون کے نظارے ہیں......اب تو نہیں دنیا میں کہیں اپنا ٹھکانہ......دل میرا توڑا ہائے کہیں کا نہ چھوڑا تیرے پیار نے......لوگ مجھ کو خوش سمجھتے ہیں مگر میں غم میں ہوں،......دنیا میں غریبوں کو آرام نہیں ملتا......اک تیرا سہارا......

ملک کے بٹوارے کے بعد وہ پاکستان چلے گئے جہاں انہوں نے ''گلنار'' کی موسیقی ترتیب دی مگر پاکستان میں وہ کچھ برس ہی زندہ رہے اور ۹ نومبر ۱۹۵۳ء کو ان کا لاہور میں انتقال ہو گیا۔

غلام محمد: موسیقار غلام محمد نبی بخش ۱۹۰۳ء میں نال (بیکانیر، راجستھان) میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد نبی بخش اچھے طبلہ ماسٹر تھے۔انہوں نے اپنا کیریئر بطور اداکار شروع کیا لیکن بعد میں



سروج موویٹون میں طبلہ اور ڈھولک بجانے لگے۔۱۹۴۰ء میں موسیقار نوشاد کے تحت کام شروع کیا اور ۱۹۴۶ء میں انہوں نے آزادانہ طور پر ''میرا گیت'' کی موسیقی ترتیب دی۔مرزا غالب (۱۹۵۴ء) شمع (۱۹۶۱ء) اور پاکیزہ (۱۹۷۲ء) ایسی فلموں کی یادگار موسیقی مرتب کر کے انہوں نے بڑا نام کمایا۔انہوں نے متعدد فلموں کی موسیقی مرتب کی جن میں ڈولی، گرہستی، کاجل، پارس، پرائی آگ، رشید دلہن، پگڑی، دل کی بستی، شاعر، پردیس،

ہنستے آنسو، ارادہ، بکھرے موتی، مانگ، امبر، گزارہ، مرزا غالب، حور عرب، کندن، ستارہ، نازنین، عجیب لڑکی، شیشہ، گوہر، ہزار راتیں، لیلیٰ مجنوں، ریل کا ڈبہ، مالک، بانکا سپاہی، میرا خواب، پاکدامن، دوغنڈے، شمع، پاکیزہ وغیرہ شامل ہیں۔

سہراب مودی کی فلم ''میرزا غالب'' کی موسیقی پر انہیں بہترین موسیقار کا نیشنل ایوارڈ ملا۔

۱۷ مارچ ۱۹۶۸ء کو ممبئی میں ان کا انتقال ہو گیا۔

فاروق شیخ. فاروق شیخ کو اس دور میں لیش چوپڑہ نے اپنی رومانی فلم ''نوری'' میں پونم ڈھلوں کے مقابل بطور ہیرو پیش کیا، جب مار دھاڑ اور پر تشدد فلموں کا زور تھا۔ اس کے بعد فاروق شیخ کو گرم ہوا، گمن، شطرنج کا کھلاڑی، بازار، چشم بد دور اور ساتھ ساتھ ایسی فلموں میں اپنی صلاحیتی جوہر دکھانے کا موقع ملا اور وہ متوازی سنیما کے ایک کامیاب اداکار کی حیثیت سے ابھرے۔ انہوں نے ٹی وی سیریل میں بھی کام کیا۔ بھگوتی چرن ورما کے ناول ''آخری داؤ''



پر بنے سیریل میں انہوں نے ایک یادگار رول ادا کیا۔

فاروق شیخ کی پیدائش ۲۵ مارچ ۱۹۴۸ء کو امرولی میں ہوئی تھی۔

فالی مستری: کیمرہ مین، پروڈیوسر، ڈائرکٹر فالی مستری ۲ فروری ۱۹۱۷ء کو ممبئی میں پیدا ہوئے۔ بحیثیت کیمرہ مین ان کی پہلی فلم ''ماتا'' تھی اور بطور ڈائرکٹر ''جان پہچان''۔ اس کے علاوہ انہوں نے ۱۰۱، ارمان فلمیں ڈائرکٹ کیں۔ اور جان پہچان، تاج، اور چندن کو پروڈیوس۔ گائیڈ اور فقیرا (۱۹۷۶ء) پر انہیں بہترین کیمرہ مین کا فلم فیئر ایوارڈ ملا۔ بطور کیمرہ مین انہوں نے ماتا، امرپالی، میلہ، بابل، ناگن، تاج، ایک مسافر ایک حسینہ، پریم پجاری، ہرے راما ہرے کرشنا، ہیر رانجھا، نیل مل پنچھی، ہمسایہ، جوشیلا، جان من، فقیرا، ڈارلنگ ڈارلنگ، مسٹر نٹور لال، دو پریمی، عشق عشق عشق، دیس پردیس، وغیرہ کی کیمرہ مینی کی۔

۱۹۷۹ء میں ان کی ممبئی میں وفات ہوئی۔

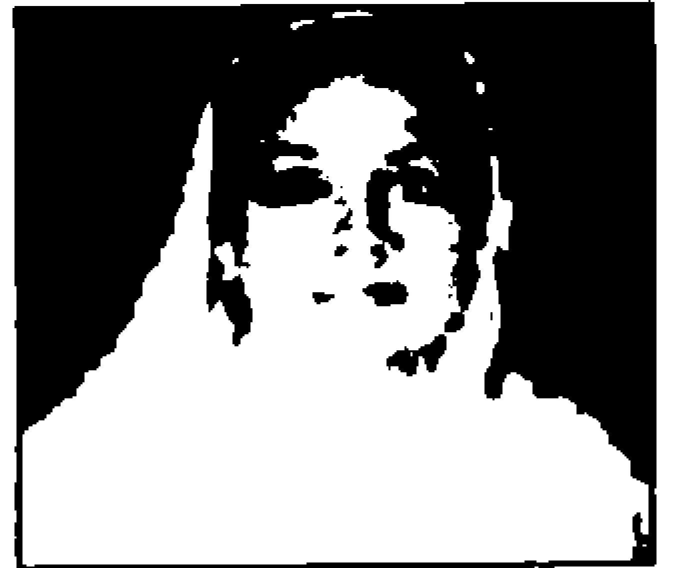
فاضلی: پروڈیوسر، ڈائرکٹر، کہانی نویس، مکالمہ نویس، سید فضل حسنین فاضلی کی ولادت ۱۲ جنوری ۱۹۱۱ء کو الہ آباد میں ہوئی۔ ان کی فلمیں ہیں قیدی، دس از لائف، معصوم، چورنگی۔ فیشن، عصمت، دل، دنیا، خوبصورت، کانچ، وغیرہ۔

فاطمہ: معروف اداکارہ فاطمہ بیگم ۱۸۹۲ء میں پیدا ہوئیں اور ۱۹۸۳ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔ یہ



خاموش زمانے کی معروف اداکارہ رہدائت کار تھیں جنہوں نے ۱۹۲۶ء میں پہلی خاموش فلم ''بلبلِ پرستان'' ڈائرکٹ کی تھی۔ پہلی خاموش فلم کی ہدائت کارہ کے علاوہ انہیں پہلی سپر اسٹار زبیدہ (اور شہزادی) کی والدہ ہونے کا فخر بھی حاصل ہے جنہوں نے پہلی متکلم فلم میں ہیروئن کا رول ادا کیا تھا۔ انہوں نے اپنا کیریئر اسٹیج پر اداکاری سے کیا اور پھر ۱۹۲۲ء میں اردشیر ایرانی کی فلم 'ویر ابھمنیو' میں نمودار ہوئیں۔ ۱۹۲۶ء میں انہوں نے فاطمہ فلمز کی بنیاد رکھی جو بعد ازاں ۱۹۲۸ء میں وکٹوریہ فلمز میں تبدیل ہوگئی۔ وہ کوہ نور اسٹوڈیو اور امپیریل اسٹوڈیو کی فلموں میں کام کرتی رہیں اور ساتھ ہی 'فاطمہ فلمز' کی فلموں میں اداکاری کرنے کے علاوہ اس کے لئے فلمیں لکھتی اور پروڈیوس، رڈائرکٹ کرتی رہیں۔ جن فلموں میں انہوں نے اداکاری کی، اُن میں ویر ابھمنیو کے علاوہ ستی، پرتھوی ولبھ، کالا ناگ، گل بکاولی، ممبئی نی موہنی وغیرہ شامل ہیں۔ ان کی ڈائرکٹ کردہ فلمیں ہیں: بلبل پرستان، گاڈس آف لو، ہیر رانجھا، چندراولی، شکنتلا، گاڈس آف لک، ملین ڈالر، کا تارا وغیرہ۔

فریدہ جلال : اداکارہ، ولادت: ۱۴ مارچ ۱۹۴۹ء، دہلی۔ ۱۹۶۰ء سے فلموں سے اور بعد ازاں ٹیلی ویژن سے وابستہ ہوئیں۔ یونائٹڈ فلم پروڈیوسرس کے لئے فلم فیئر کے لئے نئے چہرے کی تلاش میں منتخب ہوئیں۔ نانی ماں، بہن، گرل فرینڈ کے کردار نبھائے۔ بوبی میں ان کا کردار بہت پسند کیا گیا۔ اور 'آرادھنا' میں انہوں نے راجیش کھنہ کی گرل فرینڈ کا رول نبھایا اور ان پر مشہور گانا ''باغوں میں بہار ہے'' فلمایا گیا۔ اُن کی فلموں میں راجہ ہندوستانی، چھپتے چھپتے



ہوتا ہے، دل تو پاگل ہے، کہو نا پیار ہے، کبھی خوشی کبھی غم، دل والے دلہنیا لے جائیں گے، سانحیں، جب پیار کسی سے ہوتا ہے، دل کیا کرے، ہندوستان کی قسم، خوبصورت، پکار، فرشتہ، زبیدہ، چوری چوری، چپکے چپکے، لجا، پیار دیوانہ ہوتا ہے، دیوانگی، پنجرہ، برسات، بگ برودر، آشائیں، چار دن کی چاندنی، اسٹوڈنٹ آف دی ائیر وغیرہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ وہ پنجابی فلم 'یاریاں' میں بھی خصوصی طور پر نمودار ہوئیں اور معروف ٹی وی سیریل 'بالیکا ودھو' میں بھی انہوں نے اداکاری کے جوہر دکھائے۔

فیروز خان : اداکار، ہیرو، ہدائت کار، پروڈیوسر۔ ۲۵ ستمبر ۱۹۳۹ء کو بنگلور میں صادق علی خاں کے ہاں پیدا ہوئے۔ جن کا تعلق افغانستان سے تھا۔ ان کی والدہ ناظمہ ایران سے تعلق رکھتی تھیں۔ وہ چار



بھائیوں اور دو بہنوں میں سب سے بڑے تھے۔ سینئر کیمبرج کرنے کے بعد ممبئی آ گئے اور تین سو روپے ماہوار پر بطور معاون واڈیا اینڈ برادرس فلم پروڈکشن ہاؤس میں کام کرنے لگے۔ راجو ماسٹر میں پہلی بار جلوہ گر ہوئے جسے ۱۹۶۲ میں 'راجو پورٹز' کے نام سے پیش کیا گیا جس میں ہیروئن چترا تھیں اور ہدایت کار دوار کا کھوسلہ۔ اس سے پیشتر ۱۹۵۷ تا ۱۹۶۲ زمانہ، دیدی، رات اور دن، گھر کی لاج، اور میں شادی کرنے چلا، میں چھوٹے چھوٹے رول کئے۔ انہوں نے پچاس سے زائد فلموں میں اداکاری کے جوہر دکھائے اور ان کی اہم فلموں میں چار درویش، ایک پہیلی ایک لئیرا، سو سال بعد، میں وہی ہوں، تیسرا کون، تصویر، آ ک بی آئی ڈی ۹۰۹، وہ کوئی اور ہوگا، آدمی اور انسان، اپاسنا، ایرادھ، ناگن، عورت، رات اندھیری تھی، پیاسی شام، سفر، ایک پہیلی، آ جا صنم، قربانی، شنکر شمبھو، گیتا میرا نام، شرافت چھوڑ دی میں نے، چنوتی، میت میرے من کے، جانباز، کالا سونا، کچے ہیرے، دو وقت کی روٹی، کشمکش، انجام، قبیلہ، خون پانی وغیرہ شامل ہیں۔ ۲۷/ اپریل ۲۰۰۹ کو بنگلور میں ان کی وفات ہوئی۔

قادر خان: ایکٹر، کامیڈین، مکالمہ نویس، پیدائش ۲۲/ اکتوبر ۱۹۳۵، پشین (بلوچستان، پاکستان) میں ہوئی۔ اسمٰعیل یوسف کالج (ممبئی یونیورسٹی) سے گریجویشن کی۔ قادر خان مکالمہ نویسی کے فن میں



بڑی شہرت رکھتے ہیں اور کمال امروہوی، ابرار علوی، اختر الایمان وجاہت مرزا اور سلیم اختر کی جوڑی کے بعد اس فن میں انہوں نے بڑا نام کمایا ہے اور فلم بین طبقے میں بڑی مقبولیت حاصل کی۔ پہلے پہل انہوں نے راجندر سنگھ بیدی کے بیٹے نریندر بیدی کی فلم 'جوانی دیوانی' کے مکالمے لکھے۔ فلم تو ناکام ہوئی مگر قادر خان کے مکالمے چل نکلے، پھر انہوں نے 'روٹی' کے لئے اور بعد ازاں 'امر اکبر انتھونی' کے مکالمے لکھے اور بے حد پسند کئے گئے۔ انہوں نے پرورش، نصیب، دیش پریم، مرد، ہیرا پھیری، خون پسینہ، نمک حلال، شرابی اور مقدر کا سکندر، کھلم کھلا پیار کریں گے وغیرہ کے بھی مکالمے لکھے۔ قادر خان ایک اچھے مکالمہ نویس ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھے کامیڈین بھی ہیں اور لاتعداد فلموں میں اپنی اداکاری کے جوہر دکھا چکے ہیں جن میں دیوانہ، میں دیوانہ، ڈونٹ وری، جہاں جائیے گا ہمیں پائیے گا، عمر، جگیا سا، کھلم کھلا پیار کریں گے، کوئی

میرے دل میں ہے، دھڑکنیں، مجھ سے شادی کروگی؟ چلو عشق لڑائیں، آنکھوں سے گولی مارے، بستی، پروانہ، صرف تم، آ اب لوٹ چلیں، دولہے راجہ، گھر والی باہر والی، ہلچل، وِیرے، دیا اور طوفان، ساجن چلے سسرال، چھوٹے سرکار، صنم، شپتھ، دادا گیری، بھائی، بھوت بنگلہ، بھائی، ہیرو نمبر ۱، ایک پھول تین کانٹے، دیوانہ مستانہ، بدھائی ہو بدھائی، لکی، نو ٹائم فار لو۔ وغیرہ۔

کاردار اے آر: ڈائرکٹر، پروڈیوسر اور کاردار اسٹڈیو کے مالک عبدالرشید کاردار کی ولادت اکتوبر ۱۹۰۴ء میں بمقام لاہور (پاکستان) ہوئی۔ انہوں نے اپنا کیرئیر خطاطی اور فلموں کے پوسٹر بنانے سے شروع کیا۔ بعدازاں انہوں نے جی کے مہتہ کی فلم "ڈاٹرز آف ٹوڈے" میں معاون ڈائرکٹر کی حیثیت سے کام کیا اور ساتھ ہی اس فلم میں اداکاری بھی کی۔ نیز کاردار کے دوست محمد اسمٰعیل نے بھی اس فلم میں بطور ایکٹر کام کیا۔ کاردار نے بہت سی فلمیں پروڈیوس اور ڈائرکٹ کیں۔ بطور پروڈیوسر انہوں نے جیون جیوتی، چاچا چودھری، بارات وغیرہ پیش کیں۔ انہوں نے چالیس کے قریب فلمیں ڈائرکٹ کیں، جن میں حسن کا ڈاکو (۱۹۲۹ء) فریبی شہزادہ، صفدر جنگ، (۱۹۳۰ء) بھٹکتا جوبن، فریبی ڈاکو، خونی کٹار (۱۹۳۱ء) ہیر رانجھا، عورت کا پیار، چندر گپت، سلطانہ، مندر، ہولی، پاگل، پوجا، شاردا، پہلے آپ، سنیاسی، سنجوگ، شاہجہاں، درد، دل لگی، دلاری، دیوانہ، داستان، جادو، یاسمین، باپ رے باپ، ٹھوکر، باغی سپاہی، باغبان، چندر گپت، ملاپ، نئی دنیا وغیرہ شامل ہیں۔ انہوں نے مشہور اداکارہ سردار اختر کی بہن بہار اختر سے شادی کی تھی۔ ۱۹۸۹ء میں کاردار کا انتقال ہوگیا۔



کامنی کوشل : ہیروئن/اداکارہ۔ تقسیم وطن کے بعد ابھرنے والی معروف اداکارہ کامنی کوشل کا اصلی نام اوما کشیپ ہے اور ان کی پیدائش ۲۶ جنوری ۱۹۲۷ء کو لاہور کے ایک تعلیم یافتہ گھرانے میں ہوئی۔ ان کے والد پنجاب یونیورسٹی لاہور میں باٹنی کے پروفیسر تھے اور کامنی کوشل نے انگریزی ادب میں بی اے کیا تھا۔ ایک دن ریڈیو اسٹیشن پر ان کی ملاقات چیتن آنند سے ہوگئی اور انہوں نے انہیں 'نیچا نگر' میں کام کرنے کی پیشکش کردی۔ اور نام رکھ دیا کامنی کوشل۔ اسی دوران ان کی بڑی بہن دو ننھی بچیاں چھوڑ کر وفات پا گئیں لہٰذا گھر



والوں نے ان کی شادی ان کے بہنوئی سبھاش سود سے کردی اور وہ اوما سود بن گئیں۔"ندیا کے پار" کے بعد ان کی دلیپ کمار کے ساتھ فلم "شہید" آئی اور پھر شبنم اور آرزو۔ اور ساتھ ہی ان کے اور دلیپ کمار کے عشق کے چرچے بھی ہونے لگے۔ خود دلیپ کمار نے بھی اپنی خودنوشت میں انہیں اپنا پہلا پیار تسلیم کیا ہے۔ ۱۹۵۵ میں 'براتی بہو' میں بہترین اداکاری پر انہیں فلم فیئر ایوارڈ عطا کیا گیا۔ دو دہے تک فلموں میں ہیروئن کا رول ادا کرنے کے بعد ۱۹۶۰ء کے بعد وہ ماں کا کردار کرنے لگیں۔ اور اب تک فلموں میں کام کر رہی ہیں۔ ۱۹۸۰ء میں انگریزی فلم "جیول ان دی کراؤن" میں اپنی اداکاری کے جوہر دکھائے۔ ان کی اہم فلمیں ہیں: نیل یاترا، دو بھائی (۱۹۴۷ء) آگ، ضدی، شہید، ندیا کے پار، پگڑی (۱۹۴۸ء) شبنم، راکھی، نمونہ، پارس، شہنشاہ، رتن، آرزو، براتی بہو، سنگم، رادھا کرشن، آبرو، بڑا بھائی، بڑے سرکار، گریٹ شو آف انڈیا، اُپکار، دو راستے، یقین، یادگار، پورب اور پچھم، عشق پر زور نہیں، ہیر رانجھا، دھرتی، اُپہار، شور، ہار جیت، ان ہونی، ایک مٹھی آسمان، روٹی کپڑا اور مکان، پریم نگر، دو جھوٹ، قید، اپنے رنگ ہزار، دل اور دیوار، آہوتی، نیلے پہ دہلا، مہاچور، بھنور، چاندی سونا، سورگ نرک، ہیرالال پنالال، آہوتی، انسانیت، جیو، دل جو پیار کرے گا، چوری چوری، ہوا میں، لاگا چنری میں داغ (۲۰۰۷ء) وغیرہ۔



کانن بالا: بنگلہ اور ہندی کی مشہور اداکارہ اور سنگر کانن بالا (۱۲ اپریل ۱۹۱۶ء ہوڑہ - ۱۷ جولائی ۱۹۹۲ء کولکاتا) کی مسحور کن سریلی آواز سے متاثر ہو کر گرو دیو رابندر ناتھ ٹیگور نے ان کا نام بدل کر کانن دیوی کر دیا تھا۔ انہوں نے ۱۹۲۶ء میں جیوتش بندوپادھیائے کی فلم "جے دیو" میں رادھا کا چھوٹا سا رول کیا تھا جس کے لئے انہیں معاوضہ پچیس روپے طے ہونے کے باوجود صرف پانچ روپے ملا تھا۔ پھر وہ زمانہ بھی آیا جب ۱۹۳۶ء میں نیو تھیٹر نے انہیں ۱۳۶ روپے ماہوار پر ملازم رکھ لیا اور "ودیا پتی" فلم میں بطور ہیروئن پیش کیا جو بنگلہ اور ہندی دونوں زبانوں میں بنی تھی۔ بعد ازاں انہوں نے متعدد ہندی فلموں میں کام کیا۔ جیسے: جوانی کی ریت، کرشن لیلا، لگن، چار درویش، ماں، ہری بھگتی، ودیا پتی، جواب، ملتی، ساتھی، اسٹریٹ سنگر، ہیرا، جوانی کی رات، ہار جیت، پریچے، چندر شیکھر، فیصلہ، آشا وغیرہ۔ دسمبر ۱۹۴۰ء میں انہوں نے اشوک میترا سے شادی کی جو برہمو سماج کی معروف سماجی شخصیت کے فرزند ارجمند تھے۔ مگر بنگلہ سماج نے اس شادی کو پسند نہ کیا اور اس پر اعتراض کئے جس کے نتیجے میں کانن دیوی نے ۱۹۴۵ میں بہ عالم مجبوری طلاق کے لئے درخواست دیدی۔ مگر طلاق کے باوجود اس نے اپنے

سسرال والوں سے تعلقات بنائے رکھے اور ساتھ ہی اشوک میترا کا احسان بھی مانا کہ انہوں نے سماج میں انہیں ایک اعلیٰ اسٹیٹس دیا تھا۔ بعد ازاں انہوں نے ہری داس بھٹاچاریہ (۱۹۹۲ء-۱۹۴۹ء) سے شادی کرلی۔

۱۷ر جولائی ۱۹۹۲ء کو ان کی کولکاتا میں وفات ہوگئی۔

کاوش سی ایل: رائٹر رمکالمہ نویس اسکرین رائٹر چونی لال کاوش ۱۵ر جون ۱۹۱۹ء کو پشاور (خیبر پختون خواہ، پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۵ء میں فلمی دنیا میں وارد ہوئے۔ جھوٹی قسمیں، ایک عورت، لاٹری، نئی بھابھی، کمل کے پھول، مرلی والا، بھولا شنکر، بادل، نرموہی، آغوش، لسیر، ہمدرد، پوجا، ہمدرد، باغی سپاہی، ۲۶ جنوری، دیوتا، میری صورت تیری آنکھیں، کھیل محبت کا، ہم تیرے عاشق ہیں، آنچل کے پھول، پالکی، سپنوں کا سوداگر، یوانہ، تاج وغیرہ ان کی تحریری کاوشیں ہیں۔ بادل اور جلتے بدن میں انہوں نے اداکاری بھی کی۔

کجن: اداکارہ مس کجن رکجن بائی کا اصلی نام جہان آرا تھا۔ اُن کی پیدائش پٹنہ (بہار) میں ہوئی۔ اُنہوں نے اردو انگریزی کی تعلیم گھر پر ہی پائی۔ انگریزی انہیں ان کے ماموں سید حسین نے پڑھائی تھی۔ انہیں گھر کے کام کاج کی بھی تربیت دی گئی تھی۔ اردو کی تعلیم نے ان کی رغبت شاعری کی جانب کردی اور وہ اردو میں شاعری کرنے لگیں۔ ان کا کلام اکثر اخبارات ورسائل میں چھپتا تھا اور اُن کا تخلص ادا تھا۔



پہلی بار وہ تھیٹر والوں کی استدعا پر تین دن کے لئے اڑھائی سو روپے فی شو معاوضہ پر نمودار ہوئیں۔ وہ اسٹیج پر اتنی کامیاب ہوئیں کہ کلکتہ کے مشہور مدن تھیٹر نے انہیں اپنی کمپنی میں ملازم رکھ لیا اور ۱۹۳۱ء میں انہیں فلم ''شیریں فرہاد'' میں پیش کیا جو بڑی کامیاب ثابت ہوئی۔ ۱۹۳۲ء میں انہیں ماسٹر نثار کے ساتھ فلم 'لیلیٰ مجنوں' میں پیش کیا گیا اور اس میں انہوں نے کئی یادگار گیت گا کر عوام کا دل موہ لیا۔ ان کی کچھ معروف فلمیں ہیں: لیلیٰ مجنوں، کلرو، زرینہ، بلوا منگل، زہری سانپ، جہان آرا، علی بابا چالیس چور وغیرہ۔ پھر وہ چند برس کے لئے پردہ اسکرین سے غائب ہوگئیں اور دوبارہ ۱۹۴۰ء کے قریب نمودار ہوئیں اور ۱۹۴۴ء تک فلموں میں کام کرتی رہیں۔ اور اس دوران وہ ابلا کی شکتی، گھر سنسار (۱۹۴۲ء) پرتھوی ولبھ، پرارتھنا (۱۹۴۳ء) بھرتری ہری (۱۹۴۴ء) وغیرہ میں نمودار ہوئیں۔ موخرالذکر کے دو گیت جن کی موسیقی کھیم چندر پرکاش نے ترتیب دی بہت مقبول ہوئے۔ کوکت کو ملیا کجن میں اور

گھونگھٹ پٹ نا ہی کھولو۔ انہوں نے لگ بھگ تیس فلموں میں کام کیا۔

مس کجن بہت ہی رئیسانہ اور شاہانہ ٹھاٹ سے رہتی تھیں۔ کہتے ہیں وہ اپنے زمانے میں دو کاروں پر اسٹوڈیو جاتی تھیں یعنی ایک میں خود بیٹھتی تھی اور دوسری میں ان کا پان دان ہوتا تھا۔ اور یہ بھی مشہور ہے کہ انہوں نے ایک شیر بھی پال رکھا تھا۔

کرشمہ کپور: مشہور اداکارہ ببیتا اور اداکار رندھیر کپور کی بیٹی۔ ۲۵ رجون ۱۹۷۴ء کو ممبئی (مہاراشٹر) میں پیدا ہوئیں۔ انہوں نے ممبئی کے کیتھڈرل اینڈ جان کانن اسکول میں تعلیم حاصل کی اور پھر کچھ مدت صوفیہ کالج میں بھی زیر تعلیم رہیں۔ انہوں نے سب پہلے ۱۹۹۱ء میں فلم "پریم قیدی میں بطور ہیروئن کام کیا اور اس کے بعد ان کی کئی فلمیں ہٹ ہوئیں اور وہ چوٹی کی اداکاروں میں شامل ہو گئیں۔ ان کی اہم فلمیں ہیں: پریم قیدی، جاگرتی، پولیس آفیسر، نشچے، سپنے ساجن کے، دیدار، جگر، اناڑی مقابلہ، سنگرام، شکتی مان، دھنوان، پریم شکتی، راجہ بابو، خوددار، انداز، انداز اپنا اپنا، دل لگی، آتش، سہاگ، گوپی کشن، جواب، میدان جنگ، قلی نمبر ون، پاپی گڑیا، میگھا، ساجن چلے سسرال، کرشنا، جیت، بال برہمچاری، سپوت، راجہ ہندوستانی، رنشک، اجے، جڑوا، ہیرو نمبر ون، دل تو پاگل ہے، لہو کے دو رنگ، مرتیو داتا، سلسلہ ہے پیار کا، بیوی نمبر ون، حسینہ مان جائے گی، ہم ساتھ ساتھ ہیں، دلہنیا ہم لے جائیں گے، جانور، چل میرے بھائی، ہم تو محبت کرے گا، فضا، زبیدہ، شکاری، عاشق، ایک رشتہ: دی بانڈ آف لو، ہاں میں نے بھی پیار کیا، رشتے شکتی: دی پاور، باز، میرے جیون ساتھی، ضمانت، اوم شانتی اوم، باڈی گارڈ، ڈینجرس عشق، بمبئی ٹاکیز وغیرہ۔ ۲۰۰۳ء میں ان کی سنجے کپور سے شادی ہوئی جن سے دو بچے ہیں۔ ۲۰۱۲ء میں ان کا طلاق ہو گیا۔



کرشنا کماری: اداکارہ نام راجندر کور۔ ۳ر اکتوبر ۱۹۳۴ء کو راولپنڈی (پاکستان) میں پیدا ہوئیں۔ پہلی فلم گرلز اسکول تھی۔ متعدد فلموں میں اداکاری کر چکی ہیں۔ ان کی کچھ فلمیں ہیں: بیجو باورا، نیا راستہ، ہیر، بہانہ، جیجا جی، گرما گرم، نور یمن، شنکر آچاریہ، سوکا نوٹ، حسینہ، بھگوت مہما، چاندنی چوک، لاڈلا، دھوپ چھاؤں، حاتم طائی، حاتم طائی کی بیٹی، باغی لڑکی، لعل یمن، چھبیلا، ساقی رقاصہ وغیرہ۔





کرشن چندر: معروف کہانی کار، ہدایت کار، اسکرپٹ رائٹر کرشن چندر (۲۳ر نومبر ۱۹۱۴ء - ۸ر مارچ ۱۹۷۷ء، ممبئی) کا آبائی وطن وزیرآباد تھا مگر ان کی ابتدائی زندگی کا حصہ پونچھ میں گزرا جہاں ان کے والد ڈاکٹر تھے۔ پھر لاہور آ گئے جہاں ایف سی کالج سے انہوں نے انگریزی میں ایم اے کیا۔ ان کی پہلی کہانی ''سادھو'' ۱۹۳۲ء میں شائع ہوئی تھی۔ ان کی ابتدائی زندگی کشمیر اور لاہور میں گزری۔ کچھ مدت دہلی میں آل انڈیا ریڈیو سے وابستہ رہنے کے بعد بمبئی چلے گئے اور وہاں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ ان کا شمار ہندوستان کے چوٹی کے افسانہ نگاروں میں کیا جاتا ہے اور ان کی کہانیاں ہندوستان کی تمام اہم زبانوں کے علاوہ انگریزی، روسی وغیرہ متعدد غیر ملکی زبانوں میں بھی چھپ چکی ہیں۔ ۱۹۴۶ء میں ان کی مشہور کہانی ''ان داتا'' کو چیتن آنند'' نے دھرتی کے لال'' کے عنوان سے فلمایا جسے بین اقوامی شہرت حاصل ہوئی۔ انہوں نے کئی فلموں کے مکالمے/اسکرپٹ بھی لکھے۔ اور خود دو فلمیں ''راکھ'' اور ''سرائے کے باہر'' بھی بنائیں۔

کہا جاتا ہے کہ اپنی موت والے دن ۸ر مارچ ۱۹۷۷ء کو بمبئی میں اپنی رہائش گاہ پر ایک طنزیہ مضمون ''ادب برائے بطخ'' لکھنے کے لئے بیٹھے ہی تھے اور انہوں نے صرف اتنا ہی لکھا تھا کہ ''نورانی کو بچپن ہی سے پالتو جانوروں کا شوق تھا۔ کبوتر، بندر رنگ برنگی چڑیاں '' کہ انہیں دل کا شدید دورہ پڑا اور ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

کرن دیوان: اداکار کرن دیوان ۶ر نومبر ۱۹۱۷ء کو گوجرانوالہ (پنجاب، پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ پروڈیوسر جیمنی دیوان ان کے بڑے بھائی تھے۔ انہوں نے لاہور سے ایک رسالہ ''لکشمی'' بھی نکالا تھا۔ کرن دیوان نے مراٹھی اداکارہ منجو سے شادی کی۔ ان کی پہلی فلم پورن بھادر (پنجابی) تھی۔ پنجابی فلم چمن اور میرا ماہی میں بھی کام کیا۔ متعدد ہندی فلموں میں نمودار ہوئے جن میں تمنا، رتن، بھائی جان، پیا گھر آ جا، زینت، چھوٹی بھابھی، لاہور، دنیا، جہیز، تین بتی چار راستہ، سو کا نوٹ، اونچی حویلی، گزارہ، جلوہ، مسافر خانہ، بہو، مست رام، اپنا خون، لاج، چڑیا گھر، دیواریں وغیرہ شامل



ہیں۔انہوں نے کچھ فلموں جیسے رتن وغیرہ میں گانے بھی گائے۔اُن کا شمار خوبصورت اداکاروں میں ہوتا تھا۔۱۹۷۹ میں ان کی ممبئی میں وفات ہوگئی۔

کرینا کپور: اداکارہ کرینا کپور معروف اداکار رندھیر کپور اور ببیتا کی بیٹی ہیں اور ان کی ولادت ۲۱ر ستمبر ۱۹۸۰ء کو ممبئی میں ہوئی تھی۔پہلی بار فلم ''رفیوجی'' میں ابھشیک بچن کے بالمقابل بطور ہیروئن نمودار ہوئیں اور کامیابی نے ان کے قدم چومے۔۲۰۰۱ء میں انہوں نے ''اشوکا'' میں کام کیا اور پھر ''کبھی خوشی کبھی غم'' نے انہیں مزید شہرت کی بلندیوں پر پہنچادیا۔اب تک وہ کئی فلموں میں کام کرچکی ہیں جن میں رفیوجی، مجھے کچھ کہنا ہے، یادیں، کبھی خوشی کبھی غم، اشوکا، مجھ سے دوستی کروگی، اجنبی، ایل او سی: کارگل، خوشی، جینا صرف میرے لئے، تلاش: دی ہنٹ بگن، مَیں پریم کی دیوانی ہوں، چمیلی، یووا، دیو، فدا، اعتراض، ہلچل، بے وفا، کیونکہ، دوستی: فرینڈز فارایور، ہلا بول، ڈان، اودکارا ٹشن، جب وی میٹ، بلو، قربان، تھری ایڈیٹس، مَیں اور مسز کھنہ، کمبخت عشق، لک بائی چانس، کیا لو اسٹوری ہے، چُپ چُپ کے، ۳۶ چائنا ٹاؤن، روڈ سائیڈ رومیو، گول مال ریٹرن، ملیں گے ملیں گے، را۔ون، باڈی گارڈ، وی آر فیملی، گول مال ۳، ہیروئن، راؤڑی راٹھور، ونو دایجنٹ، تلاش: دی آنسرز لائیز وِد ان، دبنگ ۲، بمبے ٹاکیز، ستیہ گرہ، گوری تیرے پیار میں (۲۰۱۳ء) وغیرہ شامل ہیں۔۱۶ر اکتوبر ۲۰۱۲ء کو انہوں نے مشہور اداکار سیف علی خاں سے شادی کی جس سے ان کا کئی برسوں سے رومانس چل رہا تھا۔



کٹرینا کیف: مشہور اداکارہ کٹرینا کیف کی ولادت ہانگ کانگ میں ہوئی اس کے والد محمد کیف ہندوستانی کشمیری تھے اور انگریز والدہ سوسنا ٹرکاٹ (Susanna Turcotte) برطانوی شہری۔ابھی وہ چھوٹی ہی تھیں کی ان کے والدین میں طلاق ہوگئی۔چونکہ ان کی والدہ این جی او میں کام کرتی تھیں لہٰذا انہیں بھی ہانگ کانگ، ہوائی، فرانس جرمنی، چین، جاپان کئی ممالک میں رہنے کا موقع ملا اور کئی ممالک میں تعلیم حاصل کی۔کٹرینا نے ۱۴ برس کی عمر میں ہوائی میں ماڈلنگ شروع کی۔بعد ازاں وہ لندن میں بھی ماڈلنگ کرتی رہیں۔پھر ۲۰۰۳ء میں ''بُوم'' میں نمودار ہوئیں جس میں امیتابھ بچن اور گلشن گرور بھی اہم کردار تھے۔مگر فلم کچھ ناکام ہی



رہی۔ ہندی کے علاوہ انہوں نے چند تلگو اور ملیالم فلموں میں بھی کام کیا۔ کٹرینا چونکہ اچھی ہندی نہیں جانتی تھیں اس لئے ہندی فلموں میں انہیں بڑی دقت پیش آتی تھی۔ لہٰذا ان کی کئی فلموں میں ان کی آواز ڈب کی گئی تھی اور مونا شیٹی کی آواز استعمال کی گئی تھی۔ مگر فلم ''نیو یارک'' کے بعد اب فلموں میں خود ان کی آواز ہوتی ہے۔ ۲۰۰۶ء میں رام گوپال نے انہیں فلم ''سرکار'' میں ابھیشیک بچن کی گرل فرینڈ کے طور پر پیش کیا۔ اسی سال ڈیوڈ دھون نے کیٹکس فلاور کو ''میں نے پیار کیا'' کی شکل میں پیش کیا جس میں انہیں سلمان خان کے بالمقابل کام کرنے کا موقع دیا گیا جس سے انہیں بڑی شہرت ملی۔ اور اب ان کا شمار چوٹی کی اداکاراؤں میں ہوتا ہے۔ اس وقت وہ لگ بھگ اڑھائی درجن ہندی فلموں میں کام کر چکی ہیں جن میں بوم (۲۰۰۳ء)، میں نے پیار کیا (۲۰۰۵ء)، سرکار (۲۰۰۵ء) ہم کو دیوانہ کر گیا، نمستے لندن، اپنے، پارٹنر، ویلکم، ریس، سنگھ از کنگ، ہیلو، یوراج، نیو یارک، بلیو، عجب پریم کی غضب کہانی، دے دنا دن، راج نیتی، تیس مار خان، زندگی نہ ملے گی دوبارہ، باڈی گارڈ، میرے بردر کی دلہن، اگنی پتھ، ایک تھا ٹائیگر، جب تک ہے جان، میں کرشنا ہوں، بمبئی ٹاکیز (۲۰۱۳ء) وغیرہ شامل ہیں۔ ان کی متوقع فلمیں دھوم۔۳، اور بینگ بینگ ہیں۔

کشٹو مکرجی: جب بھی فلم میں کسی شرابی کا کردار آتا ہے تو لوگ کشٹو مکرجی کی اداکاری کو نہیں بھولتے۔ وہ پہلی بار ۱۹۵۲ء میں فلم ناگرک میں نمودار ہوئے تھے اور اس کے بعد انہوں نے متعدد فلموں میں خصوصاً شرابی کا رول ادا کیا۔ گول مال، بمبئی ٹو گوا، سنگدل، پڑوسن، بے رحم، میں اپنی منفرد اداکاری سے لوگوں کی توجہ اپنی جانب مبذول کی۔ انہوں نے مسافر، خزانچی، تیسری قسم، پنجرے کے پنچھی، پرکھ، آس کا پنچھی، پریم پتر، چائنا ٹاؤن، اصلی نقلی، عاشق، آرتی، فرار، سب سے بڑا سکھ، چور چور، گیتا میرا نام، اپرادھ، ہمراہی، تری مورتی، پران جائے پر بچن نہ جائی، ایمان، زنجیر، لوفر، کوشش، یہ گلستاں ہمارا، گڈی، لاکھوں میں ایک، میرے اپنے، آتنک، ہم دونوں، ہنستے کھیلتے ہتھکڑی، دل ناداں، راکی وغیرہ میں کام کیا۔ ۱۹۸۵ میں ان کی ممبئی میں وفات ہوگئی۔



کشور ساھو: ایکٹر، ڈائرکٹر اور پروڈیوسر کشور ساہو ۲۲ رنومبر ۱۹۱۵ء کو رائے گڑھ (مدھیہ پردیش) میں پیدا ہوئے۔ اشوک کمار اور موتی لال کے دور میں وہ بھی ایک مشہور ہیرو تھے اور انہوں نے کئی فلموں میں اداکاری کے جوہر دکھائے۔ دھوئیں کی لکیر، ہرے کانچ کی چوڑیاں، کالی گھٹا، دل اپنا اور پریت



پرائی، میور پنکھ، پشپانجلی، وغیرہ فلمیں پروڈیوس رڈائرکٹ کیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے جیون پربھات (۱۹۳۷ء) کنوارا باپ (۱۹۴۲ء) ربیہ (۱۹۴۳ء) شرارت (۱۹۴۴ء) ویرکنال (۱۹۴۵ء)

ساجن، ندیا کے پار، ساون بھادوں، سندور، ساون آیا رے، کالی گھٹا، ہماری دنیا، ہملٹ، بڑے سرکار، قسمت کے کھیل، ہرراما ہرے کرشنا (۱۹۷۱ء) کالا بازار، لو ان شملہ، گیمبلر، پونم کی رات، دل اپنا اور پریت پرائی، گائیڈ، عورت، تین بہورانیاں، وکیل بابو (۱۹۸۲ء، وفات کے بعد ریلیز ہوئی۔) میں کام کیا۔ ہرے کانچ کی چوڑیاں میں انہوں نے اپنی بیٹی نینا ساہو کو بطور ہیروئن پیش کیا۔ اور اس میں اپنی بیٹی پر فلمائے گئے عصمت دری کے سین پر انہیں بہت سراہا گیا۔ گائیڈ میں انہوں نے ایک ایسے مورخ کا رول نبھایا جو ایلورا اور اجنتا کی گپھاؤں میں ایک نئی گپھا کی تلاش میں ہے۔ اور شکتی سامنت کی فلم "یہ رات پھر نہ آئے گی" میں انہوں نے شرمیلا ٹیگور کے باپ کا رول ادا کیا۔

۲۲ر اگست ۱۹۸۰ء کو ان کی بنکاک (تھائی لینڈ) میں وفات ہوگئی۔

کشور کمار: اداکار رگلوکار رہدایت کار رفلمساز کشور کمار اداکار اشوک کمار کے چھوٹے بھائی تھے۔ اور ان کا نام تھا ابھاس کمار گنگولی۔ وہ ۴ر اگست ۱۹۲۹ء کو کھنڈوا میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ہندی اور بنگلہ کے علاوہ مراٹھی، آسامی، ملیالم، اڑیا وغیرہ میں بھی گیت گائے۔ اور ۱۹۷۱ء سے ۱۹۸۷ء تک فلمی دنیا پہ حکمرانی کرتے رہے۔ ۱۹۵۱ء میں بمبے ٹاکیز کی فلم آندولن میں انہوں نے ہیرو کا رول ادا کیا۔ انہوں نے فلم 'نوکری' کے علاوہ 'نئی دلی' میں بھی بطور ہیرو کام کیا۔ پھر چلتی کا نام گاڑی، جھمرو، اور پڑوسن میں ایک مزاحیہ اداکار کی حیثیت سے نمودار ہوئے اور ان کی اداکاری پسند کی گئی۔ انہوں نے لگ بھگ ۸۶ فلموں میں اداکاری کی جن میں بھائی بھائی (۱۹۵۶ء) بھاگم بھاگ، بڑھتی کا نام داڑھی، چلتی کا نام گاڑی، دلی کا ٹھگ، ہاف ٹکٹ، نئی دلی، پڑوسن، دور گگن کی چھاؤں میں، منیم جی، جھمرو،



نئی بولانے، باپ رے باپ، مس مالا، نوکری، سادھو اور شیطان، اپنا ہاتھ جگن ناتھ، رنگولی، راگنی، پیسہ ہی پیسہ، میم صاحب، محلوں کے خواب، من موجی، ہم سب استاد ہیں، ہنگامہ، فیصلہ، فریب، چھورا چھوری،

دال میں کالا وغیرہ بھی شامل ہیں، ایس ڈی برمن نے انہیں کئی فلموں (منیم جی، گائیڈ، جیول تھیف وغیرہ) میں گانے کا موقع دیا اور وہ بطور سنگر بہت مقبول ہو گئے۔ ۱۹۶۱ء میں انہوں نے فلم جھمرو بنائی جس میں بطور ہیروئن مدھوبالا کو لیا۔ اس فلم کے ہیرو، ڈائرکٹر، فلمساز، وہ خود ہی تھے۔ بعد ازاں انہوں نے دور گگن کی چھاؤں میں (۱۹۶۴ء) دور کا راہی (۱۹۷۱ء) اور دور وادیوں میں کہیں (۱۹۸۰ء) کی بھی ہدائت کاری رفلمسازی کے فرائض انجام دیئے۔ مگر ان کی شہرت ایک گلوکار کی حیثیت سے زیادہ پھیلی۔ انہوں نے متعدد فلموں کے لئے گیت گائے جن میں سے کچھ گیت ہیں:...... مانا جناب نے پکارا نہیں (پے اِنگ گیسٹ) ہم ہیں راہی پیار کے ہم سے کچھ نہ بولئے (نو دو گیارہ) ایک لڑکی بھیگی بھاگی سی (چلتی کا نام گاڑی) یہ دل نہ ہوتا بیچارا (جیول تھیف) زندگی کا سفر ہے سہانا (انداز) چنگاری کوئی بھڑکے (امر پریم) میرا جیون کورا کاغذ (کورا کاغذ) او ماجھی رے (خوشبو) ہم بے وفا ہرگز نہ تھے (شالیمار) ہمیں تم سے پیار کتنا (قدرت) شاید میری شادی کا (سوتن) ہمیں اور جینے کی چاہت نہ ہوتی (اگر تم نہ ہوتے)

کشور کمار نے پہلی شادی رما گھوش سے کی اور دوسری ۱۹۶۰ء میں مشہور ہیروئن مدھوبالا سے۔ مدھوبالا کی موت کے بعد انہوں نے یوگیتا بالی سے (۱۹۷۶-۷۸ء) اور پھر ان سے طلاق ہو جانے پر ۱۹۸۰ء میں لینا چنداورکر سے شادی کی۔

۱۳ر اکتوبر ۱۹۸۷ء کو صرف ۵۸ سال کی عمر میں وہ اس دنیا سے کوچ کر گئے اور ہم ایک اچھے گلوکار سے محروم ہو گئے۔

کلپنا کارتک: ایکٹرس کلپنا کارتک دیو آنند کی بیوی ہیں اور ان کا اصلی نام مونا سنگھ ہے۔ ان کی پیدائش ۱۹ر ستمبر ۱۹۳۱ء کو ایک پنجابی عیسائی کنبے میں بمقام شملہ ہوئی تھی۔ اور تعلیم بھی اسی شہر کے معروف



کالج سینٹ بیڈس میں ہوئی تھی اور مس شملہ کا مقابلہ میں ٹرافی جیتنے کے بعد انہیں فلموں میں کام کرنے پیشکش ہوئی۔ ۱۹۵۴ء میں ٹیکسی ڈرائیور کی شوٹنگ کے دوران دیو آنند اور کلپنا نے خفیہ طور پر شادی کر لی۔ اور ۱۹۵۶ء میں اُن کا بیٹا سنیل آنند پیدا ہوا۔ ان کی ایک بیٹی دیوینا بھی ہے۔ انہوں نے پہلے پہل ''بازی'' میں کام کیا اور اس کے بعد آندھیاں، ٹیکسی ڈرائیور، ہاؤس نمبر ۴۴ اور نو دو گیارہ (۱۹۵۷ء) میں۔ اس کے بعد وہ فلموں میں نمودار نہیں ہوئیں البتہ انہوں نے تیرے گھر کے سامنے، جیول

تھیف، پریم پجاری، شریف بدمعاش، ہیر رانجھا اور جان من میں ایسوسی ایٹ پروڈیوسر کی خدمات انجام دیں۔



کلدیپ کور: اداکارہ کلدیپ کور اپنے دور کی مشہور ویمپ تھیں اور وہ ۱۹۲۷ء میں بمقام لاہور (پاکستان) پیدا ہوئیں۔ ان کی پہلی فلم ''ضدی تھی۔ ان کی دیگر فلمیں ہیں: گرہستی، سمادھی، آدھی رات، افسانہ، پھمنی (پنجابی) لاہور، گماشتہ، ایک تھی لڑکی، کھنگھرو، مینا بازار، اسٹیج، نذرانہ، دو ستارے، راجپوت، نئی زندگی، بکھرا (ہیروئن) لال پری، مستانہ، پہلی صاحب، دنیا گول ہے، ڈاکو، جشن، کنیز، شیشم، نو بہار، انجام، بیجو باورا، معشوقہ، گل بہار، ڈاک بابو، تیر انداز، مست قلندر، شیرو، انقلاب، ایک سال، سہارہ، پنچائت، پیار کی راہیں، مہر، جاگیر (۱۹۵۹ء) وغیرہ۔ 'مس کوکا کولا' انہوں نے ڈیٹی فلمز کے بینر تلے پروڈیوس کی تھی۔ ۳ رفروری ۱۹۶۰ء کو صرف ۳۲ سال کی عمر میں ممبئی میں ان کی وفات ہوگئی۔

کم کم: کم کم نے لگ بھگ ایک سو فلموں میں کام کیا اور ان کی اکثر فلمیں دارا سنگھ اور کشور کمار کے ساتھ ہیں۔ انہوں نے کوہ نور میں رقاصہ کا رول کیا۔ لبوان ہانگ کنگ، گنہگار، ہم سب اُستاد ہیں میں شیخ مختار کے ساتھ کرن کمار اور ساجد خان کے ساتھ فلم سویرا میں نمودار ہوئیں انہوں نے راما نند ساگر کی کئی فلموں میں کام کیا۔ ان کی کچھ فلمیں ہیں: مسٹر ایکس ان بمبئی، جھوٹا سچا، ایک سپیرا ایک لٹیرا، گیت، آنکھیں، وغیرہ۔

کمار: اداکار، ہدائت کار، فلمساز سید حسن علی ''کمار'' ۲۳ رستمبر ۱۹۰۲ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ سلور فلمز بمبئی کے پارٹنر رہے۔ مشہور اداکارہ پرمیلا سے شادی کی جو بعد میں پروڈیوسر بن گئیں۔ پورن بھگت میں لیڈنگ رول کیا جسے دیوکی بوس نے ڈائرکٹ کیا تھا۔ پچاس سے زائد فلموں میں ہیرو، کیرکٹر ایکٹر کام کیا جن میں یہودی کی لڑکی، نجمہ، ٹھوکر، پوسٹ مین، ندیا کنارے، کل یگ، دوسری شادی، بھشم پرتگیا، دائرہ، کھلاڑی، مغل اعظم، دھرم پتنی، شری ۴۲۰، مالک وغیرہ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے جھنکار، بھلائی، آپ بیتی، دلبر، دھوم دھم، دوسری شادی پروڈیوس کیں اور دھن، بہانہ ڈائرکٹ کیں۔ بعد ازاں ۱۹۶۳ء میں وہ پاکستان ہجرت کر گئے اور وہاں چند فلموں جیسے ہیڈ کانسٹیبل، شبنم، آزاد، نائلہ، صاعقہ، ساجدہ (خود اپنی)، ہم



دونوں، ندیا کے پار، اک مسافر اک حسینہ، بالم وغیرہ میں کام کیا۔ ان کے بیٹے نے وہاں 'تو بہ' بنائی جو بے حد کامیاب ہوئی اور جس میں سلیم رضا کی قوالی ''نہ ملتا اگر یہ توبہ کا سہارا تو ہم کہاں جاتے'' بڑی مشہور ہوئی۔ ۱۹۸۲ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔



کمال امروہوی :(پروڈیوسر، ڈائرکٹر، اسکرین رائٹر) نام: سید امیر حیدر کمال نقوی۔ ولادت: ۱۷ر جنوری 1918ء امروہہ (اُتر پردیش)۔ وفات: ۱۱ر فروری ۱۹۹۳ء بمبئی۔

کمال امروہوی کا پورا نام سید امیر حیدر بطور رائٹر منروا مووی ٹون میں شامل ہوئے اور 'جیلر' اور 'پکار' کی کہانیاں لکھیں۔ بعد ازاں مغل اعظم، مَیں ہاری، شاہ جہاں، بیرم خان، بھروسہ، رومیو جولیٹ،، مذاق، پھول محل کی کہانیاں لکھیں۔ 'دائرہ' کے ڈائرکٹر اور پروڈیوسر تھے۔ نیز محل (۱۹۴۹)، پاکیزہ (۱۹۷۲ء) اور رضیہ سلطانہ (۱۹۸۳ء) کی ہدایت کے فرائض بھی انجام دیے۔ مینا کماری سے شادی کی مگر یہ شادی ناکام رہی۔

کمل ہاسن : ۔ پیدائش: ۷رنومبر ۱۹۵۷ء کوپر کاکڈی مدراس (تمل ناڈو) میں پیدا ہوئے۔ کمل ہاسن جنوب کے مقبول اداکاروں میں سے ہیں۔ تین سال کی عمر میں کیمرے کے سامنے آئے۔ ۱۹۵۹ء سے ۱۹۶۳ء تک چائلڈ اسٹار کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ ہوش سنبھالنے پر انہیں کئی پاپڑ بیلنے پڑے۔ کبھی کوریوگرافر کے اسسٹنٹ بنے تو کبھی کلیپر بوائے۔ پھر انہیں ویلن کا رول مل گیا اور انہوں نے لگاتار دس فلموں میں ویلن کا کردار نبھایا۔ انہوں نے تمل، تلگو، کنڑ اور ہندی فلموں میں اداکاری کے جوہر دکھا کر کئی ایوارڈ حاصل کئے۔ انہیں یہ فخر بھی حاصل ہے کہ چھ سال کی عمر میں انہیں کالا تھر کنا ما (Kalathur Kannamma) پر بہترین چائلڈ اسٹار کا صدر جمہوریہ ہند کا گولڈ میڈل ملا تھا۔ انہیں تمل میں بنی فلم 'مارگن' پر بہترین اداکار کا نیشنل ایوارڈ، ہندی میں بنی 'صدمہ' اور 'ساگر' پر فلم فیئر ایوارڈ' اور کنڑ فلم 'کوکیلا' پر بہترین اداکار کا اعزاز ملا۔ انہیں چودہ بار فلم فیئر ایوارڈ مل چکا ہے۔



ہندی میں 'فلم' ایک دوجے کے لئے' نے انہیں ہندی سنیما سے متعارف کرایا اور اس فلم کی غیر معمولی کامیابی سے وہ ہندی کے مقبول اداکاروں میں شمار ہونے لگے۔ ان کی ہندی فلموں میں صنم تیری قسم،

صدمہ، ساگر، چاچی چارسو بیس، ، یہ تو کمال ہوگیا، ذرا سی زندگی، آخری سنگرام، کرشمہ، ، راج تلک، گرفتار، اپورلیہ وشوروپم، وغیرہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

ان کے فن کا اعتراف کرتے ہوئے حکومتِ ہند نے انہیں پدم شری سے نوازا ہے۔

کملیشور: ہندی ادیب/اسکرین پلے رائٹر (۶/جنوری ۱۹۳۲ء مین پوری اُترپردیش۔ ۲۷/ جنوری ۲۰۰۷ء فریدآباد۔ ہریانہ) کا پورا نام کملیشور پرساد سکسینہ تھا۔ الہ آباد سے ہندی میں ایم اے کیا۔ سارا آکاش (مکالمے ۱۹۶۹ء) ''آندھی۔ رموسم (۱۹۷۵ کہانی) امانُش (مکالمے ۱۹۷۵ء)، چھوٹی سی بات (مکالمے، اسکرین پلے۔ ۱۹۷۵ء) آنند آشرم (مکالمے ۱۹۷۷ء) رام بلرام۔ (مکالمے اسکرین پلے ۱۹۸۰ء) برننگ ٹرین (مکالمے، اسکرین پلے ۱۹۸۰ء) ساجن کی سہیلی (مکالمے۔ اسکرین پلے ۱۹۸۱ء،) سوتن (مکالمے ۱۹۸۳ء) رنگ برنگی (کہانی۔ ۱۹۸۳ء) یہ دیش (مکالمے ۱۹۸۴ء)، لیلےٰ (مکالمے، اسکرین پلے۔ ۱۹۸۴ء)، پریتی (مکالمے اسکرین پلے ۱۹۸۶ء) سوتن کی بیٹی (مکالمے، ۱۹۸۹ء) ان کی خصوصی فلمیں ہیں جن کے لئے انہوں نے اپنا قلم وقف کیا۔ ۲۰۰۳ء میں انہیں ہندی ناول'' کتنے پاکستان'' پر ساہتیہ اکادمی ایوارڈ دیا گیا اور ۲۰۰۵ء میں انہیں حکومت ہند نے پدم بھوشن سے نوازا۔

کنھیا لال: ہندی فلموں کا باکمال کامیڈین اور کیرکٹر ایکٹر جس نے اپنے کرداروں سے فلم بینوں پر اپنی دھاک جمادی۔ پورا نام کنہیالال چترویدی تھا۔ ان کے والد پنڈت بھیرودت چترویدی شری سناتن دھرم ناٹک منڈلی چلاتے تھے جو رام لیلا منڈلی تھی۔ اس کے علاوہ وہ سماجک ناٹک بھی کھیلتے تھے۔ اس



ماحول میں کنہیالال کی پرورش ہوئی۔ بڑے ہونے پر وہ آغا حشر کاشمیری کے ناٹکوں میں کام کرنے لگے۔ ''آنکھ کا نشہ'' میں انہوں نے طبلچی کا رول ادا کیا۔ الہ آباد میں فلمساز سیٹھ چمن لال نے ان کی اداکاری دیکھی تو ان کے گرویدہ ہو گئے اور ۱۹۳۸ء میں انہیں 'گراموفون سنگر' میں رول دے دیا جس میں اہم کردار سریندر اور ببو تھے۔ اس فلم میں انہوں نے اپنی اداکاری کی دھاک جمادی۔ ۱۹۴۰ء میں ہدائت کار محبوب کی مشہور فلم 'عورت'

اور بعدازاں ۱۹۵۷ء میں 'مدر انڈیا'' میں دیہاتی بنیے 'لالہ' کا رول اس عمدگی سے ادا کیا کہ لوگ برسوں بیت جانے پر بھی اسے نہیں بھولے۔ پھر ۱۹۶۲ء میں انہوں نے ''گنگا جمنا' میں بھی لالہ کا کردار اس خوبی سے نبھایا کہ لوگ عش عش کر اُٹھے۔ وہ اپنی فنکارانہ صلاحیتوں سے اپنے کردار میں جان ڈال دیتے تھے۔ انہوں نے لالچی سیٹھ، منیم، لالہ، ساہوکار جیسے کرداروں میں روح پھونک دی۔ 'لال حویلی' کا عیاش پنڈت 'بھروسہ' کا پاجی لنگڑا، 'نوکری' کا ہریا، 'بہت دن ہوئے' میں جھارول مکھی والا، 'ہم لوگ' کا غریب کسان 'اُپکار' کا حاسد لالہ، اور ستیم شوم سندرم کے 'دیاس جی' کو بھلا کون بھلا سکتا ہے۔ انہوں نے لگ بھگ ۱۰۵ فلموں میں کام کیا جن میں ایک ہی راستہ، بہن، کھلونا، آسرا، پگلی دنیا، دوست، رامائی، آرتی، ریلی، بھوک، آشیانہ، ٹوٹے تارے، جیت، افسر، ملہار، ہم لوگ، بزدل، مسٹر سمپت، داغ، ان داتا، نوکری، لالٹین، بہت دن ہوئے، دو روٹی، سہارا، سی آئی ڈی، پنچائت، پرکھ، سن آف انڈیا، سہاگ سندھور، سوتیلا بھائی، میری صورت تیری آنکھیں، گرہستی، ہمالہ کی گود میں اونچے لوگ وغیرہ شامل ہیں۔
اس غیر معمولی فن کار کی ۱۴/ اگست ۱۹۸۲ء کو ۷۲ سال کی عمر میں وفات ہوگئی۔



کے آصف: فلمساز، ہدائت کار، اسکرین رائٹر اور مغلِ اعظم ایسی یادگار تاریخی فلم بنانے والے کے آصف کا پورا نام کریم الدین آصف تھا اور ان کی پیدائش ۱۴/ جون ۱۹۲۷ء کو اٹاوا (اتر پردیش) میں ہوئی تھی۔ اور وفات ۹/ مارچ ۱۹۷۱ء کو ممبئی میں۔ جوان ہونے پر وہ اپنے ماموں نذیر کے پاس بمبئی آگئے اور کے آصف نام اختیار کیا۔ انہوں نے سب سے پہلے ۱۹۴۵ء میں فلم ''پھول'' کی ہدائت کے فرائض انجام دیئے جس میں پرتھوی راج، ستارہ، ثریا، جے راج، وغیرہ نے کام کیا تھا۔ یہ فلم بڑی کامیاب ثابت ہوئی اس کے بعد وہ چندر موہن کو بحیثیت جہانگیر اور نرگس کو بطور انارکلی لے کر فلم مغلِ اعظم بنانا چاہتے تھے کہ ۱۹۴۶ء میں چندر موہن کا انتقال ہوگیا اور معاملہ کچھ دیر کے لئے کھٹائی میں پڑ گیا۔ پھر ۱۹۵۱ء میں انہوں نے فلم ہلچل کو پروڈیوس کیا اور اس کے بعد مدھوبالا اور دلیپ کمار کو لے کر مذکورہ فلم کی تیاری شروع کی۔ اور ۱۲ سال بعد ۱۹۶۰ء میں یہ یادگار تاریخی فلم نمائش کے لئے پیش کی گئی جس نے کامیابی کے جھنڈے گاڑ دیئے۔ اس کے بعد انہوں نے گورودت اور نمی کو لے کر ''لو اینڈ گاڈ'' فلم بنانے کا پروگرام بنایا مگر ان کی اچانک موت سے ۱۹۷۱ء میں معاملہ التوا میں پڑ گیا۔ بعدازاں کئی سال بعد اُن کی بیوہ اختر (دلیپ کمار کی بہن) نے جوں توں کر کے اس فلم کو مکمل کیا اور پھر اسے نمائش کے لئے پردۂ اسکرین پر پیش کر دیا۔



کے این سنگھ: مشہور ویلن کے این سنگھ کا اصلی نام کرشن نارائن سنگھ تھا اور ان کی پیدائش یکم ستمبر ۱۹۰۸ء کو دہرہ دون (اترا کھنڈ) میں ہوئی تھی۔ ۱۹۳۷ء میں قانون کو خیر باد کہہ کر انہوں نے اداکاری کا پیشہ اختیار کیا اور عموماً منفی کردار نبھائے۔ وہ ایک اعلیٰ لباس میں ملبوس سر پر ہیٹ لگائے اپنے اداکاری کے جوہر دکھاتے تھے اور اپنی آنکھوں سے بھی اپنے تاثرات بڑے خوبصورت انداز میں پیش کرتے تھے۔ ۱۹۴۰ء میں وہ فلم سکندر میں راجہ امبھی بنے تو فلم ہمایوں (۱۹۴۵ء) میں راجہ جے چند۔ ان کی اہم فلمیں ہیں: فنٹوش، جگری دوست، منزل، سہانا سفر، بنگلہ کہیں کا، ہمت، ہم تم اور وہ، ہاتھی میرے ساتھی، ریشماں اور شیرا، قیمت، جنتے زخم، دامن اور آگ، آوارہ، ہوڑہ برج، نقلی نواب، کالا پانی، تیسری منزل، صاحب بہادر، جادو ٹونا، کالیا، شردھانجلی، پروفیسر پیارے لال، دوستانہ، گورو ہو جا شروع، دو پریمی، این ایوننگ ان پیرس، ایجنٹ ونود، لیلیٰ، لاٹ صاحب، من کی جیت وغیرہ۔

کے این سنگھ نے آخری پانچ سال بینائی سے محرومی کی حالت میں کاٹے۔ اور ۳۱؍جنوری ۲۰۰۰ء کو ممبئی میں اپنی رہائش گاہ پر ہی وفات پاگئے۔

کیدار شرما: ہدایت کار، کہانی نویس، گیت کار کیدار شرما ۱۲؍اپریل ۱۹۱۰ء کو نارووال (پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے تیج ناتھ ہائی اسکول اور ہندو سبھا کالج امرتسر میں تعلیم پائی۔ ۱۹۳۳ء میں دیوکی بوس کی فلم "پورن بھگت" دیکھ کر وہ نیو تھیٹر میں کام حاصل کرنے کی غرض سے کلکتہ گئے جہاں دیوکی بوس نے انہیں اپنی فلم ''سیتا'' (۱۹۳۴) میں اسٹل فوٹو گرافی کا کام سونپ دیا۔ کئی سال اس طرح کے چھوٹے موٹے کام کرنے کے بعد انہیں ۱۹۳۶ء میں فلم "دیوداس" میں مکالمے اور گیت لکھنے کا موقع ملا جس سے



انہیں شہرت ملی۔ پھر ۱۹۴۰ء میں انہوں نے فلم ''تمہاری جیت'' اور اولاد ڈائرکٹ کیں۔ مگر انہیں صحیح معنوں میں شہرت ۱۹۴۱ء میں بھگوتی چرن ورما کی کہانی پر مبنی فلم ''چتر لیکھا'' (مہتاب، نندریکر) ڈائرکٹ کرنے پر ملی۔ اس فلم نے انہیں چوٹی کا ڈائرکٹر بنا دیا۔ اس کے بعد انہوں نے متعدد فلموں کی ڈائرکشن کی جن میں ارمان، گوری، ممتاز محل، دھنا بھگت، چاند چکوری، دنیا ایک سرائے، نیل کمل، سہاگ

رات، نیکی اور بدی، باورے نین، جوگن، گناہ، چوراچوری، ہماری یاد آئے گی، اور فریاد وغیرہ شامل ہیں۔ان کے علاوہ انہوں نے چلڈرن فلم سوسائٹی کی کئی فلمیں جیسے جل دیپ (۱۹۵۶ء) گنگا کی لہریں (۱۹۵۷) بچوں سے باتیں، ہریا، گلاب کا پھول، ۲۶ رجنوری، ایکتا، میرا کا چتر، چیتک، مہا تیرتھ، خدا حافظ وغیرہ ڈائرکٹ کیں اور لکھیں۔

۲۹ راپریل ۱۹۹۹ء کو ان کی ممبئی میں وفات ہوگئی۔

گلاب : خاموش رمتکلم دور کی مشہور ہیروئن رویمپ رادا کارہ گلاب ۱۰ رجون ۱۹۰۸ء کو جموں توی (جموں کشمیر) میں پیدا ہوئیں۔۱۹۲۳ء میں کرشنا فلمز کمپنی جوائن کی اور متعدد خاموش فلموں میں بطور ہیروئن نمودار ہوئیں۔بعدازاں انہوں نے ویمپ اور پھر ماں کا رول بھی ادا کیا۔۱۹۲۵ء میں ان کی ابتدائی فلم" باپ کمائی" تھی اور ۱۹۳۶ء میں رام بھروسے۔ان کی اہم فلمیں ہیں: روپ سندری، کلد یپک، مایا موہنی، کنج کشوری، ترن تپسوین، انمول رتن، چھوٹی بھابھی، راج مکٹ، مرلی والا، حاتم طائی، سوریہ کماری، مالتی مادھو، خوبصورت بلا، حسن کا غلام، ویرآنگنا، پنجاب کا سنگھ، نئی دنیا، بیمیل، نشانِ جنگ، بنر بائی نیس، بھیا جی، بجلی، سردارِ اول، تاتار کا چور، میرے ساجن، اُلٹی گنگا، انجان، اسٹیشن ماسٹر، چوڑیاں، وشواس، رتن، بچپن، میرا بائی، دودل، نمونہ، ناچ، امتحان، لاہور، پیار، وفا، امر بھوپالی، ترانہ، ارمان، راج محل، بہت دن ہوئے، احسان، پنشنر، اسٹیج، ٹوٹا کھلونا، چھبیلی، سہارہ، مرزا صاحباں، حقیقت (۱۹۶۴ء)، رام اور شیام (۱۹۶۷ء) وغیرہ۔

گلشن کمار: ۵رمئی ۱۹۵۶ء کو دہلی میں پیدا ہوئے اور ابتدائی زندگی میں معمولی پھل کا کاروبار کرتے رہے۔پھر میوزک کمپنی قائم کی اور نوئیڈا میں کیسٹ کی فیکٹری کی بنیاد رکھی اور ٹی سیریز کیسٹ اور پھر بلیک اینڈ وائٹ اور رنگین ٹی وی ٹی وی سیٹ بنانے شروع کئے اور انہیں مارکیٹ میں کم قیمت میں فروخت کیا۔بعدازاں انہوں نے فلمی صنعت میں قدم رکھا اور نئے نئے گلوکاروں کو متعارف کرایا جن میں سونو نگم اور انورادھا پوڈوال خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔پھر فلمساز اور ہدائت کار بھی بن گئے۔سب سے پہلے انہوں نے ''لال دوپٹہ ململ کا'' پروڈیوس کی۔بعد ازاں 'عاشقی' بنائی جس کے گیت سپرہٹ ہوئے۔اس کے بعد دل ہے کہ مانتا نہیں، آجا میری جان، تیری قسم کو پروڈیوس کرنے کے علاوہ'' بے وفا صنم'' کی ہدائت کے فرائض بھی انجام دیئے۔۱۲ راگست ۱۹۹۷ء کو مغربی ممبئی کے بھارت نگر کے مندر سے پوجا کر کے باہر نکلے تو کسی مافیا



گروپ نے انہیں ہلاک کر دیا۔ ان کی بیٹی تلسی کمار پلے بیک سنگر ہیں۔

گلشن گروور: مشہور ویلن گلشن گروور کی پیدائش ۲۱ ستمبر ۱۹۵۵ء کو نئی دہلی میں ہوئی۔ وہ ایک



کامیاب ویلن ہیں جو بالی وڈ میں 'بیڈ مین' کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کی ایک خوبی یہ ہے کہ اپنی فلم میں اپنا لباس اور حلیہ منفرد رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اپنی شاندار اداکاری کی بدولت انہوں نے بالی وڈ سے ہالی وڈ تک کا سفر طے کیا ہے اور عالمی شہرت پائی ہے۔ اپنی کامیاب اداکاری کی بنا پر یہ کئی نیشنل اور انٹر نیشنل ایوارڈ پا چکے ہیں۔ ان کی کچھ اہم فلمیں ہیں۔ ہم پانچ (۱۹۸۰) راکی، صدمہ، اوتار، انصاف کون کرے گا؟، سوہنی ماہیوال، خطروں کے کھلاڑی، ویرانہ، رام لکھن، لولولو، سوداگر، قربان، تیاگی، یار غدار، راجہ بابو، یس باس، ممبرہ، کریمینل، سب سے بڑے کھلاڑی، ارتھ، انٹرنیشنل کھلاڑی، لجا، ہندوستان کی قسم۔

گوپ: مزاحیہ اداکار گوپ کا شمار ہندوستانی سنیما کے معروف کامیڈین میں ہوتا ہے۔ پہلے پہل انہوں نے چھوٹے موٹے رول کئے اور پھر ۱۹۳۳ء میں فلم 'انسان یا شیطان' میں نمایاں طور پر نمودار ہوئے۔



ہدایت کار محبوب خان کی فلم ''روٹی'' میں انہوں نے ایک فقیر کا رول بڑے خوبصورت انداز میں کیا۔ انہوں نے سہراب مودی کی فلم 'کندن' میں ایک چھوٹا سا رول کیا تھا اور اپنے مکالمے بولنے کے انداز سے پبلک کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ اُن کی معروف فلمیں ہیں پگڑی، ہندوستان ہمارا، پتنگا، مرزا صاحباں، انداز، آوارہ، انور داتھا، چھیل چھبیلی، ہاف ٹکٹ، کلرک بابو، اور چوری چوری وغیرہ۔ ۱۹۵۱ء میں انہوں نے ترانہ (دلیپ کمار۔ مدھوبالا) میں ویلن کا رول بھی بڑی عمدگی سے نبھایا۔ انہوں نے پچاس کے دہے میں گوپ پروڈکشن کی بنیاد رکھی اور 'ہنگامہ' اور 'برادری' ایسی فلمیں بنائیں۔ انہوں نے اداکارہ لتیکا سے شادی کی۔

۱۹۵۷ء میں ممبئی میں ان کی موت ہوگئی۔ وہ آخر دم تک فلموں میں کام کرتے رہے۔

گوپی کرشن: رقاص / اداکار / ڈانس ڈائرکٹر گوپی کرشن (۲۲ راگست ۱۹۳۵ء کلکتہ۔ ۱۸ رفروری ۱۹۹۴ء ممبئی) کا تعلق معروف کتھک رقاص کنبے سے ہے جس میں شمبھو مہاراج، لچھو مہاراج اور اچھن مہاراج ایسے عظیم رقاص گزرے ہیں۔ ان کی بہن فلم اسٹار ستارہ دیوی بھی کتھک کی مشہور ڈانسر



ہیں۔انہوں نے بھارت ناٹیم کی تعلیم مہالنگم پلے اور گووند راج پلے سے حاصل کی۔انہیں یہ بھی فخر حاصل ہے کہ وہ ۱۷ سال کی عمر میں فلم" ساقی" کے ڈانس ڈائرکٹر بن گئے۔ اس کے بعد سنگدل، آندھیاں، شگوفہ، جلیاں والا باغ، گولکنڈہ کے قیدی، پرنیتا، داستان، محبوبہ، امراؤ جان، پرفیکٹ مرڈر میں بھی وہ ڈانس ڈائرکٹر تھے۔ راجکمل کی ٹیکنی کلر فلم ''جھنک جھنک پائل باجے'' کے لیڈنگ اداکار ہونے کے علاوہ اس کے ڈانس ڈائرکٹر بھی تھے۔گوپی کرشن نے ۱۹۵۴ء میں کتھک ڈانسر ساوتری سے شادی کی جس سے ان کی بیٹی شمپا سنتھالیہ ہے جو اب معروف ڈانس ڈائرکٹر ہے۔

گورودت: اداکار، ہدائت کار، فلمساز اور ڈانس ڈائرکٹر گورودت کا اصلی نام وسنت کمار شیوشنکر پاڈوکون تھا مگر فلمی دنیا میں وہ گورودت کے نام سے معروف ہوئے۔ وہ ان فلمی ہستیوں میں سے تھے جنہوں نے پچاس کی دہے میں غیر معمولی شہرت حاصل کی۔ اُن کی ولادت ۹ جولائی ۱۹۲۵ء کو بنگلور میں شیوشنکر پاڈوکون کے ہاں ہوئی جو ایک اسکول میں ہیڈ ماسٹر تھے۔ والدین کے درمیان تفرقہ کی وجہ سے ان کی زندگی پریشانیوں میں گذری رہی۔ ایسے ہی حالات میں وہ تعلیم کے لئے کلکتہ چلے گئے مگر مالی دشواریوں کے کارن وہ صرف میٹرک (۱۹۴۱ء) تک ہی تعلیم پا سکے۔ گورودت نے رقص کی تعلیم پائی اور پربھات فلم میں تین سال کے لئے



ڈانس ڈائرکٹر مقرر ہو گئے۔ انہوں نے" چاند" میں سری کرشنا کا رول بھی ادا کیا۔ ''ہم ایک ہیں'' میں بھی وہ ڈانس ڈائرکٹر تھے۔ بعد ازاں وہ امیہ چکرورتی کے معاون ہدائت کار بن گئے۔ ۱۹۵۰ء میں دیو آنند نے انہیں بازی کی ڈائرکشن سونپی جس میں انہیں بے حد کامیابی ملی اور ساحر کا گیت" تدبیر سے بگڑی ہوئی تقدیر بنا لے" بڑا مقبول ہوا۔ بعد میں انہوں نے جال، آر پار، مسٹر اینڈ مسز ۵۵ء کے بعد ۱۹۵۷ء میں فلم 'پیاسا' بنائی جسے بڑی کامیابی حاصل ہوئی۔ مگر ان کی شاہکار فلم" کاغذ کے پھول" پردہ اسکرین پر ناکام ہوگئی حتیٰ کہ اُن کا اسٹڈیو تک بک گیا۔ اس کے بعد وحیدہ رحمان کے عشق میں بھی انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور انہوں نے نیند کی گولیاں کھا کر ۱۰/ اکتوبر ۱۹۶۴ء کو خودکشی کر لی۔ مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی کلاسیک فلمیں" پیاسا" اور" کاغذ کے پھول" ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ بطور اداکار ان کی فلمیں ہیں: چاند (۱۹۶۴ء)، لاکھارانی، بہورانی، بھروسہ، صاحب بی بی اور غلام، سوتیلا بھائی، چودھویں

کا چاند، کاغذ کے پھول، بارہ بجے، پیاسا، مسٹر اینڈ مسز ۵۵، باز، آر پار، سانجھ اور سویرا (۱۹۶۴ء) اور بطور ہدائت کاران کی فلمیں ہیں:...... بازی (1951) جال، باز، آر پار، سیلاب، مسٹر اینڈ مسز ۵۵، پیاسا اور کاغذ کے پھول۔

گووندا: اداکار۔ نام گووندا آہوجہ اور پیدائش ۲۱ ردسمبر ۱۹۶۳ء ممبئی۔ انہوں نے زندگی میں بڑے نشیب وفراز دیکھے۔ ان کے والدین ارون (۲۶ رجنوری ۱۹۱۷ء۔ ۳ رجولائی ۱۹۴۸ گوجرانوالہ پاکستان) اور نرملا اپنے وقت کے معروف اداکار اور گلوکار بھی تھے۔ گووندا جب پیدا ہوئے تو وہ جوہو کے پوش علاقہ میں رہتے تھے مگر والد کی شراب نوشی اور فضول خرچی نے انہیں ورار کی ایک کمتر بستی میں لا پھینکا۔



گووندا کو فلمی دنیا میں آنے کے لئے بڑی جدوجہد کرنی پڑی۔ ان کی پہلی فلم 'لو ۸۶' تھی جس میں انہوں نے ہیروئن نیلم کے ساتھ بطور ہیرو کام کیا تھا۔ ان کی کامیاب فلموں میں ''شعلہ اور شبنم (۱۹۹۲ء) آنکھیں (۱۹۹۳ء) اور راجہ بابو (۱۹۹۴ء) ہیں۔ انہوں نے متعدد فلموں میں کام کیا جن میں دریا دل، شوشکتی، بتیا، گھر گھر کی کہانی، مرتے دم تک، فرض کی جنگ، دوست غریبوں کا، مہا سنگرام، جنگ باز، عزت دار، خودغرض، سورگ، ہم، بھابھی، رئیس زادہ، تیری پائل میرے گیت، بیٹا ہو تو ایسا، آندولن، قلی نمبر۔ ون، بیٹا نمبر۔ ون، دادا گیری، سندھور، گھر گھر کی کہانی، حلال کی کمائی، پیار محبت، آخری بازی، دو قیدی، جنٹلمین،،، نو بادشاہ، طاقتور، کالی گنگا، نیا خون، مقابلہ، رادھا کا سنگم، آدمی کھلونا ہے، پرتیکشا، ساجن چلے سسرال، پارٹنر، اوم شانتی اوم، بندہ یہ بنداس ہے، افراتفری، کل دِل، راون، وانٹیڈ، دیوانہ میں دیوانہ، ہم سے ہے جہان وغیرہ۔

انہیں فلم فئیر کے علاوہ اور بھی بہت سے ایوارڈ مل چکے ہیں۔

۱۱ رمارچ ۱۹۸۷ء کو انہوں نے سنیتا سے شادی کی جو رشتے میں اُن کے ماموں کی سالی تھیں۔ اس سے اُن کے دو بچے ہیں نرمدا اور یش وردھن۔

گووندا سیاست میں بھی آئے اور کانگریس کے ٹکٹ پر ممبر پارلیمنٹ بھی منتخب ہوئے مگر وہ اس میدان میں ناکام ہوئے اور انہوں نے سیاست سے پلہ جھاڑ لیا۔

گوھر: اداکارہ، فلمساز اور اسٹڈیو کی مالک مس گوہر کا پورا نام گوہر قیوم ماماجی والا تھا اور ان کی ولادت ۱۹ رنومبر ۱۹۱۰ء کو لاہور (پاکستان) میں ہوئی تھیں۔ خاموش فلموں کی وہ مشہور ہیروئن تھیں اور سب سے پہلے انہوں نے ۱۹۲۵ء میں 'فارچون اینڈ دی فولز' میں کام کیا تھا۔ کو ہِ نور اور جگدیش فلمس سے وابستہ رہنے



کے بعد ۱۹۲۹ء میں انہوں نے سر چندو لال شاہ کے اشتراک سے رنجیت اسٹڈیو کی بنیاد رکھی۔انہوں نے فلم ''پتی پتنی'' کو آزادانہ پروڈیوس کیا۔انہوں نے لگ بھگ ۱۲۶ فلمیں بنائیں۔
انہوں نے اوشا ہرن، اچھوت، قیمتی آنسو، سپاہی کی سجنی، راج رانی، پربھو کا پیارا، ڈربی کا شکار، پیر سٹرز وائف، طوفان ترنی، گن سندری، تارا سندری، وشوموہنی، مس ۱۹۳۳ء، شیل بالا، ستی ساوتری، رادھا رانی، دیوی دیویانی، وائلڈ فلاورز، راج لکشمی، مائی ڈارلنگ، شیریں خسرو، پورن بھگت، وشوموہنی، پتی پتنی، پنجاب میل، گلشنِ عرب، چندر مکھی، گھر جمائی، مینا کماری، ممتاز محل، پرتھوی پتر، شیریں فرہاد، تھیف آف دہلی، گرہ لکشمی وغیرہ فلموں میں اداکاری کی۔
۷۰ کے دہے میں وہ فلموں سے سبکدوش ہوگئیں اور ۲۸ ستمبر ۱۹۸۵ء کو ممبئی میں ان کی وفات ہوگئی۔

گیان مکرجی: پروڈیوسر ڈائرکٹر گیان مکرجی ۳۰ ستمبر ۱۹۰۹ء کو بنارس (وارانسی) میں پیدا ہوئے۔ایم ایس سی کرنے کے بعد بمبئی آگئے اور وہاں کچھ مدت سائنس اینڈ کلچر میگزین کے اسسٹنٹ ایڈیٹر رہے۔پھر بمبے ٹاکیز بطور ٹیکنیشین جوائن کی اور بہت سی فلموں جیسے جھولا، بندھن، نیا سنسار، شکاری، سنگرام کے اسکرین پلے لکھے۔بطور پروڈیوسر پہلی فلم 'سردار' تھی اور بطور ڈائرکٹر 'جھولا'۔انہوں نے قسمت، چل چل رے نوجوان، سردار، شطرنج، مدھو، شمشیر، سنگرام وغرہ کئی فلموں کی ہدائت کے فرائض انجام دئے۔
۱۳ نومبر ۱۹۵۶ء کو ان کی کلکتہ میں وفات ہوگئی۔

گیانی: اداکار گیانی کا پورا نام تھا ارون سنگھ، اور وہ ۲۳ جنوری ۱۹۰۰ء کو امرتسر میں پیدا ہوئے، ان کی پہلی فلم تھی ''دکھی جوانیاں'' اور انہوں نے پردیسی ڈھولا، چتر لیکھا، داسی،، پگ ڈنڈی، بن باسی، ٹھیس، چھوٹی بھابھی، اولاد گناہ، میم صاحب، تاج میں کام کیا۔وہ کئی موسیقاروں کے معاون بھی رہے۔

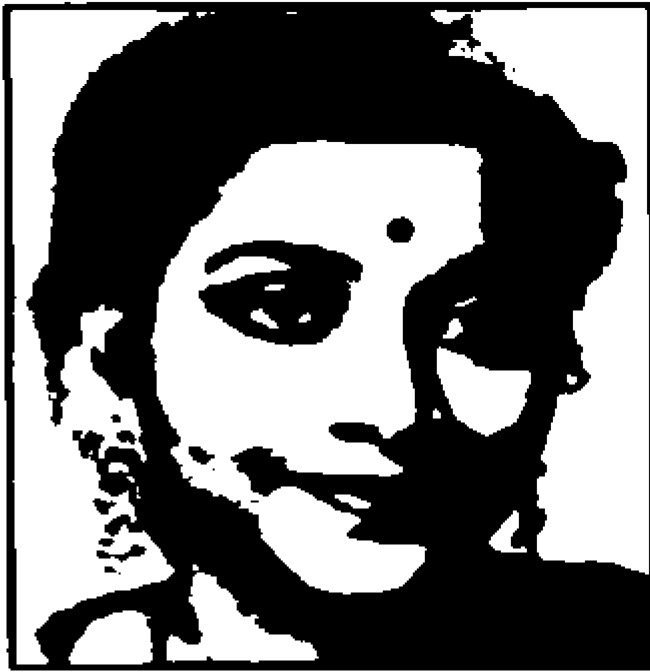
گیتا بالی: گیتا بالی اپنے دور کی نامور اداکارہ رقاصہ تھیں اور انہوں نے اس دور کے مشہور اداکاروں جیسے پرتھوی راج، کپور، شمی کپور، راجکپور، دیو آنند، بلراج ساہنی کے ساتھ کام کیا تھا۔گیتا بالی کا اصلی نام ہری کیرتن کور تھا اور ان کی ولادت ۱۹۳۰ء میں بمقام سرگودھا (پنجاب، پاکستان) ہوئی تھی۔بٹوارے سے پیشتر انہوں نے چائلڈ آرٹسٹ کی حیثیت سے ''کابلر'' وغیرہ میں کام کیا پھر وہ فلم ''بدنام'' میں بطور ہیروئن نمودار ہوئیں مگر یہ فلم



ناکام ہوئی۔ جب ۱۹۴۸ء میں انہوں نے کیدار شرما کی فلم "سہاگ رات" میں کام کیا تو ان کی اداکاری نے فلم بینوں کو بڑا متاثر کیا اور اس کے بعد انہیں فلموں میں آفر ملنے لگیں۔ ۱۹۴۹ء میں انہوں نے "بڑی بہن" میں کام کیا جس میں پران رحمان اور ثریا بھی اہم اداکار تھے۔ ۱۹۵۰ء میں کیدار شرما کی فلم "باورے نین" میں ان کے ہیرو راجکپور تھے اور اس فلم کو بڑی کامیابی نصیب ہوئی۔ بعد ازاں انہوں نے بازی، جال (دیو آنند)، البیلا (بھگوان) وچن (بلراج ساہنی)، جیلر (ابھی بھٹاچاریہ) میں اپنی اداکاری کے جوہر دکھائے۔ ان کے علاوہ ان کی کچھ فلمیں تھیں آنند مٹھ، گھائل، مسٹر انڈیا، آنند بازار، کوی وغیرہ۔

۲۳ راگست ۱۹۵۵ء کو شمی کپور کے ساتھ بنگان مندر میں شادی کر لی جس میں چند قریبی جانکار ہی شریک ہوئے۔ شادی کے بعد انہوں نے دو بچوں ادتیہ عرف ملی اور کنچن کو جنم دیا۔ راجندر سنگھ بیدی کی فلم رانو (ایک چادر میلی سی) کی شوٹنگ کے دوران انہیں چیچک کی بیماری لاحق ہوگئی اور ۲۱ رجنوری ۱۹۶۵ء کو ان کی ممبئی میں وفات ہوئی۔

گیتا دت: پلے بیک سنگر، پورا نام گیتا گھوش رائے چودھری، ۲۳ رنومبر ۱۹۳۰ء کو فرید پور (بنگلہ دیش) میں پیدا ہوئیں جہاں سے ان کے والدین اپنی جائیداد فروخت کر کے پہلے کلکتہ اور بعد ازاں ۱۹۴۲ء میں ممبئی آ کر دادار میں سکونت پذیر ہو گئے۔ پلے بیک سنگر گیتا دت کی پرسوز اور دردیلی آواز لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا لیتی تھی۔ انہوں نے اپنا کیریئر ۱۹۴۶ء میں "بھگت پرہلاد" سے شروع کیا جس میں انہوں نے صرف دو لائنیں ہی گائی تھیں اور بعد میں فلم "دو بھائی" کے گیتوں سے ان کی پہچان بنی۔ ایس ڈی برمن اور او پی نیر نے ان کی جادو بھری آواز کا بھرپور استعمال کیا اور وہ شہرت کی بلندیوں پر پہنچ گئیں مگر ازدواجی زندگی ناکامیوں اور مایوسیوں کی



داستان بن گئی۔ ان کی مدھر آواز سے متاثر ہو کر ہدایت کار گورودت ان کے دیوانے ہو گئے اور ان سے شادی کر لی مگر وہ گیتا کو اس بات پر رضامند نہ کر سکے کہ وہ صرف ان کی فلموں میں ہی گائیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں کے تعلقات میں دراڑ پڑنی شروع ہوئی۔ اور پھر وحیدہ گورودت کے رومان کی خبروں نے ان دونوں کو ایک دوسرے سے الگ سا کر دیا اور اس دور میں گورودت نے بے تحاشا شراب پینی شروع کر دی جس سے آخرکار ان کی موت واقع ہوئی۔ گورودت کی موت کے شدید غم نے گیتا کو بھی شراب میں ڈبو دیا اور وہ بھی ۲۰ رجولائی ۱۹۷۲ء کو ممبئی میں انتقال کر گئیں۔ انہوں نے بے شمار گیت گائے جن کے جادو سے لوگ مسحور ہو جاتے تھے۔ ان گیتوں میں کچھ یہ ہیں: میرا سندر سپنا ٹوٹ گیا (دو بھائی) آج سجن

موہے انگ لگالو (پیاسا) وقت نے کیا کیا حسیں ستم (کاغذ کے پھول) تدبیر سے بگڑی ہوئی تقدیر بنا لے (بازی) وہ سپنے والی رات (پیار) آن ملو، آن ملو (دیوداس) ہوا دھیرے آنا (سجاتا)

لتا منگیشکر: آواز کی جادوگر لتا دینا ناتھ منگیشکر (پیدائش: ۲۸ر ستمبر ۱۹۲۹ء اندور (مدھیہ پردیش) کی آواز آج دنیا بھر میں گونج رہی ہے، اور انہیں ہی اس بات کا شرف حاصل ہے کہ انہیں تقریباً سبھی قابل فخر اعزازات حاصل ہو چکے ہیں جیسے پدم شری، پدم بھوشن (۱۹۶۹ء)، پدم وبھوشن (۱۹۹۹ء) بھارت رتن (۲۰۰۱ء) اور دادا صاحب پھالکے (۱۹۸۹ء) ایوارڈ وغیرہ۔ لتا کے والد دینا ناتھ منگیشکر اپنے دور کے معروف کلاسیکل سنگر تھے۔ لتا نے اپنی فلمی زندگی کی ابتدا مراٹھی فلم ''سہیلی'' اور منگلا گور'' سے کی تھی اور پہلی بار مراٹھی فلم ''آپ کی سیوا'' میں گیت گائے۔ ہندی فلم ''مجبور'' میں ماسٹر غلام حیدر نے انہیں گیت ''چپ چپ کھڑے ہو ضرور کوئی بات ہے'' گانے کا موقع دیا جو بہت مقبول ہوا۔ اس کے بعد انہوں نے اس دور کے سبھی موسیقاروں کے ساتھ کام کیا۔ اور اب تک ہزاروں گیت پیش کر چکی ہیں۔ انہوں نے بے شمار فلموں میں گیت گائے جن میں بیجو باورا، مغلِ اعظم (پیار کیا تو ڈرنا کیا)۔ کوہ نور، آگ، آہ، آوارہ، شری چار سو بیس، چوری چوری، سزا، دیوداس، محل، (آئے گا آنے والا) میرا سایہ (تو جہاں جہاں چلے گا میرا سایہ ساتھ ہوگا) مدھومتی (آجا رے پردیسی) آزاد، امر دیپ، دیکھ کبیرا رویا، ریلوے پلیٹ فارم، انارکلی آشا، البیلا، پہلی جھلک، عدالت، چاچا زندہ باد، دل اپنا اور پریت پرائی (عجیب داستاں ہے یہ) بیس سال بعد (کہیں دیپ جلے کہیں دل) ان پڑھ (آپ کی نظروں نے سمجھا پیار کے قابل مجھے) وہ کون تھی (نیناں برسیں رم جھم) گائیڈ، جیول تھیف، پاکیزہ (چلتے چلتے) پریتیجے (بیتی نہ بتائے) پریم پجاری (رنگیلا رے) کورا کاغذ (روٹھے روٹھے پیا) کارپوریٹ، جیل (داتا سن لے) پکار، لگن، زبیدہ، چاندنی، لمحے، ڈر، یہ دل لگی، دل والے دلہنیا لے جائیں گے۔ دل تو پاگل ہے، مجھ سے دوستی کروگی، ویر زارا، رنگ دے بسنتی وغیرہ شامل ہیں۔ انہیں یہ بھی فخر حاصل ہے کہ گنی بک آف ورلڈ ریکارڈ ۱۹۸۴ء میں انہیں (۸۴-۱۹۴۸ء) دنیا کی سب سے زیادہ ریکارڈ کی گئی گلوکارہ قرار دیا گیا ہے۔ یہی نہیں انہیں یہ بھی شرف حاصل ہے کہ ان کی تینوں بہنیں آشا بھونسلے، اوشا منگیشکر، مینا منگیشکر گلوکارہ ہیں اور چھوٹا بھائی ہردے ناتھ منگیشکر موسیقار۔



للتا پوار: ہیروئن، کیرکٹر ایکٹرس للتا بائی ہنومان پرساد (۱۶ر اپریل ۱۹۱۶ء-۲۴ر فروری



۱۹۹۸، ممبئی) ویمپ اور ظالم ساس کا رول کرنے میں جواب نہیں رکھتی تھیں۔ ان کی پہلی فلم راجہ ہریش چندر تھی جو ۱۹۲۸ء میں ریلیز ہوئی اور آخری'' بھائی'' (۱۹۹۷ء)۔ انہوں نے متعدد فلموں میں ہیروئن کا رول کیا۔ ''ہمت مرداں'' میں انہوں نے تین رول ادا کئے تھے۔ ہیروئن، ویمپ اور ہیروئن کی ماں کا۔ بھگوان دادا کی فلم میں کام کرنے کے دوران ان کی آنکھ پر چوٹ لگ گئی جس سے ان کی ایک آنکھ میں نقص پیدا ہوگیا۔ بعد ازاں انہوں بے شمار فلموں میں، ماں ساس دادی وغیرہ کے یادگار رول کئے۔ ان کی اہم فلمیں ہیں۔ پتت پاون، دنیا کیا ہے (پروڈیوسر)، داغ، پرچھائیاں، گرہستی، بہت دن ہوئے، امرت، نیتا جی پالکر، جے ملہار، جے شری، زندگی کے میلے، بجنی، کرشن بھگتی، ہیر رانجھا جہیز، آنند، نیل کمل من کی آنکھیں، آنکھیں، شری ۴۲۰، رام شاستری، مسٹر اینڈ مسز ۵۵، اناڑی، سجاتا، ہم دونوں، نو دو گیارہ، پروفیسر، دوسری سیتا، تپسیا، آئینہ، کالی گھٹا، پھر وہی رات، سو دن ساس کے، وغیرہ۔

وہ بوراولی میں تنہا رہتی تھیں، ۲۴ رفروری ۱۹۹۸ء کو ان کا انتقال ہوا تو اس کے ہفتے بعد لوگوں کو تب پتہ چلا جب اندر سے بدبو آنے لگی اور پولیس نے تالہ توڑا۔

لیلا مصرا: کیرکٹر ایکٹر لیلا مصرا۔ یعنی 'شعلے' کی موسی کا جنم ۱۹۰۸ء میں بمقام بنارس ہوا اور انہوں نے لگ بھگ دو سو فلموں میں ماں، موسی، چاچی، دادی کا کردار ادا کیا۔ ۱۵ سال کی عمر میں ان کی آر مصرا سے شادی ہوگئی جو فلموں اور ڈراموں کے بڑے شوقین تھے۔ لہذا وہ اس شوق میں ممبئی چلے گئے اور بعد ازاں کھانے پینے کی دقت کی وجہ سے انہوں نے اپنی بیوی لیلا مصرا کو بھی وہیں بلا لیا۔ لیکن انہیں فلموں میں کامیابی نہ ملی اور لیلا مصرا جن کا ارادہ فلموں میں کام کرنے کا نہیں تھا، انہیں کولہاپور سینے ٹون نے اپنے ہاں ملازم رکھ لیا۔ بعد ازاں لیلا مصرا نے متعدد فلموں میں کام کیا۔ ان کی اہم فلمیں ہیں: جلتے دیپ۔ مقدر، شادی کی رات، رام اوتار، شیش محل، کمل کے پھول، آرام، شہنائی، ناستک، پیار کی جیت، آوارہ، گیت گاتا چل، ابودھ، ندیا کے پار، چتر لیکھا (۱۹۴۱ء) انمول گھڑی، سہارہ، لاجونتی لڑکی، پیاسا، کالج گرل، لیڈر، دوستی، رات اور دن، سہانا سفر، دشمن، لال پتھر، میرے اپنے، پرتیچے، گنگا میا تہوے پیرڑی چڑھاؤں، امر پریم، البیلا،



سوداگر، بڑے کبوتر ہنی مون، ماں کا آنچل، باتوں باتوں میں، خوشبو، بیراگ، محبوبہ، پہیلی، صدمہ، آمنے سامنے، وغیرہ۔

۱۷ جنوری ۱۹۸۸ء کو ۸۰ سال کی عمر میں ممبئی میں انتقال کر گئیں۔

ماروتی: کامیڈین اداکار ماروتی کا نام ماروتی راؤ لپٹ راؤ پرب تھا وہ ۱۲ فروری ۱۹۲۷ء کو بمبئی میں پیدا ہوئے۔ پہلی فلم پاگل دنیا تھی۔ کئی فلموں میں کام کر چکے ہیں جیسے چھوٹی بھابھی، باورے نین، من کا میت، ہماری شان، علی بابا چالیس چور، اوٹ پٹانگ وغیرہ۔

مالا سنہا: اداکارہ۔ مالا سنہا کی ولادت ۱۱ نومبر ۱۹۳۶ء کو نیپال میں ایک عیسائی گھرانے میں ہوئی۔ والدین نے ہالڈا (Halda) نام رکھا مگر بعد میں انہوں نے بدل کر مالا کر دیا۔ مالا کی آواز بڑی مدھر ہے مگر انہوں نے کسی فلم میں پلے بیک گانے نہیں گائے تاہم کئی زبانوں میں اسٹیج شو کر چکی ہیں۔ انہوں نے اپنا کیریئر بطور چائلڈ آرٹسٹ بنگلہ فلم ''جے ویشنو دیوی'' سے کیا اور پھر شری کرشن لیلا، جوگ بیوگ، دھولی میں بھی چائلڈ اسٹار کی حیثیت سے کام کیا۔ معروف ہدایت کار ادھندو بوس نے ان کی اداکاری دیکھی اور انہیں اتنی پسند آئیں کہ اپنی فلم ''روشن آرا'' میں بطور ہیروئن لے لیا۔ بعدازاں وہ کسی بنگلہ فلم میں کام کرنے کی غرض سے ممبئی گئیں جہاں گیتا بالی ان سے بڑی متاثر ہوئیں اور انہوں نے ان کا تعارف ہدایت کار کیدار شرما سے کرا دیا جنھوں نے انہیں اپنی فلم 'رنگین راتیں' میں شمی کپور کے بالمقابل بطور ہیروئن لے لیا۔ پھر گورو دت نے انہیں ''پیاسا'' میں پیش کیا اور ان کی اداکاری نے فلم بینوں پر گہرا تاثر چھوڑا۔ دھول کا پھول، ہریالی اور راستہ اور ان پڑھ بھی ان کی یادگار فلمیں ہیں۔ انہوں نے متعدد فلموں میں کام کیا جن میں ہیملٹ، سہاگن، بادشاہ، رتن منجری، جھانسی کی رانی، ایک شعلہ، پیسہ ہی پیسہ، رنگین راتیں، پیاسا، فیشن نیا زمانہ، لال بتی، اپرادھی، ایک گاؤں کی کہانی، نوشیروانِ عادل، ڈی ٹیلکو، چندن، پھر صبح ہوگی، دیور بھابھی، اُجالا، دنیا نہ مانے، لو میرج، دھول کا پھول، بیوقوف، پیار کا سپنا، دو کلیاں، ہمسایہ، میرے حضور، پیار یا پیسہ، دو بھائی، گیت، کنگن، چاہت، سنجوگ، للکار، کہانی ہم سب کی، ارچنا، نصیب، سنہرا سنسار، کورا بدن، ۳۶ گھنٹے، زندگی، دو لڑکیاں، دھن دولت، ہرجائی، بابو، دل تجھ کو دیا، کھیل، رادھا کا سنگم، آسرا، جال، دل لگی، نائٹ ان لندن، نئی روشنی، آنکھیں، مَیں نشے میں ہوں، ہمالہ کی گود میں، میرے لال، بہاریں پھر بھی آئیں گی، ان پڑھ، ہریالی اور راستہ، جعل ساز، ضد (۱۹۹۴ء) وغیرہ بھی شامل ہیں۔



مبارک: اداکار رکیریکٹر ایکٹر مبارک مرچنٹ ۳۰ رجنوری ۱۹۰۹ء کو بمبئی میں پیدا ہوئے۔ خاموش فلموں کے زمانے میں فلموں میں کام شروع کیا۔ پہلی خاموش فلم ''پتی پتنی'' تھی۔ لگ بھگ ایک سو فلموں میں کام کیا۔ جن میں کنگن، نیا سنسار، قسمت، تان سین، منورما، رینوکا، شبنم، سمادھی، انار کلی، شیش محل، ناگن، ہیر، بے گناہ، ایک جھلک، چمپا کلی، شعلہ اور شبنم، جب پیار کسی سے ہوتا ہے، آئے دن بہار کے، ہمراز، برکھا بہار (۱۹۷۳ء) وغیرہ شامل ہیں۔ فلم ''ساتھی'' پروڈیوس کی اور ''بھورانی'' ڈائرکٹ۔

مبارک بیگم: گلوکارہ مبارک بیگم جن کا ہدائت کار کیدار شرما کی فلم ''ہماری یاد آئے گی'' کا گیت کبھی تنہائیوں میں یوں ہماری یاد آئے گی'' ایک یادگار گیت بن چکا ہے، آج بھی گمنامی کی زندگی



بسر کر رہی ہیں۔ ان کی پیدائش ۱۹۴۰ء میں اپنے ننیہال گڑھ، چورو، (راجستھان) میں ہوئی تھی اور وہ غریبی اور گھریلو حالات کی وجہ سے تعلیم سے نابلد رہیں۔ وہ لوگ نول گڑھ کے رہنے والے تھے مگر ان کے دادا کی احمد آباد میں چائے کی چھوٹی سی دکان تھی اور اس کے والد بھی وہاں پھلوں کی ٹھیلی لگاتے رہے۔ پھر مبارک نے استاد تھرکواں خاں سے طبلہ سیکھا اور وہ لوگ ممبئی آگئے۔ مبارک بیگم کا گلوکاری کے شوق دیکھتے ہوئے ان کے والد نے انہیں استاد ریاض الدین خاں اور استاد صمد خاں کا شاگرد بنادیا۔ بعد ازاں آڈیشن میں کامیاب ہوجانے پر ریڈیو پر بھی گانے لگیں۔ انہیں رفیق غزنوی اور شیام سندر نے گانے کا موقع دیا مگر وہ نروس ہوکر گا نہ سکیں۔ بالآخر جدن بائی کی سفارش پر انہیں یعقوب کی فلم '' آیئے'' (۱۹۴۹ء) میں گانے کا موقع ملا اور کامیابی سے ہمکنار ہوئیں۔ ۱۹۵۰ء اور ۱۹۶۰ کے دہے میں انہوں نے بہت سے ممتاز موسیقاروں جیسے ایس ڈی برمن، خیام اور شنکر جے کشن کے ساتھ کام کیا اور نرگس، سنیل دت اور راجندر کمار کی فلموں کے لئے گیت پیش کئے۔ ۱۹۶۳ء میں ان کا ''ہمراہی'' میں گایا گیت ''مجھ کو گلے لگا لو اے میرے ہمراہی'' بہت مقبول ہوا۔ مگر کچھ فلمی گائیکوں نے فلمی صنعت میں ان کے قدم جمنے نہیں دئے جس کی وجہ سے وہ تنگدستی اور بدحالی کا شکار رہیں۔ ان کے کچھ گیت ہیں' میرا بھولا بلم، (کندن۔ غلام محمد) دیوتا تم ہو میرا سہارا (دائرہ۔ جمال سین) محلوں کے رہنے والے (شباب۔ نوشاد) حالِ دل سنائیں گے (مدھومتی) وہ نہ آئیں گے پلٹ کر (دیوداس۔ ایس ڈی برمن) کے علاوہ ماں کے آنسو، اولاد، شیشہ اور رشتہ وغیرہ کے گیت بھی انہوں نے گائے۔ آخری بار انہوں نے ۱۹۸۰ء میں فلم ''راموتو دیوانہ ہے'' کا گیت سنوریا تیری یاد میں گایا تھا...... تاہم کیدار شرما کی فلم ''ہماری یاد'' نے انہیں غیر معمولی کامیابی سے دوچار کیا۔ انہوں نے

متعدد نامور موسیقاروں کے ساتھ کئی یادگار گیت پیش کئے مگر انہیں وہ شہرت نہ ملی جس کی وہ حقدار تھیں۔
ان کا گزر حکومت کی جانب سے دی جانے والی معمولی پنشن اور پھر کبھی کبھار گانے کی آمدنی پر ہے۔

متھن چکرورتی :اداکار۔اصلی نام گورنگا چکرورتی لیکن فلموں میں متھن چکرورتی کے نام سے معروف ہوئے۔اُن کی پیدائش ۱۶رجون ۱۹۵۰ء کلکتہ میں ہوئی۔انہوں نے سکاٹش چرچ کالج سے کیمسٹری میں بی اے کیا۔بعدازاں انہوں نے فلم اینڈ ٹی وی انسٹی ٹیوٹ پونے سے اداکاری کی تربیت پائی۔اور بنگالی فلموں میں کام شروع کیا۔وہ نکسل تحریک سے بھی وابستہ رہے۔۱۹۷۰ء میں وہ پولیس کے ڈر سے بھاگ کر ممبئی آ گئے اور ۱۹۷۱ء میں اُتپل دت نے انہیں اپنی فلم ''مرگیہ'' میں پیش کیا جس پر انہیں بہترین اداکار کا نیشنل ایوارڈ بھی ملا۔اس فلم میں ان کی اداکاری کو لوگوں نے بہت پسند کیا پھر وہ مدراس کی اسنٹ فلموں میں کام کرنے لگے۔جس میں ان کی فلم ''گن ماسٹر جی نائن'' بڑی مقبول ہوئی۔بعدازاں انہیں راج ببر،سنجیو کمار،امریش پوری اور سمتا پاٹل کے ساتھ فلم ''ہم پانچ'' میں کام کرنے کا موقع ملا اور اس میں ان کی اداکاری کو بڑا پسند کیا گیا۔پھر وہ رنجیتا کے ساتھ بطور ہیرو نمودار ہوئے۔لیکن انہیں زیادہ شہرت ۱۹۸۰ء کی دہائی کی فلم ''ڈسکو ڈانسر'' اور ''ڈانس ڈانس'' سے ملی۔متھن نے ''اگنی پتھ'' میں امیتابھ بچن کے ساتھ ایک مدراسی کا رول کر کے اس میں جان ڈال دی۔اُن کی فلموں میں دو انجانے، گورو، غلامی، کمانڈر، اعلان، ترانہ۔پریم واہ، پیار کا قرض، گناہوں کا دیوتا، پیار کا دیوتا، دلال، شپتھ، جوڑی دار، پھر کبھی، امردیپ، بھیا نک، سرکشا، تقدیر کے بادشاہ، وغیرہ میں کام کیا۔



اب ایک عرصہ بعد وہ ہندی/اُردو فلموں میں مختلف کردار نبھانے کے ساتھ ساتھ ٹی وی میں بطور جج نمودار ہو رہے ہیں۔



مجنوں: مشہور مزاحیہ اداکار مجنوں کا پورا نام ہیرلڈ لوئیس تھا اور وہ ۲رنومبر ۱۹۱۳ء کو امرتسر (پنجاب) میں پیدا ہوئے۔پہلے سرکس میں جوکر کا کام کرتے رہے پھر ۱۹۲۸ء میں خاموش فلموں کے زمانے میں فلمی دنیا میں وارد ہوئے اور فلیمز آف فلیش لائف آفٹر ڈیتھ میں کام کیا۔متکلم فلموں کے زمانے میں بہت سی

پنجابی اور ہندی فلموں میں کام کیا۔ ان میں پنجابی فلمیں منگتی، گل بکاؤلی، شالیمار، پونجی، چمپا، رکھشا، پچھی،
...می بچی، پوتی، ... سے ... وغیرہ اور ہندی فلمیں ... الحیارا، شوقین، ایک دو تین،
...نی ... ہے ... شیشہ، چپ، چاند ... تقدیر ان، پاگل خانہ، ایک تھی لڑکی، ہم
سب چور ہیں وغیرہ شامل ہیں۔ انہوں نے پہلی ... ولگتے اور ہدایت دینے سے علاوہ ان
میں کام بھی کیا ... مرزا صاحبان کی ہدایت
... ۱۹۴۵ میں آر کے شوری نے ... جب انہوں نے فلم
... میں کام کیا تھا۔

محبوب: ہدایت کار، فلمساز (۱۹۰۷ء بلی مورا، بڑودہ — ۲۸ مئی ۱۹۶۴ء ممبئی) محبوب خان کا اصلی نام رمضان خان تھا۔ انہیں فلموں میں کام کرنے کے شوق میں ۱۹۳۰ کے قریب گھر سے بھاگ کر ممبئی چلے آئے اور ... بعد انہیں امپیریل اسٹوڈیو میں چھوٹے اور معمولی کام کرنے کا موقع ملا

پھر اسی اسٹوڈیو میں بن رہی فلم علی بابا چالیس چور میں انہیں بھی ایک چور کا رول کرنے کا موقع ملا۔ اور پھر ترقی کرتے کرتے وہ ہدایت کار فلمساز بن گئے۔ ۱۹۴۲ء میں انہوں نے اپنی فلم کمپنی ''محبوب پروڈکشن'' کی بنیاد رکھی جس کی ہر فلم کی ابتدا سے پیشتر یہ شعر سنائی دیتا تھا

مدعی لاکھ برا چاہے تو کیا ہوتا ہے
وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا

۱۹۵۴ء میں انہوں نے باندرا میں اپنا محبوب اسٹوڈیو بنایا۔ ۱۹۳۵ میں انہوں نے ''ججمنٹ آف اللہ'' کی کہانی اور ۱۹۳۹ء میں ''وطن'' کی کہانی لکھی۔ تین چار فلموں جیسے زرینہ، دلاور اور میری جان میں اداکاری بھی کی مگر بنیادی طور پر وہ ہدایت کار تھے اور انہوں نے کئی فلموں کی ہدایت کی جن میں ججمنٹ آف اللہ، منموہن، وطن، دکن کوئن، جاگیردار، ہم تم اور وہ، عورت، علی بابا، بہن، روٹی، انمول گھڑی، سن آف انڈیا، مدر انڈیا، تقدیر، نجمہ، ہمایوں، اعلان، انوکھی ادا، انداز، آن، امر وغیرہ شامل ہیں۔ ۱۹۵۷ء میں انہوں نے نرگس کو لے کر ''مدر انڈیا'' بنائی جسے بے پناہ شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی اور جسے آسکر ایوارڈ میں آفیشل طور پر پہلی انٹری ملی تھی۔ مگر افسوس کہ ایک ووٹ سے بیسٹ فارن فلم کا ایوارڈ پانے سے رہ گئی۔ اس فلم کو پہلے ۱۹۴۰ء میں انہوں نے ''عورت'' کے نام سے فلمایا تھا اور اس میں ہیروئن کا رول ان کی اہلیہ سردار اختر نے کیا تھا۔ اور اس میں ان کے چھوٹے بیٹے کا رول یعقوب نے جبکہ مدر انڈیا

میں وہی رول سنیل دت نے کیا تھا۔ محبوب خان کو جواہر لال نہرو سے زبردست عقیدت تھی لہذا انہوں نے ۱۹۶۲ء میں ''سن آف انڈیا'' بنائی تھی۔ اور یہ بھی اتفاق ہے کہ جواہر لال نہرو کے انتقال کی خبر سننے سے ان کو شدید صدمہ ہوا اور دل کا دورہ پڑنے سے ان کا بھی انتقال ہو گیا۔

محمد رفیع: گلوکار محمد رفیع کی ولادت ۲۴ دسمبر ۱۹۲۴ء کوٹلہ سلطان سنگھ، ضلع امرتسر (پنجاب) میں ہوئی۔ انہوں نے استاد بڑے غلام علی خاں، استاد وحید خان، جیون لال مٹو اور فیروز نظامی سے موسیقی کی تعلیم پائی۔ پہلی بار ۱۹۴۱ء میں انہوں نے پنجابی فلم ''گل بلوچ'' میں گانا گایا۔ اور پھر ۱۹۴۲ء میں بمبئی آ گئے جہاں انہوں نے ''گاؤں کی گوری'' میں جی ایم درانی کے ساتھ دوگانا ''اجی دل ہو قابو میں تو دلدار کی ایسی تیسی'' گایا۔ ۱۹۴۴ء میں انہوں نے ''پہلے آپ'' کے لئے گیت ''ہندوستان کے ہم ہیں'' گایا۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ۱۱ زبانوں میں ۲۶۰۰۰ گیت گائے تھے اور ہندی میں ۴۵۱۶ گیت، جن میں ۱۱۲ غیر ہندی اور ۳۲۸ پرائیویٹ گانے تھے۔ چند فلمیں جن میں انہوں نے گیت پیش کئے یہ ہیں: بیجو باورا، مغل اعظم، کاغذ کے پھول، ارادھنا، گائیڈ، تیرے گھر کے سامنے، انسپکٹر، بسنت بہار، جنگلی، سورج، برہمچاری، این ایوننگ ان پیرس، دل تیرا دیوانہ، لو ان ٹوکیو، پروفیسر، دل ایک مندر، بھابی، دل اپنا اور پریت پرائی، جب پیار کسی سے ہوتا ہے، چودھویں کا چاند، نیل کمل، کاجل، چاندنی، نیا دور، ہم سایہ، دیکھا، کشمیر کی کلی، وغیرہ متعدد فلموں میں گیت پیش کئے۔ ان کے بہت سے گیت جیسے 'تیری آنکھوں کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے' اور '.....او دنیا کے رکھوالے' ایسے گیت ہیں جو رفیع کو ہمیشہ زندہ رکھیں گے۔



رفیع صاحب نے ہر طرح کے گیت گائے۔ اور ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے حکومت ہند نے ۱۹۶۵ء میں انہیں پدم شری عطا کیا اور ۱۹۶۷ء میں صدر جمہوریہ ہند نیلم سنجیوا ریڈی نے انہیں پانچویں فلم فیسٹیول میں رجت کمل سے نوازا۔ باپو کی امر کہانی پر جواہر لال نہرو نے رفیع صاحب کو بذات خود مدعو کیا اور ۱۹۴۸ء میں انہیں سلور میڈل عطا کیا۔

۱۳ جولائی ۱۹۸۰ء کو ہارٹ اٹیک سے ممبئی میں ان کی اچانک وفات ہوئی اور فلمی دنیا ایک منفرد آواز سے محروم ہو گئی۔

محمود: مزاحیہ اداکار محمود ۲۹ ستمبر ۱۹۳۲ء کو اپنے دور کے معروف ڈانسر ممتاز علی کے گھر پیدا ہوئے جو ان دنوں بمبئی ٹاکیز کی فلموں میں کام کرتے تھے۔ ابتدا میں انہوں نے پی ایل سنتوشی کے ڈرائیور کی



حیثیت سے ملازمت کی اور مینا ماری و ٹینس سکھاتے رہے۔ "پیاسا" اور "بیگھہ زمین" میں چھوٹے رول کئے۔ ۱۹۵۸ء میں فلم "پرورش" میں راج کپور کے چھوٹے بھائی کا رول کرنے سے انہیں اچھا بریک ملا۔ محمود نے شروع میں ہیرو کے رول بھی کئے جن میں چھوٹی انداز، ایتا، رادھا سلوچنا، ناظمہ ہیروئن تھیں۔ ۱۹۶۱ء میں انہوں نے بالاجی پروڈکشن کے بینر تلے فلم "چھوٹے نواب" بنائی۔ اور اس کے بعد بھوت بنگلہ، بمبئی ٹو گوا، پڑوسن اور کنوارا باپ ایسی ہٹ فلمیں بنائیں۔ محمود ایک کامیاب کامیڈین تھے اور انہوں نے متعدد فلموں میں کام کیا جن میں سسرال، ہمراہی، زندگی، ہمراز، گمراہ، بھروسہ، لو ان ٹوکیو، جوہر محمود ان گوا، جوہر محمود ان ہانگ کانگ، پیار کئے جا، ساتھی اور شیطان، مستانہ، دو پھول، پتھر کے صنم، کاجل، دو کلیاں، میں سندر ہوں، من مندر، بھروسہ، نیل کمل، آنکھیں، اولاد، الجھن میں ایک ضدی، پیار کئے جا، بھول بھلیاں، دنیا کا مندر، انداز اپنا اپنا، خنجر، منزل، شبنم، چھتر لیکھا، سنگھرش، وغیرہ شامل ہیں۔

کامیڈی کنگ کہلانے والے اس اداکار کی بھی زندگی ایک المیہ سے کم نہ تھی اور انہیں زندگی میں بہت سی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا اور آخر ۲۳ جولائی ۲۰۰۴ء کو وہ پینسلوانیا (امریکہ) میں انتقال کر گئے۔

محمد عزیز: گلوکار محمد عزیز عرف منا کی آواز محمد رفیع سے ملتی جلتی ہے اور ان کے کئی گانے مقبول بھی ہوئے۔ انہوں نے پہلی بار بنگلہ فلم "جیوتی" میں پلے بیک دیا۔ ۱۹۸۴ء میں وہ ممبئی آئے اور فلم "امبر" میں اپنی آواز کا جادو جگایا۔ اور اب تک متعدد فلموں میں کام کر چکے ہیں جن میں کرما، مرد، آگ اور شعلہ، جیو اور جینے دو، چرنوں کی سوگندھ، کمینہ، نام، دلہن ہو تو ایسی، نگاہیں، امرت، کرن ارجن، دیاوان، ترنگا وغیرہ شامل ہیں۔ ان کے کچھ مشہور گیت ہیں اے وطن تیرے لئے (کرما) آجا کہ میری جان تو میرے مالک میرے داتا، مخدوم شاہ بابا عشق دی ڈور نے توڑے شروع شروع کی یہ ملاقاتیں مردتانگے والا اپنی آنکھوں کے ستاروں میں آپ کے آجانے سے (خودغرض ۱۹۸۷ء)۔ وغیرہ۔ انہوں نے ہندی کے علاوہ اڑیا، بنگلہ، گجراتی، مراٹھی، زبانوں میں بھی گیت گائے ہیں۔



مدن موھن: موسیقار مدن موہن کوہلی (۲۵ر جون ۱۹۲۴ء۔ عربل، کردستان، عراق۔ ۱۴ر جولائی ۱۹۷۵ء ممبئی) کے والد رائے بہادر چونی لال مشہور فلمساز تھے اور بمبے ٹاکیز اور فلمستان کے مالکان میں سے تھے۔ چونی لال کچھ مدت عراق میں بھی ملازم رہے اور پھر اپنے وطن چکوال (ضلع جہلم، پنجاب) لوٹ آئے اور وہاں اپنے کنبے کو چھوڑ کر بمبئی چلے گئے۔ مدن موہن نے ابتدائی تعلیم چکوال میں پائی۔ پھر جوان ہونے پر انہوں نے چند برس برطانوی فوج میں ملازمت کی اور پھر میوزک کی جانب راغب ہوئے اور انل بسواس کے معاون کے طور پر کام شروع کیا۔ انہوں نے موسیقی میں ہلکے کلاسیکل انداز کو اپنایا اور اُردو غزل کو ایک نیا انداز بخشا۔ انہیں بیگم اختر کی کئی غزلیں ریکارڈ کرنے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ انہوں نے سب سے پہلے ''آنکھیں'' کا میوزک دیا اور لگ بھگ سو فلموں میں اپنی موسیقی کا سحر جگایا جن میں میرا سایہ، وہ کون تھی، ان پڑھ، آپ کی پرچھائی، عدالت، دیکھ کبیرا رویا، بھائی بھائی، نیلا آکاش، سنجوگ، من موجی، باورچی، ہنستے زخم، حقیقت، غزل، چراغ، جہان آرا، ہیر رانجھا، دستک، لیلیٰ مجنوں، ہندوستان کی قسم، موسم، مدہوش، آشیانہ، چاچا زندہ باد وغیرہ شامل ہیں۔ اُن کے کچھ مقبول گیت ہیں: تم مل گئے ہو (ہنستے زخم) تو جہاں جہاں چلے گا میرا سایہ ساتھ ہوگا (میرا سایہ) آخری گیت محبت کا سنا دوں تو چلوں (نیلا آکاش) اگر مجھ سے محبت ہے تو تم میری قسم لے لو (ان پڑھ) حال دل انہیں سنایا نہ گیا (جہاں آرا) ہم سفر آج اپنا چھوڑ چلے (آخری داؤ) اُن کو یہ شکایت ہے کہ ہم کچھ نہیں کہتے / جانا تھا ہم سے دور بہانے بنا لئے (عدالت) میری یاد میں تم نہ آنسو بہانا (آشیانہ)۔۔۔۔۔



مدھوبالا: ہندوستانی سنیما کی حسین ترین ہیروئنوں میں سے ایک جن کی مسکراہٹ لاجواب تھی۔ اور جنہیں ''وینس آف دی انڈین اسکرین'' کہا جاتا تھا۔ ان کی ولادت ۱۴ر فروری ۱۹۳۳ء کو خان عطا اللہ خاں کے گھر دہلی میں ہوئی اور نام رکھا گیا ممتاز جہاں بیگم۔ پہلی بار ۱۹۴۱ء میں بمبے ٹاکیز کی فلم 'بسنت' میں بطور چائلڈ اسٹار نمودار ہوئیں۔ اس کے بعد 'بہاری' پھلواری' اور ''راجپوتانی'' میں بھی چائلڈ اسٹار کی حیثیت سے کام کیا۔ ابھی تک وہ ممتاز جہاں بیگم کے نام سے ہی کام کر رہی تھیں کہ ۱۹۴۷ء میں کیدار شرما نے انہیں اپنی



فلم ''نیل کمل'' میں راجکپور کے بالمقابل بطور ہیروئن پیش کر دیا اور نام رکھا مدھو۔ جو بعد میں مدھو بالا بن گئیں۔ انہوں نے دلیپ کمار کے ساتھ کئی فلموں میں کام کیا اور اس دوران دونوں میں عشق ہوگیا لیکن مدھو بالا کے والد عطا اللہ اس میں سخت ارچن تھے حالانکہ دلیپ شادی کرنا چاہتے تھے۔ بعد ازاں اُن کی بیماری کے دوران کشور کمار نے اُن سے شادی کر لی اور ۲۳ر فروری ۱۹۶۹ء کو ان کی ممبئی میں وفات ہوگئی۔ ان کی اہم فلمیں ہیں: بسنت، دھنا بھگت، نیل کمل، راجپوتانی، پجاری، میرے بھگوان، دل کی رانی، چتوڑ وجے، پرائی آگ، امر پریم، لال دوپٹہ، خوبصورت دنیا، پرائی آگ، سنگار، پارس، نیکی اور بدی، اپرادھی، پردیس، نشانہ، نرالا۔ مدھو بالا، ہنستے آنسو، سنگدل، آرام، مغل اعظم، بادل، خزانہ، بے قصور، سیاں، ترانہ، ساقی، ریل کا ڈبہ، ارمان، بہت دن ہوئے، ہوڑا برج، برسات کی رات، ناتا، نقاب، شیریں فرہاد، بھاگن، کالا پانی، باغی سپاہی، کل ہمارا ہے، دو استاد، محلوں کے خواب، چلتی کا نام گاڑی ہے، جھمرو، بوائے فرینڈ، ہاف ٹکٹ، شرابی، جلوہ وغیرہ۔ آخر الذکر فلم ۱۹۷۱ میں ریلیز ہوئی تھی۔

مدھوسودن: کہانی نویس، اسکرین پلے رائٹر مدھوسودن ۱۰ر نومبر ۱۹۲۲ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کی پہلی فلم بے قصور تھی۔ انہوں نے چنگاری، انوراگ وغیرہ کی کہانی سکرین پلے لکھے اور آخر الذکر کی ہدایت بھی انجام دی۔

مراد: کیریکٹر ایکٹر مراد ۱۹۰۴ء میں پیدا ہوئے۔ چالیس کے دہے میں فلمی دنیا میں وارد ہوئے اور کوئی ایک سو کے قریب فلموں میں کام کیا۔ پہلی بار ۱۹۴۳ء میں فلم ''نجمہ'' میں نمودار ہوئے۔ کوئی چالیس سال



تک بطور کیریکٹر ایکٹر مختلف طرح کے رول کرتے رہے، جیسے پولیس آفیسر، جج، باپ اور بادشاہ وغیرہ۔ ان کی اہم فلمیں ہیں: نجمہ، دھڑکن، انمول گھڑی، مہندی، انداز، دادا، پارس، روپ لیکھا، شاعر، کھیل چمکی، سرکار، دیدار، ارادہ، بیوی، داستان، شبستان، دس اوتار، گماشتہ، دو بیگھہ زمین، دیوداس، مرزا غالب، آن، یہودی، مغل اعظم، لو ان ٹوکیو، دل دیا درد لیا، جیون مرتیو، نیل کمل، کاروان، یادوں کی بارات، امتحان، مجبور، منورنجن، آپ کی قسم، فرار، سنیاسی، ہم کسی سے کم نہیں، ہکتی، گنگا کی سوگند، جانی دشمن، تھوڑی سی بے وفائی، خنجر، کالیا، اندر باہر، طمانچہ، شہنشاہ (۱۹۸۸ء) وغیرہ۔ انہوں نے ۱۹۶۲ء میں ہالی وڈ کی فلم ٹارزن گوز ٹو انڈیا'' میں بھی کام کیا۔ مشہور اداکار رو ولین رضا مراد ان کے فرزند ہیں۔

۱۹۸۹ء میں ان کی ممبئی میں وفات ہوگئی۔

مرزا اختر: کہانی نویس، مکالمہ نگار اور اسکرین پلے رائٹر مرزا اختر کا نام فرحت اللہ مرزا تھا اور وہ ۱۸ردسمبر ۱۹۱۰ء کو نجیب آباد (اتر پردیش) میں پیدا ہوئے۔ گریجویشن کرنے کے بعد فلم لائن جوائن کی۔ پہلی فلم سہاگ رات تھی۔ باورے نین، نو بہار، اب دلی دور نہیں، سلیم لنگڑے پہ مت رو (اسکرپٹ مشیر) جوشیلا (۱۹۷۳ء، اسکرپٹ) جانے بھی دو یارو (۱۹۸۹ء) وقت، محبت اس کو کہتے ہیں، دھند وغیرہ کی کہانی/اسکرپٹ ان کی لکھی ہوئی ہیں۔

مرزا مشرف: اداکار/کامیڈین، پروڈیوسر، ڈائرکٹر مرزا مشرف بٹوارے سے پیشتر ایک معروف



کامیڈین تھے اور انہوں نے متعدد فلموں میں کام کیا تھا۔ اُن کا لکھنوی لہجہ اور ''ارے منا'' کہنے کا انداز لوگوں کو بہت بھاتا تھا۔ انہوں نے متعدد فلموں میں اداکاری کی جن میں نرالا ہندوستان، باغبان، ادھوری کہانی، کروڑ پتی، برسات کی رات، فیشن ایبل وائف، نئی بلی، کیپٹن کشور، اُجالا، سنو سناتا ہوں، گھر سنسار، پیا ملن، نسبت، دل کی بستی، گرہستی، بمبئی، ڈولتی نیا، ہنستے آنسو، سرتاج، اوشا کرن، مغرور، ارادہ، گماشتہ نرلی، روپ تیرا مستانہ وغیرہ شامل ہیں۔ علاوہ ازیں انہوں نے فلم ''ڈولتی نیا'' کو شانِ ہند پکچر کے پرچم تلے ڈائرکٹ اور پروڈیوس بھی کیا تھا۔

مرزا وجاحت: ڈائرکٹر/کہانی نویس/اسکرپٹ رائٹر مرزا وجاحت حسین قزلباش چنگیزی کی ولادت ۲۰/اپریل ۱۹۰۸ء کو سیتاپور (اتر پردیش) میں ہوئی۔ ۱۹۳۰ء میں ڈائرکٹر کرشن گوپال کے معاون اداکار کی حیثیت سے کام شروع کیا۔ ۱۹۳۲ء میں کلکتہ چلے گئے اور ایسٹ انڈیا فلم کمپنی بطور رائٹر جوائن کی اور ۱۹۳۳ء میں 'یہودی کی لڑکی' اور ۱۹۳۴ء میں 'آب حیات' کے مکالمے/اسکرین پلے لکھا۔ پھر بمبئی واپس چلے گئے اور ساگر مووی ٹون جوائن کر لی۔ انوکھی محبت، ہم تم اور وہ، تین سو دن کے بعد، وطن، ایک ہی راستہ، بہن، عورت، سسٹر، روٹی، سوامی ناتھ، جوانی، شہنشاہ بابر، نشانہ، لال حویلی، پربھو کا گھر، ڈاکو اور جوان، ہیرا، چاند اور بجلی، پالکی، لیڈر، گنگا جمنا، کوہ نور، مغلِ اعظم، یہودی، مدر انڈیا، آواز، یہ گلستاں ہمارا، شکست، چلمن، شہید، زینت، شطرنج، لوانیڈ گاڈ کے مکالمے/اسکرپٹ لکھا۔ ۱۹۶۱ اور ۱۹۶۲ء میں بہترین مکالمہ نویس کا فلم فیئر ایوارڈ ملا۔ ''جوانی''، شہنشاہ بابر، پربھو کا گھر، سوامی ناتھ اور نشانہ کی ڈائرکشن بھی کی۔

آخر عمر میں پاکستان چلے گئے اور ۴/اگست ۱۹۹۰ء کو کراچی میں انتقال کر گئے۔

مصرا: اداکار مصرا کا نام نند مار تھا اور ان کی پیدائش ۴؍جنوری ۱۹۱۲ء کو کلکتہ میں ہوئی تھی۔ انہوں نے متعدد فلموں میں بطور اداکار کام کیا۔ ان کی پہلی فلم مالتی مادھو تھی۔ اس کے علاوہ انہوں نے سنیاسی، داروغہ جی، نمستے، مرزا صاحبان، اپنا گھر، روپ، ماما جی، بڑی بات، ارسی، نیا ترانہ، لکھنوچپ، بازار، دو بیگھہ زمین، نروش، ہماری منزل، ایلنٹ لیس، ہر ہر مہادیو، شیو پاروتی، شو بھگت، مدھو بھرے نین، شطرنج، برہمن، نرسی بھگت، بھگت سنت داس وغیرہ میں اداکاری کی۔

مقری: اپنے چھوٹے قد کی وجہ سے بحیثیت مزاحیہ کردار شناخت بنانے والے کامیڈین مقری کی ولادت ۵؍جنوری ۱۹۲۲ء کو ارن، ضلع رائے گڑھ میں ہوئی۔ وہ پہلے ٹاکیز میں اسسٹنٹ ڈائرکٹر تھے کہ



دیوکا رانی نے پرتیما میں انہیں کامیڈین کا رول دے دیا۔ اور اتنے کامیاب ہوئے کہ وہ کامیڈین بن کر ہی رہ گئے۔ وہ نصف صدی سے زائد فلمی دنیا سے منسلک رہے اور انہوں نے "آن (۱۹۵۲ء) مرزا غالب، امر (۱۹۵۴ء) مدر انڈیا (۱۹۵۷ء) گوپی (۱۹۷۰ء) امر اکبر انتھونی (۱۹۷۷ء) اور شرابی (۱۹۸۴ء) میں یادگار رول ادا کئے۔ انہوں نے بے شمار فلموں میں کام کیا جن میں چند کے نام ہیں: دو نور، چوری چوری، عاشق، آنکھیں، رام اور شیام، اناڑی، ناؤ نگری، کالا پانی، نصیب، قلی، کرما، قربانی، پڑوسن، انوکھا پیار، درپن، پارس، سورج، لوفر، لاوارث، اصلی نقلی، آواز، گھر، مہمان، بے رنگ، زمین، دوستانہ، یقین، باغی، بڑا آدمی، پھر وہی رات، پھول بنے انگارے، دنیا کا میلہ، قسمت، انداز، فرشتے، دھرم کانٹا، دو پھول، پیسہ ہی پیسہ، پھولوں کی سیج، پیا کا گھر، پریم پجاری، وغیرہ۔

دل کا دورہ پڑنے پر انہیں لیلاوتی ہسپتال باندرا ممبئی میں داخل کرایا گیا مگر وہ جانبر نہ ہو سکے اور ۴؍ستمبر ۲۰۰۰ء کو ان کی وفات ہوئی۔

مکیش: گلوکار اداکار مکیش چند ماتھر (۲۲؍جولائی ۱۹۲۳ء لدھیانہ، پنجاب - ۲۷؍اگست ۱۹۷۶ء ڈیٹرائٹ مشیگن - امریکہ) کا تعلق دہلی سے تھا اور ان کے والد لالہ زورآور چند ماتھر انجینئر تھے۔ میٹرک کرنے کے بعد وہ بھی اپنے والد کے ساتھ اسسٹنٹ انجینئر کے طور پر کام کرتے رہے پھر ۱۹۴۱ء میں قسمت آزمانے بمبئی چلے گئے جہاں وہ اداکار موتی لال کے مہمان رہے اور وہاں انہوں نے پنڈت جگن ناتھ پرساد سے موسیقی کی تعلیم بھی پائی۔ سب سے پہلے انہوں نے فلم نردوش



میں ’غزل‘ دل ہی بجھا ہوا ہوتو‘‘ گائی لیکن انہیں شہرت فلم ’’پہلی نظر‘‘ میں کندن لال سہگل کے انداز میں گائے گیت ’’دل جلتا ہے تو جلنے دے‘‘ سے ملی اور بطور گلوکار ان کی شہرت پھیل گئی۔ انہوں نے فلموں میں گانے کے علاوہ بطور ہیرو (معشوقہ وغیرہ میں) بھی کام کیا۔ ۱۹۵۱ء میں وہ پروڈیوسر بن گئے اور ڈارلنگ فلمز کے بینر تلے فلم ’’ماہار‘‘ بنائی جس کے گانے بڑے مقبول ہوئے۔ راجکپور کو ان کی آواز بہت پسند تھی لہٰذا ان کی زیادہ تر فلموں کے پلے بیک آواز انہی کی ہوتی تھی۔ ۲۷/اگست ۱۹۷۶ء کو ان کی ڈیٹرائیٹ، مشیگن (امریکہ) میں دورۂ قلب سے اچانک وفات ہوگئی جہاں وہ ایک کنسرٹ میں حصہ لینے گئے ہوئے تھے۔ انہوں نے متعدد گیت گائے جن میں سے چار پر انہیں فلم فیئر ایوارڈ عطا کیا گیا ......سب کچھ سیکھا ہم نے (اناڑی ۱۹۵۹) سب سے بڑا نادان (پہچان ۱۹۷۰ء) جے بولو بے ایمان کی (بے ایمان ۱۹۷۲ء) کبھی کبھی میرے دل میں خیال (کبھی کبھی ۱۹۷۶ء)۔ ان کے علاوہ ان کے مقبول گیتوں میں ’’دوست دوست نہ رہا‘‘ (سنگم ۱۹۶۴ء) اک پیار کا نغمہ (شور ۱۹۷۲) میں نہ بھولوں گا (روٹی کپڑا اور مکان ۱۹۷۵ء) میں پل دو پل کا شاعر ہوں (کبھی کبھی ۱۹۷۶ء) کہیں دور جب دن (آنند) بھی شامل ہیں۔ انہوں نے بے شمار فلموں میں گیت گائے جن میں میلہ، ماہار، آگ، انداز، آوارہ آہ، برسات، شری ۴۲۰، انوراگ، پرورش، پھر صبح ہوگی، آن، جس دیش میں گنگا بہتی ہے، چھلیا، تیسری، عاشق، دل ہی تو ہے، اشارہ، سنگم، ہمالہ کی گود میں، آنند، میرا نام جوکر، کبھی کبھی، دھرم ویر، ستیم شوم سندرم خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ انہوں نے معشوقہ اور انوراگ میں اداکاری بھی کی۔ ان کے بیٹے نتن مکیش جانے مانے گلوکار اور پوتے نیل نتن مکیش معروف اداکار ہیں۔

ممتاز :ممتاز کی پیدائش ۳۱ جولائی ۱۹۴۷ء کو ممبئی میں ہوئی۔ ان کے والد عبدل سلیم عسکری پھل بیچتے تھے جب یہ ایک سال کی تھیں تو ان کے والدین الگ ہو گئے اور جب ممتاز ۱۶ سال کی تھیں تو ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔ انہوں نے اپنی فلمی زندگی کی شروعات بطور چائلڈ آرٹسٹ کی اور ۱۹۵۸ء میں ’’فلم سونے کی چڑیا‘‘ میں کام کیا۔ کوئی آدھ درجن فلموں میں بحیثیت جونیئر آرٹسٹ چھوٹے موٹے رول کیے۔ وہ ابتدائی دور میں ’’دارا سنگھ‘‘ میں دارا سنگھ کی ہیروئن بنیں۔ اور اس کے بعد بادشاہ، لٹیرا، فولاد، کنگ کانگ وغیرہ میں دارا سنگھ کی ہیروئن رہیں۔ پھر محمود نے پہلی مرتبہ انہیں اپنی فلم ’’پیار کیے جا‘‘ میں پیش کیا جس کے بعد دونوں کئی فلموں میں ایک ساتھ جلوہ گر ہوئے۔ اس کے بعد وہ راجیش کھنہ کے ساتھ بندھن، اپنا دیش، دشمن، دو راستے، سچا جھوٹا



روپ کی رانی، آپ کی قسم، میں نمودار ہوئیں اوران کی جوڑی ہٹ ثابت ہوئی اوران کی فلموں نے بڑی کامیابی حاصل کی۔ ''کھلونا'' بھی ان کی ایک یادگار فلم ہے جس میں انہوں نے سنجیو کمار کے ساتھ کام کیا تھا۔ ۲۹ رمئی ۱۹۷۴ء کو انہوں نے میور مادھوانی سے شادی جن سے دو بیٹیاں ہیں نتاشا اور تانیا۔ ان کی چند اہم فلمیں ہیں: استری، اللہ کیا بات ہے، سہرا، رستم سہراب، مجھے جینے دو، گہرا داغ، فولاد، ویر بھیم سین، قوالی کی رات، ہر کولیس، آندھی اور طوفان، باغی، ناگ رانی، کنگ کانگ، سن آف حاتم طائی، سکندر اعظم، میرے صنم، چندن کا پلنا، کاجل، دو دل، باکسر، رستم ہند، جادوئی انگوٹھی، بہو بیٹی، یہ رات پھر نہ آئے گی، ہمراز، دیوانے، ساون کی گھٹا، پیار کئے جا، ساز اور آواز، ڈاکو منگل سنگھ، سورج، رام اور شیام، پتھر کے صنم، دشمن، بغدادی راتیں، آگ، میرے ہمدم میرے دوست، جواں مرد، پتی پتنی، لڑکا لڑکی، ہمراز، چندن کا پلنا، برہمچاری، شرط، میرا دوست، جگری دوست، دو راستے، بندھن، سچا جھوٹا، دشمن، چاہت، اپنا دیش، ایک حسین شام، پردیسی، ہمت، ہمجولی، بھائی بھائی، کھلونا، ہرے راما ہرے کرشنا، گومتی کے کنارے، پیار کا رشتہ، بندھے ہاتھ، لوفر، جھیل کے اس پار، روپ تیرا مستانہ، آپ کی قسم، چور مچائے شور، لوفر، پریم کہانی، روٹی، لفنگے، آگ اور طوفان، ناگن، آئینہ وغیرہ۔ ۱۹۹۰ء میں ان کی آخری فلم ''آندھیاں'' ریلیز ہوئی تھی اوراس کے بیس سال بعد وہ '1 a minute' میں نمودار ہوئی ہیں۔

ممتاز شانتی : اداکارہ ممتاز شانتی ۱۹۲۶ء میں بمقام ڈنگہ (پنجاب) پیدا ہوئیں۔ پروڈیوسر ولی محمد ان کے شوہر تھے۔ قسمت (بالمقابل اشوک کمار) اور بسنت نے انہیں شہرت کی بلندی پر پہنچایا۔ کوئی تین درجن کے قریب فلموں میں بطور ہیروئن آئیں۔ ان کی کچھ فلمیں ہیں: بدلتی دنیا، سوال، لیڈی ڈاکٹر، چاند چکوری، پجاری، گھر کی عزت، دیکھو جی، دوسری شادی، ہیر رانجھا، بیوی، پتلی، زمانے کی ہوا وغیرہ۔ بٹوارے کے بعد پاکستان چلی گئیں۔ یہ بھی المیہ ہے کہ لاکھوں کی پسندیدہ ہیروئن اور فلموں کی کامیابی کی ضامن ممتاز شانتی ۹۴-۱۹۹۳ء میں گمنامی کے عالم میں پاکستان میں انتقال کر گئیں اور کسی کو پتہ تک نہ چلا۔ حیرت کی بات ہے۔



ممتاز علی : اداکار رڈانس ڈائرکٹر ممتاز علی مذاحیہ اداکار محمود کے والد تھے۔ وہ بمبے ٹاکیز کے مشہور ڈانس ڈائرکٹر تھے اور انہوں نے بمبے ٹاکیز کی متعدد فلموں میں اداکاری اور رقص کیا تھا۔ انہوں نے کئی فلموں میں گیت بھی گائے۔ فلم جھولا میں گایا ان کا گانا ''میں تو دلی سے دلہن لایا رے'' بڑا مقبول ہوا۔ پہلی بار وہ جیون نیا میں نمودار ہوئے۔ اس کے بعد انہوں نے آزاد، جھولا، جیون پربھات، بسنت،



ملاقات، شہنائی، روشنی، جیو راجہ، اپنی چھایا، سرگم، نظریہ، کھڑکی، سمراٹ، سیما وغیرہ کوئی زائد از چالیس فلموں میں کام کیا۔ شدید شراب نوشی کی وجہ سے آخر عمر میں وہ تنگدستی کا شکار ہو گئے۔ حتیٰ کہ ان کے بیٹے محمود کو بطور چائلڈ آرٹسٹ کام کرنا پڑا اور بیٹی ممتاز اسٹیج رقاصہ کے طور پر کام کرتی رہی۔ انہیں آخری بار ۱۹۷۴ء میں فلم ''کنوارا باپ'' میں دیکھا گیا۔

منا ڈے: گلوکار منا ڈے (ولادت یکم مئی 1919 ،کلکتہ) کا اصلی نام پربودھ چندرڈے ہے۔ انہوں نے سکاٹش چرچ کالجییٹ اسکول اور سکاٹش چرچ کالج اور ودیا ساگر کالج میں تعلیم پائی۔ گریجویشن



کرنے کے بعد وہ اپنے چچا مشہور گائیک کے سی ڈے کے ساتھ ۱۹۴۲ء میں بمبئی آ گئے اور ان کے معاون کی حیثیت سے ان کے ساتھ کام کرنے لگے۔ کے سی ڈے کی موت کے بعد وہ ایس ڈی برمن کے معاون بن گئے۔ انہوں نے ہندوستانی کلاسیکل موسیقی میں استاد دامن علی خاں اور استاد عبدالرحمن سے تعلیم پائی اور ۱۹۴۳ء میں فلم ''تمنا'' سے اپنی گلوکاری کی ابتدا کی جس میں کے سی ڈے نے بھی گانا گایا تھا اور خود منا ڈے نے ثریا کے ساتھ وہ گانا گایا تھا۔ پھر ۱۹۴۴ء میں انہوں نے دلیپ کمار کی فلم جوار بھاٹا میں اور بعد ازاں راجکپور کی فلم آوارہ، بوٹ پالش، اور شری ۴۲۰ وغیرہ کے گیت گائے۔ انہوں نے متعدد فلموں کے لئے گلوکاری کی جن میں شعلے، بوبی، زنجیر، ریشما اور شیرا، آنند، پرورش، ضمیر، دیوار، باورچی، شور، ادھیکار، کھلونا، ضدی، پیغام، مدر انڈیا، حقیقت، اپکار، مشعل، ایک پھول دو مالی، آوارہ، دیوداس، انوراگ، امانت، بھابھی، برسات کی رات، چلتی کا نام گاڑی، کالا بازار، بمبئی کا بابو، جھنک جھنک پائل باجے وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

گلوکاری میں ان کی نمایاں خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں متعدد ایوارڈز/اعزازات دئے گئے جن میں پدم شری (۱۹۷۱ء) پدم بھوشن (۲۰۰۵ء) اور دادا صاحب پھالکے ایوارڈ (۲۰۰۷ء) خصوصی طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

منا ڈے ۹۴ سال کے ہو گئے ہیں اور اب وہ بنگلور میں گوشہ نشینی کی پرسکون زندگی گزار رہے ہیں۔

من موھن کرشن: اداکار، ہدایت کار رسنگر منوہن کرشن ۱۱ اگست ۱۹۲۲ء کو واساوا ضلع گجرات (پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ ایم ایس سی کی ڈگری پانے کے بعد ایس ڈی کالج لاہور میں لیکچرر رہے۔



۱۹۴۵ء میں فلمی دنیا میں وارد ہوئے۔ اور ۱۹۴۹ء تک راج کمل کلا مندر میں کام کرتے رہے۔ وہ اپنا دیش میں شانتا رام کے معاون ہدائت کار اور ریلوے پلیٹ فارم میں ایسوسی ایٹ ڈائرکٹر رہے۔ بطور اداکار پہلی فلم ''اندھوں کی دنیا'' تھی انہوں نے لگ بھگ ۲۵۰ فلموں میں کام کیا جن میں ۱۲ پنجابی فلمیں بھی ہیں۔ ان کی اہم فلمیں ہیں: نیا دور (۱۹۵۷ء) سادھنا (۱۹۵۸ء) دھول کا پھول (۱۹۶۰ء) بیس سال بعد (۱۹۶۲ء) شہر اور سپنا (۱۹۶۳ء) وقت (۱۹۶۵ء) ہمراز (۱۹۶۷ء) وغیرہ۔ ان کے علاوہ انہوں نے متوالا شاعر،، رام جوشی، ہم لوگ، انارکلی، بیجو باورا، افسر، اپنا دیش، منا، راہی، ریلوے پلیٹ فارم، شری کرشن بھگتی، آن بان، پڑوسن، ففٹی ففٹی، نشہ، پردیسی وغیرہ میں بھی اداکاری کے جوہر دکھائے نیز انہوں نے ۱۹۸۰ء میں یش راج فلمز کے لئے فلم ''نوری'' ڈائرکٹ کی جسے پر انہیں بہترین ہدائت کار کا فلم فیئر ایوارڈ ملا۔

۳ر نومبر ۱۹۹۰ کو ممبئی میں ان کی وفات ہوگئی۔

منوج کمار: اداکار ر ہدائت کار رفلمساز منوج کمار کا اصلی نام ہری کرشن گری گوسوامی ہے اور وہ ۲۴ر جولائی ۱۹۳۷ء کو ایبٹ آباد (پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ بٹوارے کے بعد دس سال کی عمر میں انہیں اپنے کنبے کے ساتھ ہجرت کر کے دہلی میں پناہ لینی پڑی جہاں پہلے وہ وجے نگر، کنگز وے کیمپ میں اور بعد ازاں پٹیل نگر میں مقیم رہے۔ پھر ہندو کالج سے بی اے کرنے کے بعد انہوں نے فلموں میں جانے کا ارادہ کیا اور ممبئی چلے گئے جہاں سب سے پہلے انہوں نے فلم ''فیشن'' (۱۹۵۷ء) میں کام کیا اور اس کے بعد وہ چار دہے تک مختلف فلموں میں جلوہ گر ہوتے رہے۔ ۱۹۶۵ء میں انہوں نے حب الوطنی سے متعلق فلم ''اُپکار'' بنائی جسے بے حد



پسند کیا گیا اور اس کے بعد انہوں نے پورب اور پچھم، روٹی کپڑا اور مکان، کرانتی بھی اسی موضوع پر بنائیں اور چونکہ وہ اپنی فلموں میں 'بھارت کمار' ہی نام رکھتے تھے لہٰذا وہ بھارت کمار کے نام سے معروف ہوگئے۔ انہوں نے بہت سی فلموں میں اداکاری کے جوہر دکھائے جن میں فیشن، پنچائت، سہارا، ہنی موں، چاند، سہاگ سندھور، کانچ کی گڑیا، ریشمی رومال، ہریالی اور راستہ، ڈاکٹر ودیا، بنارسی ٹھگ، شادی، پیا ملن کی آس، ماں بیٹا، اپنا بنا کے دیکھو، نقلی نواب، گرہستی، دو بدن، ہمالہ کی گود میں، گمنام، ساجن، پتھر

کے صنم ،وہ کون تھی؟ پھولوں کی سیج ،یادگار، پہچان، میرا نام جوکر، پورب اور پچھم ،اپکار، نیل کمل، آدمی، بلیدان،شور، بے ایمان،کل یگ اور رامائن، کرانتی، شرڈی کے سائی بابا، امانت، دس نمبری، سنیاسی، سنتوش،کلرک (۱۹۸۹ء)، میدان جنگ (۱۹۹۵ء) وغیرہ شامل ہیں۔

منور سلطانہ: اداکارہ منور سلطانہ ۸ر دسمبر ۱۹۲۸ء کو لاہور (پاکستان) میں پیدا ہوئیں۔ پہلی بار وہ ۱۹۴۱ء میں فلم خزانچی میں 'آشا' کے نام سے نمودار ہوئیں۔



مگر شہرت انہیں مرحوم مظہر خان کی فلم ''پہلی نظر'' سے ملی۔ بعد ازاں انہوں نے مجبور، کنیز، سرتاج، پیار کی منزل، بابل درد، وغیرہ میں بطور ہیروئن نمودار ہوئیں۔ پھر ان کی شہرت کم ہوگئی اور انہیں دوسرے گریڈ کی حیثیت حاصل ہوگئی اور انہوں نے بابو جی، ترنگ، اپنی عزت، طوفان، وطن، احسان وغیرہ میں اداکاری کی۔ اپنی آخری فلم ''دیوار'' مکمل کرنے کے بعد انہوں نے ایک جیولر علی بھگت سے شادی کرلی اور فلموں سے دور امن وسکون سے زندگی گزارنے لگیں۔

منورما: اداکارہ/ویمپ/مذاحیہ اداکارہ منورما ۱۶ر اگست ۱۹۲۶ء کو لاہور میں پیدا ہوئیں۔ ان کا پیدائشی نام Erin Issac Daniels تھا۔ انہوں نے سینئر کیمبرج تک تعلیم پائی اور ۱۹۴۰ء میں فلمی دنیا میں داخل ہوئیں۔ ۱۹۴۱ء سے لاہور کی پنجابی فلموں میں بطور ہیروئن کام کرتی رہیں۔ بٹوارے کے بعد لاہور سے بمبئی آگئیں اور ہندی فلموں میں بطور ویمپ/مذاحیہ اداکارہ کام کرتی رہیں۔ بعد ازاں انہوں نے اداکار راجن ہکسر سے شادی کرلی۔ پہلی بار فلم ''خزانچی'' میں نمودار ہوئیں۔ پھر پنجابی فلموں وساکھی، پوتی، لچھمن، ہمت میرا



ماہی، پردیسی ڈھولا، سہتی مراد، پونجی، پنچھی، بھائی، چھمیا وغیرہ میں کام کیا۔ بٹوارے کے بعد بمبئی میں پیار کی جیت، خاندان، ہنستے آنسو، شان، ، پرنیتا، براج بہو، جھنک جھنک پائل باجے، امر جیوتی، لال یمن، وغیرہ کوئی ۱۶۰ فلموں میں کام کیا۔ ان کی آخری فلم ۲۰۰۵ء میں ''واٹر'' تھی۔

۱۵ر فروری ۲۰۰۸ کو ان کا انتقال ہوگیا۔

منی رتنم: ہدایت کار فلمساز، اسکرپٹ رائٹر منی رتنم نے روجا، با مبے ایسی فلمیں بنا کر بین اقوامی شہرت حاصل کی ہے اور وہ بھی کہیں سے کوئی کورس یا تربیت حاصل کئے بنا۔ ان کا پورا نام گوپالا رتنم



رتنم (پیدائش: ۲ جون ۱۹۵۶ء) ہے اور انہوں نے تمل، کنڑ اور ملیالم کے علاوہ ہندی میں بھی کئی یادگار فلمیں بنائی ہیں۔ ان میں انجلی، روجا، بامبے، دل سے، یووا، گرو اور راون بھی شامل ہیں۔ ان کی فلموں میں کسی نہ کسی مسئلے کی جانب عوام کی توجہ مبذول کی گئی ہے نیز ان کی فلمیں موضوع بحث بھی رہی ہیں اور انہیں مختلف اعزازات سے بھی نوازا گیا ہے۔

موتی لال: اداکار پروڈیوسر موتی لال (ولادت: ۴ دسمبر ۱۹۱۰ء شملہ پنجاب) کو نیچرل اداکاری میں کمال حاصل تھا وہ اپنے ہر کردار میں جان ڈال دیتے تھے۔ انہوں نے ہیرو سے لے کر کیریکٹر ایکٹر کا رول بخوبی نبھایا۔



دیوداس کا چنی لال ہو یا جاگتے رہو کا شرابی، ہر کردار میں وہ ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔ وہ ۱۹۳۰ کے دہے میں انڈین نیوی میں کام کرنے کے لئے ممبئی پہنچے مگر بیمار ہو جانے کے کارن ٹیسٹ نہ دے سکے اور اتفاق سے ساگر فلم کمپنی کے ڈائرکٹر کے پی گھوش کو ان کی شخصیت بھا گئی اور انہیں فلموں میں کام کرنے کی پیشکش کر دی۔ ۱۹۳۴ء میں انہوں نے فلم شہر کا جادو (لیور آف دی سٹی) میں کام کیا۔ ۱۹۳۵ء میں ان کی شادی دہلی میں ایک لیڈی ڈاکٹر سے ہوئی۔ بطور ہیرو انہوں نے شادی پردیسی، اچھوت، سسرال، مجرم، دوست، پھلواڑی، دیوالی، امنگ، تقدیر، آگے قدم، پیا ملن، ایک تھی لڑکی، ہنستے آنسو، وغیرہ متعدد فلموں میں کام کیا۔ پھر پانچویں دہے میں وہ ہیرو سے کیرکٹر ایکٹر بن گئے اور مستانہ، دیوداس، جاگتے رہو، مسٹر سمپت، پرکھ ایسی فلموں میں اپنی چھاپ چھوڑ گئے۔ ''چھوٹی چھوٹی باتیں'' انہوں نے خود ڈائرکٹ کی مگر فلم ناکام ہوگئی۔ انہوں نے لاکھوں کمائے مگر انہیں ریس اور جوئے کی لت تھی جس کے کارن ان کی آخری زندگی بڑی تنگدستی میں گزری۔

۱۹۶۵ میں بمقام ممبئی ان کی وفات ہوگئی۔

موتی لال نے وطن پرست، شہر کا جادو، دو گھڑی کی موج، ڈاکٹر مدھرکا، سلور کنگ، دو دیوانے، لگن بندھن، جاگیردار، کیپٹن کیرتی کمار، تین سو دن کے بعد، ہم تم اور وہ، سچ ہے، آپ کی مرضی، ہولی، اچھوت، سسرال، تصویر، مجرم، دو دل، میرا منا، گجرے، اپنی عزت، ایک دو تین، اب دلی دور نہیں،

اناڑی، یہ زندگی کتنی حسین ہے، لیڈر، یہ راستے ہیں پیار کے، لیکھ، منگ، تقدیر آگے قدم، پیالمن، ایک تھی لڑکی، ہنستے آنسو، ہماری بیٹی، مستانہ، دیوداس، چھوٹی چھوٹی باتیں، وقت (۱۹۶۵ء) جی چاہتا ہے (۱۹۶۶ء) وغیرہ میں اپنی نیچرل اداکاری کی چھاپ چھوڑی۔ مشہور اداکارہ سوبھنا سامرتھ سے اُن کے بڑے دوستانہ تعلقات تھے لہٰذا ان کی بیٹی نوتن کو فلموں میں متعارف کرانے کے لئے انہوں نے فلم ''ہماری بیٹی'' بنائی۔

مہتاب: اداکارہ مہتاب کا نام نجمہ ابراہیم تھا اور شادی کے بعد مسز سہراب مودی۔ ان کی پہلی فلم ۱۹۳۱ء میں شالی وہان (Shaliwahan) بنی تھی جس میں دیگر اداکار نند رام، نور جہاں اور بوس تھے۔ ۱۹۳۲ء میں وہ ''ویر کنال'' میں جلوہ گر ہوئیں۔ انہوں نے قیدی، چتر لیکھا، جھولا شنکر، بھگت کبیر، شاردا، قانون، سنجوگ، وشواس، پرکھ، شمع، پردیسی، بالم، ناٹک، جیون، ایک دن کا سلطان، بیرم خان، جھانسی کی رانی سے بڑا بلوان (۱۹۶۹ء) وغیرہ متعدد فلموں میں اداکاری کی اور فلم ''ساتھی'' پروڈیوس کی۔ ۱۹۴۶ء میں انہوں نے ڈائرکٹر پروڈیوسر سہراب مودی سے شادی کرلی۔



مہندر ناتھ: کہانی نویس/مکالمہ نویس/اسکرین پلے رائٹر مہندر ناتھ مشہور اُردو افسانہ نگار کرشن چندر کے چھوٹے بھائی تھے۔ ۲۰/نومبر ۱۹۲۰ء کو بھرت پور میں پیدا ہوئے جہاں ان کے والد ڈاکٹر تھے۔ کرشن چندر کی بنائی فلم ''سرائے کے باہر'' میں لیڈنگ رول کیا۔ دل کی آواز، منا، تاج اور تلوار، حکمران،، دو پھول، کالا آدمی وغیرہ میں بھی انہوں نے چھوٹے موٹے رول کئے۔

مہی پال: دھارمک فلموں کے معروف اداکار مہی پال ۱۹۱۹ء میں بمقام جودھپور (راجستھان) پیدا ہوئے۔ وہ بنارس یونیورسٹی کے سائنس گریجوئٹ تھے۔ ۱۹۴۲ء میں انہوں نے فلم نذرانہ میں کام کیا۔ ۱۹۵۹ء میں وی شانتا رام کی فلم ''نورنگ میں سندھیا کے بالمقابل نمودار ہوئے اور اس فلم سے انہیں شہرت ملی۔ ان کی اہم فلمیں ہیں:۔ علی بابا چالیس چور، گوپال کرشن، امرجیوتی، دو چہرے، جے سنتوشی ماں، مہا شوراتری، بھگت دھرو، وشنو پُران، شری کرشن یدھ، چور دروازہ، جہاں ستی وہاں بھگوان، مہاراجہ وکرم، شنکر سیتا، انسوئیا،



نازنین، شنکر پاروتی، بن واسی، نرسمہا اوتار، لکشمی نارائن، جے مہالکشمی، الہ دین اور جادوئی چراغ، حسن کا چور، مست قلندر، حاتم طائی کی بیٹی، شیخ چلی، روپ کماری، تلسی داس، دیویانی وغیرہ۔ سنت روی داس کی امر کہانی'' ان کی آخری فلم تھی جو ۱۹۸۳ء میں ریلیز ہوئی تھی۔

۱۵ر مئی ۲۰۰۵ء کو ممبئی میں دل کا دورہ پڑنے سے ان کی وفات ہوگئی۔

مینا (شوری) اداکارہ مینا شوری کی ولادت ۱۵ستمبر ۱۹۲۷ء کو فیروز پور (پنجاب) میں ہوئی۔ پہلی بار سہراب مودی کی فلم'' سکندر'' میں نمودار ہوئیں۔ بعد ازاں



پتھروں کا سوداگر، پھر ملیں گے، پرتھوی ولبھ، آرسی، ایک تھی لڑکی، ایک دو تین، ڈھولک، چمن، ایکٹریس، مداری، شریمتی ۴۲۰، بھائی بھائی، لڑکی، مرزا صاحبان، مس پیٹ، چنڈو وغیرہ میں کام کیا۔ انہوں نے چمن، پرتھوی ولبھ اور سکندر میں گلوکاری بھی کی۔ انہوں نے پہلے ظہور راجہ، پھر الناصر اور اس کے بعد آر کے شوری سے شادی کی۔ مگر جب مینا کے پاکستان جانے اور فلموں کی ناکامی کے بعد آر کے شوری کی ۱۹۷۳ء میں وفات ہوگئی۔ تو مینا نے پاکستان میں اسد بخاری نام کے ایک اداکار سے شادی کی مگر وہ بھی ناکام ثابت ہوئی۔ وہ انہیں پیا بھی کرتا تھا۔ ۳ر ستمبر ۱۹۸۷ء کو لاہور میں مینا کی بڑی کسمپرسی کی حالت میں وفات ہوگئی۔

مینا کماری: مینا کماری کا اصلی نام مہ جبین بانو تھا اور وہ یکم اگست ۱۹۳۲ء کو پیدا ہوئی تھیں۔ ان کی المیہ اداکاری کی وجہ سے انہیں ملکہ جذبات یا ٹریجڈی کوئین کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ وہ پارسی تھیٹر کے زمانے کے اداکار اور میوزک ٹیچر ماسٹر علی بخش اور اقبال بانو کی بیٹی تھیں۔ مینا کماری کے



والدین بڑی تنگدستی کے دور سے گزر رہے تھے اس لئے انہوں نے اپنی بیٹی کو چائلڈ آرٹسٹ بنانے کی تگ و دو کی اور بالآخر ۱۹۳۹ء میں انہیں وجے بھٹ کی فلم'' لیدر فیس'' میں بے بی مینا کے نام سے کام کرنے کا موقع مل گیا۔ ۱۹۳۹ء اور ۱۹۵۲ء کے دوران انہوں نے تقریباً دو درجن فلموں میں کام کیا جو دیومالائی اور مذہبی فلمیں تھیں جیسے شری گنیش مہما، الہ دین اور جادوئی چراغ، ہنومان پاتال وجے وغیرہ۔ مگر جب ۱۹۵۳ء میں ان کی فلم'' بیجو باورہ'' پردہ اسکرین پر پیش کی گئی تو وہ چوٹی کی

اداکاراؤں میں شمار ہونے لگیں اور انہیں بہترین اداکارہ کا ایوارڈ بھی ملا۔۱۹۶۲ء میں منظرِ عام پر آنے والی گورودت کی فلم ''صاحب بی بی اور غلام'' میں ان کا چھوٹی بہو کا رول ناقابلِ فراموش ہے۔انہوں نے دلیپ کمار کے ساتھ فٹ پاتھ، آزاد، کوہ نور اور یہودی میں اداکاری کے جوہر دکھائے۔ ہدایت کار کمال امروہوی کی فلم ''پاکیزہ'' ان کی ایک یادگار فلم تھی۔اور آخری فلم ۱۹۷۲ء میں گومتی کے کنارے۔ آخر عمر میں انہیں عالم مایوسی میں مے نوشی کا سہارا لینا پڑا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۳۱ر مارچ ۱۹۷۲ء کو ممبئی میں انتقال کر گئیں۔اور ملک ایک اچھی اداکارہ (اور شاعرہ) سے ملک محروم ہو گیا۔ مینا جی شاعری میں ''ناز'' تخلص کرتی تھیں اور ان کی وفات کے بعد ہدائت کار / نغمہ نگار گلزار نے ان کا مجموعہ ''تنہا چاند'' شائع کیا تھا جو ادبی حلقوں میں بڑا مقبول ہوا۔ان کی کچھ فلمیں جن پر انہیں بہترین اداکارہ کا فلم فیئر ایوارڈ ملا، یہ ہیں: پرنیتا، بیجو باورا، صاحب بی بی اور غلام، کاجل، آزاد، سہارا، چراغ کہاں روشنی کہاں، آرتی، میں چپ رہوں گی، دل ایک مندر، پھول اور پتھر اور پاکیزہ۔ان کی کچھ اور یادگار فلمیں ہیں: پوجا، ایک ہی بھول، نئی روشنی، کسوٹی، بہن، غریب، پرتگیا، لال حویلی، بچھڑے بالم، انمول رتن، ہمارا گھر، صنم، مدہوش، دو بیگھہ زمین، فٹ پاتھ، دائرہ، الزام، چاندنی چوک، بادبان، نولکھا ہار، پرنیتا، رخسانہ، میم صاحب، شطرنج، شاردا، سویرا، شرارت، زندگی اور خواب، مس میری، کوہ نور، جاگیر، چاند، بہادروں کی منزل، بہو بیگم، منجھلی دیدی، نور جہاں، پنجرے کے پنچھی، بھیگی رات، میں بھی لڑکی ہوں، پورنیما، چترلیکھا، بے نظیر، سانجھ اور سویرا، غزل، دل ایک مندر، کنارے کنارے، آرتی، میں چپ رہوں گی، بھابھی کی چوڑیاں، ابھیلاشا، سات پھیرے، میرے اپنے، دشمن، جواب وغیرہ۔

نادرہ: نادرہ ممبئی کے ایک بغدادی یہودی خاندان میں ۵ر دسمبر ۱۹۳۲ء کو پیدا ہوئی تھیں اور انہیں ہدائت کار محبوب نے اپنی رنگین فلم ''آن'' میں پہلی بار ایک مغرور اور ظالم راجکماری کے رول میں دلیپ کمار کے بالمقابل پیش کیا تھا۔ پھر انہوں نے راجکپور کی فلم ''شری ۴۲۰'' میں چنچل شوخ مایا کا رول ادا کیا



اور تھرک تھرک کر یادگار گانا ''مڑ مڑ کے نہ دیکھ'' پیش کیا۔ اسی دوران انہوں نے مشہور فلمی شاعر نخشب جارچوی سے شادی کر لی مگر یہ شادی ناکام رہی اور نخشب ہجرت کر کے پاکستان چلے گئے۔انہوں نے لگ بھگ پانچ درجن فلموں میں کام کیا جن میں دل اپنا اور پریت پرائی، پاکیزہ، لاوارث، جولی، امر اکبر انتھونی، ایک بار، چلو، تمنا، کاٹن میری، گاڈ فادر، خسبو یہ، جھوٹی شان، حسن دے چور، لیلیٰ ـ مولا بخش، ساگر، راستے پیار کے، اشانتی،

دہشت، آس پاس،نغمہ، سپہ سالار، سمندری ڈاکو، شری ۴۲۰، پاکٹ مار، پولیس، کالا بازار، سپنوں کا سوداگر، میری صورت تیری آنکھیں، سفر، جہاں پیار ملے، انصاف کا مندر، ہنستے زخم، ایک ناری دو روپ، بھنور، دھرماتما، چیتنا، میرے سرتاج، فاصلہ، عشق عشق عشق، پاپی، آپ کی خاطر، مغرور، نوکری، جوش (۲۰۰۰ء) زہرہ محل (۲۰۰۱ء) شامل ہیں۔ انہوں نے ٹی وی سیریل ''تھوڑا سا آسمان'' میں ایک ضعیف خاتون کا رول بھی ادا کیا۔ مگر آن ایسی فلم کی ہیروئن کی زندگی بڑی سبق آموز بھی ہے اور عبرت ناک بھی۔ ان کی آخری زندگی بڑی کسمپرسی میں کٹی اور کام نہ ملنے سے ان کے ہاں فاقوں کی نوبت آگئی اور بالآخر طویل علالت کے بعد ۹ فروری ۲۰۰۶ء کو ۷۳ سال کی عمر میں بھالیہ ہسپتال ممبئی کے آئی سی یو میں دم توڑ گئیں۔

نادیا: ہنٹر والی کے نام سے مشہور نادیا تیسرے اور چوتھے دہے میں ایکشن فلموں کی مقبول ہیروئن تھیں اور انہوں نے تین درجن سے زائد فلموں میں کام کیا اور ان کی مار دھاڑ والی فلموں میں اکثر جان کاؤس اور سردار منصور بھی ہوتے تھے۔ نادیا کی پیدائش ۸ جنوری ۱۹۰۸ء کو پرتھ (آسٹریلیا) میں ہوئی اور پانچ سال کی عمر میں وہ بمبئی آگئیں۔ پھر ۱۹۳۰ء میں انہوں نے کچھ مدت سرکس میں کام کیا اور اسی دوران انہیں ''لال یمن'' میں کام کرنے کا موقع مل گیا جو جے بی ایچ واڈیا کی ہدائت میں بنی تھی۔ ۱۹۳۵ء میں انہیں فلم ''ہنٹر والی'' میں کام کرنے کا موقع ملا اور وہ ہنٹر والی کے نام سے مشہور ہوگئیں۔ فلموں میں ان کا ہیرو جان کاؤس ہوا کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان دونوں کی جوڑی نے ۳۵ فلموں میں ایک ساتھ کام کیا۔ اور غالباً یہ ریکارڈ ہے کیونکہ اتنی ساری فلموں میں کسی بھی فلمی جوڑی کو کام کرنے کا موقع نہیں ملا۔ بعدازاں ہومی واڈیا نے فلم ''ہنٹر والی کی بیٹی'' بنائی۔ پھر دونوں میں قریبی رشتے قائم ہوگئے۔ وہ دونوں شادی کرنا چاہتے تھے مگر ہومی وڈیا کی ماں کو انہیں بہو بنانا پسند نہ تھا، بعدازاں جب ہومی واڈیا کی والدہ کا انتقال ہوگیا تو ۱۹۶۰ء میں ان دونوں نے شادی کر لی۔ ۹ جنوری ۱۹۹۶ء میں نادیا کی ممبئی کے قلابہ کے ہسپتال میں وفات ہوگئی۔ ان کی اہم فلمیں تھیں: لعلِ یمن (۱۹۳۴) ولیش دیپک، نور یمن، ہنٹر والی (۱۹۳۵) مس فرنٹیر میل، پہاڑی کنیا ۱۹۳۶ء، ہری کین ہنسا (۱۹۳۷ء) لٹارو للنا (۱۹۳۸ء) پنجاب میل (۱۹۳۹ء)، ڈائمنڈ کوئن (۱۹۴۰ء) بمبئی والی (۱۹۴۱ء) جنگل پرنسس، مقابلہ (۱۹۴۲)، ہنٹر والی کی بیٹی، موج (۱۹۴۳ء) فلائنگ پرنس، لیڈی رابن ہڈ، شیرِ بغداد، طوفان کوئن (۱۹۴۶ء) ہنٹر والی، سٹنٹ کوئن، طوفانی تیرانداز،



چابک سوار (۱۹۴۷ء) الیون او کلاک، جنگل گاڈس، ٹائیگرس (۱۹۴۸ء) دہلی ایکسپریس، دھوم کیتو، بلی، مایا محل (۱۹۴۹) سرکس والے (۱۹۵۰ء) جنگل کا جواہر (۱۹۵۲ء) شمشیر باز (۱۹۵۳ء) شیر دل (۱۹۵۴ء) کارنیوال کوئن (۱۹۵۵ء) بغداد کا جادو، فائٹنگ کوئن، جنگل کوئن (۱۹۵۶ء) دلیر ڈاکو (۱۹۵۷ء) سرکس کوئن (۱۹۵۹) کھلاڑی (۱۹۶۸ء) وغیرہ۔

نارنگ :ایس ڈی: پروڈیوسر رڈائرکٹر رایکٹر ایس ڈی نارنگ کا نام تھا ستیہ دیو۔ ۱۸ رجون ۱۹۱۸ء کو لائل پور (حال فیصل آباد، پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ بی ایس سی تک تعلیم پائی اور پہلی بار پنچولی کی مشہور فلم ''خزانچی'' میں ہیرو کی حیثیت سے نمودار ہوئے اور یہ فلم زبردست ہٹ ہوئی۔ بعد ازاں انہوں نے زمیندار، سہارا، دربان، راوی پار (پنجابی) میں بھی کام کیا۔ بمبئی آنے کے کچھ عرصہ بعد اُن کا مشہور اداکارہ سمرتی بسواس سے رومانس چل پڑا جس کے نتیجے میں دونوں کی شادی ہوگئی اور جن سے دو بیٹے ہیں۔ بحیثیت ڈائرکٹر پروڈیوسر انہوں نے زندگی، کامنی، ایک عورت،، نئی بھابھی، عرب کا سوداگر، تنہائی، یہودی کی لڑکی، بابل کی گلیاں، بمبئی کا چور، انمول موتی، دلی کا ٹھگ، دو استاد، قسمت والا، سگائی، شہنائی، دو استاد وغیرہ فلمیں بنائیں۔

۲۵ رجنوری ۱۹۸۶ء کو ممبئی میں ان کی وفات ہوگئی۔

ناصر حسین: ہدائت کار رپروڈیوسر راسکرین پلے رائٹر ناصر حسین ۲ فروری ۱۹۳۱ء کو بھوپال (مدھیہ پردیش) میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۸ء میں انہوں نے فلمستان کمپنی جوائن کی اور اس کے لئے انارکلی، (۱۹۵۳ء) منیم جی (۱۹۵۵ء) اور پے انگ گیسٹ لکھیں جو کامیاب ثابت ہوئیں۔ پھر سبودھ مکرجی نے انہیں ''تم سے نہیں دیکھا'' (ہیرو شمی کپور) ڈائرکٹ کرنے پر مامور کیا اور وہ فلم ہٹ ثابت ہوئی۔ ۱۹۵۹ء میں انہوں نے شمی کپور کو لے کر ہٹ فلم ''دل دے کے دیکھو'' بنائی اور پھر انہوں نے اپنی کمپنی ناصر حسین فلمز کے نام سے قائم کی اور ڈائرکٹر پروڈیوسر بن گئے۔



انہوں نے جب پیار کسی سے ہوتا ہے (۱۹۶۱ء)، پھر وہی دل لایا ہوں (۱۹۶۳ء) تیسری منزل (۱۹۶۶ء) بہاروں کے سپنے (۱۹۶۷ء) پیار کا موسم (۱۹۶۹ء) کاروان (۱۹۷۱ء) یادوں کی بارات (۱۹۷۳ء) اور ہم کسی سے کم نہیں (۱۹۷۷ء) بنائیں۔ بعد ازاں انہوں نے زمانے کی ہوا (۱۹۸۱ء) منزل منزل (۱۹۸۴ء) اور زبردست (۱۹۸۵ء) بھی بنائیں مگر کچھ زیادہ کامیابی حاصل نہ ہوئی اور کمان ان کے بیٹے منصور خان نے سنبھال لی اور وہ فلموں (قیامت سے قیامت

تک ،اور جو جیتا وہی سکندر وغیرہ) کی کہانیاں اور اسکرین پلے لکھنے لگے۔
۱۳ مارچ ۲۰۰۲ ء کو ممبئی میں ان کا انتقال ہو گیا۔

ناصر خاں: دلیپ کمار کے چھوٹے بھائی، اداکارہ بیگم پارہ کے شوہر اور ٹی وی اسٹار ایوب خان کے والد ناصر خاں یکم اکتوبر ۱۹۲۴ء کو پشاور (صوبہ سرحد حال خیبر پختون خواہ پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد سرور خاں پھلوں کا کاروبار کرتے تھے۔ کچھ مدت بعد وہ پشاور سے بمبئی منتقل ہو گئے اور دیولالی میں پھلوں کا کاروبار کرتے رہے۔ ہدائت کار تپن بوس کو ان کی شخصیت پسند آ گئی اور ۱۹۴۵ء میں انہیں فلم '' مزدور'' میں بطور ہیرو لے لیا۔ پھر ہدائت کار پی ایل سنتوشی کی فلم شہنائی (ہیروئن ریحانہ) میں انہوں نے کام کیا جو ۱۹۴۷ء میں ریلیز ہوئی۔ بٹوارے کے بعد وہ پاکستان چلے گئے۔ اور انہیں یہ شرف حاصل ہوا کہ انہوں نے پاکستان کی پہلی فلم '' تیری یاد آئی '' میں ہیرو کا کردار نبھایا۔ اس کے علاوہ پاکستان



میں بنی دوسری فلم '' شاہدہ '' میں بھی اداکارہ شمیم کے بالمقابل ہیرو تھے۔ بعد ازاں بوجوہ وہ واپس ہندوستان آ گئے اور ۱۹۵۱ء میں انہوں نے جن فلموں میں کام کیا اُن میں پُر اسرار فلم '' نگینہ'' بھی شامل تھی جس کی ہیروئن نوتن تھی اور پلے بیک گانے سی ایچ آتما کی آواز میں تھے۔ نگینہ کے علاوہ انہوں نے نوتن کے ساتھ ہنگامہ (۱۹۵۲ء) شیشم (۱۹۵۲ء) اور آغوش (۱۹۵۳ء) میں بھی کام کیا۔ اداکارہ بیگم پارہ کے ساتھ فلم لٹیرا (۱۹۵۱ء) کر بھلا (۱۹۵۶ء) اور آدمی (۱۹۵۷) میں کام کیا، ۱۹۵۶ء میں اُن کی فلم '' چار مینار'' منظر عام پر آئی۔ ۱۹۵۸ء میں انہوں نے فلم اسٹار بیگم پارہ سے شادی کر لی جن سے ایوب خاں (ٹی وی سٹار) پیدا ہوئے۔ ناصر خاں نے دو فلموں '' گنگا جمنا'' اور '' بیراگ'' میں دلیپ کمار کے ساتھ کام کیا اور اوّ الذکر کو بڑی کامیابی حاصل ہوئی اور جسے کبھی بھلایا نہیں جا سکے گا۔ بطور ہیرو ان کی آخری فلم '' سایہ'' تھی۔ انہوں نے کل ۴۴ فلموں میں کام کیا جن میں سے ۲۹ میں وہ ہیرو تھے۔ انہوں نے نرگس (انگارے) مینا کماری (دائرہ) نمی (سوسائٹی) منور سلطانہ اور وینا (جلاد) کے ساتھ بھی بطور ہیرو کام کیا۔
۳ رمئی ۱۹۷۴ کو بمبئی میں ان کی وفات ہو گئی ،اُن کی آخری فلم '' بیراگ'' تھی۔

ناظمہ: ناظمہ ایک معاون اداکارہ تھیں اور انہوں نے پہلی بار ۱۹۶۲ء میں فلم '' ناور ہاؤس'' میں کام کیا تھا۔ ہومی واڈیا کی ایکشن تھرلر میں انہوں نے ہیروئن کا رول ادا کیا۔ لیکن عام طور پر یہ معاون اداکارہ کا ہی رول کرتی رہیں۔ ۱۹۷۲ء میں فلم '' بے ایمان'' میں منوج کمار کی بہن کا رول کرنے پر انہیں

فلم فیئر ایوارڈ بھی ملا۔ ان کی کچھ فلمیں ہیں: ضدی، غزل، فریاد، اپریل فول، نشان، آرزو، دل لگی، آئے دن بہار کے، راجہ اور رنک، عورت، تمنا، وارث، ڈولی، انجان، ادھیکار، راکھی اور ہتھکڑی، میرے بھیا، دو یار، بے ایمان، امیر غریب، منچلی، دیار مدینہ، رنگا خوش وغیرہ۔

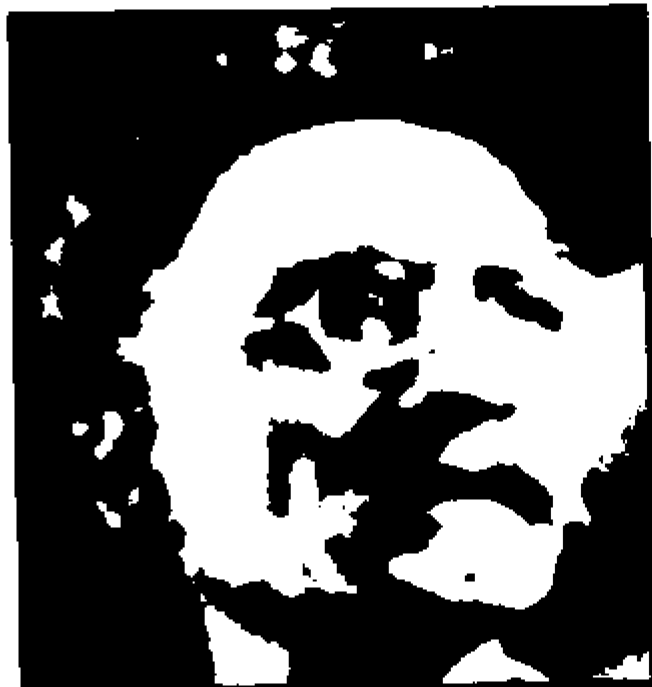
نانا پاٹیکر: نانا پاٹیکر ہماری فلموں کے ایک سماج سے جھلائے اور چڑ چڑے باغی نوجوان کی حیثیت سے فلموں میں اُبھرے اور اپنی فلموں سے عوام کو بے حد متاثر کیا۔ ان کی پہلی فلم ''انکش'' میں ان کی اداکاری نے ایک بے روزگار نوجوان کے لا ابالی پن اور جھلاہٹ نے تماش بینوں پر گہرا اثر ڈالا اور وہ عوام کے پسندیدہ اداکار بن گئے۔ ''پری ہار'' میں بھی اُن کی اداکاری نے گہرا تاثر چھوڑا۔ اُن کے عمدہ اداکاری کے اعتراف میں حکومت ہند نے انہیں پدم شری سے نوازا۔



پاٹیکر یکم جنوری ۱۹۵۱ء کو مُر د جنجیرہ (مہاراشٹر) میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد دنکر پاٹیکر پینٹر تھے اور انہوں نے بھی جے جے اسکول آف آرٹس میں تعلیم پائی تھی۔ نانا پاٹیکر نے گربن، مہرے اور سلام بمبے ایسی فلموں میں اپنی اداکاری سے اپنا سکہ جمالیا۔ اس کے بعد انہوں نے کرانتی ویر (۱۹۹۴ء)، اگنی ساکشی (۱۹۹۶ء) کہرام، ویلکم، خاموشی ہاف ماسٹر، اپ ہرن، اندھا یدھ، انگار، پرندہ، راجو بن گیا جنٹلمین، گمن، آج کی آواز، سوتر دھار، دشا، ترنگا، ابھے، ہم دونوں، وجود، گینگ، ترکیب، وو، شکتی، ڈرنا منع ہے، بھوت، آنچ، بیٹ ٹرک، دس کہانیاں، یاترا، سامنا، پاٹھشالہ، راج نیتی، ہنگامے پہ ہنگامہ وغیرہ میں پنی اداکاری کی دھاک جمائی۔

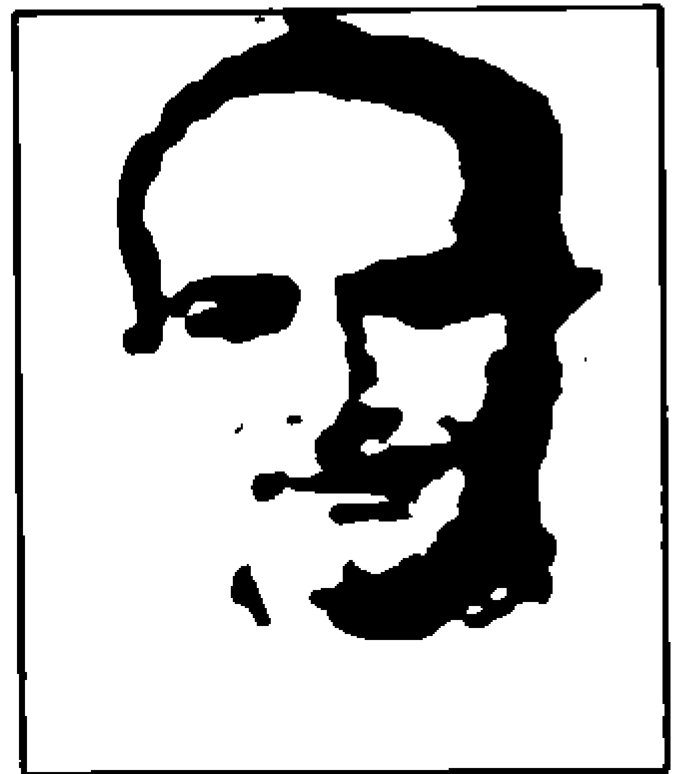
انہیں بہترین اداکاری پر نیشنل اور فلم فیئر ایوارڈ مل چکے ہیں۔

نانا پالیسکر: کیرکٹرا یکٹر نانا پالیسکر ۱۹۰۷ء میں پیدا ہوئے اور یکم جون ۱۹۸۴ء کو ممبئی میں ان کی وفات ہوگئی۔ وہ چوتھے اور پانچویں دہے میں سہراب مودی اور پرتھوی تھیٹر یکل کمپنیوں میں اسٹیج اداکاری کرتے رہے۔ ۱۹۳۵ء میں وہ پہلی بار لیلا چٹنس کے ساتھ فلم ''دھووندھر'' میں نمودار ہوئے۔ ۱۹۳۹ء میں انہوں نے بمبے ٹاکیز کی دو فلموں ''کنگن اور'' درگا'' میں بھی اداکاری کی تھی جنہیں جرمن ہدائت کار فرینز آسٹن نے ڈائرکٹ کیا تھا۔ قانون میں انہوں نے ایک چور کا اور شانتا رام کی فلم ''بوند جو بن گئی موتی'' میں ایک



سنگدل نیچر کا رول ادا کیا تھا اور آ کروش میں ایک شرابی مزدور کالا جواب کردار نبھایا تھا۔۱۹۵۳ء میں انہوں نے '' دو بیگھہ زمین'' میں بھی اپنی اداکاری کے جوہر دکھائے۔ انہوں نے کوئی اسی کے قریب فلموں میں کام کیا جن میں جاگتے رہو، اناڑی، شری ۴۲۰، جھنک جھنک پائل باجے، دیوداس، دھرماتما، دھند، شہر اور سپنا، قانون کیا کرے گا، گاندھی، تلن دائرہ، نرتکی، گمراہ، بھروسہ، پوجا کے پھول، گیت گایا پتھروں نے، بدن، آسمان محل، ریلوے پلیٹ فارم، آرزو، بھوت بنگلہ، عورت، بہاروں کے سپنے، دوستی، مایا، آخری خط، برادری، دور گگن کی چھاؤں میں، اب دلی دور نہیں، پھر صبح ہوگی وغیرہ شامل ہیں۔

نتن بوس: ہدائت کار، کیمرہ مین اور اسکرین رائٹر نتن بوس کی ولادت ۲۶ راپریل ۱۸۹۷ء کو بمقام کلکتہ ہوئی۔ تیسرے اور چوتھے دہے میں انہوں نے نیوتھیٹر کے ساتھ کام کیا اور ہندی اور بنگلہ فلمیں بنائیں۔ ۱۹۲۱ء میں انہوں نے کارنیشن اور چور کانٹا نامی فلموں کی فوٹو گرافی کی۔ بعد ازاں انہوں نے تکنیکی مشیر، کیمرہ مین اور ہدائت کار کی حیثیت سے نیوتھیٹر میں شرکت اختیار کر لی۔ تیس کے دہے میں انہوں نے یادگار فلمیں بنائیں، جن میں بنگلہ فلمیں دلشیر مائی، جیون مرن، دیدی، کاشی ناتھ......اور ہندی میں چنڈی داس، لگن، پرایا دھن، مجرم، ملن اور مشعل ایسی فلمیں شامل ہیں۔ ممبئی میں انہوں نے گنگا جمنا اور دیدار ایسی فلمیں بنائیں۔ انہوں نے ممبئی میں نتن بوس لمٹیڈ فلمساز ادارہ قائم کیا اور '' درد دل'' اور '' امر سہگل'' نامی فلموں کی تخلیق کی۔ ۱۹۷۷ء میں انہیں دادا صاحب پھالکے ایوارڈ عطا کیا گیا اور ۱۴ راپریل ۱۹۸۶ء کو کلکتہ میں ان کی ۸۹ برس کی عمر میں وفات ہوئی۔



(ماسٹر) نثار: اداکار رگلوکار ماسٹر نثار ابتدائی دور کی متکلم فلموں کے مشہور و معروف ہیرو تھے۔ وہ اس دور کے ایسے اداکار تھے جن کے پاس سب سے مہنگی گاڑیاں تھیں اور جنہوں نے اداکاری رگلوکاری سے اتنی دولت کمائی کہ اندازہ نہیں کیا جا سکتا مگر فضول خرچی اور عورتوں کے عشق میں بے دریغ پیسہ لٹانے کی وجہ سے آخری دنوں میں وہ کنگال ہوگئے اور انہیں فلموں میں چھوٹے چھوٹے کردار بھی کرنے پڑے۔



ماسٹر نثار دہلی کے رہنے والے تھے اور وہ گانے بجانے والے پیشہ ور میراثیوں میں سے تھے۔ روزگار کی خاطر دلی سے کلکتہ گئے

اور مدن تھیٹر میں ملازم ہوگئے اور اپنی گلوکاری اور شخصیت سے جلد ہی مس کجن کے نزدیک آگئے جو اسی تھیٹر میں کام کرتی تھیں۔ ان دونوں نے لیلیٰ مجنوں اور شیریں فرہاد کئی ڈراموں میں ایک ساتھ کام کیا اور خوب شہرت پائی۔ ماسٹر نثار کلکتہ آنے سے پہلے شادی شدہ تھے اور اپنی بیوی کو ساتھ لائے تھے مگر یہاں ان کا معاشقہ مس کجن سے چلتا رہا اور انہوں نے اس پر بے دریغ پیسے لٹائے۔ پھر فلم ''سیر پرستاں'' کے دوران مس ببو سے عشق شروع ہوا تو بھی انہوں نے یہی وطیرہ اختیار کیا۔

جب متکلم فلموں کا دور شروع ہوا تو ماسٹر نثار اور مس کجن نے ۱۹۳۱ء میں ''شیریں فرہاد'' میں ایک ساتھ کام کیا۔ اس کے بعد وہ ''شکنتلا'' بلوا منگل'' لیلیٰ مجنوں'' ور'' اندر سبھا'' میں بھی ایک ساتھ نمودار ہوئے اور اس جوڑی کو بڑا پسند کیا گیا۔ چونکہ ابتدائی دور میں سنیما میں بھی تھیٹر کی طرح گانوں کی بھرمار ہوتی تھی لہٰذا لیلیٰ مجنوں میں ۲۱ گیت تھے جبکہ شکنتلا میں ۴۱ گیت اور اندر سبھا میں ۷۲ گانے شامل کئے گئے تھے جو اب تک کا ریکارڈ ہے۔ اور یہ سبھی گیت ان دونوں نے مل کر گائے تھے۔ ان کے علاوہ ماسٹر نثار نے افضل، رنگیلا راجپوت، مایا جال، سیر پرستان، درد دل اور دختر ہند میں بھی کام کیا۔ بعد ازاں انہوں نے شاہ بہرام اور جوہر کشمیر میں زیب النساء اور سردار اختر کے ساتھ کام کیا۔

جب ۱۹۳۶ء میں اردشیر ایرانی نے پہلی رنگین فلم ''کسان کنیا'' بنائی تو اس میں انہوں نے مسٹر نثار کے ساتھ پدماں دیوی کو لیا۔ ''متوالی میرا''، ''شاہی گویا''، ''رومیو جولیٹ'' ایسی فلموں کے ہیرو نثار کے آخری دن بڑی تنگدستی میں کٹے اور انہوں نے آزاد، کوہ نور، لیڈر، چور ہو تو ایسا وغیرہ فلموں میں بطور ایکسٹرا معمولی رول ادا کئے۔ قسمت کی ستم ظریفی دیکھئے کہ اتنے بڑے گلوکار کو بی آر چوپڑا کی فلم ''سادھنا'' میں گانے کے لئے محمد رفیع کی آواز مستعار لینی پڑی۔

نذیر حسین: فلموں میں کیرکٹر ایکٹر رول کرنے والے نذیر حسین (۱۴؍فروری ۱۹۳۱ء، بھوپال۔ ۱۴؍مارچ ۲۰۰۲ء ممبئی) کی لاجواب اداکاری نے سنیما کے ناظرین پر اپنی گہری چھاپ چھوڑی ہے۔ انہوں نے ہندی کی تین سو فلموں کے علاوہ کچھ بھوجپوری فلموں میں بھی کردار نبھائے۔ ان کی کچھ فلمیں ہیں: لو اینڈ گاڈ، دشمن، راجپوت، دولت کا دشمن، دھرم کانٹا، مہربانی، ولائتی بابو، ففٹی ففٹی، آخری قسم، ونود ایجنٹ، برننگ ٹرین، کرم یوگی، تپسیا، تہذیب، بیراگ، سنگرام، دھوپ چھاؤں، لاکھوں میں ایک، سنجوگ، کنوارا باپ، دھرماتما، جگنو، جواہر بھاٹا، آرزو، انورادھا، رام اور شیام، آیا ساون جھوم کے، آنکھیں، آئی ملن کی بیلا وغیرہ۔





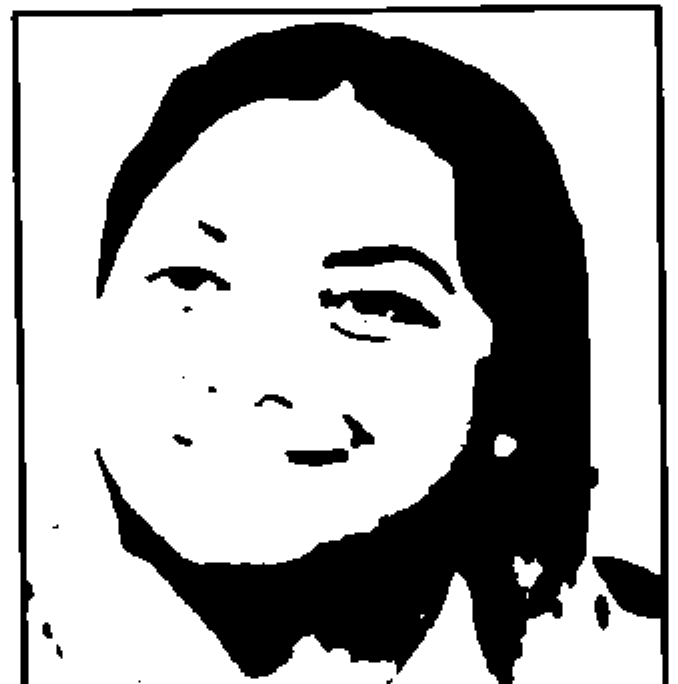
نرگس:- مشہور ہیروئن نرگس جدن بائی کے ہاں یکم جون ۱۹۲۹ء کو پیدا ہوئیں، اور نام رکھا گیا رشید فاطمہ۔ بچپن میں پہلی بار ۱۹۳۵ء میں 'تلاش حق' میں بطور چائلڈ آرٹسٹ کام کیا جو ان کی والدہ جدن بائی نے بنائی تھی۔ ۱۹۴۳ء میں بطور ہیروئن موتی لال کے بالمقابل کام کیا۔ ۱۹۴۸ء میں راج کپور کے ساتھ فلم ''آگ'' میں کام کیا اور پھر یہ جوڑی کئی برس تک چلتی رہی اور انہوں نے بہت سی فلموں میں ایک ساتھ کام کیا۔ جیسے برسات، آگ، آوارہ، آہ، چوری، شری ۴۲۰، وغیرہ۔ محبوب کی فلم مدر انڈیا کی شوٹنگ کے دوران اُن کی سنیل دت سے قربت بڑھی اور ۱۱ر مارچ ۱۹۵۸ء کو انہوں نے شادی کر لی، اور اس کے ساتھ ہی فلموں میں کام کرنا ایک طرح سے ترک ہی کر دیا اور سماجی کاموں میں سرگرم ہوگئیں۔ ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں راجیہ سبھا کا ممبر بھی نامزد کیا گیا۔ ان کا ایک بیٹا سنجے دت اور دو بیٹیاں نمرتا اور پریہ دت ہیں۔

آخر عمر میں وہ کینسر کے عارضہ میں مبتلا ہوگئیں۔ بہت علاج معالجہ کرایا گیا مگر افاقہ نہ ہوا اور ۳۱ر مئی ۱۹۸۱ء کو لگ بھگ ۵۱ سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوگیا۔

ان کی اہم فلمیں ہیں: مدر انڈیا، برسات، آگ آوارہ، دیدار، انداز، عدالت شری ۴۲۰، لاجونتی، مہندی، میلہ، انجمن، نرگس، جوگن، ساگر، نیا دن نئی رات، چوری چوری، تمنا، بیسویں صدی، ہمایوں، رومال، لاہور، انوکھا پیار، دارنہ جی، مینا بازار، کھیل، چھوٹی بھابھی، جان پہچان، بابل، ہلچل، شیشہ، بے وفا، آشیانہ، ان ہونی، امبر، شکست، پاپی، انگارے، پردیسی، یادیں، گھر سنسار وغیرہ۔

۱۹۶۷ء میں ریلیز ہونے والی فلم ''رات اور دن'' ان کی آخری فلم تھی

نرملا: معروف اداکار گووندا کی ماں اور ماضی کے ہیرو ارون آہوجہ کی اہلیہ۔ کلاسیکل گلوکارہ جن کا تعلق پٹیالہ گھرانے سے تھا۔ وہ کئی فلموں میں بطور ہیروئن نمودار ہوئیں اور گیت گائے۔ سویرا میں وہ ارون کے ساتھ بطور ہیروئن آئیں اور اس کے علاوہ موتی لال، الناس اور بھارت بھوشن کے ساتھ بھی۔ ۱۹۴۱ء میں نرملا اور ارون نے شادی کر لی۔ ان کی کچھ فلمیں ہیں: قانون، سویرا وغیرہ۔ انہوں نے شمع پروانہ، (۱۹۵۴ء) ذرا بچ کے (۱۹۵۹ء)، باورچی (۱۹۷۲ء) رام تیری گنگا میلی (۱۹۸۵ء) میں پلے بیک گلوکاری کی۔ ۱۹۹۶ء میں ان کی ممبئی میں وفات ہوگئی۔



نرنجن پال: پروڈیوسر ڈائرکٹر رائٹر نرنجن پال ۱۷ اگست ۱۸۸۹ء کو کلکتہ میں پیدا ہوئے۔ میٹرک تک کلکتہ یونیورسٹی سے تعلیم پائی۔ ۱۹۱۳ء میں نیچرل کلر کینما ٹوگراف کمپنی لندن میں بحیثیت اپرنٹس کی تربیت پانے کے لئے انگلستان گئے۔ وہ رائٹر اور اسکرین پلے رائٹر بھی تھے اور انہوں نے ۱۹۲۹ء میں 'جنٹلمین آف پیرس'، متکلم فلم کی اسکرپٹ لکھی تھی۔ علاوہ ازیں اچھوت کنیا، (۱۹۳۶ء) جیون پربھات، شکنتلا (۱۹۴۱ء) کو انہوں نے ڈائرکٹ بھی کیا۔ سکرپٹ رائٹر کی حیثیت سے حکومت ہند کے محکمہ نشریات واطلاعات میں بھی کام کرتے رہے۔ انہوں نے سات خاموش، دس متکلم فلمیں اور ایک سو کے قریب ڈاکومنٹری فلمیں بنائیں۔ لائٹ آف ایشیا (۱۹۲۵ء) ان کی ایک شاہکار فلم تھی جس کے وہ مصنف اور فرانز آسٹن کے جائنٹ ڈائرکٹر بھی تھے۔

۹ نومبر ۱۹۵۹ء میں ان کی وفات ہوئی۔

نروپا رائے: عام طور پر ایک کامیاب ماں کا رول کرنے والی نروپا رائے (۴ جنوری ۱۹۳۱ء والساڑ، گجرات۔ ۱۳ اکتوبر ۲۰۰۴ء، ممبئی) نے کم از کم پانچ سو ہندی گجراتی فلموں میں کام کیا تھا۔ اور انہیں ''فلم فیئر لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ'' اور دیگر کئی ایوارڈ بھی ملے تھے۔ ان کی پیدائش ایک روائتی گجراتی گھرانے میں ہوئی۔ والد ریلوے میں ملازم تھے۔ ۱۹۴۵ء میں جب کہ وہ ۱۴ سال کی تھیں، ان کی شادی ہوگئی اور کوکا چوہان سے کوکا بلساڑا بن گئی۔ ان کے شوہر کو فلموں میں کام کرنے کا بڑا شوق تھا وہ 'رنک دیوی' میں کام کرنے کی غرض سے انٹرویو دینے گئے، مگر وہ ناکام ہو گئے، اور اس کے برعکس نروپا رائے کو بغیر انٹرویو کے رنک دیوی کے لئے منتخب کرلیا گیا۔ اُن کے مائیکہ والوں کو پسند نہیں آیا اور تعلقات خراب ہوگئے مگر فلم کامیاب ہوئی۔ اس کے بعد انہوں نے ہندی گجراتی میں بنی فلم ''گن سندری'' (۱۹۴۸ء) میں ہیروئن کا کردار ادا کیا جس میں ہیرو منہر ڈیسائی تھے۔ ان کی بے شمار فلموں میں لاکھوں میں ایک، ہر ہر مہادیو، ناگ پنچمی، شیو کنیا، امر سنگھ راٹھور، سمراٹ چندر گپت، کوی کالی داس، ویر درگا داس، رضیہ سلطان، بھائی بھائی، بازی گر، سند بادوی سیلر، چھایا، شہنائی، آن ملو سجنا، چھوٹی بہو، سہاگ، امرا کبر انتھونی، مقدر کا سکندر، گنگا جمنا سرسوتی، کرتویہ، گوتم گووندا، جہاں تم لے چلو، راجہ اور رنک، دیوار، وغیرہ شامل ہیں۔



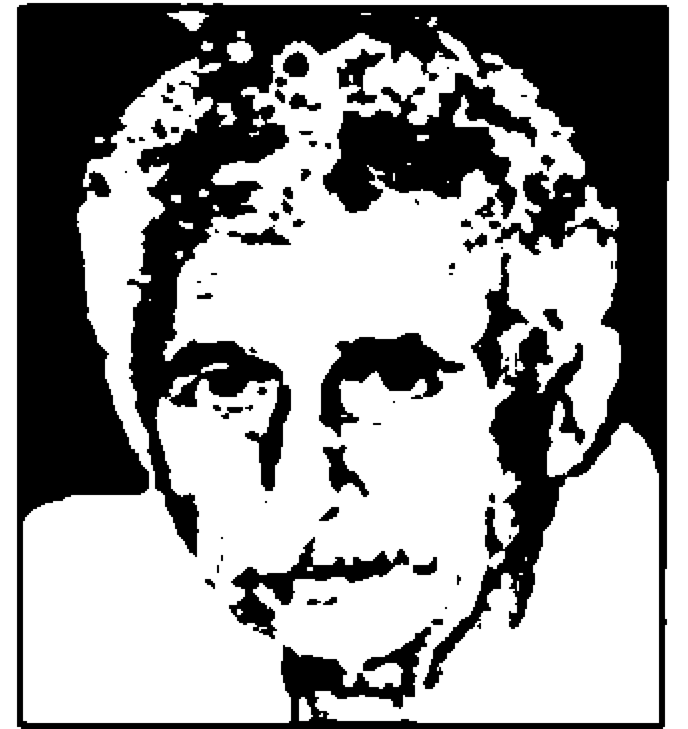
نسیم: پرانے دور کی ہیروئن اور سائرہ بانو کی والدہ جسے اپنے دور میں پری چہرہ نسیم کہا جاتا تھا۔ (۴ جولائی ۱۹۱۶ء۔ ۱۸ جون ۲۰۰۲ء ممبئی) پہلی بار ہدائت کار سہراب مودی کی فلم ہیملٹ میں نمودار ہوئیں



اور ان کی خوبصورتی نے سب کو مسحور کر دیا۔ پکار میں نور جہاں کے رول میں انہیں بے حد پسند کیا گیا۔ منروا موی ٹون کی کئی فلموں میں کام کرنے کے بعد وہ فلمستان میں چلی گئیں اور "چل چل رے نوجوان" میں اشوک کمار کے مقابل کام کیا۔ بعد ازاں ان کے شوہر احسان صاحب نے تاج محل پکچرز کمپنی بنائی اور باغی، سند باد، وغیرہ دوسری نصف درجن فلمیں بنائیں۔ پھر بیٹی سائرہ بانو کے فلم میں نمودار ہونے کے بعد انہوں نے فلم لائن کو خیرباد کہہ دیا تاکہ انہیں بیٹی سے مقابلہ نہ کرنا پڑے۔ البتہ نوشیروان عادل میں ایک چھوٹا سا رول ادا کیا۔ ان کی کچھ فلمیں ہیں: خون کا خون، طلاق، اجالا، پکار، بیگم، چل چل رے نوجوان، انوکھی ادا، دور چلیں، شیش محل، شبستان، باغی، عجیب لڑکی، بابی ذ ــــ ان پڑھ، نواب سراج الدولہ، وغیرہ۔

۱۸ جون ۲۰۰۲ کو ۸۴ سال کی عمر میں ان کی وفات ہوئی

نصیر الدین شاہ: اداکار، ہدایت کار نصیر الدین شاہ ۲۰ رجولائی ۱۹۵۰ء کو بارہ بنکی (اتر پردیش) میں پیدا ہوئے جہاں ان کے والد فوج میں ملازمت کے سلسلے میں مقیم تھے۔ ویسے ان کا آبائی وطن سردھنا ضلع میرٹھ ہے۔ انہیں بہترین اداکاری پر نیشنل ایوارڈ، فلم فیئر ایوارڈ ملکی اور غیر ملکی ایوارڈز کے علاوہ پدم شری (۱۹۸۷) اور پدم بھوشن (۲۰۰۳ء) سے بھی نوازا جا چکا ہے۔ ان کا شمار ہندی سنیما کے ذہین باشعور اور سنجیدہ اداکاروں میں ہوتا ہے اور متوازی سنیما کے تو وہ اہم ترین اداکاروں میں سے ہیں۔



ان کی پہلی فلم "نشانت" ۱۹۷۵ء میں آئی تھی اور "منتھن" ۱۹۷۶ء میں۔ ان دونوں فلموں میں ان کی اداکاری سے لوگ بڑے متاثر ہوئے۔ مرچ مسالہ (سمتا پاٹل) چمتکار (شاہ رخ خاں)، کرش (رتک روشن) مہرا (اکشے کمار) معصوم (شبانہ اعظمی) امراؤ جان (ریکھا) اور پولس پبلک (راجکمار) وغیرہ میں ان کی اداکاری کو بے حد پسند کیا گیا۔ ان کی دیگر اہم فلمیں ہیں: گودھولی، جنون، بھومیکا، سپرش، آکروش، البرٹ پنٹو کو غصہ کیوں آتا ہے، ہم پانچ، چکر، بازار، کتھا، جانے بھی دو یارو، پار، ہولی، موہن جوشی حاضر ہو، جلوہ، تمس، کرما، چمتکار، پناہ، کبھی ہاں کبھی نہ، تری کال، غلامی، خاموش، تری دیو، اجازت، ہیرو ہیرا لال، کھنڈر، مالا مال، پوسٹن جی، سر، دی پرفیکٹ

مرڈر، اے رام، لکشمن ریکھا، ناجائز، نکر، چاہت، بیبے بوائز، سرفروش، بھوپال ایکسپریس، مقبول، پہیلی، جانے تو یا جانے نہ، میرے باپ پہلے آپ، فراق، بارہ آنہ، عشقیہ، راج نیتی، اللہ کے بندے، سات خون معاف، پپلی لائف، مستان، مائیکل، چارج شیٹ، دی گرل ان دی ییلو بوٹس، متھیہ، بیبے ٹو بنکاک، ایک دھن بنارس کی، اسمھو، میں ہوں نا، شونیہ، اقبال، مجھے میری بیوی سے بچاؤ، موکش، قسم، مون سون ویڈنگ، گج گامنی، تو نے میرا دل لے لیا، راجکما، ہمت، مسٹر احمد، لٹیرے، ایک گھر، او۔ کارا، مہار تھی، ا من تھری ڈی، زندہ بھاگ (۲۰۱۳ء) وغیرہ۔

نگار سلطانہ: اداکارہ نگار سلطانہ حیدر آباد (آندھرا پردیش) میں پیدا ہوئیں۔ پہلی بار ۱۹۴۶ء میں فلم ''رنگ بھومی'' میں نمودار ہوئیں۔ مغل اعظم میں ان کا رول یادگار تھا۔ متعدد فلموں میں کام کیا جن میں ۱۸۵۷ء، بیلا، شکایت، ناؤ، مٹی کے کھلونے، پتنگا، سنہرے دن، بازار، بالم، شیش محل، کھیل، خاموش سپاہی، پھولوں کا ہار، دامن، حیدر آبادی، نازنین، آنند بھون، رشتہ، مرزا غالب، مستانہ، منگو، خیبر، سردار، عمر ماروی، ورلیش نندنی، کمانڈر، یہودی، مغل اعظم، راز کی بات، میرے ہمدم میرے دوست، دو کلیاں، بنسی برجو، (۱۹۷۲ء) جنبش: اے موومنٹ (۱۹۸۶ء) وغیرہ شامل ہیں۔ انہوں نے مشہور ہدائت کار پروڈیوسر کے آصف سے شادی کی جن کا مئی ۲۰۰۰ء میں ممبئی میں انتقال ہو گیا۔ اداکارہ حنا کوثر ان کی بیٹی ہیں۔



نلنی جیونت: نلنی جیونت (۱۸ر فروری ۱۹۲۶ء بمبئی۔ ۲۰ر دسمبر ۲۰۱۰ء ممبئی) چالیس اور پچاس کے دہے کی ایک ٹاپ اسٹار مانی جاتی تھیں مگر افسوس کہ جب ۲۰۱۰ء میں ان کا ممبئی میں اپنے چمبور میں واقع بنگلے میں انتقال ہوا تو تین دن تک نہ تو پڑوسیوں کو پتہ چلا اور نہ ہی رشتہ داروں کو۔ نلنی جیونت فلم اسٹار شوبھنا سمرتھ کی کزن تھیں اور ۱۹۴۱ء میں انہوں نے ہدائت کار محبوب خاں کی فلم ''رادھیکا'' میں اور ان کی دوسری فلم ''بہن'' میں شیخ مختار کی بہن کا رول ادا کیا تھا۔ ۱۹۵۰ء میں وہ ''سمادھی'' میں اشوک کمار کے مقابل بطور ہیروئن نمودار ہوئیں۔ انہوں نے اشوک کمار کے ساتھ دس فلموں میں کام کیا تھا اور شکست میں وہ دلیپ کمار کے بالمقابل ہیروئن رہی تھیں۔ بعد ازاں انہوں نے ہدائت کار ویریندر ڈیسائی سے شادی کر لی اور شادی کے بعد بہت کم فلموں میں کام کیا۔ پھر



انہوں نے دوسری شادی اداکار پر بھودیال سے کر لی جن کے ساتھ انہوں نے کئی فلموں میں کام کیا تھا۔ لگ بھگ دودہوں تک ہیروئن کا رول کرنے کے بعد انہوں نے کچھ یادگار رول بھی کئے۔ انہوں نے فلم ''ناستک'' میں امیتابھ بچن کی ماں کا رول ادا کیا تھا۔ ان کی کچھ اہم فلمیں ہیں: بہن، نرودش، رادھیکا (۱۹۴۱ء) آنکھ مچولی، آداب عرض، گنجن، انوکھا پیار، آنکھیں، مقدر، سمادھی، سنگرام، نند کشور، ایک نظر، جادو، نوجوان، دوراہا، نو بہار، قافلہ، سلونی، جل پری، راہی، شکست، محبوبہ، لکیریں، ناز، باپ بیٹی، کوی، ناستک، چنگاری، راج کنیا، منیم جی، ریلوے پلیٹ فارم، ۲۶ جنوری ۱۹۵۰، آن بان، ففٹی ففٹی، آواز، انصاف، ہم سب چور ہیں، درگیش نندنی، کتنا بدل گیا انسان، مس بمبئی، ملن، کالا پانی، شیرو، نیل منی، ماں کے آنسو، مکتی، امر رہے یہ پیار، سیناپتی، زندگی اور ہم، طوفان میں پیار کہاں، گرلز ہوسٹل، پیسے ریس کورس (۱۹۶۵ء) ناستک (۱۹۸۳ء) وغیرہ۔

نمی: (۱۸ رفروری ۱۹۳۳ء، آگرہ) اصلی نام نواب بانو۔ ان کی والدہ وحیدن بھی معروف اداکارہ تھیں مگر نمی ابھی نو سال کی تھیں کہ ان کے والدین کا انتقال ہوگیا اور ان کی پرورش ان کی دادی نے کی۔ جوان ہونے پر فلموں میں قسمت آزمانے کی غرض سے وہ ممبئی پہنچی اور ہدائت کار محبوب سے ملیں جنہوں نے انہیں اپنی اگلی فلم ''آن'' میں کام دینے کا وعدہ کیا۔ اسی دوران محبوب اسٹڈیو میں نمی کی ملاقات راجکپور سے ہوگئی اور انہوں نے انہیں ''برسات'' کے لئے منتخب کرلیا۔ اور برسات میں کامیابی نے انہیں راتوں رات معروف ہیروئن بنا دیا۔ اس کے بعد انہوں نہ صرف محبوب کی فلم ''آن'' میں بطور ہیروئن کام کیا بلکہ ان کے لئے



فلموں کی لائن لگ گئی۔ اور انہوں نے دیدار، داغ، امر، اڑن کھٹولا، ہمدرد، سزا، آندھیاں، سوسائٹی، بھائی بھائی، بسنت بہار، بے شرم، الف لیلے چھوٹے بابو، سوہنی مہیوال، کندن، پیاسے نین، درد، دل، کچے دھاگے، شمع، انگولی مالا، انجلی۔ میرے محبوب وغیرہ میں اپنی اداکاری کے جوہر دکھائے۔ فلم ''ڈنکا'' انہوں نے پروڈیوس کی تھی اور ان کی آخری فلم کے آصف کی ''محبت اور خدا'' تھی جسے وہ مکمل نہ کر سکے اور بعد ازاں ان کی بیوی اختر جہاں نے جو دلیپ کمار کی بہن ہیں، مکمل کیا۔ ۱۹۶۵ میں نمی نے سید علی رضا سے شادی کر لی اور آکاش دیپ (۱۹۶۵ء) میں کام کرنے کے بعد فلموں سے سنیاس لے لیا۔ یکم نومبر ۲۰۰۷ء کو ان کے شوہر سید علی رضا داغ مفارقت دے گئے۔

نند لال جسونت لال: ہدائت کار نند لال جسونت لال ۱۵ مارچ ۱۹۰۶ء کو پیدا ہوئے۔

۱۹۲۴ء میں کوہ نور فلم کمپنی بطور ٹائپسٹ جوائن کی مگر ۲۸-۱۹۲۶ء کے دوران چندولال جوشی اور این وی دیورے کے اسسٹنٹ بن گئے۔ ۱۹۲۹ء میں پردیسی سئیاں، اور پھر جوانی دیوانی ڈائرکٹ کی۔ ان کی ہدایت کردہ اہم فلمیں ہیں: پہاڑی کنیا، پریمی جوگن، گھونگھٹ والی، بچارنی، جنگل کی رانی، نو لوز، وائلڈ فلاورز، پینڈ اینجل، کشمیرا، اندرا ایم اے، ڈانسر آف دی ٹیمپل، بمبئی کی بلی، امر پالی، جیون ساتھی، کام دھینو، پرتگیا، کادمبری،، ویرانگنا، ستی تورل، انارکلی، ناگن، تاج، چمپاکلی، اکیلی مت جئیو (۱۹۶۳ء) وغیرہ۔

۱۹۶۱ء میں ۵۳ سال کی عمر میں ممبئی میں وفات ہوگئی۔

نوتن: اداکارہ نوتن سامرتھ (۴رجون ۱۹۳۶ء ممبئی۔ ۲۱رفروری ۱۹۹۱ء ممبئی بعارضہ کینسر) کی والدہ مشہور فلم اسٹار شوبھنا سامرتھ (بھرت ملاپ اور رام راجیہ کی سیتا) ور والد معروف شاعر کمار سین سامرتھ تھے۔ نوتن نے پہلے پہل بطور چائلڈ آرٹسٹ فلم ''دمینتی'' میں کام کیا اور وہ سب سے پہلے فلم ''ہماری بیٹی'' میں بطور ہیروئن وارد ہوئی تھیں۔ بعد میں ناصر خان کے ساتھ فلم ''نگینہ'' میں جلوہ افروز ہوئیں اور انہیں اچھی شہرت ملی۔ سیما اور بندنی میں ان کی اداکاری کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ ۱۹۵۱ء میں وہ مس انڈیا چنی گئیں۔ انہوں نے اپنے دور کے بھی ممتاز اداکاروں کے ساتھ کام کیا جن میں اشوک کمار، دیوآنند، بلراج ساہنی، راجکپور، دھرمیندر، دلیپ کمار، سنیل دت، کشور کمار، امیتابھ بچن وغیرہ شامل ہیں۔ ان کی کچھ فلموں کے نام ہیں: تیرے گھر کے سامنے، میں تلسی تیرے آنگن کی، اناڑی، چھلیا، کنہیا، دل ہی تو ہے، سونے کی چڑیا، شباب، کرما، دلی کا ٹھگ، سوداگر، سرسوتی چندر، پیئنگ گیسٹ، ساجن بنا سہاگن، آشا، سجاتا، دلہن ایک رات کی، ماں اور ممتا رشتہ کاغذ کا، میری جنگ، وارث، منزل، خاندان، مہربان، ملن، میوری، اور بھائی بہن وغیرہ۔ ۱۱ر اکتوبر ۱۹۵۹ء کو نوتن کی شادی نیوی آفیسر راجیش بہل سے ہوئی اور ان کا بیٹا موہنیش بہل فلموں اور ٹی وی کا جانا مانا اداکار ہے۔



نورجہاں: ملکہ ترنم نور جہاں (۲۱ستمبر ۱۹۲۶ء قصور، پنجاب۔ ۲۳ردسمبر ۲۰۰۰ء لاہور) اصلی نام اللہ وصی تھا مگر فلمی دنیا نے نور جہاں بنا دیا۔ کہتے ہیں کلکتہ میں آغا حشر نے ہی انہیں بے بی نور جہاں کے نام سے خطاب کیا۔ پہلی بار پنجابی فلم ''شیلا عرف پنڈ دی کڑی'' میں بطور چائلڈ آرٹسٹ نمودار ہوئیں۔ ۱۹۳۷ء میں نور جہاں کی فیملی کلکتہ سے لاہور آ گئی۔ اور دلسکھ پنچولی نے انہیں فلم ''گل بکاولی'' میں ایک رول دے



دیا۔اس کے بعدان کی پنجابی فلمیں یملا جٹ (ہیرو پران) اور چودھری ریلیز ہوئیں جن کے گانے بڑے مقبول ہوئے۔خصوصاً ''بس بس وے ڈولنا تیرے نال کی بولنا'' ۱۹۴۲ء میں انہوں نے اپنے نام کے ساتھ 'بے بی' کا لفظ ہٹا دیا۔اور ہدائت کار شوکت رضوی کی اُردو فلم ''خاندان'' (ہیرو پران) میں نمودار ہوئیں جس کے گانے بے حد مقبول ہوئے۔اس کے بعدان کا شمار ملک کے بڑے اسٹار میں ہونے لگا۔اسی اثنا انہوں نے شوکت حسین رضوی سے شادی کرلی اور ۱۹۴۳ء میں وہ لاہور سے ممبئی چلی گئیں۔جہاں انہوں نے لال حویلی، زینت، بڑی ماں، گاؤں کی گوری، مرزا صاحباں، انمول گھڑی اور جگنو میں اپنی اداؤں اور نغموں سے لوگوں کا دل جیت لیا۔اوران کے گیت برِصغیر میں گونجنے لگے۔آواز دے کہاں ہے......او میرے بچپن کے ساتھ......جواں ہے محبت'' یہاں بدلہ وفا کا......

تقسیم ملک کے بعد وہ اپنے خاندان کے ساتھ پاکستان چلی گئیں اور وہاں ان کے شوہر شوکت حسین رضوی کو ایک اسٹڈیو الاٹ ہوگیا جس کا نام شاہ نور اسٹڈیو رکھا گیا جس کے بینر تلے ۱۹۵۰ء میں فلم ''چن وے'' بنائی گئی جس کا گانا ''تیرے مکھڑے تے کالا کالا تل وے۔منڈیا سیالکوٹیا'' بڑا مقبول ہوا۔پھر اُردو میں فلم ''دوپٹہ'' بنی جس کا گانا ''چاندنی راتیں......'' لوگوں کے دل پر نقش ہوکر رہ گیا۔ان کی آخری فلم ''باجی تھی جو ۱۹۶۳ء میں ریلیز ہوئی تھی۔پاکستان میں ان کی ۱۴ فلمیں بنیں جن میں دس اُردو میں تھیں۔پھر شوکت حسین رضوی سے الگ ہوکر انہوں نے کرکٹر اعجاز درانی سے شادی کرلی جو عمر میں ان سے ۹ سال چھوٹے تھے۔گلوکارہ کی حیثیت سے انہوں نے ۱۹۵۸ء میں پہلی بار فلم ''جانِ بہار'' میں گیت ''کیسا نصیب لائی'' گایا جو بے حد مقبول ہوا۔وہ جنوبی ایشیا کی مقبول گلوکارہ تھیں اوران کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے حکومتِ پاکستان نے انہیں ''تمغۂ امتیاز'' سے نوازا تھا۔۲۳ر دسمبر ۲۰۰۰ء کو حرکت قلب بند ہوجانے سے لاہور میں ان کی وفات ہوگئی۔



نوشاد: موسیقار رشاعر رکہانی نویس رفلمساز۔نوشادعلی ۲۵ر دسمبر ۱۹۱۹ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور انہوں نے موسیقی کی تعلیم استاد غربت علی خاں، یوسف علی خاں، اُستاد ببن خاں اور اُستاد بندے علی خاں سے حاصل کی۔بمبئی میں وہ ایک مدت تک تنگ و

دو کرتے رہے اور آخر ۱۹۴۰ء میں انہوں نے پہلی بار آزادانہ طور پر فلم ''پریم نگری'' کی موسیقی مرتب کی مگر انہیں شہرت ڈی این مدھوک کی فلم رتن (کرن دیوان، سورن لتا۔۱۹۴۴ء) سے ملی اور اُن کے مرتب کئے گئے نغمے......رم جھم برسیں بادروا مست ہوائیں آئیں،......ساون کے بادلوان سے جا کہو ...اکھیاں ملا کے جیا بھرما کے......گلی گلی میں گونجنے لگے۔ان کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ ان کی ۳۵ فلموں نے سلور جوبلی، ۱۲ نے گولڈن جوبلی اور ۳ نے ڈائمنڈ جوبلی منائی۔انہوں نے متعدد فلموں کی موسیقی مرتب کی جن میں پریم نگر، درشن، میلہ، نئی دنیا، شاردا، قانون، اسٹیشن ماسٹر، نمستے، سنجوگ، جیون، گیت، پہلے آپ، رتن، سنیاسی، انمول گھڑی، شاجہان، قیمت درد، اعلان، ناٹک، انوکھی ادا، درد، انداز، چاندنی رات، دل لگی، داستان، بابل دیدار، جادو، آن، بیجو باورا، دیوانہ، شباب، امر، اُڑن کھٹولہ، مدر انڈیا، سوہنی ماہیوال، مغل اعظم، گنگا جمنا، کوہ نور، سن آف انڈیا، میرے محبوب، لیڈر، ساز اور آواز، پالکی، دل دیا درد لیا، رام اور شیام، ساتھی، آدمی، گنوار، پاکیزہ، تانگے والا، مائی فرینڈ، سنہرا سنسار، پان کھائے سئیاں ہمار، آئینہ، چمبل کی رانی، دھرم کانٹا، لوانیڈ گاڈ، تیری پائل میرے گیت، آواز دے کہاں ہے (۱۹۹۰ء) گڈو (۱۹۹۵ء) تاج محل: این اٹرنل لو اسٹوری (۲۰۰۵ء) حب خاتون (ہدائت کار بی آر چوپڑہ، اداکار سنجے خان، زینت امان، ریلیز نہیں ہوئی) اُن کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے حکومت ہند نے ۱۹۸۲ء میں انہیں داداصاحب پھالکے ایوارڈ اور ۱۹۹۲ء میں پدم بھوشن عطا کیا۔

۵ رمئی ۲۰۰۶ء کو ممبئی میں اُن کا انتقال ہو گیا اور انہیں جوہو کے قبرستان میں سپرد لحد کیا گیا۔

واڈیا جے بی ایچ: پروڈیوسر، ڈائرکٹر اور اسٹڈیو کے مالک جمشید بومن جی واڈیا ۱۳ رستمبر ۱۹۰۱ء کو ممبئی میں پیدا ہوئے۔ان کا خاندان سورت سے ممبئی آیا تھا جہاں ان کا جہاز سازی کا کام تھا۔ایم اے ایل ایل بی کی تعلیم کے بعد فلموں میں وارد ہوئے۔۱۹۳۰ء میں فلم پروڈکشن کی بنیاد رکھی اور خاموش فلم ''وسنت سینا'' بنائی جس کی کہانی اور مکالمے بھی انہی کے تحریر کردہ تھے۔۳۲-۱۹۳۰ء میں اپنے چھوٹے بھائی ہومی واڈیا کے ساتھ واڈیا برادرز پروڈکشن کی شروعات کی اور دلیر ڈاکو، طوفان میل، لائن مین، ورل ونڈ، دلربا، ڈاکو وغیرہ فلمیں بنائیں۔۱۹۳۳ء میں واڈیا مووی ٹون کی بنیاد رکھی اور پہلی متکلم فلم لعلِ یمن کی تخلیق کی۔انہوں نے لاتعداد فلمیں بنائیں نیز ان کی کہانی اور مکالمے بھی لکھے۔ان کی کچھ ہدائت کردہ فلمیں ہیں: لعلِ یمن، باغِ مصر، وامن اوتار، ہنٹر والی، جے بھارت، نوجوان، طوفانی ٹارزن، کہاں ہے منزل تیری، راج نرتکی، کورٹ ڈانسر، اکیلا، وشواس، دنیا جھکتی ہے، کیپٹن کشور، دیش دیپک، نوریمن، امر راج، میلہ، بالم، مغرور، مدہوش، تصویر (۱۹۶۶ء) ساز اور صنم (۱۹۷۱ء) وغیرہ۔ ۱۹۴۹ء میں وہ ہومی واڈیا کے ساتھ بسنت پکچرس میں شامل ہو گئے اور متعدد فلمیں پروڈیوس کیں

جیسے رام بھکت ہنومان، گنیش مہما، پاتال وجے، الہ دین علی بابا، حسن کا چور، ویر راجپوتانی، حاتم طائی (کیواکلر) بیچپن کشور، نور یمن۔ انہوں نے کوئی ایک سو کہانیاں اور اسکرپٹ تحریر کیے۔

۴ر جنوری ۱۹۸۶ء کو ان کا ممبئی میں انتقال ہو گیا۔

واڈیا ہومی: پروڈیوسر، ڈائرکٹر، اسٹڈیو کے مالک، اور ڈسٹری بیوٹر ہومی بومن جی واڈیا ۲۲ر مئی ۱۹۱۱ء کو ممبئی میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۲۹ء میں فلموں میں داخل ہوئے اور اپنے بھائی جے بی ایچ کی فلم ''لعل یمن'' میں حیثیت کیمرہ مین کام شروع کیا اور ۱۹۳۰ء میں واڈیا برادرز پروڈکشن کے تحت پہلی خاموش فلم ''دلیر ڈاکو'' بنائی۔ پھر ۱۹۳۳ء میں ''طوفان میل'' ڈائرکٹ کی۔ بعد ازاں اپنے بھائی جے بی ایچ واڈیا کے اشتراک سے واڈیا مووی ٹون کی بنیاد رکھی اور پہلی متکلم فلم ''ویر بھارت'' ڈائرکٹ کی۔ تب سے اب تک پچاس سے زائد فلمیں بنا چکے ہیں جن میں سے دو درجن سے زائد واڈیا مووی ٹون کے بینر تلے بنی ہیں جیسے ہنٹر والی، میری جان، طوفانی ٹارزن، پنجاب میل، ڈائمنڈ کوئین۔ بعد ازاں ۱۹۴۲ء میں بسنت پکچرز کے تحت ''موج'' پروڈیوس کی۔ ۱۹۴۷ء میں چمبور میں بسنت اسٹڈیو کی تعمیر کی۔ اور ۱۲ فلمیں ڈائرکٹ کیں: فلائنگ پرنس، رام بھکت ہنومان، پاتال وجے، علا الدین بابا اینڈ ونڈرفل لیمپ، علی بابا چالیس چور، حاتم طائی (کیواکلر) وغیرہ۔

۱۹۶۱ء میں انہوں نے سنٹ فلموں کی ہیروئن فیرلیس ناڈیا سے شادی کی جو ان کی متعدد فلموں کی ہیروئن بھی تھیں۔ پھر ۳۵ سال بعد ۹ر جنوری ۱۹۹۶ء کو ناڈیا کا انتقال ہو گیا اور اس کے آٹھ سال بعد ۱۰ر دسمبر ۲۰۰۴ء کو وہ بھی ممبئی میں انتقال کر گئے۔

وٹھل ماسٹر: ہندوستان کی پہلی متکلم فلم ''عالم آرا'' کے ہیرو اور خاموش فلموں کے معروف اداکار ماسٹر وٹھل نے فلموں میں بطور ٹیکنیشین اور رقاص مراٹھی فلموں میں کام شروع کیا۔ ۱۹۲۶ء میں فلم ''رتن منجری'' میں بطور ہیرو نمودار ہوئے اور بعد میں متعدد فلموں میں سنٹ ہیرو کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ عالم آرا کے بعد وہ کمزور اردو، ہندی کی وجہ سے ۱۹۳۲ء سے زیادہ تر مراٹھی متکلم فلموں میں ہی کام کرتے رہے۔ ۱۹۳۶

اور ۱۹۶۶ء کے دوران انہوں نے کوئی نوے فلموں میں اداکاری کی جن میں زیادہ تر مراٹھی فلمیں تھیں۔ علاوہ ازیں انہوں نے دو فلمیں ڈائرکٹ بھی کیں اور ایک فلم میں موسیقی بھی دی۔ ۱۹۳۰ء کے قریب وہ ملک کے سب سے مہنگے اداکار مانے جاتے تھے۔

وجے آنند: ہدائت کار، فلمساز، اداکار، ایڈیٹر، اسکرین رائٹر... وجے آنند دیو آنند اور چیتن آنند کے چھوٹے بھائی تھے۔ وہ ۲۲ر جنوری ۱۹۳۴ء کو گورداس پور (پنجاب) میں پیدا ہوئے اور ۲۳ر فروری



۲۰۰۴ء کو ممبئی میں ان کی وفات ہوئی۔ وہ ایک اچھے ہدائت کار کے ساتھ ایک اچھے اداکار بھی تھے۔ انہوں نے رشی کیش مکھرجی کی فلم ''کورا کاغذ'' میں جیا بہادری، ''ڈبل کراس'' میں ریکھا اور آشا سچدیو' میں تلسی تیرے آنگن کی' میں نوتن اور آشا پاریکھ کے ساتھ اداکاری کرنے کے علاوہ چیتن آنند کی فلم کنوشش اور حقیقت میں بھی نمایاں کردار نبھایا تھا۔ ۱۹۹۵ء میں سنسر بورڈ کا صدر بھی بنایا گیا تھا مگر وہ اس عہدے پر زیادہ وقت نہ ٹک سکے۔ ان کی زیر ہدائت پہلی فلم ''نو دو گیارہ'' بنی تھی جسے صرف چالیس دن میں مکمل کیا گیا تھا۔ بطور ہدائت کار ان کی کامیاب فلمیں ہیں: نو دو گیارہ (۱۹۵۷ء) کالا بازار (۱۹۶۰ء) تیرے گھر کے سامنے (۱۹۶۳ء) گائیڈ (۱۹۶۵ء) تیسری منزل، (۱۹۶۶ء)، جیول تھیف (۱۹۶۷ء)، کہیں اور چل (۱۹۶۸ء) جانی میرا نام (۱۹۷۰ء) تیرے میرے سپنے (۱۹۷۱ء) بلیک میل، چھپا رستم (۱۹۷۳ء)، رام بلرام (۱۹۸۰ء)، راجپوت (۱۹۸۲ء)، میں تیرے لئے (۱۹۸۸ء) وغیرہ۔ انہوں نے کچھ ملیالم فلمیں بھی ڈائرکٹ کیں۔ انہیں گائیڈ، جیول تھیف اور دیگر کئی فلموں پر اعزازات سے نوازا گیا۔ ۱۹۹۵ء میں چیتن آنند اور دیو آنند نے وجے سے تعلقات منقطع کر لئے تھے کیونکہ انہوں نے اپنی سگی بہن کی بیٹی سے شادی کر لی تھی۔

وجینتی مالا: وجینتی مالا بالی کی ولادت ۱۳ر اگست ۱۹۳۶ء



کو ایک تمل گھرانے میں ہوئی۔ ابتدا میں انہوں نے تمل فلموں میں کام کیا مگر ان کی تمل تیلگو ری میک ''بہار'' نے انہیں ہندوستانی سنیما کی بھی ایک مقبول اداکارہ بنا دیا اور انہوں نے متعدد فلموں میں اپنی رقص و اداکاری کے جوہر دکھائے۔ ان کی فلم ''ناگن'' نے کامیابی کے ریکارڈ توڑ دیئے۔ اور اس کے گیت گھر گھر گونجنے لگے۔ پھر بمل رائے کی ''دیوداس'' میں انہوں نے چندر

ناچی کی حیثیت سے ایسے رقص پیش کئے کہ سب ان کے دیوانے ہو گئے۔ ۱۹۵۸ء میں ان کی دو فلمیں ''سادھنا'' اور مدھومتی' ہٹ ہوگئیں۔ مدھومتی کے بعد گنگا جمنا اور سنگم نے بھی ان کی شہرت میں اضافہ کیا۔ بعدازاں انہوں نے ڈاکٹر چمن لال بالی سے شادی کر لی اور فلم لائن کو الوداع کہہ دیا۔

اُن کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں حکومت ہند نے پدم شری کے ایوارڈ سے نوازا۔ وہ کچھ مدت راجیہ سبھا کی رکن بھی رہیں۔ ان کی کچھ فلمیں ہیں: بہار، ناگن، دیوداس، نئی دہلی، نیا دور، پتلی، آشا، سادھنا، مدھومتی، پیغام، لیڈر، امرپالی، سنگم، سورج، بیول تھیف، سنگھرش، پرنس وغیرہ۔

وحیدہ رحمان: معروف ہیروئن/اداکارہ وحیدہ رحمان ۱۴رمئی ۱۹۳۶ء کو ایک مسلم گھرانے میں پیدا ہوئیں۔ وہ ڈاکٹر بننے کے خواب دیکھ رہی تھیں لیکن عارضہ قلب کی وجہ سے اپنی تعلیم مکمل نہ کر سکیں اور



چونکہ انہوں نے بھارت نانیم کی تعلیم پائی تھی اور اس پر انہیں عبور حاصل تھا لہٰذا ۱۹۵۵ء میں انہیں ایک تلگو فلم 'جے شیما' میں کام کرنے کا موقع مل گیا اور اسی سال انہوں نے دوسری تلگو فلم 'روجولو مارائی' میں بھی ہیروئن کا رول کیا۔ اسی دوران گورودت نے وحیدہ کو کھوج نکالا اور ممبئی لے آئے اور ۱۹۵۶ء میں اپنی فلم ''سی آئی ڈی'' میں بطور ویمپ پیش کرنے کے بعد ۱۹۵۷ء میں فلم ''پیاسا'' میں ہیروئن کی حیثیت سے پیش کیا اور اس فلم کو غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی۔ اس دوران گورودت وحیدہ رحمان کے عشق میں گرفتار ہو گئے۔ ۱۹۵۹ء میں انہوں نے انہیں'' کاغذ کے پھول'' میں پیش کیا جو پردہ اسکرین پر تو کامیاب نہ ہوئی مگر اسے کلاسیکل درجہ مل گیا۔ ۱۹۶۰ء میں گورودت نے انہیں'' چودھویں کا چاند'' میں اور ۱۹۶۲ء میں صاحب بی بی غلام میں سائیڈ ہیروئن کے طور پر پیش کیا۔ مذکورہ فلم کی ہیروئن مینا کماری تھیں۔ ۱۹۶۵ء میں انہیں دیو آنند کے بالمقابل'' فلم گائیڈ'' میں ہیروئن کا رول ملا جس پر انہیں فلم فیئر ایوارڈ بھی ملا۔ ۱۹۶۴ء میں وحیدہ نے'' فلم'' شگون'' میں ہیرو کمل جیت کے بالمقابل کام کیا اور شوٹنگ کے دوران دونوں میں عشق ہو گیا۔ پھر ۲۷ر اپریل ۱۹۷۴ء کو انہوں نے شادی کر لی اور ان کے دو بچے ہوئے جن کا نام سہیل اور کاشوی ہیں مگر افسوس کہ کمل جیت کی عارضہ قلب سے ۲۱ر نومبر ۱۹۷۴ء کو وفات ہوگئی۔ وحیدہ رحمان نے متعدد فلموں میں کام کیا جن میں ریشماں اور شیرا، کالا بازار، سولہواں سال، کبھی کبھی، بات ایک رات کی، مشعل، درپن، نمک حلال، سوال، ہمت والا، چاندنی، خاموشی، دل دیا درد لیا، اوم جے جگدیش، تیسری قسم، رام شیام، آدمی، نمکین، لمحے، پریم پجاری، مجھے جینے دو، درپن، شطرنج، بیس سال بعد، ایک پھول چار کانٹے۔ کالا بازار، روپ

کی رانی چوروں کا راجہ، بارہ او کلاک، رنگ دے بسنتی، ۱۵، پارک ایونیو، میں نے گاندھی کو نہیں مارا وغیرہ شامل ہیں۔

ولی، ولی محمد خان: پروڈیوسر ڈائرکٹر رائٹر، شاعر ولی محمد خاں جو ولی صاحب کے نام سے معروف تھے، ۱۰/اگست ۱۹۰۸ء کو پونے میں پیدا ہوئے۔ پانی پت میں تعلیم پائی۔ مشہور فلم اسٹار ممتاز شانتی سے شادی کی۔ انہوں نے ہندی اُردو اور فارسی میں گیت اور غزلیں لکھیں۔ کوئی ۲۰ سے زائد فلموں میں ان کے گیت شامل ہیں جن میں خاندان، خزانچی، نئی کہانی، شرون کمار، سوہنی کمہارن، انتظار، پردیسی ڈھولا، وغیرہ شامل ہیں۔ انہوں نے اپنی پروڈکشن پنجاب فلم کارپوریشن کے بینر تلے دیکھو جی، ہیر رانجھا، پدمنی، پتلی، بیوی، زمانے کی ہوا، لیڈی ڈاکٹر، امر، کیرتن وغیرہ پروڈیوس اور ڈائرکٹ کیں۔ پرستان پکچر کے وہ مالک تھے۔ بٹوارے کے بعد پاکستان ہجرت کر گئے اور وہاں بھی فلمیں بنائیں۔

۱۹۷۷ء میں بمقام لاہور اُن کا انتقال ہو گیا۔

ون مالا: اداکارہ ون مالا کا پیدائشی نام سوشیلا پوار تھا مگر فلموں میں ون مالا کے نام سے شہرت پائی۔ ان



کی ولادت ۲۳/مئی 1915ء کو اُجین میں ہوئی اور انہوں نے بی اے بی ٹی تک تعلیم پائی۔ پہلی بار مراٹھی فلم پیا چھی داسی (یعنی چرنوں کی داسی) میں نمودار ہوئیں۔ ان کی دیگر فلمیں ہیں: سکندر، وسنت سینا، راجہ رانی، کادمبری، پربت پہ اپنا ڈیرا، سنو سناتا ہوں، دل کی بات، آزادی کی راہ پر، بیتے دن، برہم گھوٹالہ وغیرہ۔ انہیں مراٹھی فلم شیام چی آئی پر ۱۹۵۳ء میں صدر جمہوریہ ہند کی جانب سے بہترین اداکارہ کا ایوارڈ بھی ملا۔ وہ زندگی کے آخری دنوں تک کئی سماجی اداروں سے وابستہ رہیں۔ نیز وہ ہندوستانی آرٹ اور کلچر میں تربیت دینے کے لئے ایک اسکول ''ہرداس کلا سنستھان'' بھی چلاتی رہیں۔

۲۹/مئی ۲۰۰۷ء کو ان کی گوالیار میں کینسر سے ۹۲ سال کی عمر میں وفات ہوئی۔

ونود کھنہ: ہیرو، ویلن کیرکٹر آرٹسٹ۔ ۶/اکتوبر ۱۹۴۶ء کو پشاور (صوبہ سرحد، پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ ہیرا پھیری پرورش اور امر اکبر انتھونی میں امیتابھ بچن کے ساتھ جلوہ گر ہونے والے اس اداکار نے ہیرو ویلن اور کیرکٹر ایکٹر کی حیثیت سے متعدد فلموں میں کام کیا۔ اور اب فلموں کے علاوہ سیاست میں بھی حصہ لے رہے ہیں اور تین بار بی جے پی کے ٹکٹ پر ممبر پارلیمنٹ منتخب ہو چکے ہے۔ جب سنیل

دت نے اپنے بھائی سوم دت کو لانچ کرنے کے لئے فلم "من کا میت" بنائی تو اس میں انہوں نے ونود کھنہ کو ولن کا رول دیا اور اس فلم میں سوم دت تو نہ چل سکے مگر ونود کھنہ ایک کامیاب اداکار بن گئے۔ اس کے بعد انہوں نے میرا گاؤں میرا دیش، راجپوت کا بادشمن، آن ملو سجنا، میرے اپنے میں اداکاری کے جوہر دکھائے۔ اس کے بعد متعدد فلموں میں جلوہ گر ہوئے۔ ان کی اہم فلمیں ہیں ریشماں اور شیرا، پورب اور پچھم، سچا جھوٹا، اچانک، قربانی، ہاتھ کی صفائی، بندش، زمین، خون پسینہ، چاندنی، دیالو، دیاوان فرشتے، دیوانہ پن، رسک، دبنگ، دبنگ ۲، وانٹیڈ، بابا بول، کوفی، فادر، قرار، جنم کنڈلی، وقت کا بادشاہ، وغیرہ۔ اپنے بیٹے اکشے کھنہ کو لانچ کرنے کے لئے فلم ہمالیہ پتر بھی بنائی۔ اور اب وہ بھی ایک جانا پہچانا اداکار ہے۔

وی شانتا رام اداکار، ہدایت کار اور فلم ساز شانتا رام راجا رام ونکدرے (۱۸ر نومبر ۱۹۰۱ء کولہاپور، مہاراشٹر۔ ۳۰ر اکتوبر ۱۹۹۰ء ممبئی) ہندوستانی سنیما کی ایک مایہ ناز ہستی تھے جن کی فلمی خدمات کو کبھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے ۱۹۸۵ء میں حکومت ہند نے انہیں دادا صاحب پھالکے ایوارڈ سے نوازا تھا۔ ان کی یادگار فلموں میں: ڈاکٹر کوٹنس کی امر کہانی (۱۹۴۶ء) جھنک جھنک پائل باجے (۵۵ء)، دو آنکھیں بارہ ہاتھ (۵۷ء) وغیرہ کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ شانتا رام نے ابتدائی تعلیم کولہاپور میں حاصل کی۔ وہ کچھ مدت ریلوے ورکشاپ میں قلی کا کام بھی کرتے رہے جہاں انہیں ۱۲ روپے ماہانہ تنخواہ ملتی تھی۔ بعد ازاں ایک تھیٹر میں پردے پینٹ کرتے رہے۔ ایسے ہی چھوٹے موٹے کام کرتے ہوئے وہ مہاراشٹر فلم میں بطور اسسٹنٹ کیمرہ مین شامل ہو گئے۔ ۱۹۲۷ء میں انہوں نے پہلی فلم "نیتا جی پالکر" ڈائرکٹ کی اور دو سال بعد ۱۹۲۹ء میں انہوں نے وشنو پنت داملے، ایس فتح لال، کے آر دھیبر اور ایس بی کلکرنی کے اشتراک سے پربھات فلم کمپنی کی بنیاد رکھی۔ جس کے بینر تلے مراٹھی کی پہلی متکلم فلم "ایودھیا چا راجا" بنائی گئی۔ ۱۹۴۲ء میں انہوں نے پربھات سے کنارہ کشی کر کے راج کمل کلا مندر کی بنیاد رکھی جس نے کئی یادگار فلمیں بنائیں۔ مراٹھی میں ان کی فلم "مانوس" کی چارلی چپلن نے بھی تعریف کی

تھی۔ انہوں نے اپنی پہلی بیوی وملا کے علاوہ فلم ایکٹریس جے شری اور سندھیا سے بھی شادی کی۔ انہوں نے کئی فلموں میں اداکاری کرنے کے علاوہ بہت سی فلموں کی ہدایت کاری کے فرائض بھی انجام دیئے۔ ان کی اہم فلمیں ہیں: دنیا نہ مانے، امر جیوتی، آدمی، پڑوسی، ڈاکٹر کوٹنس کی امر کہانی، اپنا، ماتما، چندر سینا، شکنتلا، تین بتی چار راستے، سرنگ، صبح کا تارا، استری، نورنگ، دو آنکھیں بارہ ہاتھ، بوند جو بن گئی موتی، گیت گایا پتھروں نے، جھنجھر، اپنا دیش، پنجرہ، سہرا، چندر سینا، پربت پہ اپنا ڈیرا ہے، پرچھائیاں، وغیرہ۔

وینا: اداکارہ وینا کا اصلی نام شہزادی تاجور سلطانہ ہے۔ وہ ۴ر جولائی ۱۹۲۶ء کوئٹہ میں پیدا ہوئیں۔ لیکن ان کی فیملی لاہور چونا منڈی میں منتقل ہوگئی اور انہوں نے لاہور میں جونیئر بی اے تک تعلیم پائی۔ وہ معروف کیریکٹر ایکٹر افتخار کی بہن تھیں۔ پہلی بار ۱۹۴۲ء میں فلم گوانڈھی (پنجابی) میں کام کیا جس میں اداکار شیام بھی پہلی بار نمودار ہوئے تھے۔ بعد ازاں انہوں نے پنجابی فلم "نیوی" میں کام کیا اور پھر متعدد ہندی فلموں میں بطور ہیروئن اور کیریکٹر ایکٹر کام کیا۔ ان میں نجمہ، افسانہ، یاد، سرکار، کشمیر، پھول، ان داتا، ماں باپ، راجپوتانی، پہلی نظر، سہراب اشوک، چھین لے آزادی، شیشے کی دیوار، راوی پار، راج مکٹ، ہمایوں، داستان، جلاد، میرا اسلام، پہلی ملاقات، شطرنج کے کھلاڑی، چھپا رستم، جھیل کے اس پار، بنارسی بابو، میرے غریب نواز، انمول موتی، آشیرواد، بلاؤ، آسمان، مہندی، چلتی کا نام گاڑی ہے، تاج محل، کاغذ کے پھول، دو راستے، ساتھی، شریمان جی، چھوٹی سی ملاقات، ہیر رانجھا، شہزادہ، پرچھے، پاکیزہ (۱۹۷۲ء) رضیہ سلطان (۱۹۸۳ء) وغیرہ شامل ہیں۔ اداکرالناصر سے شادی کی مگر نا کام ثابت ہوئی۔ ۱۴ر نومبر ۲۰۰۴ء میں ان کی بمبئی میں وفات ہوئی۔



ہیرا لال: اپنے دور کے مشہور ویلن ہیرا لال کا پورا نام کشور من جوہری ہیرا لال تھا۔ خاموش فلموں کے زمانے میں پہلی بار ۱۹۲۸ء میں وہ فلم Daughters of Today میں نمودار ہوئے اور آخری بار ۱۹۹۵ء میں فلم "اکیلے ہم اکیلے تم" میں۔ وہ جادوئی فلموں حاتم طائی، الف لیلیٰ، جادو کا محل میں دیو، جن کا رول کیا کرتے تھے۔ وہ ایک جانے مانے ویلن تھے اور ان کی اہم فلمیں ہیں۔ سیتا، درد الفت، کرم ویر، سپاہی، ابلا، ہمراہی، البیلی، ضد، ایک عورت، ساپتی، گائی، نگینہ، دامن، بادل، آرام، دو بیگھہ زمین، کاروان، عرب کا سوداگر، ہار جیت، محبوبہ، عورت، نقاب، کھل جا سم سم، پریوار، یہودی کی لڑکی، نشان، لٹیرا، دور گگن کی چھاؤں میں، گمنام، لیڈر، شبنم، انسان اور شیطان، مجرم، آنکھیں، دو کلیاں،

نادر شاہ، ہم دونوں، سلطانہ ڈاکو، کالیہ، اندھیرا، بھگتی میں شکتی، مسٹر نٹور لال، کھیل کھلاڑی کا، جے اما ماں، ایک سے بڑھ کر ایک، رفو چکر، قیدی نمبر ۹۱۱ وغیرہ۔

ھیلن: رقاصہ/اداکارہ ہیلن ۲۱/نومبر ۱۹۳۹ء میں برما میں پیدا ہوئیں۔ ان کے والد اینگلو انڈین اور ماں برمی تھیں۔ ان کے والد دوسری جنگ عظیم میں مارے گئے اور ۱۹۴۳ء میں ان کا کنبہ برما سے جان بچا کر ممبئی آ گیا جہاں ان کی والدہ نرس کا کام کرنے لگیں۔ گھر کے اخراجات چلانے کے لئے ہیلن کو بھی اسکول چھوڑ کر کام ڈھونڈنا پڑا۔ اسی دوران اس دور کی مشہور رقاصہ ککو نے ان کی مدد کی اور فلم "شبستان" اور "آوارہ" کے کورس ناچ میں انہیں بھی کام دلا دیا۔ پھر ان کی اپنی پہچان بن گئی اور انہیں حور عرب (۱۹۵۳) الف لیلیٰ (۱۹۵۴ء) اور "بندش" میں رقص کرنے کا موقع مل گیا اور وہ فلموں کی مشہور رقاصہ اور اداکارہ بن گئیں۔ انہوں نے لگ بھگ ۲۰۰ ۔۔۔ کے ساتھ کام کیا۔ جب انہوں نے ۵۰۰ ویں فلم کی



تھی تو اس موقع پر ایک شاندار دعوت کی تھی۔ وہ بیس سال تک مشہور فلمساز پی این اروڑہ کی رکھیل بن کر رہیں اور پھر ان کی موت کے بعد نومبر ۱۹۸۱ء میں مشہور کہانی نگار سلیم خاں سے شادی کر لی۔ ان کی اہم فلمیں ہیں: چنگیز خاں، مس کوکا کولا، ٹکسال، ہوڑہ برج، یہودی، ایک پھول چار کانٹے، دل اپنا اور پریت پرائی، تیسری منزل، پارس منی، گمنام، انتقام، انامیکا، شعلے، انکار، ڈان، دس لاکھ، جال، جیول تھیف، ہرے کانچ کی چوڑیاں، شکار، ہنگامہ، اپاسنا، زخمی، کالا سونا، شان، بلندی، امر اکبر انتھونی، بندی، عبداللہ، سوال، آیا ساون جھوم کے، انیتا، ہم دل دے چکے صنم، مدہوش، بے نام، میرے جیون ساتھی، من مندر، اپرادھ، دھن دولت دنیا، راکھی اور ہتھکڑی، ہلچل، ناداں، کارواں، بہے نا کی، ہم حسین میں جواں، ہیروئن (۲۰۱۲ء) وغیرہ۔

ھیما مالنی: ایکٹریس، رقاصہ، ہدایت کار، فلمساز ہیما مالنی آر چکرورتی کی ولادت ۱۶/اکتوبر ۱۹۴۸ء کو



امنکڈی، مدراس میں ہوئی تھی۔ پہلی بار ۱۹۶۸ء میں راجکپور کے ساتھ فلم "سپنوں کا سوداگر" میں بطور ہیروئن کام کیا۔ اور انہیں 'ڈریم گرل' کے نام سے موسوم کیا گیا، پھر ۱۹۷۷ء میں اسی نام کی فلم بھی بنائی گئی۔ انہوں نے اپنے شوہر دھرمیندر اور اس دور کے سپر اسٹار راجیش اور امیتابھ بچن (ستے پہ ستہ، شعلے، نصیب اور باغبان) کے ساتھ کئی فلموں میں کام کیا۔ شعلے میں بسنتی کے رول

کو فلم بین کبھی بھلا نہیں پائیں گے۔ ۱۹۸۰ء میں انہوں نے اداکار دھرمیندر سے شادی کر لی جن سے ان کی دو بیٹیاں ایشا دیول اور آہنا دیول ہیں جن کی شادی ہو چکی ہے۔ چھوٹی بیٹی سنجے لیلا بنسالی کی اسسٹنٹ ہدائت کار بھی رہی ہیں۔ ہیما نے ۲۰۰۴ء میں بی جے پی جوائن کر لی اور سیاست میں حصہ لینے لگیں۔ مارچ ۲۰۱۰ء میں انہیں پارٹی کا جنرل سیکرٹری بنا دیا گیا۔ وہ بی جے پی کی جانب سے راجیہ سبھا کی رکن بھی منتخب ہو چکی ہیں۔ ان کی کچھ فلموں کے نام ہیں: دس نمبری، کرانتی، جانی میرا نام، جان من، چھپا رستم، جوشیلا، شرافت، آزاد، جگنو، ڈریم گرل، دل کا ہیرا شعلے، رام بلرام، رضیہ سلطان، دل لگی، بغاوت، علی بابا چالیس چور، ستے پہ ستہ، شعلے نصیب، دھرماتما، آنسو اور مسکان، انجینیئر ی، انداز، لال پتھر، نیا زمانہ، پرایا دھن،، تیرے میرے سپنے، گیتا اور سیتا، بابل کی گلیاں بھائی ہو تو ایسا، راجہ رانی، گورا اور کالا، گہری چال، جوشیلا، جگنو، خوشبو، پرتگیا، امیر غریب، دوست، دھرماتما، دو ٹھگ، کنارہ، دھوپ چھاؤں، چاچا بھتیجا، چلا مراری ہیرو بننے، دل لگی، اپنا خون، پلکوں کی چھاؤں میں، بابو، محبت کے دشمن، پاپ کا انت، سنتوش، سچے کا بول بالا، آندھی، طوفان، درگا، ہم دونوں، پھانسی کے بعد، ایک چادر میلی سی، حراست، جان ہتھیلی پہ، گلیوں کا بادشاہ، وویکا نند ہمالہ پتر، بھگ متی، اے رام، سینسر، امن کے فرشتے، باغبان ویر زارا، پیغام، گنگا، بابل، لاگا چنری میں داغ، گنگوتری، صدیاں، بڈھا ہوگا تیرا باپ، آکرشن، ٹیل می او خدا، وغیرہ۔

ھیمنت کمار: ہے اپنا دل تو آوارہ...... جاگ درد عشق جاگ،...... یہ رات یہ چاندنی پھر کہاں،...... بے قرار کر کے ہمیں یوں نہ جائیے اور...... تیری دنیا میں جینے سے یہ بہتر ہے کہ مر جائیں



ایسے لافانی گیت پیش کرنے والے گلوکار اور موسیقار ہیمنت کمار مکھر جی کو کبھی بھلایا نہ جا سکے گا۔ وہ ۱۶ر جون ۱۹۲۰ء کو بنارس (وارنسی، اتر پردیش) میں پیدا ہوئے۔ مگر ان کا آبائی گاؤں بہار رمغربی بنگال میں تھا جہاں سے وہ انیسویں صدی میں نقل مکانی کر کے کلکتہ آ گئے تھے۔ انٹر میڈیٹ کا امتحان پاس کرنے کے بعد انہوں نے انجینیر بننے کے لئے بنگال ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ جادو پور جوائن کی مگر موسیقی میں دلچسپی اور شوق کی وجہ سے انہوں نے یہ سلسلۂ تعلیم منقطع کر لیا۔ اور فلموں کی جانب راغب ہوئے۔ انہوں نے پہلا گانا آل انڈیا ریڈیو کے لئے ۱۹۳۳ء میں گایا۔ ۱۹۳۷ء میں ان کے گانوں کا گراموفون ریکارڈ منظر عام پر آیا۔ ہیمنت نے پہلا گانا ۱۹۴۱ء میں بنگلہ فلم ''نمائی سنیاس'' کے لئے گایا اور ۱۹۴۴ء میں انہوں نے ہندی فلم ''ارادہ'' کے

لئے گانا پیش کیا جو پنڈت امر ناتھ کی موسیقی کے تحت ترتیب دیا گیا تھا اور جسے عزیز کشمیری نے لکھا تھا۔
بعد ازاں ہیمنت دا نے کئی فلموں میں موسیقی پیش کی اور اپنی لاجواب گلوکاری کا مظاہرہ بھی کیا۔ انہوں نے ہیمنت بیلا پروڈکشن کے بینر تلے کچھ بنگلہ فلمیں بھی بنائیں۔ بعد میں گیتانجلی پروڈکشن کے بینر تلے انہوں نے ہندی فلمیں بیس سال بعد، کہرا، بیوی اور مکان، فرار، راہگیر اور خاموشی پروڈیوس کیں۔
ہیمنت نے کئی فلموں میں موسیقی اور گیت پیش کئے جن میں براتی بہو (۱۹۵۴) بن بادل برسات، بھوت مہا، بیس سال بعد، دشمن یار، فیشن، دلہن وہی جو پیا من بھائے، کابلی والا، راہگیر، پیاسا، انوپما، شرط، ایک ہی راستہ، بات ایک رات کی، بادشاہ، ایودھیا پتی، تاج، سولہواں سال، شعلے، شباب، سہرا، سٹہ بازار، پھر بھی، بیجلی جھلک، منیم جی، ناستک، ناگن، انارکلی، آنند مٹھ، ممتا، منزل، مجبور، لگن، کہرا، خاموشی، جال، جھنک جھنک پائل باجے، گنگا جمنا، ایک جھلک، دور گگن کی چھاؤں میں، چھبیلی، دو دوست، ہلف ماسٹر (۱۹۶۳ء) وغیرہ شامل ہیں۔

۲۶ ستمبر ۱۹۸۹ء میں کلکتہ میں اس عظیم گلوکار اور موسیقار کی وفات ہوگئی۔

یش جوہر: یش جوہر ۶ جنوری ۱۹۲۹ء کو بمبئی میں پیدا ہوئے اور ۲۶ جون ۲۰۰۴ء کو ممبئی میں ہی ان کا انتقال ہوگیا۔ جوہر نے اپنا کیریر ۱۹۵۲ء میں سنیل دت کے پروڈکشن ہاؤس اجنتا آرٹس سے وابستہ ہوکر کیا۔ وہ ''مجھے جینے دو'' اور ''یہ راستے ہیں پیار کے'' جیسی فلموں سے منسلک رہے اور دیوآنند کی پروڈکشن نولیتن فلم کمپنی کے بینر تلے بننے والی فلموں گائیڈ، جیول تھیف وغیرہ کی پروڈکشن سے بھی وابستہ رہے۔ ۱۹۷۶ء میں انہوں نے دھرما پروڈکشن کے نام سے اپنی نجی فلم کمپنی بنائی اور ''دوستانہ'' (۱۹۸۱) بنائی جس کے ہدائت کار راج



کھوسلہ تھے۔ بعد ازاں انہوں نے دنیا (۱۹۸۴ء) مقدر کا فیصلہ (۱۹۸۷ء) اگنی پتھ (۱۹۹۰ء) ہم (۱۹۹۱ء) گمراہ (۱۹۹۳ء)، ڈپلیکیٹ، کچھ کچھ ہوتا ہے (۱۹۹۸ء)، کبھی خوشی کبھی غم (۲۰۰۱ء)، کل ہو نہ ہو (۲۰۰۳ء) بنائیں اور کامیابی حاصل کی۔

یش چوپڑہ: یش چوپڑہ (۲۷ ستمبر ۱۹۳۲ء، لاہور۔ ۲۱ اکتوبر ۲۰۱۲ء ممبئی) یک منفرد فلم ہدائت کار جنہوں نے متعدد لاجواب فلمیں بنائیں اور ہندوستانی فلمی صنعت پر اپنے امٹ نقوش چھوڑے۔ انہوں نے اپنے فلمی کیریر کی شروعات ہدائت کار آئی ایس جوہر اور اپنے بڑے بھائی بی آر چوپڑہ کے معاون ہدایت کار کی حیثیت سے کی اور ۱۹۵۹ء میں انہوں نے اپنی پہلی فلم ''دھول کا پھول'' کی ہدائت کی جسے



بڑی کامیابی ملی۔ اس میں فرقہ پرستی کے خلاف آواز اُٹھائی گئی تھی۔ ان کی فلموں میں ایک مقصد ہوتا ہے، ایک پیغام ہوتا ہے۔ قومی ایکتا، ہندو مسلم اتحاد، رومانس، میل جول اور انسانیت نوازی کا۔ رومانس ان کی فلموں میں اہم مرکزی تھیم ہے۔ انہوں نے متعدد فلمیں بنائیں جن میں دھول کا پھول (۱۹۵۹ء) دھرم پتر (۱۹۶۱ء) وقت (۱۹۶۵ء) آدمی اور انسان، اتفاق، داغ، جوشیلا، دیوار، کبھی کبھی، ترشول، سلسلہ، کالا پتھر، وجے، فاصلے، لمحے، پرمپرا، ڈر (۱۹۹۳ء)، دل تو پاگل ہے (۱۹۹۷ء)، ویر زارا (۲۰۰۴ء) جب تک ہے جان (۲۰۱۲ء) وغیرہ شامل ہیں۔

یش چوپڑا کے فن و شخصیت پر اسکول آف اورینٹل اینڈ افریقن اسٹڈیز (لندن) کی پروفیسر ڈاکٹر ریچل ڈوائر نے ایک کتاب "یش چوپڑہ: ففٹی ایئرس آف انڈین سنیما" لکھی ہے جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ یش چوپڑہ ستیہ جیت رے تو نہیں ہیں لیکن وہ عام روش کی مقبول فلموں میں بھی جدت طرازی سے کام لیتے ہیں۔

یشودھر کاٹجو: مزاحیہ اداکارہ یشودھرا کاٹجو کو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ وہ کشمیر کی پہلی خاتون اداکارہ تھیں اور وہ بھی کشمیری پنڈت خاندان سے۔



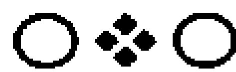
وہ ۱۵؍اپریل ۱۹۲۸ء کو لاہور میں پیدا ہوئیں۔ جونیئر کیمبرج تک تعلیم پائی۔ ہلکی مزاحیہ اداکاری کرتی تھیں۔ فلم "اپنی نگری" میں پہلی بار بطور چائلڈ آرٹسٹ نمودار ہوئیں۔ انہوں نے ایک سو سے زائد فلموں میں کام کیا تھا جن میں آئینہ، سسی پنوں، (پنجابی) دلہن، مہاتما ودر، وجے لکشمی، گھر کی شوبھا، نیلم، نیک پروین، چندا کی چاندنی، چندر لیکھا، ناچ، پیار کی جیت، ہماری منزل، رام وواہ، راکھی، اوشا کرن، داماد، دشمن، پھولوں کے ہار، اپنی عزت، بغداد، باز، بھائیہ وان، ہمدرد، ایک دو تین، دھرم پتنی، سہاگ سیندور، مستانہ، شباب، مدھ بھرے نین، بادل اور بجلی، گوری پوجا، کارواں، دیور، دل کی بستی، ڈھولک، آنکھیں، بہورانی، بھائی بہن، ہمارا گھر، نوجوان، چلو دھاری، ادھیکار، پرایا دھن، پیار کی پیاس، ہرے راما ہرے کرشنا، قسمت کے کھیل، ایک ہی راستہ، سیما، دو پھول، اگنی ریکھا، وغیرہ شامل ہیں۔



یعقوب: متکلم فلموں سے پیشتر کے کامیڈین اور ویلن یعقوب ایک اعلیٰ درجے کے اداکار تھے۔ محمود اور کنہیا لال کے ساتھ ان کی جوڑی اچھی جچتی تھی اور لال حویلی میں ان کا فقرہ "چاچا پسینہ آرہا ہے" فلم بینوں کو ہمیشہ یاد رہا۔ ان کی ولادت ۱۹۰۴ء میں بمقام جبلپور ہوئی۔ وہ کچھ مدت نیوی بوائے اور ٹورسٹ گائیڈ کی حیثیت سے کام کرتے رہے اور یورپ تک ہو آئے۔ انہوں نے انڈین پروڈکشن کے بینر تلے "آیئے" فلم پروڈیوس اور ڈائرکٹ کی اس کے علاوہ لائٹ آف سائگر وغیرہ کی ہدائت کے فرائض بھی انجام دیئے۔ ان کی پہلی فلم باجی راؤ مستانی (خاموش۔۱۹۲۴ء) تھی۔ انہوں نے کئی فلموں میں اپنی اداکاری کے جوہر دکھائے جن میں ویر ابھمنیو، نزینہ، سعد ابن بلبل پنجاب، انوکھی محبت، سلور کنگ، دو دیوانے، جاگیردار، وطن، ٹھوکر، ابھیلاشا، تاتار کا چور، پرکھ، جیون یاترا، بڑی ماں، دیور، سماج کو بدل ڈالو، نشانہ، نرالا، مہربانی، دلربا، پے انگ گیسٹ، اب دلی دور نہیں، کبھی اندھیرا کبھی اُجالا، میری جان، عورت، لال حویلی، پھول، زینت، وینا، آئینہ، گرہستی، چٹکا، ہنگامہ، جاگیردار، نتیجہ، نغمہ، دیدار، ماں باپ، پرورش، طلاق، انسپکٹر، چار دل چار راہیں، گیارہ ہزار لڑکیاں، الیکشن، مزدور زندہ باد، عدالت (۱۹۵۸ء)، شریمان جی (۱۹۶۸ء) وغیرہ شامل ہیں۔

یوسف ایس ایم: پروڈیوسر ڈائرکٹر ایس ایم یوسف نے بطور اداکار فلموں میں شروعات کی اور پھر کچھ ملوساتی فلمیں بنانے لگے۔ ان کی ہدائت کردہ فلمیں ہیں: دولت (۱۹۳۷ء)، رنگیلا مزدور (۱۹۳۸ء) کہاں ہے منزل تیری (۱۹۳۹ء)، رنگیلا جوان، رائے صاحب (۱۹۴۲ء)، سہیلی (۱۹۴۲ء) آئینہ (۱۹۴۴ء)، پیا ملن (۱۹۴۵ء) دربان، دیور، نیک پروین (۱۸۴۶ء)، پتی سیوا (۱۹۴۷ء)، بھورانی، گزارہ، گماشتہ، حیدرآباد کی نازنین، آنند بھون (۱۹۵۳ء)، گورو گھنٹال (۱۹۵۶ء)، مہندی، مالک (۱۹۵۸ء) بھارت کا لال، وغیرہ۔ بعد ازاں یوسف صاحب پاکستان چلے گئے اور وہاں بھی انہوں نے متعدد فلمیں بنائیں۔ جیسے: سہیلی (۱۹۶۰ء) اولاد (۱۹۶۲ء) دلہن (۱۹۶۳ء) آشیانہ (۱۹۶۴ء) عید مبارک (۱۹۶۵ء) ہونہار (۱۹۶۶ء) سہاگن (۱۹۶۷ء) شریک حیات (۱۹۶۸ء) بھورانی (۱۹۶۹ء) زندگی ایک سفر ہے (۱۹۷۲ء) بازگیا انسان، نیک پروین (۱۹۷۵ء) گونج اٹھی شہنائی (۱۹۷۶ء) وغیرہ۔

۱۷ راگست ۱۹۹۴ء کو لاہور میں انتقال کر گئے۔



ابراہیم اشک

ہندوستانی فلموں میں موسیقی اور گیت

ہندوستانی سماج میں ابتدا ہی سے گیت کی بڑی اہمیت رہی ہے۔ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو خوشی کے گیت گائے جاتے ہیں جب وہ بڑا ہوتا ہے اور اس کی شادی ہوتی ہے تو گیت سنگیت کے پروگرام منعقد ہوتے ہیں اور جب وہ مر جاتا ہے تب بھی دکھ بھرے گیت یا بھجن گائے جاتے ہیں۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے وجود اس کی ہر سانس اور ہر دھڑکن سے گیت اور موسیقی کا رشتہ اٹوٹ بنا ہوا ہے۔ ہندوستانی فلمیں ہمارے سماج کا آئینہ ہیں ان میں گیت اور موسیقی کی اہمیت یہ ہے کہ فلم کا ایک گیت بھی ہٹ ہو جاتا ہے تو وہ فلم کو ہٹ کرا دیتا ہے۔ گیت کی اسی اہمیت کی وجہ سے ابتدا میں جب فلمیں بننے لگیں تو ان میں گیتوں کی بڑی بھرمار رہی کچھ فلموں میں تو تیس چالیس گیت تک شامل رہے پھر یہ دس بارہ تک محدود ہو گئے۔ موجودہ دور میں پانچ چھ گیت ایک فلم میں ضروری بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ لازمی سمجھے جانے لگے ہیں۔

شروع میں جب فلم انڈسٹری قائم ہوئی تو علم و ادب سے تعلق رکھنے والے افسانہ نگاروں، شاعروں، کویوں اور موسیقاروں کو فلمیں بنانے اور انہیں بخوبی سجانے سنوارنے کے لئے مدعو کیا گیا۔ موسیقاروں میں غلام حیدر، کھیم چند پرکاش، نوشاد، ایس ڈی برمن، سلیل چودھری، سی رام چندر، بولوی رانی، آر سی بورال، ہیمنت کمار نے اپنی موسیقی سے فلموں میں چار چاند لگاتے ہوئے فلمی موسیقی کی ایک نئی تاریخ مرتب کی ہے... ان موسیقاروں کا جن کویوں اور شاعروں نے ساتھ دیا ان میں آرزو لکھنوی، نخشب، کوی پردیپ، بی ایل سنتوشی، کیدار شرما، ساحر لدھیانوی، شکیل بدایونی راجہ مہدی علی خاں، شیلندر، حسرت جے پوری، اندیور، انجان، نقش لائل پوری، قمر جلال آبادی، آنند بخشی، پریم دھون، کیفی اعظمی، مجروح سلطانپوری، اسد بھوپالی، کیف بھوپالی، بھرت ویاس اور ایسے ہی بے شمار نام لئے جا سکتے ہیں۔

یوں تو آرزو لکھنوی کے ساتھ ہی ساغر نظامی اور جوش ملیح آبادی بھی فلموں میں گیت لکھنے آئے لیکن کوئی خاص کامیابی حاصل نہیں کر سکے۔ جوش ملیح آبادی کا ایک گیت اس وقت بڑا موضوع بحث بنا جس کے بول تھے:

میرے جوبنیا کا دیکھو ابھار　　جیسے گدر انار، جیسے لٹو ہلے
جیسے دریا کی موج، جیسے ترکوں کی فوج

آرزو لکھنوی اس دور کے کامیاب گیت کار تھے۔ انہوں نے فلم "دیوداس" میں بہت مقبول گیت لکھے۔ "کہوں کیا آس نراس بھئی" اسی دور میں ڈی این مدھوک نے فلم "رتن" میں موسیقار نوشاد کے ساتھ جو گیت لکھے انہوں نے فلم دنیا میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔ یہ گیت ہر ہندوستانی کی زبان پر گونجنے لگے اور دلوں کی دھڑکن بن گئے۔ فلم "رتن" کی کامیابی میں نوشاد کی موسیقی اور ڈی این مدھوک کے گیتوں نے اہم کردار ادا کیا۔ فلم کا یہ گیت آج بھی تازہ لگتا ہے:

ساون کے بادلو
ان سے یہ جا کہو

"رتن" فلم کے بعد ڈی این مدھوک فلمی دنیا کے مشہور ترین گیت کار بن گئے تھے۔ ان کے بارے میں یہ مشہور ہو گیا تھا کہ جب ان سے پروڈیوسر ڈائریکٹر کو گیت لکھانا ہوتا تو وہ مدھوک صاحب کو ہوٹل کے ایک کمرے میں نئی نوجوان لڑکیوں کے درمیان چھوڑ دیتے تھے اور پھر مدھوک صاحب ان سے چھیڑ چھاڑ کرتے ہوئے رومانی گیت لکھتے تھے۔

ایک بار مدھوک صاحب کسی محفل میں جگر صاحب سے ملے تو انہوں نے جگر صاحب کو دیکھ کر منہ بنایا اور کہا "یہ وہی جگر صاحب ہیں جنہیں فلمی دنیا میں کوئی گھاس تک نہیں ڈالتا ہے۔" جگر صاحب نے برجستہ جواب دیا "گھاس تجھے ڈالنا چاہئے اسے ڈالی جا رہی ہے۔" مدھوک صاحب جگر صاحب کا یہ جواب سن کر لاجواب ہو گئے۔ اور وہاں سے چلتے بنے۔

اسی زمانے میں فلم "دلاری" کے گیت اور موسیقی نے بھی زبردست کامیابی حاصل کی۔ اس فلم میں موسیقی نوشاد کی تھی اور گیت شکیل بدایونی نے لکھے تھے۔ فلم کا ایک گیت جو محمد رفیع نے گایا تھا آج تک مقبول ہے:

سہانی رات ڈھل چکی نا جانے تم کب آؤ گے
ہوا بھی رت بدل چکی نا جانے تم کب آؤ گے

نوشاد فلم کے ذریعہ اتر پردیش کے رنگ و آہنگ میں ڈوبی ہوئی موسیقی ترتیب دے رہے تھے تو ایس ڈی برمن بنگال اور آسام کی موسیقی سے فلموں کو مالا مال کر رہے تھے۔ "دیوداس" "بندنی" "سجاتا" میں ان کی موسیقی زبردست کامیاب ہو رہی تھی۔ غلام حیدر نے پنجاب کے سروں سے فلموں کو سجایا تھا تو کھیم چند پرکاش حسن لال بھگت رام راجستھان کے سنگیت سے فلموں کو مالا مال کر رہے تھے اور اس طرح تمام ہندوستان کی موسیقی فلموں کے ذریعہ عوام کے دلوں کو دھڑکانے اور گرمانے کا فرض انجام دے رہی تھی۔ فلم "محل" آئی تو کھیم چند پرکاش کی دھنیں عوام میں گونجنے لگیں اس فلم کے ایک گیت سے لتا منگیشکر کی ایک نئی پہچان بن گئی۔ گیت کے بول تھے:

آئے گا، آئے گا، آئے گا آنے والا، آئے گا

گیت کاروں میں ساحرلدھیانوی نے کئی فلموں میں یادگار اور شاہکار گیت لکھے، ان پر پروڈیوسروں اور ہدایت کاروں نے بھروسہ بھی کیا۔ بی آر چوپڑا کوئی فلم بنانے سے پہلے کہانی کار کو یہ کہہ دیتے تھے کہ آپ جاکر ساحر صاحب کو کہانی سنادیں تاکہ وہ یہ طے کرلیں کہ کہاں کون سا گانا دینا ہے۔ گرودت کا واقعہ تو اس سے بھی زیادہ دلچسپ ہے۔ گرودت نے فلم ''پیاسا'' کے لئے ساحرلدھیانوی کی کتاب ''تلخیاں'' سے کچھ نظمیں چن کر موسیقار ایس ڈی برمن کو دے دیں اور کہا ان کی دھنیں تیار کردیں۔ برمن دا کو وہ شاعری سمجھ میں نہیں آئی اور وہ ان پر دھنیں بنانے سے کتراتے رہے۔ انہوں نے یہاں تک کہا کہ تم شاعر بدل دو مجروح یا شکیل بدایونی کو لے لو، دو تین ملاقاتوں میں جب برمن دا نے گرودت سے شاعر بدلنے کی بات کہی تو گرودت نے آخرکار انہیں اپنا فیصلہ سناتے ہوئے کہہ دیا: ''دادا اگر آپ نے ان گیتوں کی دھنیں نہیں بنائیں تو میں شاعر تو نہیں بدلوں گا موسیقار ضرور بدل دوں گا۔'' اپنے وقت کے کسی بڑے موسیقار کو اس طرح جواب دینا اور شاعر کے لئے ڈھال بن کر کھڑے ہو جانا گرودت جیسا ہدایت کار ہی کر سکتا تھا۔ آج ایسا بھروسہ گیت کاروں پر کوئی بھی کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ برمن دا نے جب گرودت کا جواب سنا تو ان کے پاؤں کے نیچے سے زمین کھسک گئی اور انہوں نے بے دلی سے انہیں گیتوں پر دھنیں بنا کر دے دیں جنہوں نے دھوم مچادی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اچھی شاعری پر معمولی دھنیں بھی بنائی جائیں تب بھی انہیں ہٹ ہونے سے کوئی بھی نہیں روک سکتا ہے۔

ساحرلدھیانوی کے ساتھ جن موسیقاروں نے کام کیا ان میں برمن دادا کے علاوہ روشن، خیام، جے دیو، لکشمی کانت پیارے لال، روی کے نام خاص طور سے لئے جا سکتے ہیں۔

راجہ مہدی علی خاں کے ساتھ مدن موہن کی جوڑی خوب کامیاب رہی۔ دونوں نے فلم ان پڑھ، عدالت، میرا سایہ میں بہت اچھی غزلیں پیش کی ہیں۔

سی رام چندر کے ساتھ بھرت ویاس اور کوی پردیپ نے کئی اچھے گیت لکھے۔ ان میں فلم ''جاگرتی''، ''دو آنکھیں بارہ ہاتھ''، ''نورنگ''، ''پیغام''، ''ناستک'' جیسی فلموں کے نام خاص طور سے لئے جا سکتے ہیں۔

مجروح سلطان پوری نے برمن دادا کے ساتھ خوب فلمیں کی ہیں ان میں ''گائیڈ''، ''تیرے میرے سپنے''، ''جویل تھیف''، ''ابھیمان''، ''سجاتا''، ''بندنی'' کے نام خاص طور سے لئے جا سکتے ہیں۔

شکیل بدایونی کی جوڑی موسیقار نوشاد کے ساتھ خوب رنگ لائی۔ اس جوڑی نے مدر انڈیا، بیجو باورا، سوہنی ماہیوال، کوہ نور، مغل اعظم، درد، دلاری، میلا، سنگھرش، دل دیا درد لیا، رام اور شیام، بابل وغیرہ میں یادگار گیت سنگیت دیا۔

کیفی اعظمی نے موسیقار مدن موہن کے ساتھ فلم ''حقیقت''، ہنستے زخم، ہیر رانجھا، وغیرہ میں اچھے گیت لکھے لیکن ساحرلدھیانوی، شکیل بدایونی اور مجروح کی طرح انہوں نے زیادہ فلمیں نہیں کی ہیں۔

راجندر کرشن نے بھی اپنے قلم کا جوہر خوب دکھایا انہوں نے دلیپ کمار کی فلم ''مدھومتی''''گوپی'' اور ''آزاد'' میں یادگار گانے لکھے۔ آخری عمر میں انہوں نے ''بمبئی سے آیا میرا دوست' دوست کو سلام کرو رات کو کھاؤ پیو دن کو آرام کرو' بھی بپی لہری کی دھن پر لکھا۔ موسیقار چترگپت کے ساتھ راجندر کرشن نے فلم' بھابھی' میں یادگار گیت لکھے جو عوام میں بہت ہی مقبول ہوئے۔ ان میں سے ایک گیت جو محمد رفیع کی آواز میں ہے آج بھی کافی مقبول ہے جس کے بول ہیں:

چل اڑ جا رے پنچھی کہ اب یہ دیس ہوا بیگانہ

موسیقار کلیان جی آنند جی اور لکشمی کانت پیارے لال نے بھی ایک طویل عرصے تک فلموں میں اچھی موسیقی دی۔ کلیان جی آنند جی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ کلیان جی کے والد نے کسی کو ادھار روپئے دیئے تھے وہ شخص وہ روپئے چکانے لائق نہیں تھا تب وہ اس کے یہاں سے ایک ساز اٹھالائے اور اسے بجانا سیکھ کر موسیقار بن گئے۔

اس سے پہلے ایک فلم میں ہمنت کمار کی ہدایت میں انہوں نے ''ناگن'' میں جو بین بجائی تھی اور بہت مقبول ہوئی تھی۔ بعد میں کلیان جی آنند جی نے آزادانہ طور پر موسیقی ترتیب دینا شروع کیا اور خوب کامیاب رہے۔ فلم ''اپکار''''پیاسی''''ہمالیہ کی گود میں''''دھرماتما''''ڈان'' جیسی بے شمار فلموں میں کلیان جی آنند جی کی موسیقی نے دھوم مچائی۔

لکشمی کانت پیارے لال پہلے کلیان جی آنند جی کے سازندے تھے بعد میں جب انہوں نے آزادانہ موسیقی دینا شروع کیا تو پہلی ہی فلم' پارسمنی' کے گیت سنگیت نے انہیں شہرت کی بلندی پر پہنچادیا۔' پارسمنی' کے گیت اسد بھوپالی نے لکھے تھے جو اس وقت عوام کی زبان پر چڑھ گئے تھے۔ ان میں سے ایک گیت آج بھی تر و تازہ لگتا ہے۔

ہنستا ہوا نورانی چہرہ، کالی زلفیں رنگ سنہرا

تیری جوانی توبہ توبہ رے دلربا، دلربا

فلم کی کامیابی کا یہ اثر ہوا کہ جب لکشمی کانت نے اپنا بنگلہ جوہو پر بنایا تو اس کا نام بھی پارسمنی ہی رکھا۔ لکشمی کانت پیارے لال کے لئے تاراچند بڑجاتیہ کی فلم ''دوستی'' میں مجروح سلطان پوری نے بہت اچھے گانے لکھے۔ یہ فلم ایک اندھے اور لنگڑے نوجوانوں کی دوستی پر مبنی تھی اور بہت کامیاب رہی تھی۔

فلم موسیقاروں میں ایک جوڑی شنکر جے کشن کی بھی تھی جس کے ساتھ شیلندر اور حسرت جے پوری نے گیت لکھے ہیں۔ راج کپور کی زیادہ تر فلموں میں اس جوڑی نے بہترین موسیقی ترتیب دی ہے۔ جن میں ''جس دیش میں گنگا بہتی ہے'' ''چار سو بیس'' ''آوارہ'' ''میرا نام جوکر'' ''سنگم'' ''سورج'' اور ایسی ہی بے شمار فلموں کے نام لئے جا سکتے ہیں۔

ان کے بعد ایک دور موسیقار آر ڈی برمن کا بھی آیا۔ ناصر حسین کی ہدایت میں بننے والی فلم ''تیسری منزل'' سے آر ڈی برمن نے اپنا سفر شروع کیا۔ اس کے نغمے مجروح سلطان پوری نے لکھے تھے جو ہر طرف گونجنے لگے۔ آر ڈی برمن ایک طویل عرصے تک بے تاج بادشاہ کی طرح فلم انڈسٹری پر حکومت کرتے رہے لیکن زندگی کے آخری دنوں میں ان کے پاس کام نہیں تھا۔ وہ اپنے گھر میں اکیلے بیٹھے رہا کرتے تھے۔

دراصل ۱۹۵۰ء سے ۱۹۷۰ء تک ہندوستانی فلم موسیقی اور گیت کا جو دور رہا ہے اسے ہم سنہری دور کہہ سکتے ہیں۔ ۱۹۷۰ء کے بعد ہندوستانی فلم موسیقی پر مغربی موسیقی کے اثرات مرتب ہونے لگے اور جو موسیقی سروں کی بنیادوں پر ترتیب دی جاتی تھی مغربی موسیقی کی طرح ردم کی بنیادوں پر ترتیب دی جانے لگی۔ گیتوں کے بولوں کی اہمیت کم ہونے لگی اور فلمی گیتوں سے شاعری غایب ہو کر رہ گئی۔ پہلے اس ماحول کو کچھ حد تک آر ڈی برمن نے بگاڑا اور پھر زبان کی ذرا بھی سمجھ نہ رکھنے والے موسیقار بپی لہری نے تو ہندوستانی فلم موسیقی کا بھٹہ ہی بیٹھا دیا۔

ایسے ماحول میں خاکسار کو جب ''کہو نا پیار ہے'' اور ''کوئی مل گیا'' فلموں میں گیت لکھنے کا موقع ملا تو معنی سے بھرپور شاعرانہ انداز کے گیت لکھ کر فلم موسیقی اور گیت کو ایک نئی سمت عطا کی۔ ان نغموں نے مقبولیت اور بازار میں سی ڈی اور کیسٹوں کی بکری کی بنیادوں پر گزشتہ پچاس برسوں کا ریکارڈ توڑ کر نئے ریکارڈ قائم کئے۔ خاکسار نے نہ صرف راجیش روشن بلکہ آنند ملند، آنند راج آنند، سکھوندر سنگھ، ویجو شاہ اور دیگر موسیقاروں کے ساتھ معیاری گیت لکھ کر فلم موسیقی اور گیت کے گرتے ہوئے معیار کو دوبارہ بحال کرنے کی بھرپور کوشش کی اور اسی کا نتیجہ ہے کہ اب اچھی موسیقی اور گیت سننے کو بھی مل رہے ہیں۔

آنند بخشی نے ایک طویل عرصہ تک بطور گیت کار فلمی دنیا میں اپنا سکہ چلایا۔ یوں تو گیت کار سمیر نے بھی بے شمار گیت لکھے لیکن آئے دن وہ کئی الزامات سے گھرے رہے اس لئے ان کا کوئی خاص مقام فلمی دنیا میں نہیں بن سکا۔ گیت کار جاوید اختر اور گلزار نے عوام میں بڑی مقبولیت حاصل کی ہے۔ گلزار نے کبھی امیر خسرو، کبھی بلھے شاہ، کبھی کسی لوک گیت کو اپنانے میں کوئی بھی جھجھک محسوس نہیں کی اور کامیاب رہے۔

فلمی گیتوں میں جہاں وطن پرستی کا جذبہ ابھر کر آیا وہیں مذہبی نعت، حمد و مناجات، منقبت، سلام اور بھجن بھی خوب لکھے گئے فلم ہم دونوں میں جے دیو کی دھن پر ساحر لدھیانوی نے ایک امر بھجن لکھا ہے۔ جس کے بول ہیں:

اللہ تیرو نام، ایشور تیرو نام

سب کو سنمتی دے بھگوان

لتا منگیشکر کی آواز میں یہ بھجن اتنا اچھا ریکارڈ ہوا ہے کہ سننے والا سنتا ہی رہ جاتا ہے۔ ایک بھجن نوشاد کی دھن پر شکیل بدایونی نے فلم "بیجو باورا" میں لکھا ہے جو محمد رفیع کی آواز میں ہے جس کے بول ہیں:

من تڑپت ہری درشن کو آج

مورے تم بن بگڑے سگرے کاج

راگ مالکونس میں اس کی بندش بہت ہی پیاری اور پراثر بن پڑی ہے۔ فلم "شومہیما" میں ایسا ہی ایک بھجن خاکسار نے بھی لکھا ہے جو عالمی پیمانے پر مقبول ہوا ہے جسے دلیپ سین سمیر سین کی دھن پر انورادھا پوڈوال نے گایا ہے۔ جس کے بول ہیں:

من میرا مندر شیو مری پوجا

شیو سے بڑا نہیں کوئی دوجا

بول ستیم شوم، بول تو سندرم

من مرے شیو کی مہیما کے گن گائے جا

ایک خاص بات یہ ہے کہ انورادھا پوڈوال اپنا ہر پروگرام اسی بھجن سے شروع کرتی ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ مسلم گیت کاروں نے مذہب کی تمام دیواروں سے اُٹھ کر ایسے بھجن لکھے ہیں جو یادگار ہیں فلم "دو آنکھیں بارہ ہاتھ" میں گیت کار بھرت ویاس نے بھی ایک یادگار بھجن لکھا ہے۔ جن کے بول ہیں:

اے مالک تیرے بندے ہم، ایسے ہوں ہمارے کرم

نیکی پر چلیں اور بدی سے ٹلیں تا کہ ہنستے ہوئے نکلے دم

گیت اور موسیقی کے تعلق سے ایک سوال اکثر مجھ سے یہ بھی پوچھا جاتا ہے کہ موسیقار دھن پہلے بناتا ہے یا آپ گیت پہلے لکھ کر دیتے ہیں اور بعد میں اس پر دھن بنائی جاتی ہے۔ کچھ گیت کار اس کا صحیح جواب دے نہیں پاتے ہیں۔ میں اس سوال کا تفصیل سے جواب دینا چاہتا ہوں۔

دراصل بات یہ ہے کہ شروع شروع میں جب گیت پہلے ہی لکھنے کی روایت عام تھی تو ہوتا یہ تھا کہ گیت کار اپنا گیت لکھ کر موسیقار کے حوالے کر دیتا تھا اور اس پر موسیقار دھن بنا دیتا تھا۔ کئی بار ایسا بھی ہوتا تھا کہ موسیقار کی بنائی ہوئی دھن پروڈیوسر ڈائریکٹر کو پسند نہیں آتی تھی اور اسے بار بار دھنیں بنانے پر محنت کرنا پڑتی تھی۔ جبکہ گیت کار ایک بار ہی محنت کر کے چھوٹ جاتا تھا۔ یہ بات موسیقار کو اکھرنے لگی اور اس نے اپنی انا کا سوال

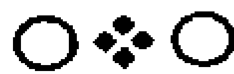
بنا کر یہ غلط روایت عام کردی کہ وہ پہلے اپنی دھن پاس کروانے لگا اور بار بار محنت کرنے کے لئے اس نے گیت کار کو چھوڑ دیا۔

ساحر لدھیانوی نے اس غلط روایت کے بارے میں بہت صحیح بیان دیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا'' پہلے قبر کھود لی جاتی ہے اور پھر قبر کے ناپ کا مردہ تلاش کیا جاتا ہے۔''

آج کل گیتوں کے گرتے ہوئے معیار کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ موجودہ دور کے زیادہ تر پروڈیوسر وہ ہیں جو انگریزی اسکولوں میں تعلیم حاصل کر کے نکلے ہیں انہیں اپنے ملک کی زبان اردو، ہندی اور تہذیب وتمدن سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے اور انگریزی میں سوچتے اور ہالی وڈ کی پیروی کرنے کے عادی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہندی انگریزی کی بے معنی کھچڑی ہمارے ہندی فلموں کے گیتوں میں پکنے لگی ہے۔ اور گیتوں کا اپنی تہذیب سے رشتہ کٹتا جا رہا ہے۔

ایک زمانہ وہ بھی آیا جب راجیش روشن، آنند ملند، دلیپ سین، سمیر سین، جتن للت، ندیم شروون، نے اپنی دھنوں سے ماحول کو خوب گرمائے رکھا۔ ایک دور انو ملک کا بھی آیا جب وہ نمبر ایک کی کرسی پر براجمان ہوگئے۔ وجو شاہ نے بھی اپنے والد کلیان جی آنند جی کا نام زندہ رکھا اور کچھ اچھی فلموں میں موسیقی دے کر مقبولیت حاصل کی۔

اس وقت جو موسیقار مقبول ہیں ان میں سب سے پہلا نام اے آر رحمٰن کا ہے۔ جس نے عالمی پیمانے پر ہندوستانی موسیقی کو مقبول کیا ہے اور اپنی صلاحیتوں کو منوا کر آسکر ایوارڈ تک لے لیا ہے۔ یہ اعزاز اور کسی موسیقار کو حاصل نہیں ہے۔ رحمٰن کے علاوہ شنکر احسان، وشال بھاردواج، پریتم، آنند راج آنند ایسے موسیقار ہیں جو بدستور اپنی موسیقی سے ہندوستانی فلم کو سجانے سنوارنے کا فرض انجام دے رہے ہیں۔ موسیقی کے شور شرابے میں کبھی کبھی اچھے نغمے بھی سننے کو مل جاتے ہیں۔ اس کے باوجود ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ۱۹۵۰ سے ۱۹۷۰ تک فلم موسیقی اور معیاری گیتوں کا جو سنہری دور گزرا ہے وہ دوبارہ پلٹ کر نہیں آسکتا ہے۔ کیونکہ جو وقت گذر جاتا ہے وہ پلٹ کر کبھی نہیں آتا ہے۔ اب نہ تو ایسے لوگ ہیں نہ وہ ماحول۔



فلمی نغمہ نگار ایک نظر میں

آرزو لکھنوی: نام انور حسین تخلص آرزو۔ ۱۶ر فروری ۱۸۷۳ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد مرزا ذاکر حسین یاس لکھنوی (پیدائش ۱۸۳۸ء، وفات ۱۹۰۸ء) کا جو کہ حضرت جلال لکھنوی کے شاگردوں میں سے تھے، لکھنؤ کے نامی شعرا میں شمار ہوتا تھا۔ عربی فارسی کی ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد اس دور کے جید عالم مولانا آقا حسن مجتہد سے تعلیم حاصل کی۔ خوش خطی کی تعلیم منشی شمس الدین اعجاز رقم سے حاصل کی۔



شعر و شاعری کی ابتدا بارہ سال کی عمر میں کی اور پندرہ سال کی عمر میں استاد حکیم میر ضامن علی جلال لکھنوی (پیدائش ۱۸۳۱ء، وفات ۱۹۰۹ء) کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہو گئے۔ انھوں نے تمام اصناف شاعری میں طبع آزمائی کی بالخصوص غزل گیت اور مرثیے میں۔ وہ کئی برس تک فلمی دنیا سے بھی وابستہ رہے اور فلموں کے لیے مکالمے اور گیت قلمبند کرتے رہے جن میں سے کئی گیت جیسے سوجا راجکماری سوجا (زندگی)، اک بنگلہ بنے نیارا (پریذیڈنٹ) ... بہت مقبول ہوئے۔ تو آج بھی لوگ فراموش نہیں کر پائے۔ انھیں علم عروض اور زبان پر کامل دسترس حاصل تھی۔ وہ تلامذہ کا ایک وسیع حلقہ رکھتے تھے۔ تقسیم ملک کے بعد وہ ہجرت کر کے پاکستان چلے گئے اور ۱۶ر اپریل ۱۹۵۱ء کو کراچی میں بعارضۂ قلب اُن کی وفات ہوئی۔

مطبوعات: • فغان آرزو (۱۹۲۴ء، ادبی پریس لکھنؤ) • جہانِ آرزو (۱۹۳۶ء، نظامی پریس لکھنؤ) • سریلی باسری (زبانِ آرزو، ۱۹۳۸ء، نظامی پریس لکھنؤ) • نشانِ آرزو (۱۹۲۴ء، تاج آفس بمبئی) • صحیفۂ الہام (سلام اور رباعیاں، ۱۹۴۲ء، علمی پریس لکھنؤ) • خمسۂ متحیرہ (پانچ مراثی، ۱۹۴۵ء) • دردانہ (۱۹۴۱ء، اجمل پریس، بمبئی) • اربع عناصر (چار مراثی، ۱۹۶۹ء، انجمن یادگار آرزو) • نظام اردو (نثری مجموعہ، یونائیٹڈ انڈیا پریس) • میزان الحروف (نثری مجموعہ، جناح پبلشنگ ہاؤس، بمبئی)

آزاد جالندھری: 'ولادت ۱۹۵۸ میں ہوئی۔' 'واپسی جنن کی' میں ان کا گیت ...... وارث شاہ کدی عشق نہ کریئے عشق دے کھیل نرالے، بڑا مقبول ہوا۔

آغا حشر کاشمیری: آغا حشر کاشمیری کی ولادت جمعہ ۴/ اپریل ۱۸۷۹ء کو بنارس (اُتر پردیش) میں ہوئی۔ اُن کے اجداد کا تعلق کشمیر سے تھا جہاں سے وہ ہجرت کر کے امرتسر (پنجاب آ گئے۔ بعدازاں اُن کے والد آغا غنی شاہ ۱۸۶۱ء میں امرتسر سے اپنے ماموں سید احسن شاہ کے پاس بنارس آ گئے اوران کی سالی سے شادی کر کے وہیں رہنے لگے۔



آغا حشر نے چھٹے درجہ تک راج نرائن ہائی اسکول بنارس میں انگریزی کی تعلیم پائی۔ اس سے پہلے عربی فارسی کی تعلیم انھوں نے گھر پر حاصل کی۔ پھر انھیں شعروشاعری کا شوق ہو گیا اور وہ مرزا محمد حسن فائز بنارسی سے اصلاح لینے لگے۔ اسی دوران ۱۸۹۶ء میں انھوں نے احسن کا مشہور ڈرامہ 'چندراولی' دیکھا اور اسی طرز پر 'آفتاب محبت' نامی ڈرامہ لکھا اور احسن کی ڈرامہ کمپنی کے مالک کے یہاں لے گئے۔ کمپنی کے مالک نے ڈرامہ احسن کو دکھایا اس نے ہمت افزائی کے بجائے کہا ..... ڈرامہ لکھنا بچوں کا کھیل نہیں۔ بعد میں انھوں نے یہ ڈرامہ تاجر کتب بسم اللہ خان کے ہاتھوں پچاس روپے میں بیچ دیا جسے اس نے ۱۸۹۷ء میں اپنے جواہر پریس بنارس سے شائع کیا۔

۱۸۹۸ء میں والد نے میونسپلٹی کی ملازمت کے لیے بطور ضمانت جمع کرانے کے لیے دوسو روپے دیئے۔ اس روپے کا کچھ حصہ انھوں نے عیش وعشرت میں صرف کر دیا۔ پھر باقی روپے لے کر بغیر والد کو بتائے بمبئی چلے گئے اور بڑی تگ و دو کے بعد کاؤس جی پالن جی کھٹاؤ کی الفرڈ کمپنی میں ۳۵ روپے ماہوار پر ملازم ہوئے۔ اور ۱۸۹۹ء میں ونٹرز ٹیل پر مبنی ڈرامہ 'مرید شک' لکھا۔

۱۹۰۲ء میں دہلی آئے اور دہلی دربار کے موقع پر شیریڈن کے پزارو پر مبنی ڈرامہ 'اسیر حرص' پیش کیا اور تنخواہ ۷۵ روپے ماہوار ہوگئی نیز بحیثیت ڈرامہ نگار بھی اُن کی شہرت پھیل گئی۔ ۱۹۰۴ء میں وہ الفرڈ کمپنی چھوڑ کر ۱۵۰ر روپے ماہوار پر نورو جی پری کی کمپنی میں آ گئے اور 'دورنگی دنیا' عرف 'میٹھی چھری' قلمبند کیا۔

۱۹۰۶ء میں دادا بھائی ٹھونٹھی کی کمپنی کے لیے 'سفید خون' اور ۱۹۰۷ء میں پارسی تھیٹریکل کمپنی کے لیے 'صید ہوس' تحریر کیا۔ ۱۹۰۹ء میں ہارون سیٹھ کی کمپنی رائزنگ اسٹار میں حصہ دار بنے اور پھر جلد ہی الگ ہو کر انھوں نے اپنی ذاتی کمپنی دی گریٹ الفرڈ کمپنی آف حیدرآباد قائم کی اور ۱۹۱۰ء میں اس کمپنی کے لیے 'سلور کنگ' عرف 'جرم وفا' عرف 'نیک پروین' تحریر کیا۔ ۱۹۱۱ء میں کمپنی حیدرآباد سے سورت ہوتی

ہوئی بمبئی پہنچی اور ختم ہوگئی۔ ستمبر ۱۹۲۲ء میں بھائی گیان سنگھ کی کمپنی میں ۵۰۰؍روپے ماہوار پر ملازم ہوئے۔ یہ کمپنی انبالہ سے ہوتی ہوئی امرتسر پہنچی اور ختم ہوگئی۔ ۱۹۱۳ء میں لاہور میں ان کی شادی ہوئی اور عوام نے انھیں 'انڈین شیکسپیئر' کا خطاب دیا۔ اسی برس لاہور میں انھوں نے انڈین شیکسپیئر تھیٹریکل کمپنی آف لاہور بنائی اور اس کے لیے 'یہودی کی لڑکی' کی تشکیل کی۔ ۱۹۱۴ء میں اُن کی اکلوتی اولاد نادر شاہ کا جنم اور تین ماہ بعد انتقال ہوگیا۔ اسی برس اُن کی کمپنی لاہور سے لکھنؤ، الہ آباد ہوتی ہوئی بنارس پہنچی۔

۱۹۱۵ء میں حادثہ میں ٹانگ ٹوٹ گئی اور کئی ماہ کلکتہ میں صاحب فراش رہے جس سے بڑا مالی نقصان ہوا۔ ۱۹۱۷ء میں ان کی کمپنی امرتسر ہوتے ہوئے سیالکوٹ پہنچی اور ختم ہوگئی۔ ۱۹۱۸ء میں اُن کی رفیقہ حیات کا لاہور میں انتقال ہوگیا۔ ۱۹۲۱ء میں تحریک عدم تعاون کے دوران کھدر پہننا شروع کیا۔ ۱۹۲۲ء میں فلمی دنیا میں داخل ہوئے اور فلم اسٹار پیشنس کوپر کے ساتھ اداکاری کرنے کے ساتھ ساتھ فلم کی ہدایت کاری کے فرائض بھی انجام دیئے۔ فلم 'بھارت رمنی' میں تانترک کا رول کیا۔ ۱۹۵۲ء میں تیسری بار بنارس میں اپنی ذاتی کمپنی کی بنیاد رکھی۔ ۱۹۲۸ء میں راجہ صاحب چرکھاری نے اُن کا ڈرامہ 'سیتا بن باس' آٹھ ہزار میں اور کمپنی پچاس ہزار روپے میں خریدی۔ ۱۹۳۰ء میں میڈن تھیٹر میں دوبارہ آگئے اور ۱۹۳۲ء میں آخری ڈرامہ 'دل کی پیاس' لکھا۔ ۱۹۳۳ء میں حشر کو احساس ہوگیا کہ تھیٹر کا زمانہ ختم ہوگیا ہے اور اس کی جگہ فلم نے لے لی ہے لہٰذا انھوں نے میڈن فلم کمپنی کلکتہ کے لیے 'شیریں فرہاد' ایسٹ انڈیا فلم کے لیے 'عورت کا پیار' اور نیو تھیٹرز کے لیے 'یہودی کی لڑکی' اور 'چنڈی داس' فلمیں لکھیں۔

۱۹۳۴ء میں وہ کلکتہ سے لاہور پہنچے اور وہاں حشر پکچرز قائم کی اور فلم 'بھیشم پرتگیا' کی شوٹنگ شروع کی جس کی ہیروئن ان کی محبوبہ مختار بیگم تھی مگر صحت نے جواب دے دیا اور ۲۸؍اپریل ۱۹۳۵ء کو لاہور میں ان کا انتقال ہوگیا۔

آغا حشر کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ چوں کہ ان پر مارلو کا اثر بھی غالب ہے لہٰذا اُن کی طرح ان کے ڈراموں میں بھی جذبات کی شدت ہے نہ کہ لطافت۔ وہ ڈرامے میں دو مختلف پلاٹ قائم کرتے ہیں اور شعر کو ایکشن پر ترجیح دیتے ہیں۔ اُن کا کوئی شعری مجموعہ شائع نہیں ہوا۔ شکریہ، پورب اور موج زمزم ان کی معرکتہ الآرا نظمیں ہیں۔

اُن کے ڈرامے درج ذیل ہیں:

• آفتاب محبت (۱۸۹۷ء) • مرید شک (۱۸۹۹ء) • مار آستین (۱۹۰۰ء) • اسیرِ حرص (۱۹۰۲) • دورنگی دنیا عرف میٹھی چھری (۱۹۰۴ء) • دام حسن (۱۹۰۵ء) • سفید خون (۱۹۰۶ء) • صیدِ ہوس (۱۹۰۷) • خواب ہستی (۱۹۰۸ء) • خوبصورت بلا (۱۹۰۹ء) • سلور کنگ عرف جرمِ وفا عرف نیک

پروین (۱۹۱۰ء) ● یہودی کی لڑکی (۱۹۱۳ء) ● بلوا منگل (۱۹۱۵ء) ● بن دیوی (۱۹۱۶ء) ● مدھر مرلی (۱۹-۱۹۱۸ء) ● بھگیرت گنگا (۱۹۲۰ء) ● بھارت رمنی (۱۹۲۰ء) ● ہندوستان قدیم و جدید (۱۹۲۱ء) ● ترکی حور (۱۹۲۲ء) ● پہلا پیار (۱۹۲۳ء) ● آنکھ کا نشہ (۱۹۲۴ء) ● بھیشم پرتگیا (۱۹۲۵ء) ● سیتا بن باس (۱۹۲۸ء) ● رستم سہراب (۱۹۲۹ء) ● دھرتی بالک عرف غریب کی دنیا (۱۹۳۰ء) ● بھارتی بالک عرف سماج کا شکار (۱۹۳۱ء) ● دل کی پیاس (۱۹۳۲ء)۔

حشر نے مختلف کتابوں کا مطالعہ کیا تھا اور ۶-۱۹۰۲ء کے دوران وہ مولانا آزاد کے ساتھ آریہ سماجیوں اور عیسائیوں سے مناظرے بھی کرتے رہے۔ اگرچہ انھوں نے نہ کبھی نماز پڑھی نہ روزہ رکھا پھر بھی ان کا دل دینی حرارت سے گرم تھا۔ اُن کے قریبی ساتھیوں میں مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا شبلی نعمانی، مولانا آزاد کے بڑے بھائی ابونصر آہ غلام یٰسین اور فقیر محمد چشتی خصوصاً قابلِ ذکر ہیں۔

آنند بخشی: آنند بخشی کا آبائی گاؤں کوری ضلع روالپنڈی تھا اور اُن کی پیدائش ۲۱/جولائی ۱۹۳۰ء کو بمقام راولپنڈی شہر (پاکستان) میں ہوئی تھی۔ وہ شروع سے ہی فلموں سے وابستہ ہونا چاہتے تھے مگر آٹھویں تک تعلیم پانے کے بعد بوجوہ فوج میں بھرتی ہوگئے۔ تین سال فوج میں ملازمت کے بعد وہ قسمت آزمانے بمبئی پہنچے اور پہلے پہل انہوں نے بھگوان دادا کی فلم "بھلا آدمی" کے لئے صرف ڈیڑھ سو روپے معاوضہ پر چار گیت لکھے۔ پھر انہوں نے مہندی لگی میرے ہاتھ کے لئے گیت لکھے۔ اُن کا گیت "کنکریا مار کے جگایا" بہت مقبول ہوا اور پھر انہیں دھڑا دھڑ فلمیں ملنے لگیں۔ انہوں نے ان گنت فلموں کے گیت لکھے



جن میں دو راستے، ملن، ہمالہ کی گود میں، میرے ہمسفر، گیتا اور سیتا، امر اکبر انتھونی، ہرے راما ہرے کرشنا، رام لکھن، دل والے دلہنیا لے جائیں گے، شعلے، اک دوجے کے لئے، دل تو پاگل ہے، نمک حرام،، اک دوجے کے لئے، میرا گاؤں میرا دیش، بابی، کھلونا، ارادھنا، کٹی پتنگ، وغیرہ شامل ہیں۔ ان کے یادگار گیت ہیں: مار دیا جائے کہ چھوڑ دیا جائے،...... ہم تم اک کمرے میں بند ہوں،...... میرے جیون ساتھی پیار کئے جا،...... بندیا چمکے گی،...... چولی کے پیچھے کیا؟...... ساون کا مہینہ پون کرے شور،...... کھلونا جان کر مجھ کو، میرا دل توڑ جاتے ہو، وغیرہ۔

ابراھیم اشک: شاعر ابراہیم اشک کئی فلموں کے گیت لکھ چکے ہیں۔ ان کی ولادت بڑنگر ضلع اجین (مدھیہ پردیش) میں ہوئی تھی۔ ان کا آبائی وطن راجستھان ہے۔ جب وہ بی اے سیکنڈ ائیر میں تھے تو مالی بحران



سے کارن انہوں نے بطور صحافی ''اندور سماچار'' میں کام شروع کر دیا۔ بعد ازاں وہ اس کے سب ایڈیٹر ہو گئے۔ ایم اے کرنے کے بعد وہ دہلی چلے گئے اور وہاں فلم میگزین 'شمع' کے ایڈیٹوریل اسٹاف میں کام کرتے رہے۔ پھر وہ ممبئی چلے گئے جہاں ۱۹۸۱ء میں طاہر حسین کی فلم میں گیت لکھنے کا موقع ملا مگر وہ فلم ریلیز نہ ہو سکی۔ پھر انہیں ''کھونا پیار ہے'' اور ''کوئی مل گیا'' کے گیت لکھنے کا موقع ملا اور پھر ان کی گاڑی چل پڑی۔ ان کے گیتوں پر راجیش روشن، آنند ملند، آنند راج آنند، سکھوندر سنگھ، وجو شاہ اور دیگر موسیقار دھنیں بنا چکے ہیں۔

اختر الایمان: اختر الایمان کی ولادت ۱۲ر نومبر ۱۹۱۵ء کو قلعہ نجیب آباد ضلع بجنور (اتر پردیش) میں ہوئی۔ انھوں نے بی اے کی تعلیم اینگلو عربک کالج دہلی میں حاصل کی۔ اس کے بعد انھوں نے مسلم



یونیورسٹی علی گڑھ سے ایم اے کرنے کے لیے داخلہ لیا لیکن تعلیم مکمل نہ کر سکے۔ اسی طرح پہلی شادی بھی بوجوہ ناکام ہوگئی لہٰذا ۳۱ر مئی ۱۹۴۳ء کو انھوں نے سلطانہ سے دوسری شادی کی۔

اختر الایمان ہمیشہ اپنی شاعری کے تئیں سنجیدہ رہے۔ اُن کا خیال تھا کہ پرانی شاعری دورِ حاضر کے تقاضوں کے لیے ناکافی ہے اس لیے انھوں نے غزل سے اجتناب کرکے اپنے آپ کو نظم کے لیے وقف کر دیا۔ انھوں نے کبھی سمجھوتہ نہیں کیا اور سیاسی، اقتصادی اور سماجی دباؤ اور مسلسل نظر انداز کیے جانے کے باوجود کبھی اپنا راستہ نہیں بدلا۔ وہ اتنے بااصول تھے کہ انھوں نے اپنی شاعری کو فلمی دنیا میں رہتے ہوئے بھی اُس سے ملوث نہیں ہونے دیا اور متعدد آفرز کے باوجود انھوں نے کبھی فلمی گیت نہیں لکھے بلکہ فلموں کے لیے صرف مکالمے اور منظر نامے ہی لکھتے رہے۔ بقول اُن کے اُن کی شاعری میں ٹوٹا ہوا اور بنا ہوا آدمی ملتا ہے، جو سچ بولنا چاہتا ہے لیکن بول نہیں سکتا۔ ساری اخلاقی قدریں اُس کے پاس ہیں لیکن ان کو استعمال نہیں کر سکتا۔ وہ قدریں ہم کتابوں میں پڑھاتے ہیں لیکن اُن کو سننا گوارا نہیں کرتے۔

اُن کے شعری مجموعوں میں گرداب (۱۹۴۳ء)، تاریک سیارہ (۱۹۴۶ء)، سب رنگ (۱۹۴۹ء)، آب جو (۱۹۵۲ء)، یادیں (۱۹۶۱ء)، بنتِ لمحات (۱۹۶۹ء)، نیا آہنگ (۱۹۷۷ء)، سرو ساماں (۱۹۸۳ء) شامل ہیں۔ شعری مجموعوں کے علاوہ انھوں نے اپنی سوانح عمری بھی لکھی۔

اُن کی ادبی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے انھیں اقبال سمان اور ساہتیہ اکادمی ایوارڈ سے نوازا گیا۔ اس کے علاوہ اُتر پردیش اُردو اکادمی، مہاراشٹر اُردو اکادمی اور میر اکادمی لکھنؤ وغیرہ نے بھی انھیں اعزازات وانعامات سے نوازا۔

۹/مارچ ۱۹۹۶ء میں اُن کا ممبئی میں انتقال ہو گیا۔

اختر: جاں نثار : نام جاں نثار حسین رضوی، تخلص اختر، آبائی وطن خیر آباد ضلع سیتا پور۔ ان کے والد مضطر خیر آبادی بھی اُردو کے ممتاز شاعر تھے۔ اختر ۸/فروری ۱۹۱۴ء کو گوالیار میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۳۰ء میں انھوں نے وکٹوریہ کالجیٹ ہائی اسکول سے دسویں کا امتحان پاس کیا اور مزید تعلیم کے لیے علی گڑھ چلے گئے۔ ۱۹۳۹ء میں انھوں نے علی گڑھ سے ایم اے کا امتحان امتیازی حیثیت سے فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا۔



۱۹۴۰ء میں وہ وکٹوریہ کالج گوالیار میں اُردو کے لکچرر مقرر ہوئے۔ ۱۹۴۷ء کے فرقہ وارانہ فساد کے دنوں میں وہ گوالیار سے بھوپال آ گئے اور وہاں حمیدیہ کالج میں شعبۂ اُردو سے منسلک ہو گئے۔ بھوپال آنے سے پہلے ان کی شادی مجاز لکھنوی کی بہن صفیہ سراج سے ہو گئی تھی۔ جولائی ۱۹۴۸ء میں وہ صدر شعبۂ اُردو، فارسی مقرر ہوئے مگر ۱۹۵۰ء میں وہ ملازمت چھوڑ کر بمبئی چلے گئے اور اُن کی اہلیہ صفیہ بھوپال کے حمیدیہ کالج میں ہی پڑھاتی رہیں۔ ۱۷/جنوری ۱۹۵۳ء کو ان کا انتقال ہو گیا۔ بعد ازاں ۱۹۵۵ء میں اختر نے خدیجہ سے شادی کر لی۔

بمبئی میں کچھ عرصہ جدو جہد کرنے کے بعد وہ فلمی گانے لکھنے لگے۔ انھوں نے یاسمین سے لے کر کمال امروہوی کی رضیہ سلطان تک بے شمار فلموں کے گیت لکھے جیسے کلپنا، سندھیا، شعلہ و شبنم، پریم پریت، انارکلی، چھومنتر، بیس سال پہلے، آئینہ، پیاسے دل وغیرہ۔

جاں نثار نے دس گیارہ برس کی عمر میں شاعری کا آغاز کیا مگر مقبولیت انھیں 'کالج گرلز کی لاری' نظم سے ملی اور اس کے بعد اُن کی متعدد نظمیں عوام میں مقبول ہوئیں۔ وہ ترقی پسند تحریک سے وابستہ رہے مگر نظریاتی شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ایک رومانی شاعر بھی تھے۔ اُن کی رومانی شاعری میں کلاسکیت کا رچاؤ اور رکھ رکھاؤ بدرجہ اتم موجود ہے۔ سراپا، آخری ملاقات، خاموش آواز، خاک دل، تصور، بنارس کا سفر، کالج گرلز کی لاری، مہکتی ہوئی رات ایسی نظمیں ان کی شاعرانہ عظمت کی غماز ہیں۔

'سلاسل'، 'تار گریباں'، 'جاوداں'، 'نذر بتاں'، 'خاک دل'، اور 'پچھلے پہر' ان کے شعری مجموعے ہیں۔ 'گھر آنگن' رباعیات پر مشتمل مجموعہ ہے۔ ان کے علاوہ 'ہندوستان ہمارا' دو حصوں میں مرتب شدہ منظوم کتاب ہے۔ 'زیرلب' اُن کی مرحوم بیوی صفیہ اختر کے خطوط پر مشتمل کتاب ہے۔ ۱۸راگست ۱۹۷۶ کو بعارضہ قلب بمبئی میں اُن کا انتقال ہو گیا اور سانتا کروز قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔

اسد بھوپالی: شاعر اسد بھوپالی بھوپال میں پیدا ہوئے اور وہ فضلی برادران کی ایما پر بمبئی پہنچے اور ۱۹۴۹ء میں انہوں نے دنیا کے لئے گیت لکھے۔ ان کی آخری فلمیں تھیں: "میں نے پیار کیا" اور پولیس پبلک' (۱۹۸۹ء) اس کے بعد وہ اپنے وطن بھوپال لوٹ گئے اور ۹رجون ۱۹۹۰ کو وہیں انتقال کر گئے۔ ان کے کچھ مقبول گیت ہیں۔

اے میرے دل ناداں، تو غم سے نہ گھبرانا (نادر ہاؤس) روشن تمہی سے دنیا۔ رونق تمہی جہاں کی (پارس منی) وہ جب یاد آئے بہت یاد آئے (پارس منی)۔۔۔۔ سو بار جنم لیں گے (اُستادوں کے اُستاد) دو دل دھڑک رہے ہیں (انصاف) قسمت بگڑی دنیا بدلی پھر کون (انوراگ ۱۹۵۶ء) کوئی روک سکے تو روک لے (آیا طوفان ۱۹۶۴ء)۔۔۔ دو نین بے چین مو بے درس دکھا جا (پارس ۱۹۶۵ء) دیکھ سکتے نہیں تم (الزام ۱۹۷۰ء)

اشک. رام پرکاش: کہانی نویس، اسکرین رائٹر، مکالمہ نویس۔ ۶رجون ۱۹۲۰ء کو راولپنڈی (پاکستان) میں پیدا ہوئے پہلے پہل پنجابی فلم 'بالو' کے لئے کام کیا۔ بعدازاں ارمان، میرین ڈرائیو، شریمتی ۴۲۰، کلوپیٹرا، چندر کانتا، عرب کا سوداگر وغیرہ کے لئے کہانی رمکالمے لکھے۔

امت کھنہ: آپ کہیں اور ہم نہ آئیں (دیش پردیش) جب چھائے میرا جادو، کوئی بچ نہ پائے (لوٹ مار)

امیر قزلباش: (۱۵رجنوری ۱۹۴۳ء، دہلی۔ ۲۰۰۳ء، دہلی)۔۔۔۔ رام تیری گنگا میلی۔۔۔۔ سن صاحباں سن، پیار کی دھن (رام تیری گنگا میلی)

انجان: لال جی پانڈے ۳۱رنومبر ۱۹۳۱ء میں بمقام بنارس پیدا ہوئے۔ پہلی بار گولکنڈہ کے قیدی کے گیت لکھے بعدازاں سو کا نوٹ، ساحل، ڈان، دو اور دو پانچ، لاوارث، ایک جان ہیں ہم، گھنگھرو، حادثہ، وغیرہ وغیرہ کے گیت لکھے۔ مشہور گیت: کھائی کے پان بنارس والا۔۔۔ ہولی کھیلت نند لال برج میں ہولی (گنوداں) بہار و تھام لو اب دل میرا محبوب آتا ہے۔

اندو جین: ہندی شاعرہ۔ گیت: کالی گھوڑی دوار کھڑی رے (چشم بد دور)۔۔۔۔ کون آیا، کون آیا، کون آیا (کتھا)

اندیور: شاعراندیور کی پیدائش ۱۹۲۴ء میں موضع برواساگر، ضلع جھانسی میں ہوئی۔ والدین نے ان کا نام شیام لال راؤ رکھا۔ گاندھی جی سے متاثر ہوکر قومی تحریک میں شامل ہو گئے اور ایک نظم لکھنے کے پاداش میں ایک سال قید کی سزا بھی بھگتی۔ ۱۹۴۹ء میں موسیقار روشن کی ہدایت میں فلم 'باورا' میں بڑے ارمانوں سے رکھا ہے بلم تیری قسم، پیار کی دنیا میں یہ پہلا قدم' گیت پیش کر کے شہرت حاصل کی۔ انہوں نے لگ بھگ تین سو فلموں کے لئے ایک ہزار کے قریب گیت قلمبند کئے۔ جن میں جانی میرا نام، کونل، سفر، ڈان، اُپکار، پورب پچھم، سرسوتی چندر، ساجن بنا سہاگن، امانش، یہ ہے بامبے میری جان، ہیرا پھیری، پرانا مندر، نیا قدم، ہمالہ سے اونچا، ارمان، چلتے چلتے، ہیرا، سمجھوتہ، دھرماتما، دولہا بکتا ہے، خاص طور پہ قابل ذکر ہیں۔ کچھ گیت ہیں...... ہنستا ہوا نورانی چہرہ (پارس منی) چندن سا بدن، چنچل چتون۔ دھیرے سے تیرا یہ مسکانا (سرسوتی چندر) قسمیں وعدے، باتیں ہیں، باتوں کا کیا (اُپکار) وقت کرتا جو وفا آپ ہمارے ہوتے (دل نے پکارا) کوئی جب تمہارا، ہردے توڑ دے (پورب اور پچھم) آپ جیسا کوئی میری زندگی میں آئے (قربانی)

۲۸ر فروری ۱۹۹۷ء کو ۶۷ سال کی عمر میں وہ اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔

انو ملک: اوزار......

انور ساگر: شاعر۔ جیون داتا، غندہ موالی، گیمبلر، لمبوداوا، جواری کے پیار کروں وناشک، کھلاڑی، بےخودی، متعدد فلموں کے گیت لکھے۔ جن میں کئی بڑے مقبول ہوئے جیسے: آ گلے لگ جا...... ڈیڈی ممی میری شادی......، آہ یہ حسین رات اور، آہستہ آہستہ پیار، چھوڑ کے نہ جا، وغیرہ۔

اے جی ادیب: ہمیں تو شامِ غم میں کاٹنی ہے زندگی اپنی۔ (جگنو) ...... یہاں بدلہ وفا کا بےوفائی کے سوا کیا ہے (جگنو)

بشمبھر ناتھ ناز: معروف شاعر۔ فلم بازار میں ان کی یہ غزل ''کروگے یاد تو ہر بات یاد آئے گی'' بہت مقبول ہوئی۔ (بازار)

بھاری ایس ایچ: نہ یہ چاند ہوگا، نہ تارے رہیں گے: (شرط) ...... بہت شکریہ، بڑی مہربانی (ایک مسافر ایک حسینہ) ...... یہ چاند سا روشن چہرہ، زلفوں کا رنگ سنہری (کشمیر کی کلی)

بھرت ویاس: ڈائرکٹر، میوزک ڈائرکٹر، کہانی نویس، نغمہ نگار، گلوکار بھرت ویاس ۱۷ر ستمبر ۱۹۱۷ء کو چورو (بیکانیر راجستھان) میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے رنگیلا راجستھان ڈائرکٹ کی۔ اسکول ماسٹر کا میوزک ترتیب دیا۔ پہلی بار ''دہائی'' کے گیت لکھے، پھر انہیں متعدد آفرلیں اور انہوں نے متعدد فلموں کے گیت لکھے: جیسے رم جھم جھم، بجلی، ہمارا گھر، جنم اشٹمی، مقدر، بھولا شنکر، راج مکٹ، نخرے، گنیش مہما، تماشا،

پریم سنگیت، من کی جیت، چندر لیکھا، ساون آیا رے، ماں، پرنیتا، چیتنیہ مہا پربھو، جگد گورو شنکر آچاریہ گونج اٹھی شہنائی، شرابی، نمک حلال، استری، انگلی مال، دو آنکھیں بارہ ہاتھ وغیرہ کے گیت لکھے، اور کچھ فلموں کی کہانی اور مکالمے بھی۔ ان کے کچھ گیت بہت مقبول ہوئے جیسے...... نربل سے لڑائی بلوان کی (طوفان اور دیا) اے مالک تیرے بندے ہم (دو آنکھیں بارہ ہاتھ)...... مجبور ہو کے تیری محفل میں آگئے ہیں (بیدردزمانہ کیا جانے) دل کا کھلونا ہائے ٹوٹ گیا (گونج اٹھی شہنائی)...... آلوٹ کے آجا میرے میت تجھے میرے گیت بلاتے ہیں (رانی روپ متی) سارنگا تیری یاد میں نین ہوئے بے چین (سارنگا) کھڑے ہو کے دکھلاؤ (نمک حلال) جہاں چار یار مل جائیں (شرابی)

بہزاد لکھنوی: بہزاد لکھنوی اپنے دور کے معروف و مقبول شاعر اور فلمی نغمہ نگار تھے۔ ان کی ولادت لکھنو کے ایک تعلیم یافتہ متوسط گھرانے میں ہوئی۔ انہوں نے اوائل عمر ہی میں شاعری کی ابتدا کردی تھی اور ان کے کوئی ایک درجن کے قریب شعری مجموعے اشاعت پذیر ہوئے۔ وہ ایک مدت تک فلمی دنیا سے وابستہ رہے اور کہیں فلموں کے گیت لکھے جن میں راجکپور کی فلم ''آگ'' بھی شامل ہے جس میں ان کا گانا 'زندہ ہوں اس طرح کہ غم زندگی نہیں، دیکھ چاندکی اور مسافر دیکھ چاندکی اور، اور کا ہے کو کل شور مچائے رے، مجھے اپنا کوئی یاد آئے رے، بہت مقبول ہوئے۔ بہزاد تقسیم کے کچھ عرصہ بعد ہجرت کر کے پاکستان چلے گئے جہاں ۱۰ ر اکتوبر ۱۹۷۴ کو کراچی میں ان کا انتقال ہوگیا۔

بے حجاب لکھنوی: مشہور گیت ہے: زندہ ہوں اس طرح کہ غم زندگی نہیں: (آگ)......

پرکاش مہرا: دل توڑنے والوں کی محفل میں آگیا ہوں (ایک کنوارا ایک کنواری) اپنی تو جیسے تیسے، تھوڑی ایسے یا ویسے کٹ جائے گی (لا وارث) بزرگوں نے فرمایا پیروں پہ اپنے۔

پردیپ: پردیپ جی کا اصلی نام رام چندر بریان دیویدی تھا اور ان کی ولادت ۶ رفروری ۱۹۱۵ء کو بھو اجیین میں ہوئی تھی۔ ۱۹۴۰ء میں انہوں نے بمبے ٹاکیز کی فلم بندھن کے لئے گیت لکھے۔ انہوں نے فلمی دنیا کو بہت سے قومی گیت دیئے۔ جن پر انہیں 'راشٹر کوی' کے خطاب سے اور فلمی خدمات پر دادا صاحب پھالکے ایوارڈ سے نوازا گیا۔ انہوں نے جھولا، قسمت، جے سنتوشی ماں، سمبندھ، ناستک، پیغام، جاگرتی، طلاق، وغیرہ متعدد فلموں کے گیت لکھے۔ ان کے مشہور گیت ہیں۔ آج ہمالہ کی چوٹی سے پھر نے للکارا ہے۔ اے میرے وطن کے لوگو، آؤ بچو تمہیں دکھائیں جھانکی ہندوستان کی، دیکھ تیرے انسان کی حالت کیا ہوگئی بھگوان کتنا بدل گیا انسان ہیں، بکھرا دیکھ پرانی درپن میں...... دے دی ہمیں آزادی بنا کھڑگ بنا ڈھال۔

۱۱ر دسمبر ۱۹۹۸ء کو ان کی وفات ہوگئی۔

پریم دھون۔ موسیقار اور گیت کار پریم دھون ۱۳؍جون ۱۹۲۴ء کو پیدا ہوئے۔ گریجویشن تک تعلیم پائی۔ بمبئی میں اپٹا سے وابستہ رہے اور متعدد فلموں کے گیت لکھے اور میوزک کمپوز کیا۔ انہوں نیکمل جیت، لاجواب، ہماری بیٹی، آرام، ادا، بڑی بہو مجبور، ترانہ، شیش محل، راہی، اولا، دو بیگھہ زمین، تمیں مار خاں، گھر گھر میں دیوالی، ادھیکار، وچن، بندش، کابلی والا، شہید، چیلنج، ایک پھول دو مالی، ٹانگے والی، بڑا آدمی، دس لاکھ، چراغ کہاں روشنی کہاں، رات کے اندھیرے میں، لچند بھگت سنگھ، جاگتے رہو، پولیس ڈیٹکٹو، برادی، اپو راجہ، آرزو، پوتر پاپی، کسان اور بھگوان بھی شامل ہیں ان کے گیتوں میں ''اب ڈرنے کی کوئی بات نہیں انگریزی چھورا چلا گیا (مجبور) سینے میں سلگتے ہیں ارماں (ترانہ ۱۹۵۱ء) اے میرے پیارے وطن تجھ پہ میں قرباں (کابلی والا ۱۹۶۱ء) تجھے سورج کہوں یا چندا (ایک پھول دو مالی ۱۹۶۹ء) یہ پردہ ہٹا دو ذرا مکھڑا دکھا دو (ایک پھول دو مالی ۱۹۶۹ء) اک پیسہ دے دے او بابو: (وچن) میرا رنگ دے بسنتی چولا (شہید) وغیرہ بہت مقبول ہوئے۔

پنڈت اندر: گیت کار پنڈت اندر نے بہت سی فلموں کے گیت لکھے جیسے: راج نرتکی، شہنشاہ اکبر پیغام، شہنشاہ بابر، پنگھٹ، پجارن، گوالن، پربھو کا گھر، شربتی آنکھیں، چھین لے آزادی، پیا گھر آجا، جے ہنومان، نند بھوجائی، نشان، جوگن، منگلا، گھائل، سنسار وغیرہ

پی ایل سنتوشی: فلم ڈائرکٹر، شاعر پی ایل، سنتوشی نے پاگل (۱۹۴۰) سوداگر، ان ہونی گھائل، سنگرام، شہنائی، متعدد فلموں کے گیت لکھے۔ مشہور گیت: کھا کے زہر مر جانا پر من میں کسی کو بسانا نہ۔ (شہنائی)...... خوشیاں منائے کیوں نہ ہم، ہم کسی سے کیوں ڈریں وغیرہ۔

تلسی، اندر جیت سنگھ: بے شک مسجد مندر توڑو (بوبی)...... پانی رے پانی تیرا رنگ کیسا (شور)

تنویر نقوی: انمول گھڑی کے گیت 'آواز دے کہاں ہے اور' جوان ہے محبت حسیں ہے زمانہ' اور نذیر کی فلم لیلیٰ مجنوں کے نغمہ نگار تنویر نقوی کی ولادت ۶؍فروری 1919ء کو لاہور میں ہوئی تھی۔ ۱۹۴۳ء میں اے آر کاردار کی دعوت پر بمبئی پہنچے جہاں وہ آٹھ سال تک فلموں سے وابستہ رہے۔ ان کے گیتوں میں جواں ہے محبت حسیں ہے زمانہ (انمول گھڑی) نہ ہنسو پیار پہ نادان زمانے والو: شیریں فرہاد...... بہت مقبول ہوئے۔ پاکستان میں انہوں نے سلمیٰ فرشتہ، کوئل، راہ گزر، ہم سفر، آدمی متعدد فلموں کے گیت لکھے۔

آخری عمر میں فالج کا شکار ہوئے اور یکم نومبر ۱۹۷۳ء کو ان کی وفات ہوگئی۔

جاوید اختر: جاوید اختر فلمی دنیا کے نغمہ نگاروں میں ایک مقبول اور کامیاب نام ہے۔ ان کی



ولادت ۱۷ جنوری ۱۹۴۵ء کو گوالیار میں مشہور ترقی پسند شاعر جاں نثار اختر کے ہاں ہوئی۔ پہلے پہل انہوں نے فلم "یقین" کے لئے اسکرپٹ لکھا مگر فلم ناکام رہی پھر اپنے دوست سلیم خان کے ساتھ جوڑی بنا کر انہوں نے اسکرپٹ نگاری شروع کی اور ان کی پہلی فلمیں ہٹ ہوئیں۔ انہوں نے انداز، ادھیکار، دیوار، زنجیر شعلے، ہاتھی میرے ساتھی، مجبور ایسی کامیاب فلموں کے اسکرپٹ لکھے۔ پھر بوجوہ وہ سلیم خاں سے الگ ہوگئے اور آزادانہ طور پر اسکرپٹ رائٹر اور کالم نگار کی حیثیت سے کام کرنے لگے۔ مشہور فلمی شاعر آنند بخشی کے مشورے پر فلموں کے لئے گیت لکھنے لگے اور آج وہ نغمہ نگار کی حیثیت سے بڑی شہرت رکھتے ہیں۔ بارڈر، ریفیوجی، لگان، سودیش، جودھا اکبر، وغیرہ ان کی چند کامیاب فلمیں ہیں۔ انہیں پدم شری، پدم بھوشن، اور اودھ رتن وغیرہ کئی اعزازات عطا کئے جا چکے ہیں۔ ان دنوں راجیہ سبھا کے رکن ہیں۔

جذبی، معین احسن : ترقی پسند شاعر معین احسن جذبی ۲۱ اگست ۱۹۱۲ء کو ضلع اعظم گڑھ کے گاؤں مبارک پور میں احسن عبدالغفور صاحب کے گھر پیدا ہوئے۔ ان کے دادا ڈاکٹر عبدالغفور بھی شاعر تھے اور **مطیر** تخلص کرتے تھے۔ ان کی پھوپھی خاتون اکرم مشہور کہانی نویس رازق الخیری کی رفیقۂ حیات تھیں اور کہانیاں اور مضامین بھی لکھا کرتی تھیں۔ اپنے گھر کے اس ادبی ماحول کی وجہ سے وہ نو برس کی عمر میں ہی تک بندی کرنے لگے۔ ۱۹۲۹ء میں جب اُن کی عمر سولہ سال تھی، انہوں نے باقاعدہ شاعری کا آغاز کیا اور حامد شاہجہانپوری اور صادق دہلوی سے اصلاح لیتے رہے۔



۱۹۳۶ء میں ہمایوں لاہور میں ان کی مشہور غزل مرنے کی دعائیں کیوں مانگوں شائع ہوئی جس سے ان کی شہرت ادبی حلقوں میں پھیل گئی۔ بعد میں شاہد لطیف نے اسے فلم ضدی میں شامل کرلیا۔
جذبی کا ابتدائی دور بہت تنگدستی میں گزرا۔ ۱۹۳۸ء میں بمبئی میں چار مہینے وہ بطور مترجم ملازم رہے۔ پھر وہ بھوپال آگئے اور ۳۹-۱۹۳۸ کے دوران وہ بھوپال کے ماڈل اسکول میں مدرس رہے۔ ۱۹۳۹ کے اواخر میں چند ماہ وہ لکھنؤ سیکریٹریٹ میں بحیثیت مترجم کام کرتے رہے اور ۱۹۴۲ء اور ۱۹۴۴ کے دوران وزارت اطلاعات ونشریات کے ماہنامہ آج کل دہلی میں نائب مدیر کی حیثیت سے خدمت

انجام دیتے رہے۔

انھوں نے ۱۹۴۲ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ایم اے کی ڈگری حاصل کی اور ۱۹۴۵ء میں اسی یونیورسٹی کے شعبۂ اردو میں اُستاد مقرر ہوئے۔ ۱۹۵۶ء میں 'حالی کا سیاسی شعور' پر انھیں اسی یونیورسٹی سے پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری تفویض کی گئی۔ ۱۹۷۴ء میں وہ شعبۂ اردو سے سبکدوش ہوگئے اور علی گڑھ میں ہی سکونت پذیر ہوگئے۔

۱۳ر فروری 2005 کو علی گڑھ ہی میں اُن کی وفات ہوگئی۔

جذبی کا شمار ترقی پسند شعرا میں ہوتا ہے۔ ان کا پہلا شعری مجموعہ 'فروزاں' ۱۹۴۳ء میں منظر عام پر آیا جس کی ادبی حلقوں میں بڑی قدر و منزلت ہوئی۔ دوسرا مجموعہ 'سخن مختصر' ۱۹۶۰ء میں اور کلیات 'گداز شب' 1985ء میں اشاعت پذیر ہوئی۔ ان کے علاوہ اُن کا تحقیقی مقالہ 'حالی کا سیاسی شعور' ۱۹۵۹ء میں منظر عام پر آیا۔

جذبی صاحب کو کئی انعامات و اعزازات ملے جن میں مودی غالب ایوارڈ، میر اکادمی ایوارڈ اور اُتر پردیش اُردو اکادمی ایوارڈ بھی شامل ہیں۔

جوش ملیح آبادی: نام شبیر حسین خاں، تخلص جوشؔ، خطاب شاعر انقلاب۔ ۵ر دسمبر ۱۸۹۸ء کو لکھنؤ کے قریب قصبہ ملیح آباد میں پیدا ہوئے۔ ان کے بزرگ کابل سے ہندوستان آئے تھے۔ ان کے دادا فقیر محمد گویاؔ جو امیر الدولہ کی فوج کے رسالدار تھے، شاعری میں ناسخؔ کے شاگرد تھے اور انہوں نے غزلیات کے ایک مجموعے کے علاوہ نثر کی ایک کتاب بھی اپنی یادگار چھوڑی ہے۔ گویاؔ کے علاوہ ان کے والد بشیر احمد خاں بشیرؔ اور دادا نواب احمد خاں احمدؔ بھی صاحب دیوان تھے۔ جوشؔ کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی پھر کچھ عرصہ جبلی ہائی اسکول اور چرچ مشن ہائی اسکول میں تعلیم پائی۔ اس کے بعد وہ علی گڑھ میں زیر تعلیم رہے۔ ۱919ء میں سینٹ پیٹر کالج میں داخل ہوئے اور سینئر کیمبرج کیا۔



۱۹۲۴ء میں وہ حیدرآباد دکن گئے اور دس سال تک عثمانیہ یونیورسٹی کے دارالترجمہ میں ملازم رہے۔ ۱۹۳۴ء میں معتوب کئے گئے اور انہیں ریاست حیدرآباد سے نکال دیا گیا۔ پھر وہ واپس ملیح آباد گئے۔ ۱۹۳۶ء میں انہوں نے دہلی سے رسالہ ''کلیم'' کا اجرا کیا جو قریب ساڑھے تین سال چلنے کے بعد بند ہوگیا۔

۱۹۴۱ء میں وہ ڈبلیو زیڈ احمد کی دعوت پر شالیمار پکچرز پونہ میں فلمی گیت لکھنے پر مامور ہوئے۔

انہوں نے ''ایک رات''، ''من کی جیت'' اور ''غلامی'' کے گیت لکھے۔

ہندوستان آزاد ہونے کے بعد ۱۹۴۸ء میں انہیں وزارتِ اطلاعات ونشریات، حکومتِ ہند کے رسالہ ''آج کل'' کا مدیر مقرر کیا گیا اور لگ بھگ آٹھ برس تک وہ ادارتی فرائض انجام دیتے رہے۔ پھر ۱۹۵۶ء میں ہجرت کر کے پاکستان چلے گئے اور وہاں اُردو بورڈ کے مشیرِ ادب کے عہدے پر تعینات ہوئے۔ ۱۹۶۷ء میں وہ چند ماہ کے لئے ہندوستان آئے اور یہاں بمبئی میں ایک انٹرویو دینے کے پاداش میں انہیں نوکری سے چھٹی دے دی گئی۔

جوش صاحب نے بچپن سے ہی شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ شروع شروع میں انہوں نے عزیز لکھنوی سے اصلاح لی لیکن بعد ازاں انہوں نے یہ سلسلہ منقطع کر لیا کیوں کہ ان کا نظریہ تھا کہ ''الشعرا تلامذ الرحمٰن'' یعنی شاعر خدا کا شاگرد ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے وجدانِ ذوق کو اپنا رہبر بنایا۔ اس کے بعد انہوں نے ۱۲-۱۹۱۱ء میں لکھنؤ کے ایک مشاعرے میں شرکت کی۔ ابتدا میں ان کا تخلص جوش کے بجائے شبیر تھا۔

جوش کی شاعری کا محل تضاد کی بنیادوں پر استوار ہے لیکن متضاد خیالات کے باوجود ان کی شاعری بڑی اہم ہے۔ زبان و بیان کے انہوں نے بھرپور اور رنگارنگ تجربے کئے ہیں۔ اگر چہ غزل کو انہوں نے منفرد حیثیت دی تاہم ان کی انفرادیت کے خدوخال نظم نے ہی اجاگر کئے ہیں۔ ان کے اندازِ بیاں میں ندرت تشبیہوں اور استعاروں میں جدت اور زبان میں بڑی روانی پائی جاتی ہے۔ سب سے زیادہ شہرت ان کی قومی، رندانہ اور سیاسی نظموں کو حاصل ہے۔ ان کی انقلابی نظموں نے اُردو شاعری میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔

۲۲ رفروری ۱۹۸۲ء کو اسلام آباد میں ان کی وفات ہوگئی اور انہیں زیرو پائنٹ اسلام آباد کے قبرستان میں سپردخاک کیا گیا۔

شعری مجموعے:۔ روحِ ادب (۱۹۲۱ء، دہلی) شاعر کی راتیں (۱۹۳۶ء، دہلی) نقش ونگار (۱۹۳۶ء، دہلی) شعلہ وشبنم (۱۹۳۶ء، دہلی) فکر ونشاط (۱۹۳۷ء، دہلی) جنون وحکمت (۱۹۳۷ء، دہلی) حرف و حکایت (۱۹۳۸ء، دہلی) آیات ونغمات (۱۹۴۱ء، لاہور) عرش وفرش (۱۹۴۴ء بمبئی) رامش ورنگ (۱۹۴۵ء بمبئی) سنبل وسلاسل (۱۹۴۷ء، بمبئی) سیف وسبو (۱۹۴۷ء، لاہور، بمبئی) سرود وخروش (۱۹۵۳ء، دہلی) سموم وصبا (دہلی) طلوعِ فکر ۱۹۵۷ء، کراچی) قطرہ وقلزم، نوادرات جوش۔۔۔۔ نثری مجموعے :۔ نجوم و جواہر (۱۹۲۱ء) موجد فکر (لکھنؤ ۱۹۲۸ء) اوراقِ سحر (لکھنؤ) الہام وفکر مقالاتِ زریں، (۱۹۶۶ء) اشارات (۱۹۴۲ء، دہلی ۱۹۶۷ء، کراچی) سوانح عمری:۔ یادوں کی بارات (۱۹۷۲ء، کراچی)

چتر گپت: مفت ہوئے بدنام، کسی سے ہائے دل لگا کے۔

چمن شاہ لاہوری: کبھی غم سے دل لگایا، کبھی اشک کے سہارے۔ (ڈاکو)

حسن کمال: چاچی ۴۲۰، آج کی آواز، سلمٰی، ۔۔۔ چہرہ چھپالیا ہے کسی نے حجاب میں، دل کے ارماں آنسوؤں میں بہہ گئے (نکاح) پہلا پہلا پیار نہ بھولے۔ بھولے جا ہے ساری خدائی (مزدور)

حسرت جے پوری: فلمی دنیا میں حسرت جے پوری کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ انہوں نے ان گنت فلموں کے گیت لکھے اور شہرت کے بام عروج پر پہنچے۔ ان کا اصلی نام اقبال حسین تھا اور وہ ۱۵/ اپریل ۱۹۲۲ء کو جے پور (راجستھان) میں پیدا ہوئے تھے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں مشاعروں میں شرکت کرنے لگے۔ بمبئی میں بطور بس کنڈکٹر کام کرتے رہے۔ ایک مشاعرے میں پرتھوی راج کپور نے ان کی نظم "مزدور کی تلاش" سنی تو انہوں نے انہیں اپنے فرزند راجکپور سے ملوادیا جس نے ان سے فلم برسات کے چند گیت لکھوائے جن میں "جیا بے قرار ہے، چھائی بہار ہے، اور چھوڑ گئے بالم مجھے ہائے اکیلا چھوڑ گئے" وغیرہ شامل ہیں۔ بعد میں انہوں نے متعدد فلموں کے گیت لکھے جیسے: سسرال، انداز، جنگلی، پاگل کہیں کا، گیت گایا پتھروں نے، تیسری قسم، رام تیری گنگا میلی، سہرا، سنگم، پرنس، لال پتھر، آئی ملن کی بیلا،



پرورش، چوری چوری، آہ، آرزو وغیرہ۔ ان کے کچھ مقبول گیتوں میں 'تم مجھے یوں بھلا نہ پاؤ گے (پگلا کہیں کا)، آنسو بھری ہیں یہ جیون کی راہیں (پرورش) 'دنیا بنانے والے کیا تیرے من میں سمائی (تیسری قسم) تم سے ملی نظر کہ مرے ہوش اڑ گئے (جھک گیا آسمان) او محبوبہ تیرے دل کے پاس ہی ہے میری منزل مقصود' شامل ہیں۔ انہیں کئی اعزازات سے بھی نوازا گیا جن میں فلم فیر ایوارڈ، جوش ملیح آبادی عالمی ایوارڈ، لتا منگیشکر ایوارڈ اور راجستھان شری ترین بھی شامل ہیں۔

۱۷/ ستمبر ۱۹۹۹ء کو بمبئی میں ان کی وفات ہوگئی۔

حسرت موہانی: حسرت موہانی نے کبھی فلموں کے نغمے تو نہیں لکھے مگر ان کی کئی غزلوں کو فلموں میں شامل کیا گیا جنہیں بڑی مقبولیت ملی۔۔ ان کا پورا نام سید فضل الحسن رضوی تھا اور وہ ۱۲۹۸ھ (۸۱-۱۸۸۰ء) میں قصبہ موہان ضلع اناؤ (اتر پردیش) میں پیدا ہوئے۔ ان کے ایک بزرگ سید محمد نیشا پوری نے جو حضرت امام رضا علیہ السلام کی سترہویں پشت میں سے تھے۔ ۶۱۵ھ یعنی ۱۲۱۸ء میں اپنا وطن چھوڑ کر قصبہ موہان میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ان کی دسویں پشت میں حضرت شاہ وجیہ الدین



موہان میں پیدا ہوئے جن کا عرس ۱۹-۱۷ر شوال کو ہوا کرتا ہے۔ ان ہی شاہ وجیہ الدین کی چھٹی پشت میں مولانا حسرت پیدا ہوئے۔ اس طرح ان کا شمار حضرت امام رضا علیہ السلام کے ۳۳ ویں سلسلۂ نسب میں ہوتا ہے۔

حسرت کو اوائل عمر ہی میں شاعری کا شوق ہو گیا اور وہ اپنا کلام حضرت امیر اللہ تسلیم لکھنوی کو دکھانے لگے۔ وہ غزل کے شاعر تھے اور امام المتغزلین کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کی شاعری قدیم و جدید کی آئینہ دار ہے اور انھوں نے اردو غزل کو ایک نیا رنگ بخشا ہے۔

حسرت موہانی نے آخر برس جیل میں صعوبتیں برداشت کیں۔ اور آہنی بیڑیوں کے ساتھ ایک من اناج بھی پیسا اور رہا بھی ہوئے۔ آزادیٔ ہند کے بعد وہ دستور ساز اسمبلی کے ممبر رہے اور دستور سازی میں سرگرم حصہ لیا۔ انھوں نے صوفی درویش ہی نہیں تھے بلکہ برسوں مسلسل روزے بھی رکھے۔ انھوں نے نان خشک اور پیوند لگے کپڑوں کے ساتھ زندگی گزاری۔ اور ممبر پارلیمنٹ بن جانے پر بھی ان کی زندگی میں کوئی فرق نہ آیا۔ وہ ہمیشہ تھرڈ کلاس میں سفر کرتے رہے اور جن سے ایک معمولی بکس میں دری، ایک تکیہ، ایک جوڑا کپڑا، ایک لوٹا اور محبوب سوئی دھاگہ ڈال کر انھوں نے بنگال سے گجرات اور پشاور سے راس ماری تک دورہ کر ڈالا۔ ۱۳ رمئی ۱۹۵۱ء کو لکھنؤ میں ان کی وفات ہوئی اور انھیں قبرستان باغ ملا انوار، فرنگی محل، لکھنؤ میں سپرد خاک کیا گیا۔

راجندر کرشن: شاعر، گیت کار، اسکرپٹ رائٹر، کالم نویس راجندر کرشن فلمی دنیا میں وارد ہونے سے پہلے شعلہ تخلص کرتے تھے۔ وہ ۶ر جون ۱۹۱۹ء کو شملہ میں پیدا ہوئے جہاں ان کے والد ضلع جرات (پاکستان) سے آکر آباد ہوئے تھے۔ کچھ مدت میونسپل آفس شملہ میں کلرک رہے۔ سب سے پہلے ۱۹۴۷ء میں فلم ''زنجیر'' کے گیت اور ''جنتا'' کی اسکرین رائٹنگ کی مگر انہیں شہرت موتی لال اور ثریا کی فلم ''آج کی رات'' (۱۹۴۸ء) کے گیت / اسکرپٹ لکھنے سے ملی۔ انہوں نے لگ بھگ ایک سو فلموں کے گیت / اسکرپٹ / مکالمے لکھے جن میں پیار کی جیت، مرزا، چھوٹا بھائی، آشیانہ، دھواں، مالکن، پتنگا، لاہور، سگائی، بڑی بہن، ساتھی، پیار، ساقی، باپو کی امر کہانی، جھانجھر، شگوفہ، البیلا، انارکلی، بہار، لڑکی، جھمیلا، پہلی جھلک،



آزاد، ناگن، بھائی بھائی، انسانیت، درگیش نندنی، نیا آدمی، تاج، انجان، پاکٹ مار، تیر انداز، شطرنج، ۲۶ جنوری، امروالی، آرام، تاج، دیکھ کبیرا رویا، آشا، برکھا، عدالت، پتنگ، ماں باپ، بندیا، نذرانہ، چھایا، شادی، پریم پتر، شرابی، جہان آرا، خاندان، نئی روشنی، سادھو اور شیطان، من موجی، ہاف ٹکٹ، یہ راستے ہیں پیار کے، بھروسہ، پوجا کے پھول، گوری، پیار کئے جا، پڑوسن، برہمچاری، وارث، سچائی کا سپنا، ریشماں اور شیرا، مالک، شہزادہ، رکھوالا، بمبئی ٹو گوا، کہانی قسمت کی، بنارسی بابو، گیتا میرا نام، نیا دن نئی رات، پونگا پنڈت، کھیل محبت کا، اللہ رکھا آگ کا دریا (۱۹۹۰ء) وغیرہ شامل ہیں۔ ان کے علاوہ انہوں نے ۱۸ تمل فلموں کے اسکرپٹ بھی لکھے۔ ان کا گیت "سنو سنو اے دنیا والو باپو کی یہ امر کہانی" بہت مقبول ہوا جو محمد رفیع نے گایا تھا اور حسن لال بھگت رام نے موسیقی سے سجایا تھا۔

۱۹۸۸ء میں بمقام ممبئی انتقال ہو گیا۔

حشمت ایل جی: میرا جیون کورا کاغذ کورا ہی رہ گیا (کورا کاغذ) من میرے کا ہے کرے چترائی (سنکوچ)۔

خمار بارہ بنکوی: مشاعروں اور فلموں کے مقبول شاعر خمار بارہ بنکوی (۱۹۱۹ء بارہ بنکی۔ ۲۰ راپریل ۱۹۹۹ء بارہ بنکی) کا اصلی نام محمد حیدر خان تھا۔ انہوں نے کئی فلموں جیسے ساز اور آواز، بارہ دری، شاہجہاں، لوا ینڈ گاڈ وغیرہ کے گیت لکھے۔

دلیپ طاہر: ساتھی تیرے نام اک دن جیون کر جائیں گے (استادی استاد سے)۔

دیو کوہلی۔ دو ہزار ایک: سلاخیں، عشق، مسٹر اینڈ مسز کھلاڑی، ضدی۔

ڈی ایل اشوک: جب تم ہی نہیں اپنے دنیا ہی بیگانی ہے۔ پروانہ

راجہ مہدی علی خاں: راجہ مہدی علی خاں ۱۹۲۸ء میں کریم آباد (وزیر آباد، پاکستان) میں پیدا ہوئے اور وہ ۲۹ر جولائی ۱۹۶۶ء کو ممبئی میں اس جہان فانی سے کوچ کر گئے۔ ۱۹۴۶ء میں سعادت حسن منٹو کے مدعو کرنے پر بمبئی جا کر فلمی دنیا سے وابستہ ہو گئے اور انہیں دو فلموں "دو بھائی" اور "آٹھ دن" کے گیت لکھنے کا موقع ملے۔ ان کی اہم فلموں میں وہ کون تھی، شہید، میرا سایہ، ایک مسافر ایک حسینہ، نیا آکاش، نواب سراج الدولہ، دلہن ایک رات کی، پوجا کے پھول شامل ہیں۔ موسیقار مدن موہن کے ساتھ ان کی جوڑی خوب کامیاب رہی۔ اُن کے کچھ گیت ہیں: (اگر مجھ سے محبت ہے، مجھے سب اپنے غم دے دو (آپ کی پرچھائیاں) جو ہم نے داستاں اپنی سنائی، آپ کیوں روئے (وہ کون تھی) آخری گیت



محبت کا نام لوں تو چلوں (نیا آکاش) میری یاد میں تم نہ آنسو بہانا، (مدہوش) آپ کی نظروں نے سمجھا پیار کے قابل مجھے (ان پڑھ)۔

راحت اندوری ازار

راما نند ورما جیسے سورج کی گرمی سے جلتے ہوئے تن کو مل جائے سرور کی چھایا (پرینہ)

راوت جی ایل: یہ دل ہے محبت کا پیاسا (دل نے پھر یاد کیا) جنہیں ہم بھلانا چاہیں وہ اکثر یاد آتے ہیں (آبرو)

رمیش پنت: ہم سب میں سے تمہیں پھر سے پلٹ کے (الاارث)

روی: ہم تم کرتے تارے یہ کہتے ہیں سارے (چراغ کہاں روشنی کہاں)

رویندر راوت: تنہا ہو کر دیکھو تو یہ پیارا زمانہ (ہم سے بڑھ کر کون)

رویندر جین ہم بھی ایسا بھی پہلے کیسے کی جائی (سوال) گھنگھرو کی طرح بجتا ہی رہا ہوں (چور مچائے شور) شیام تیری بنسی پکارے رادھا نام (گیت گاتا چل) جب دیپ جلے آنا، جب شام ڈھلے آنا (چت چور) گوری تیرا گاؤں بڑا پیارا (چت چور)

رویندر راول گئے ہیں تنہ گیتوں نے بھی ساتھ (ترانہ)

ساحر لدھیانوی: نام عبدالحئی تخلص ساحر، لدھیانہ کے ایک متمول زمیندار گھر میں ۸ مارچ ۱۹۲۱ کو پیدا ہوئے۔ ان کی والدہ کے علاوہ ان کے والد کی اور بیویاں بھی تھیں مگر ان کی اکلوتی اولاد ہونے کی وجہ سے ساحر کی پرورش و پرداخت بڑے ناز و نعم سے ہوئی۔ ابھی وہ کمسن ہی تھے کہ ان کے والدین نے ازدواجی تعلقات منقطع کر لیے اور اپنی والدہ کو ترجیح دینے کی وجہ سے وہ اپنے والد کی جاگیر سے بھی محروم ہو گئے۔ کالج کے زمانے میں انھوں نے طلبا تحریک میں حصہ لینا شروع کیا لہذا انھیں کالج سے نکال دیا گیا۔



کالج سے نکالے جانے پر وہ لدھیانہ سے لاہور چلے آئے۔

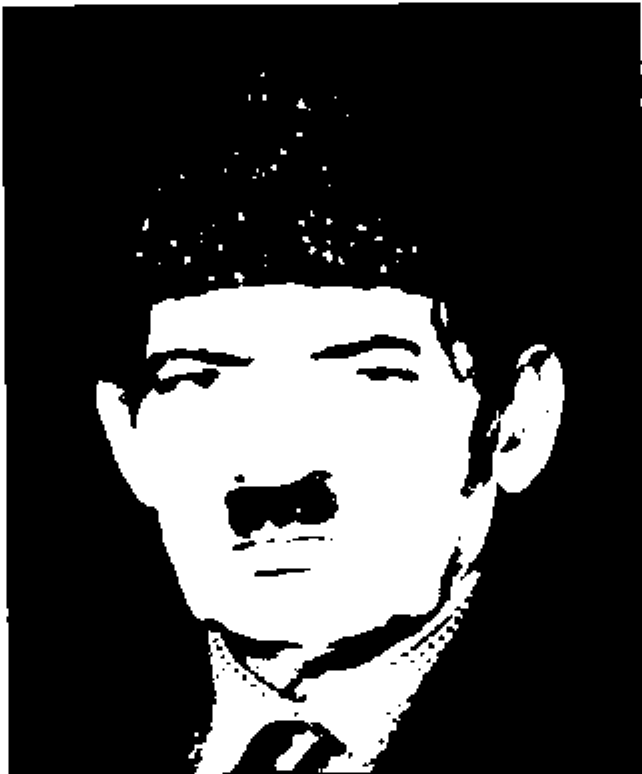
کچھ عرصہ انھوں نے شاہکار، ادب لطیف کی ادارت کی پھر وہ فلمی گیت لکھنے کی غرض سے بمبئی چلے گئے۔ وہاں ابھی وہ پوری طرح سے جم بھی نہیں پائے تھے کہ ملک کی تقسیم ہوگئی اور چونکہ ان کی والدہ لدھیانہ سے ہجرت کر کے لاہور چلی گئی تھیں لہذا وہ بھی بمبئی سے لاہور چلے گئے۔ وہاں کچھ عرصہ 'سویرا' کی ادارت کرتے رہے مگر جب سویرا میں شائع ان کے مضامین کی بنا پر حکومت پاکستان نے ان کے

وارنٹ گرفتاری جاری کر دیئے تو وہ ۱۹۴۸ء میں لاہور سے دہلی چلے آئے اور کچھ عرصہ 'شاہراہ' اور 'پریت لڑی' کے مدیر رہے۔اس کے بعد وہ بمبئی چلے گئے اور فلمی دنیا سے وابستہ ہو گئے اور آخری وقت تک وہیں رہے۔انھوں نے نوجوان، بازی، جال، انگارے، الف لیلیٰ، شہنشاہ، دھول کا پھول، پھر صبح ہوگی، انداز، داغ، کبھی کبھی وغیرہ بے شمار فلموں کے گیت لکھے۔۱۹۷۰ء میں پدم شری عطا کیا گیا۔۱۹۷۲ء میں سوویت لینڈ نہرو ایوارڈ اور اُتر پردیش اردو اکادمی ایوارڈ دیا گیا۔

ساحر دورِ حاضرہ کے مقبول ترین شاعر تھے۔اُن کے شعری مجموعے 'تلخیاں' کے لگ بھگ ڈیڑھ درجن ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔اتنے ایڈیشن کسی بھی موجودہ دور کے شاعر کے مجموعے کے شائع نہیں ہوئے۔ساحر کی مقبولیت کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک عام باشعور ہندوستانی نوجوان کے احساسات و جذبات کی ترجمانی کرتے تھے، جسے ناکامیوں اور محرومیوں کا شکار ہونا پڑا ہو، جس کی زندگی قدم قدم پہ جدوجہد سے دوچار ہو۔لیکن موجودہ سماجی نظام میں گھٹ گھٹ کر اور سسک سسک کر زندگی بسر کرتا ہو اور جسے شکست وریخت سے دوچار ہونا پڑا ہو۔ساحر ایسے نوجوانوں کے جذبات واحساسات کی ترجمانی ایسے موثر انداز سے کرتے تھے کہ ایک نوجوان کو یہ اپنی جوانی کی داستان معلوم ہوتی ہے۔

ان کے ہندی اردو میں کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں جن میں کچھ یہ ہیں: تلخیاں، پرچھائیاں، گاتا جائے بنجارا، آؤ کہ کوئی خواب بنیں وغیرہ۔دل کا دورہ پڑنے سے بمبئی میں ۲۵/اکتوبر ۱۹۸۰ء کو ان کی وفات ہوگئی۔

کچھ نغمے:...... تم نہ جانے کس جہاں میں کھو گئے: (سزا) یہ کوچے یہ نیلام گھر دلکشی کے: (پیاسا) کبھی کبھی میرے دل میں خیال آتا ہے (کبھی کبھی) چھو لینے دو نازک ہونٹوں کو (کاجل) ہم انتظار کریں گے تیرا قیامت تک (بہو بیگم)



ساغر نظامی ۲۱/دسمبر ۱۹۰۵ء کو علی گڑھ میں پیدا ہوئے۔آپ کے والد ڈاکٹر احمد یار خاں نے آپ کا نام محمد صمد یار خاں رکھا مگر دنیائے شعر میں آپ کی شہرت ساغر نظامی کے نام سے ہوئی۔آپ کا بچپن سومنہ گاؤں میں گزرا اور وہیں تعلیم کی ابتدا کی۔

چونکہ آپ کے ماموں عابد رضا بھی شاعر تھے لہٰذا تیرہ برس کی عمر میں وہ بھی تک بندی کرنے لگے اور سولہ برس کی عمر میں انھوں نے علی گڑھ میں منعقد ایک کل ہند مشاعرے میں شرکت

کی جہاں انہیں بڑی داد ملی اور پھر چند ہی برسوں میں اُن کی شہرت دُور دُور تک پھیل گئی۔

آپ کا شمار تلامذۂ سیماب اکبرآبادی میں ہوتا ہے۔ وہ ماہنامہ 'پیمانہ' آگرہ (۱۹۲۳ء)، ماہنامہ 'مستقبل' (۱۹۲۶)، ہفتہ وار 'علی گڑھ پنچ' (۱۹۲۹ء) کے مدیر رہے۔ پھر ۱۹۳۴ میں انھوں نے ماہنامہ 'ایشیا' کا اجرا کیا جو کہ ۱۹۵۰ء تک بمبئی سے جاری رہا۔

ساغر صاحب نے کچھ عرصہ پونہ میں ڈبلیو زیڈ احمد کی فلم کمپنی شالیمار میں ملازمت بھی کی۔ بعد ازاں وہ مذکورہ کمپنی چھوڑ کر بمبئی چلے گئے۔ ۲۸/ مارچ ۱۹۴۳ء کو اُن کی شادی ذکیہ سلطانہ نیر سے ہوئی۔ ۱۹۵۳ء میں وہ بمبئی کو الوداع کہہ کر ۱۹۵۳ء میں دہلی چلے آئے اور ریڈیو میں پروڈیوسر اور ڈپٹی چیف پروڈیوسر کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ۱۹۷۴ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے اور انھیں حکومت نے منظوم تحریک آزادی لکھنے پر پبلی کیشنز ڈویژن، وزارت اطلاعات ونشریات میں مامور کیا۔

ساغر صاحب نے نظموں اور غزلوں کے علاوہ منظوم ڈرامے بھی لکھے۔ اُن کی مطبوعات ہیں: 'شبابیات' (رباعیات، ۱۹۲۵)، 'تہذیب کی سرگزشت' (طویل کہانی ۱۹۲۷ء)، 'سمندر کی دیوی' (طویل کہانی ۱۹۲۷ء)، 'صبوحی' (غزلیات ۱۹۳۲ء)، 'مشائخ مارہرہ' (تاریخی کتاب ۱۹۳۳ء)، 'کہکشاں' (کہانیوں کا مجموعہ ۱۹۳۴ء)، 'بادۂ مشرق' (قومی نظمیں/غزلیں ۱۹۳۵ء)، 'رنگ محل' (شعری مجموعہ ۱۹۴۳ء)، 'موج وساحل' (قومی نظمیں ۱۹۴۸ء)، 'شکنتلا' (کالی داس کے مشہور ڈرامے کا منظوم ترجمہ ۱۹۶۰ء)، 'انارکلی' (منظوم ڈرامہ ۱۹۶۳ء)، 'نہرو نامہ' (طویل نظم جولائی ۱۹۶۷ء)، اور 'مشعل آزادی' (منظوم تاریخ آزادی جلد اول ۱۹۸۲ء)۔

اُن کی ادبی اور قومی خدمات کے اعتراف میں ۱۹۶۹ء میں انھیں حکومت ہند نے پدم بھوشن سے نوازا۔ اس کے علاوہ ۱۹۷۹ء میں انھیں اُتر پردیش اُردو اکادمی ایوارڈ، ۱۹۸۰ء میں ہمدرد ایوارڈ، امتیاز میر ایوارڈ اور ۱۹۸۳ء میں دہلی اُردو اکادمی ایورڈ اور غالب ایوارڈ عطا کیے گئے۔

۲۷/ فروری ۱۹۸۳ء کو اُن کی پنڈارا روڈ نئی دہلی میں وفات ہوئی اور انھیں نظام الدین نئی دہلی میں نواب لوہارو کے قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔

سدرشن:

سدرشن جنھیں مہاشہ سدرشن اور پنڈت سدرشن کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا، ۱۸۹۶ء میں پنجاب کے مشہور شہر سیالکوٹ میں پیدا ہوئے جسے علامہ اقبال ایسی عظیم المرتبت شخصیت کی جائے ولادت ہونے کی وجہ سے بین اقوامی شہرت حاصل ہے۔ اُن کا اصلی نام بدری ناتھ تھا اور وہ ضلع سیالکوٹ کے ایک برہمن گھرانے میں ۱۸۹۶ء میں پیدا ہوئے۔ کہانی نویسی میں ان کی اوائل عمر میں ہی

دلچسپی تھی۔اور کہا جاتا ہے کہ انہوں نے پہلی کہانی اُس وقت لکھی تھی جب وہ آٹھویں جماعت کے طالب علم تھے۔انہوں نے بی اے تک تعلیم پائی۔اس کے بعد انہوں نے آریہ سماج کی تحریک اور کہانی نویسی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا۔ بعدازاں اُن کا شوق صرف کہانی نویسی تک محدود ہوگیا۔اور اپنے ادبی ذوق کی تسکین و تکمیل کے واسطے انہوں نے ''چندن'' نامی رسالہ بھی نکالا جو عام اُردو رسائل سے منفرد تھا کیونکہ اس میں غزلیں اور نظمیں شائع نہیں کی جاتی تھیں اور صرف افسانے ہی شائع کئے جاتے تھے۔

اُن کی شہرت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے فلمستان کمپنی نے چار سو روپیہ مشاہرہ پر انہیں پبلسٹی آفسر مقرر کردیا۔ بعدازاں وہ فلموں کی کہانیاں اور گیت لکھنے کی غرض سے نیو تھیٹرز کلکتہ سے وابستہ ہوگئے۔اور انہوں نے لگ بھگ ۴۵ فلموں کی کہانیاں ،مکالمے اور گیت لکھے جن میں دھوپ چھاؤں، گراموفون سنگر، دشمن، پردیسی، پڑوسی، سکندر، پتھروں کا سوداگر وغیرہ کو بڑی شہرت ملی۔دھوپ چھاؤں کی کہانی کے علاوہ اس کے گانے بھی انہی کے تحریر کردہ تھے۔'' تیری گٹھری میں لاگا چور مسافر جاگ ذرا اور'' دنیا رنگ رنگیلی بابا'' گیتوں کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ اور یہ مہاتما گاندھی جی کے بھی بہ دلعزیز گیت تھے۔کے ایل سہگل کا گایا مقبول گیت'' اب میں کا کروں کت جاؤں'' بھی انہی کا لکھا ہوا تھا۔انہوں نے ابتدا میں اُردو میں ہی لکھنا شروع کیا مگر بعدازاں وہ ہندی میں لکھنے لگے اور پھر ہندی کے ہی ہو کر رہ گئے۔اُردو میں ان کی کہانیوں کے چار مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔جن کے نام ہیں سدا بہار پھول، چندن، بہارستان اور سولہ سنگھار۔ ان کے علاوہ انہوں نے بنگلہ ناولوں کے تراجم بھی کئے۔ معروف بنگالی ناول نویس بنکم چندر کے دو ناولوں'' تازیانے'' اور'' زہریلا آبِ حیات'' کے بھی انہوں نے تراجم کئے۔ایک اور ناول'' عورت کی محبت'' کو بھی انہوں نے اُردو لبادہ پہنایا تھا۔ ہندی میں اُن کی تقریباً ڈیڑھ درجن سے زائد کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔

اُن کی وفات ۱۶/دسمبر ۱۹۶۷ء کو ممبئی کے ہرکشن داس ہسپتال میں ہوئی۔

ساون کمار :ساجن کی سہیلی، پریتی، (لیلیٰ) تیری گلیوں میں نہ رکھیں گے قدم (ہوس) بھری برسات میں دل جلایا (او بے وفا) شاید میری شادی کا خیال دل میں آیا ہے (سوتن)

ستیندر اتھنیا:میں دل ہوں اک ارمان بھرا (ان ہونی)......

سرشار سیلانی:تم کو فرصت ہو میری جاں تو ادھر دیکھ تو لے:(بے وفا) ...

سروج نیّر:پریتم آن ملو، دکھیا جیا پکارے:(مسٹر اینڈ مسز ۵۵)......

سریندر ساتھی:آکروش، ...

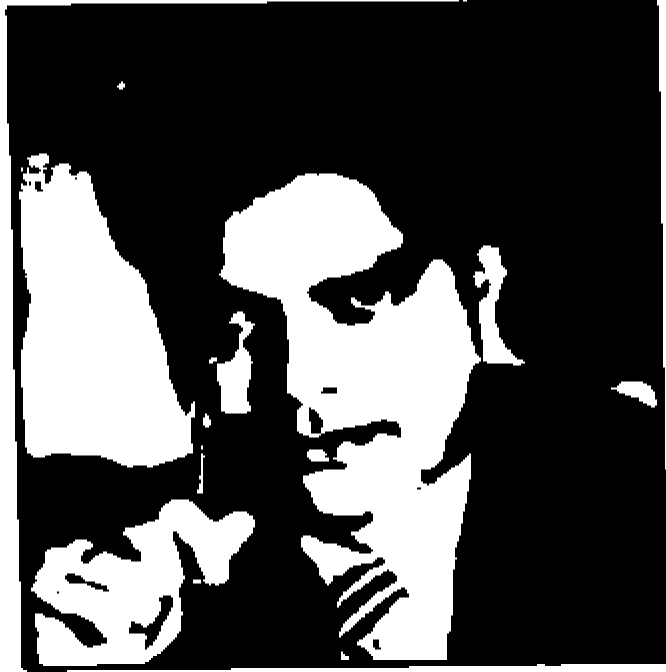
سمیر :بناری بابو،لال بادشاہ، بیتابی، قہر، مرتیوداتا، اتہاس، اور پیار ہوگیا، بھائی، وراثت، ضمیر، مجھے

پیار کرنے والے ذرا اظہار کرنے دے (بھائی) تیرے نغمے، تیری باتیں تیرا ہی نام لکھتا ہوں (ضمیر)

سنتوش آنند پیاسا ساون (کرانتی) اور نہیں بس اور نہیں غم کے پیالے اور نہیں (روٹی کپڑا اور مکان) یہ گلیاں یہ چوبارہ، یہاں آنا نہ دوبارہ (پریم روگ) اک پیار کا نغمہ ہے، موجوں کی روانی ہے (سیما؟)

شام لکھنوی: حسن والوں کی گلیوں میں جانا نہیں (شیش محل)

شکیل بدایونی شکیل بدایونی ۳ راگست ۱۹۱۶ء کو بدایوں (اتر پردیش) میں پیدا ہوئے۔ ان کے دادا منشی ہدایت اللہ سوختہ محکمۂ پولیس میں ملازم تھے اور والد مولوی جمیل احمد قادری مدرسہ شمس العلوم بدایوں کے تعلیم یافتہ تھے اور ان کو وعظ میں بڑی کشش تھی اور اس سلسلہ میں جگہ جگہ جایا کرتے تھے۔



ان کے بمبئی میں بھی بڑے قدر دان تھے لہٰذا وہ مستقل طور پر نقل مکانی کر کے وہاں چلے گئے اور لگ بھگ ۱۸ برس خوجہ اہل سنت (خوجہ اہل سنت) مسجد میں پیش امام اور خطیب کے فرائض انجام دیتے رہے۔

شکیل کا تاریخی نام غفار احمد تھا مگر اس کے بجائے وہ شکیل احمد کے نام سے جانے گئے۔ ان کی ابتدائی تعلیم بھی اردو، عربی اور فارسی تک محدود رہی اور اس سلسلہ میں اپنے والد کے پاس بمبئی میں بھی رہے۔ بعد میں انھیں مسلم اسلامیہ ہائی اسکول بدایوں (اب حافظ صدیقی انٹر کالج) میں داخل کروا دیا گیا۔ ۱۹۳۶ء میں ہائی اسکول پاس کرنے کے بعد وہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں داخل ہوگئے۔ ۳۰ر جولائی ۱۹۳۹ء کو ان کے والد کا انتقال ہو گیا، جس سے ان کی مالی حالت بہت خستہ ہوگئی تاہم مولوی محمد یعقوب ضیاء القادری اور رقیہ حسین قادری نے جن کی دختر سلمہ سے ان کی ۱۹۳۶ء میں شادی ہوئی تھی، دست گیری کی۔ اس کے علاوہ داؤد بھائی فضل بھائی ٹرسٹ کی جانب سے انھیں وظیفہ بھی مل گیا جس سے وہ اپنی تعلیم جاری رکھ سکے۔ ۱۹۴۲ء میں انھوں نے بی اے کی سند حاصل کی اور حکومت کے محکمہ سپلائی میں کلرک بھرتی ہوگئے اور ۱۹۴۶ء تک دہلی میں مقیم رہے۔ جنگ کے دنوں میں شکیل نے سانگ پبلسٹی محکمہ کے لیے بھی گیت لکھے۔ اس محکمے کے کرتا دھرتا حفیظ جالندھری تھے اور اس کا کام ڈرامے، قوالیاں، مشاعرے وغیرہ کرائے جانے کا پروگرام مرتب کرنا تھا۔

شکیل کو شاعری سے دلچسپی تو اوائل عمری سے ہی تھی۔ مگر علی گڑھ میں قیام کے زمانے میں صحیح معنوں میں ابتدا ہوئی۔ شروع شروع میں انھوں نے اپنے والد کے دوست مولوی محمد یعقوب ضیاء القادری سے مشورۂ سخن کیا اور بعد ازاں راز مرادآبادی کی وساطت سے جگر مرادآبادی کے اثر میں آئے اور ان

سے مشورہ لیتے رہے۔ ۱۹۴۶ء میں پروڈیوسر ڈائرکٹر اے.آر.کاردار کے اصرار پر سرکاری ملازمت ترک کر کے فلمی دنیا میں بطور نغمہ نگار شامل ہو گئے اور سب سے پہلے فلم 'درد' کے گیت لکھے جو بہت مقبول ہوئے۔ اس کے بعد انھوں نے ایک سو سے زائد فلموں کے گیت لکھے، جن میں بیجو باورا، آن، امر، شباب، پگڑی، انوکھی ادا، ستارہ، چاندنی رات، بابل، عجیب لڑکی، شاعر، میلہ، دیدار، کاجل، چار دن، ہزار راتیں، رخسانہ، جان پہچان، دل کی بستی، گرہستی، کندن، مرزا غالب، اڑن کھٹولہ، مالک، مغل اعظم، مدر انڈیا وغیرہ خصوصاً قابل ذکر ہیں۔

شکیل نے اپنے گیتوں اور نغموں میں ابتذال اور سوقیت کا مظاہرہ کبھی نہیں کیا۔ اُن کے گیتوں میں ادبیت اور ہندی رچاؤ ملتا ہے۔ ادبی دنیا میں انھیں قدر و قیمت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا اور مشاعروں میں بھی وہ کامیاب شاعر تھے۔ اُن کے درج ذیل مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

(۱) رعنائیاں (دہلی ۱۹۴۴ء) (۲) صنم وحرم (بمبئی ۱۹۶۴ء) (۳) رنگینیاں (لاہور ۱۹۴۹ء)
(۴) شبستاں (لاہور ۱۹۵۰ء) (۵) نغمۂ فردوس (بمبئی ۱۹۴۷ء) (۶) کلیاتِ شکیل۔

شکیل کو ذیابیطس کے ساتھ ہی تپ دق کا عارضہ لاحق ہو گیا جس سے آخر میں گلے میں کچھ شکایت پیدا ہو گئی۔ بعض لوگوں نے اس پر کینسر کا شبہ کیا۔ پوری طرح علاج کے باوجود افاقہ نہ ہوا اور آخر ۲۰ راپریل ۱۹۷۰ء کو سہ پہر چار بجے بمبئی ہسپتال میں وہ انتقال کر گئے اور انھیں باندرہ کے قبرستان میں دفنایا گیا۔

شو سروج: خاموش زندگی کو آواز دے رہے ہو (ناگ مندر)

شہریار: شہریار کا اصلی نام کنور اخلاق محمد خاں تھا اور وہ ۱۶ رجون ۱۹۳۶ء کو بریلی میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے علی گڑھ میں اعلیٰ تعلیم پائی اور ایم اے پی ایچ ڈی کرنے کے بعد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں درس و تدریس کے پیشے سے منسلک ہو گئے۔ اسمِ اعظم، ساتواں در، ہجر کے موسم خواب کا در بند ہے وغیرہ ان کے شعری مجموعے ہیں۔ اس کی ادبی خدمات پر انہیں ساہتیہ اکادمی ایوارڈ، بہادر شاہ ظفر ایوارڈ اور گیان پیٹھ ایورڈ (۲۰۰۸ء) سے نوازا گیا۔ ۱۳ رفروری ۲۰۱۲ء کو ان کی وفات ہوئی۔



شہریار فلمی دنیا سے باقاعدہ وابستہ تو نہیں رہے مگر گمن، امراؤ جان اور انجمن میں ان کی شاعری کو پیش کیا گیا۔ ان کی غزلیں دل چیز کیا ہے آپ میری جان لیجیے اور 'سینے میں جلن آنکھوں میں طوفان سا کیوں ہے: وغیرہ بہت مقبول ہوئیں۔

شیلندر: (۳۰/اگست ۱۹۲۳، راولپنڈی۔ ۱۴/دسمبر ۱۹۶۶ ممبئی) مشہور گیت: سہانا سفر ہے یہ موسم حسیں (مدھومتی) آوارہ ہوں، یا گردش میں ہوں آسمان کا تارہ ہوں (آوارہ) دل کی دھرتی کی کایا کانپ گیا آکاش (...) تو پیار کا ساگر ہے (سیما) او جانے والے ہو سکے تو لوٹ کے آنا (بندنی) یہاں کون ہے تیرا مسافر جائے گا کہاں (گائیڈ) دنیا بنانے والے کیا تیرے من میں سمائی (تیسری قسم)

صبا افغانی: میرے محبوب نہ جا (نور محل)

صفدر آہ سیتا پوری: دل جلتا ہے تو جلنے دے (پہلی نظر)

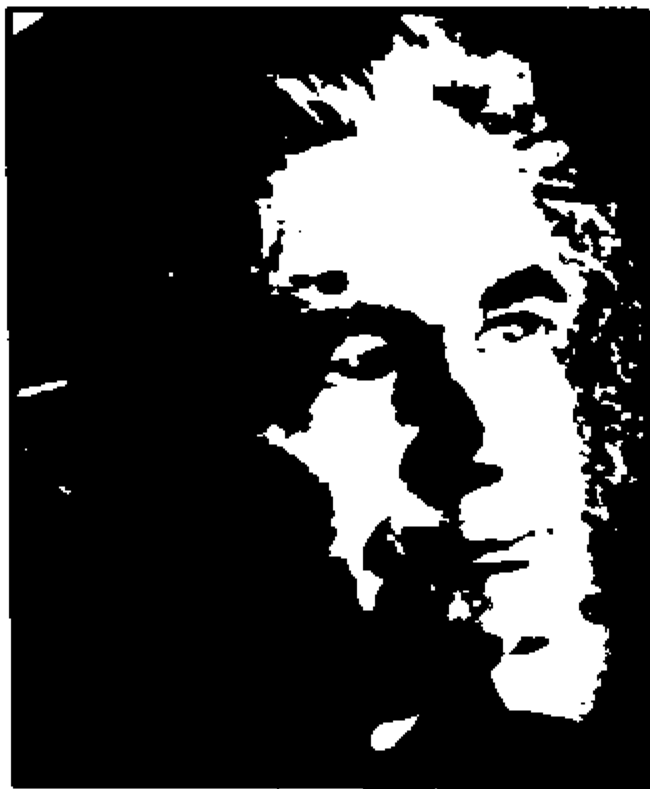
ضیا سرحدی: ولادت ۱۹۱۴، پشاور (صوبہ سرحد)، وفات: ۲۷/جنوری ۱۹۹۷۔ میڈم (فیشن) جاگیردار ۱۹۳۷، ہم تم اور وہ ۱۹۴۳، نادان ۱۹۴۵، یتیم ۱۹۴۷، انوکھا پیار ۱۹۴۸، امان ۱۹۴۲، دل کی دنیا ۱۹۴۹، کھیل ۱۹۵۰۔

ظفر گورکھپوری: چاند اپنا سفر ختم کرتا رہا (شمع)

عادل، وشوا متر عادل: (کہانی نویس، کالم نویس اور گیت کار) پیدائش: ۲۱/دسمبر ۱۹۱۹۔ چار سال تک ریڈیو سیلون سے وابستہ رہنے کے ساتھ ساتھ انڈین پیپلز تھیٹر سے بھی منسلک رہے اور پبلی بار گشن پنچولی فلم ہدایت کے بابر کے گیت لکھے۔ ہم لوگ، منوہر، چاندنی، رانی، باؤس نمبر ۴۴، جو رو کا بھائی، آواز، چار مینار نامی فلموں یا اسکرپٹ یا گیت لکھے۔ ۳/مارچ ۱۹۶۵ کو بمبئی میں وفات۔

عزیز کشمیری: ارارارارا پالا کی رکھنا (ایک تھی لڑکی)

علی سردار جعفری: سردار جعفری کی ولادت ۲۹/نومبر ۱۹۱۳ کو بمقام بلرام پور ضلع گونڈہ (اتر پردیش) میں ہوئی۔ پہلے گھر پر مولوی صاحب سے اردو فارسی پڑھی پھر ۱۹۳۳ء میں ہائی اسکول کی تعلیم مکمل کر کے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں داخلہ لیا لیکن ایک ہڑتال میں حصہ لینے کے کارن انھیں یونیورسٹی چھوڑنا پڑا پھر دہلی کالج میں داخلہ لینا پڑا اور پھر یہیں سے بی اے کی ڈگری حاصل کی۔ بی اے کرنے کے بعد انھوں نے لکھنؤ یونیورسٹی میں ایل ایل بی کرنے کے لیے داخلہ لیا مگر ایک سال بعد اسے چھوڑ کر انگریزی ایم اے کرنے کی ٹھانی مگر آخری سال کے امتحان سے پیشتر دوسری جنگ عظیم چھڑ جانے پر انھیں گرفتار کر لیا گیا اور پڑھائی مکمل نہ کر سکے۔ بعد ازاں ۱۹۸۶ء میں انھیں مسلم یونیورسٹی نے اعزازی ڈی لٹ کی ڈگری سے نوازا۔



۱۹۴۲ء میں وہ بمبئی چلے گئے اور پھر وہیں سلطانہ جعفری سے، جن سے اُن کا معاشقہ چل رہا تھا، شادی کر لی اور آخر یہیں یکم اگست ۲۰۰۰ء کو اُن کی وفات ہوگئی۔

اُن کی اہم تخلیقات ہیں: **شعری مجموعے**: پرواز (۱۹۴۳ء)، نئی دنیا کو سلام (طویل تمثیلی نظم ۱۹۴۸ء)، خون کی لکیر (۱۹۴۹ء)، امن کا ستارہ (۱۹۵۰ء)، ایشیا جاگ اُٹھا (۱۹۵۱ء)، پتھر کی دیوار (۱۹۵۳ء)، ایک خواب اور (۱۹۶۴ء)، پیراہن شرر (۱۹۶۵ء)، لہو پکارتا ہے (۱۹۷۷ء)۔

نثر: منزل (افسانے ۱۹۳۸ء)، یہ خون کس کا ہے؟ (ڈرامہ ۱۹۴۳ء)، پیکار (ڈرامہ ۱۹۴۴ء)، ترقی پسند ادب (۱۹۵۳ء)، لکھنؤ کی پانچ راتیں (۱۹۶۵ء)، اقبال شناسی (۱۹۶۹ء)، پیغمبران سخن (کبیر، میر، اقبال) اس کے علاوہ انھوں نے ہندی اور انگریزی میں بھی کئی کتابوں کی تصنیف و تالیف کی۔ انہوں نے کئی ڈاکومینٹری فلمیں اور ٹی وی سیریل بنائے جن میں بولواے سنت کبیر، لٹریری اسٹارم، کہکشاں، سابرمتی آشرم۔ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ دھرتی کے لال، پردیسی وغیرہ کے گیت بھی لکھے۔

اُن کی جلیل القدر ادبی خدمات کے لیے اُنھیں اقبال سمان (۱۹۸۶ء)، سجاد ظہیر ایوارڈ (۱۹۷۷ء)، سوویت لینڈ نہرو ایوارڈ (۱۹۶۵ء)، میر تقی میر ایوارڈ (۱۹۹۲)، کماران آشن ایوارڈ (۱۹۸۲ء)، خصوصی تمغۂ ماسکو (۱۹۸۴ء)، مولانا آزاد ایوارڈ (۱۹۹۴ء) اقبال میڈل، پاکستان (۱۹۷۸ء) پدم شری (۱۹۶۷ء) جواہر لال نہرو فیلوشپ ۶۹۔۱۹۶۸ء اور گیان پیٹھ ایوارڈ کے علاوہ اور بھی متعدد انعامات و اعزازات سے نوازا گیا۔

غافل ہرنالوی: شاعر غافل ہرنالوی ضلع راولپنڈی کے گاؤں ہرنال سے تعلق رکھتے تھے۔ فلموں کے گیت لکھنے کی غرض سے ممبئی پہنچے اور کئی فلموں کے گیت لکھے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ہی مشہور پلے بیک سنگر محمد رفیع کو فلمی دنیا سے متعارف کرایا تھا۔ فلم پرکھ (۱۹۴۴) باورا، افسانہ (۱۹۵۱ء)، [illegible] بسنت (۱۹۵۵ء)، وغیرہ کے گیت لکھے: کچھ مشہور گیت ہیں: آئے دن پیار کے ... بجنا ... دنیا ہے یہ پیار کی دنیا...... شمع جلتی ہے تو پروانے چلے آتے ہیں ... کسی کے گھر شہنائی باجے۔ وغیرہ۔

غالب: دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے۔ (مرزا غالب) رہے بس کہ ہر اک ان کے اشارے میں نشاں اور غالب

فاروق قیصر: دل لوٹنے والے جادوگر، اب میں نے تجھے پہچان لیا: (مداری) گوروں کی نہ کالوں کی، دنیا ہے دل والوں کی، (ڈسکو ڈانسر)

فانی: زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے

قتیل شفائی: قتیل شفائی کا اصلی نام اورنگ زیب خان تھا اور اُن کی ولادت ۲۴ رنومبر ۱۹۱۹ء کو



صوبہ سرحد کے شہر ہری پور ہزارہ میں ہوئی تھی۔انھوں نے ابتدائی تعلیم گورنمنٹ ہائی اسکول میں حاصل کی اور ۱۹۳۲ء میں صرف تیرہ سال کی عمر میں شعر و سخن کی وادی میں قدم رکھا۔ شروع شروع میں وہ شاعری کے علاوہ نثر بھی لکھتے رہے اور ان کے کئی افسانے 'سنگ میل' اور 'ساقی' ایسے موقر رسائل میں شائع ہوتے رہے مگر بعد ازاں انھوں نے نثر میں لکھنے کے بجائے شاعری کو ہی اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا اور ایسی شہرت پائی کہ ان کا نام پورے برصغیر میں گونجنے لگا۔وہ چند مدت مشہور ادبی ماہنامہ 'ادب لطیف' کے ایڈیٹر بھی رہے۔۱۹۴۸ء میں انھوں نے پہلی بار 'تیری یاد' کے فلمی گیت لکھے۔ان کے گیتوں کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ برصغیر کے سبھی گلوکاروں نے ان کے کلام کو اپنی آواز میں پیش کیا ہے۔ درحقیقت قتیل برصغیر کے ان ممتاز شعراء میں سے ہیں جو اپنے منفرد اسلوب سے پہچانے جاتے ہیں اور جنھوں نے غزلوں کے علاوہ یادگار گیت بھی لکھے جن میں سے کئی فلموں میں بھی پیش کیے گئے اور جنھیں بڑی شہرت ملی۔

۱۹۴۲ء میں ان کا پہلا شعری مجموعہ 'مغرب زدہ' شائع ہوا۔ابتدائی گیتوں کا مجموعہ 'ہریالی' ۱۹۴۴ء میں منظر عام پر آیا۔ان کے علاوہ ان کے مجموعوں میں گجر (۱۹۵۰ء)، جلترنگ (۱۹۵۵ء)، روزن (۱۹۵۵ء)، جھومر (گیتوں کا مجموعہ ۱۹۶۰ء)، مطرب (یک موضوعاتی نظمیں، ۱۹۶۵ء)، گلال (نظمیں، غزلیں)، رنگ رس (گیتوں کا مجموعہ)، آموختہ، گفتگو، ابابیل، پیراہن، برگد، سمندر میں سیڑھی، چھتنار اور گفتگو خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ہندو پاک کی کئی فلموں کے نغمے لکھے۔جیسے، تیری یاد، گمنام، گلنار، انتظار، نیلا، شیریں فرہاد، اوزار، بڑے دل والا، سر، ناراض، تمنا ناجائز، یہ ہے ممبئی میری جان، وقت ہمارا ہے وغیرہ۔

قتیل ہندوپاک دوستی کی علامت سمجھے جاتے تھے،انھیں کئی ملکی اور غیر ملکی انعامات و اعزازت سے نوازا گیا تھا نیز کئی رسائل و جرائد نے ان پر خصوصی نمبر شائع کیے اور ان کے اعزاز میں جشن منعقد کیے۔

موت سے پیشتر دوبار ان پر فالج کا حملہ ہوا اور وہ صاحب فراش ہوگئے۔آخر ۱۱ر جولائی ۲۰۰۱ء کو لاہور میں ان کی وفات ہوئی اور دوسرے دن انھیں سپرد لحد کردیا گیا۔

قمر جلال آبادی: معروف شاعر اور فلمی گیت کار قمر جلال آبادی کی ولادت ۱۹۱۹ء میں جلال آباد (امرتسر) میں ہوئی اور والد نے ان کا نام اوم پرکاش بھنڈاری رکھا۔وہ لگ بھگ چار دہوں تک فلمی

گیت لکھتے رہے۔انہوں نے پہلے پہل فلم ''زمیندار'' کے نغمے لکھے اور اُن کے گیت'' دنیا میں غریبوں کو آرام نہیں ملتا' کی ملک بھر میں دھوم مچ گئی۔ وہ لگ بھگ چار دہوں تک فلمی دنیا سے وابستہ رہے اور انہوں نے چھلیا، ہوڑہ برج، پھاگن، بڑی بہن، ۔ پیار کی جیت، آنسو وغیرہ متعدد فلموں کے گیت لکھے۔کوئی روکے اسے اور یہ کہہ دے، آیئے مہربان، یہ کیسی عجب داستاں ہوگئی (رستم سہراب) میں تو اک خواب ہوں، اس خواب سے تو پیار نہ کر (ہمالہ کی گود میں) ڈم ڈم ڈیگا ڈیگا، موسم بھیگا بھیگا۔ تیری راہوں میں کھڑے ہیں دل تھام کے، وغیرہ ان کے مقبول گیت ہیں۔ ۹ / جنوری ۲۰۰۳ء کو ان کی وفات ہوگئی۔

کلونت جانی: دل کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے مسکرا کے چل دیئے (داوا)

کیدار شرما: تیری دنیا میں جی لگتا نہیں واپس بلا لے: باورے نین کبھی تنہائیوں میں یوں تمہارے یاد آئے گی۔ وغیرہ (تفصیل کے لئے 'فلمی ہستیوں کا مختصر تعارف' میں کیدار شرما دیکھیے)

کیف عرفانی: مشہور فلمی نغمہ نویس کیف عرفانی کا اصلی نام موہن مورتی تھا۔ یکم ستمبر ۱۹۶۵ء کو دہلی میں بعارضہ دق ان کی وفات ہوگئی۔ انہیں مکیش کی فلم 'ماہار' کے گیتوں سے مقبولیت ملی، ان کے گیتوں میں کہاں ہو تم ذرا آواز دو ہم یاد کرتے ہیں (ماہار) تارے گن گن بیتی ساری رات (دھن) محبت کی قسمت بنانے سے پہلے: (ماہار) چاندی محبوبہ ہوگی، کب میں نے ایسا سوچا تھا (ہمالہ کی گود میں)۔ ماہار، سنگم، دھن، ہمالہ کی گود میں وغیرہ کئی فلموں کے گیت لکھے۔

کیف بھوپالی: مشاعروں کے مقبول شاعر کیف بھوپالی کو کمال امروہوی کی فلم پاکیزہ کے گیت ''چلو دلدار چلو، چاند کے پار چلو' نے بڑی شہرت بخشی۔ انہوں نے پاکیزہ، رضیہ سلطان وغیرہ کئی فلموں کے نغمے لکھے۔



کیفی اعظمی: کیفی اعظمی ۲۱ رفروری ۱۹۲۳ء کو ('تذکرہ ماہ و سال' از مالک رام کے مطابق پیدائش ۱۴ رجنوری ۱۹۲۴ء اور 'ترقی پسند ادب کے معمار' مرتبہ قمر رئیس میں علی احمد فاطمی کے مضمون کے مطابق ۱۰ رجنوری ۱۹۲۰ء) مکھواں ضلع اعظم گڑھ کے ایک شیعہ گھرانے میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد فتح حسین رضوی نے اُن کا نام سید اطہر حسین رضوی رکھا، مگر جب انھوں نے شاعری کی ابتدا کی تو جوہر تخلص اختیار کیا لیکن جلد ہی یہ تخلص بدل کر کیفی اعظمی کے نام سے شاعری

کرنے لگے اور بڑی شہرت پائی۔

کیفی نے گیارہ سال کی عمر میں شاعری کی ابتدا کی۔ پہلی غزل 'اتنا تو زندگی میں کسی کی خلل پڑے کہیں جسے بعد ازاں بیگم اختر نے گایا تھا۔ اُنیس برس کی عمر میں کیمونسٹ پارٹی کی رکنیت اختیار کی۔ اور ۱۹۴۳ء میں ممبئی آکر بحیثیت ہول ٹائمر پارٹی کا کام انجام دینے لگے پارٹی کے ترجمان اخبار 'قومی جنگ' کے ادارتی شعبے سے بھی وابستہ رہے۔ پہلے پہل شاہد لطیف کی فلم 'بزدل' کے گیت لکھے اور اس کے ساتھ فلمی گیت نگار کی حیثیت سے اُن کی اتنی شہرت ہوئی کہ انھوں نے بے شمار فلموں کے گیت لکھے جن میں 'بہار و میرا جیون تو سنوارو، وقت نے کیا کیا حسیں ستم، یہ دنیا یہ محفل، تم اتنا جو مسکرا رہے ہو، میری آواز سنو، یوں ہی کوئی مل گیا تھا سرِ شام چلتے چلتے' جانے کیا ڈھونڈتی رہتی ہیں یہ آنکھیں (شعلہ اور شبنم) ہو کے مجبور مجھے اُس نے بھلایا ہوگا (حقیقت) یہ دنیا یہ محفل۔ میرے کام کی نہیں (ہیر رانجھا) وغیرہ بہت مقبول ہوئے۔ فلمی گیتوں کے علاوہ انھوں نے دو فلموں 'لالہ رخ' اور 'ہیر رانجھا' کی کہانیاں بھی لکھیں۔

کیفی نے دبیر کامل، عالم (لکھنؤ یونیورسٹی) منشی کامل اعلیٰ قابل (الہ آباد یونیورسٹی) کی سندیں حاصل کیں۔ ۱۹۴۵ء میں ان کی شوکت (اعظمی) سے حیدرآباد میں شادی ہوئی۔ جس سے اُن کے ہاں ایک بیٹی شبانہ اعظمی پیدا ہوئی جس نے فلموں میں بڑا نام کمایا اور ایک بیٹا بابا اعظمی جو فلموں میں کیمرہ مین کی حیثیت سے اچھی شہرت رکھتا ہے۔ ان کی تصانیف میں شعری مجموعے جھنکار (۱۹۴۱ء)، آخرِ شب (۱۹۴۸ء)، آوارہ سجدے (۱۹۷۴ء) ابلیس کی مجلسِ شوریٰ (طویل نظم)، سرمایہ اور ایک طویل خاکے پر مبنی کتاب 'ساحر لدھیانوی' شامل ہے۔

اُن کی ادبی خدمات کے اعتراف میں انھیں کئی انعامات و اعزازات سے نوازا گیا۔



۱۰ مئی ۲۰۰۲ء کو طویل علالت کے بعد ممبئی میں اُن کی وفات ہوئی۔

گلزار : مشہور شاعر، فلم ڈائرکٹر اور اسکرین رائٹر گلزار کا اصلی نام سمپورن سنگھ کالرا ہے اور وہ ۱۸ راگست ۱۹۳۴ء کو دینا ضلع جہلم میں پیدا ہوئے۔ تقسیم کے بعد دہلی آگئے۔ پھر فلموں میں کام کرنے کی غرض سے ممبئی چلے گئے اور کچھ مدت وہاں کار مکینک کی حیثیت سے بھی کام کرتے رہے۔ پھر بمل رائے کے اسسٹنٹ ڈائرکٹر بن گئے اور کچھ مدت بعد ڈائرکٹر۔ ان کی ہدایت کردہ اہم فلمیں ہیں: میرے اپنے، پریچے، کوشش، اچانک، خوشبو، موسم، آندھی، کنارہ، کتاب، انگور، نمکین، میرا، اجازت، لیکن، ہو تو ہو وغیرہ۔ انہوں نے متعدد فلموں کے گیت اور

اسکرین پلے لکھے۔انہوں نے بندنی، آنند، آشیرواد،نمک حرام، خاموشی، گول مال، خوبصورت، معصوم، غلامی، مایا میم صاحب، ساتھیا، زنجیر، ممو، آستھا، گھروندا، اور پنجر وغیرہ متعدد فلموں کے گیت لکھے۔

۲۰۰۲ء میں انہیں ساہتیہ اکادمی ایوارڈ ملا۔ اور ۲۰۰۴ء میں پدم بھوشن سے نوازے گئے۔۲۰۱۳ میں انہیں آسام یونیورسٹی کا چانسلر مقرر کیا گیا۔

گوہر کانپوری: آجلتا ہے جیا میرا بھیگی بھیگی راتوں میں (زخمی)

گلشن باورا: ان کا اصلی نام گلشن مہتہ تھا لیکن ڈسٹری بیوٹر شانتی بھائی نے انہیں باورا کا نام دیا اور وہ فلمی دنیا میں گلشن باورا بن گئے۔وہ ۱۲ اراپریل ۱۹۳۷ء کو لاہور کے نزدیک قصبہ کو شیخو پورہ (پاکستان) میں پیدا ہوئے۔تقسیم کے دوران فسادات میں ان کے والدین مارے گئے۔وہ چھ سال کی عمر میں ہی شاعری کرنے لگے تھے۔وہ ابتدائی دور میں ریلوے میں ملازم رہے اور پھر فلمی دنیا سے وابستہ ہو گئے۔ پہلی بار ۱۹۵۹ء میں فلم چندر سین کے لئے گیت لکھے اور اپنے ۴۹ سالہ کیرئیر میں انہوں نے لگ بھگ ڈھائی سو گیت لکھے۔موسیقار آر ڈی برمن اور آنند جی کلیان جی کے ساتھ ان کی خوب نبھی اور انہوں نے بلا ترتیب ۱۵۰ اور ۶۹ فلموں کے نغمے لکھے اور وہ اپنے دور کے مہنگے گیت کاروں میں شمار ہوتے تھے۔ انہیں فلم ''اپکار'' کے گیت 'میرے دیش کی دھرتی سونا اگلے' اور یاری ہے ایمان میرا (زنجیر) پر فلم فیئر ایوارڈ سے نوازا گیا۔انہوں نے ستا بازار، اپکار، زنجیر، ستے پہ ستہ، صنم تیری قسم، اگر تم نہ ہوتے، یہ وعدہ رہا، ہاتھ کی صفائی، رفو چکر۔کھیل کھیل میں، قسمیں وعدے، عدالت، دل تجھ کو دیا، وغیرہ کے لئے لگ بھگ اڑھائی سو گیت لکھے جن میں کئی گیت بڑے مقبول ہوئے جیسے اگر تم نہ ہوتے پینے والوں کو پینے کا بہانہ چاہیے......... آتی رہیں گی بہاریں...... یوں ہر موڑ پہ مل جائیں گے ہمسفر...... چاندی کی دیوار نہ توڑی، پیار بھرا دل توڑ دیا (وشواس) تم کو میرے دل نے پکارا بڑے ناز سے (رفو چکر) گر خدا مجھ سے کہے کچھ مانگ اے بندے میرے (زنجیر)

گوپال سنگھ نیپالی: (۱۱ اراگست ۱۹۱۱ء، بتیا، بہار۔ ۱۷ اراپریل ۱۹۶۳ء) ان کے کئی گیت جیسے کنکر کنکر سے میں پوچھوں شنکر میرا کہاں ہے، بابل تم بگیا کے ترو ور (دھرمے پتنی) بڑے مقبول ہوئے۔انہوں نے نرسی بھگت، دھرم پتنی، بیگم، نوراتری، گجرے، نئی راہیں، ناگ پنچمی وغیرہ متعدد فلموں کے گیت لکھے۔

مایا (گووند): تصویر تیری دل میں جس دن سے اُتاری ہے (مایا) دیوانہ ہوں پیار کا (قید)

مجاز لکھنوی: شہر کی رات اور میں ناشاد و ناکارہ پھروں: (ٹھوکر)

مجروح سلطان پوری:

مجروح کا اصلی نام تھا محمد حسین خان (تذکرہ ماہ و سال از مالک رام میں نام اسرار حسن خان دیا ہوا



ہے)اور اُن کی ولادت ۱۷؍جون ۱۹۲۰ بروز جمعہ صبح چار بجے ہوئی۔ اُن کے والد پولیس میں سب انسپکٹر تھے۔ وہ فارسی عربی اور طب یونانی کی تعلیم کے بعد اپنا مطب کھول کر بحیثیت طبیب پریکٹس کرنے لگے۔ اسی دوران اُن کی شاعری کا شہرہ ہو گیا اور وہ مشاعروں کے مقبول شاعر بن گئے۔ ۱۹۴۴ء میں وہ ایک مشاعرے میں شرکت کے لیے ممبئی گئے اور پھر فلمی دنیا سے وابستہ ہو کر وہیں کے ہو کر رہ گئے۔

۲۴ رمئی ۲۰۰۰ کی شب کولیلا وتی ہسپتال ممبئی میں پھیپھڑے میں تکلیف کی وجہ سے اُن کی وفات ہوئی۔

۱۹۴۶ء میں فلم 'شاہجہاں' میں ان کے نغمے اتنے مقبول ہوئے کہ گلی گلی میں گونجنے لگے اور پھر فلمی دنیا انھیں ایسی راس آئی کی زندگی بھر کے لیے اُس سے منسلک ہو گئے اور لگ بھگ ساڑھے تین سو فلموں کے لیے ۲۲۵۰ گیت لکھے۔ جن میں پاکیزہ، انداز، ساتھی، دھرم کانٹا، ابھیمان، چلتی کا نام گاڑی ہے، انامیکا، وغیرہ شامل ہیں۔ انھیں گیت نگار فلم فیئر ایوارڈ تو ملا ہی، حکومت ہند نے بھی انھیں سب سے بڑا فلمی اعزاز دادا صاحب پھالکے ایوارڈ عطا کیا۔ انھوں نے تاشقند، سمرقند، ماسکو، پیرس، لندن، امریکہ، کینیڈا، ماریشس وغیرہ کئی بیرونی ممالک میں جا کر بھی اپنی شاعری کی دھوم مچائی۔

مجروح نے تقریباً ساٹھ سال تک شعروادب کی خدمت کی اور ۱۹۵۶ء میں اُن کا پہلا مجموعہ کلام 'غزل' منظر عام پر آیا جن کے زائد از آدھ درجن ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ اُن کا شعری مجموعہ 'مشعل جاں' کے نام سے منظر عام پر آیا۔ وہ زندگی بھر جدو جہد کرتے رہے اور اپنے اصولوں کے لیے انھیں کچھ مدت قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنی پڑیں۔

انھیں اقبال سمان ایسے باوقار اعزاز کے علاوہ غالب ایوارڈ، میر تقی میر ایوارڈ، عالمی اُردو کانفرنس ایوارڈ، اُردو ہندی ساہتیہ ایوارڈ اور رائٹرز ایسوسی ایشن کا ایوارڈ بھی ملا۔ مہاراشٹر اُردو اکادمی نے انھیں ولی دکنی ایوارڈ دینے کا اعلان کیا لیکن بوجوہ انھوں نے لینے سے انکار کر دیا۔

مخدوم محی الدین: مخدوم کا خاندانی نام ابوسعید محمد محی الدین قادری تھا اور اُن کے بزرگوں کا وطن اعظم گڑھ (اُتر پردیش)۔ جہاں سے اُن کے جداعلی اورنگ زیب کے عہدِ حکومت میں مہم دکن میں اُن کے ساتھ گئے تھے اور پھر وہیں بس گئے۔ مخدوم کے والد غوث محی الدین تعلقہ اندول میں تحصیل کے محرر تھے۔ مخدوم ۴ رفروری ۱۹۰۸ء کو آندھرا پردیش کے ضلع میدک (سنگا ریڈی) میں



بمقام مستقر پیدا ہوئے۔ ابھی بمشکل چار سال کے ہی تھے کہ اُن کے والد کا بعمر اُنتیس تیس سال انتقال ہوگیا اور اُن کی پرورش و پرداخت کی ذمہ داری اُن کے چچا بشیر الدین صاحب پر آپڑی۔

گھر کا ماحول مذہبی ہونے کی وجہ سے اُن کی تعلیم کی ابتداء قرآن اور عربی سے ہوئی۔ انھوں نے ۱۹۳۳ء میں شاعری کا آغاز کیا اور ۱۹۳۷ء میں عثمانیہ یونیورسٹی سے ایم اے پاس کرنے کے بعد وہیں سٹی کالج میں پڑھانے لگے مگر جلد ہی سیاسی سرگرمیوں کی وجہ سے ملازمت سے ہاتھ دھونا پڑا۔

جب مخدوم نے ہوش سنبھالا تو انھوں نے برطانوی سامراج کے ظلم و ستم کو دیکھا اور ہندوستانیوں کی محرومیوں اور درد و کرب کو محسوس کیا۔ انھیں تحریر و تقریر دونوں پر یکساں عبور تھا لہٰذا وہ شاعر ہی نہیں چوٹی کے ٹریڈ یونین اور کمیونسٹ رہنما بھی بن گئے۔ وہ شاعری کے علاوہ عوامی لڑائیوں میں بھی برابر شریک ہوتے رہے۔ جیسا کہ 'جشنِ مخدوم' کی تقریب میں ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی کے ممتاز رہنما کامریڈ ڈانگے نے انھیں خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا تھا 'مخدوم شاعر انقلاب ہے مگر وہ رومانی شاعری سے بھی دامن نہیں بچاتا بلکہ اُس نے زندگی کی دونوں حقیقتوں کو اس طرح یکجا کر دیا ہے کہ انسانیت کے لیے بے پایاں محبت کو انقلاب کے مورچوں پر ڈٹ جانے کا حوصلہ ملتا ہے۔ مخدوم کی شاعری اتنی پُر اثر ہے کہ لاکھوں دلوں کی آواز بن گئی ہے۔

مخدوم کا شمار ٹریڈ یونین تحریک کے اہم رہنماؤں میں ہوتا ہے اور اس تحریک سے وابستہ ہونے کی وجہ سے انھوں نے یورپ کی کئی عالمی کانفرنسوں میں شرکت کی۔ ۱۹۵۶ء میں وہ پہلی بار آندھرا پردیش اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اور پھر زندگی بھر اس کے رکن رہے۔

مخدوم ترقی پسند تحریک کے اہم اراکین میں سے تھے اور وہ زندگی بھر اس سے وابستہ رہے۔ اُن کی تصانیف درج ذیل ہیں:

شعری مجموعے: (۱) سرخ سویرا (۲) گل تر (۳) بساطِ رقص

نثری تصانیف: (۱) ٹیگور اور اُن کی شاعری (۲) اُردو ڈرامہ ایم اے کا تحقیقی مقالہ (۳) منتخب مضامین۔ مطبوعہ مضامین انتخاب۔

مخدوم کبھی بھی فلمی دنیا سے وابستہ نہیں رہے لیکن ان کا کلام فلموں کی زینت بنتا رہا ہے۔ جیسے، بازار، گمن، اُس نے کہا تھا، بازار، چاچا وغیرہ میں۔ ان کے مقبول گیت ہے: پھر چھڑی رات،

بات پھولوں کی (بازار)، آپ کی یاد آتی رہی رات بھر (گمن) جانے والے سپاہی سے پوچھو (اُس نے کہا تھا) وغیرہ۔ ۲۵؍اگست کو نئی دہلی میں اُن کی وفات ہوگئی۔

مدھوک دینا ناتھ: دینا ناتھ مدھوک نے فلم رائٹر کی حیثیت سے اپنی فلمی زندگی کی ابتدا کی اور اتنے مشہور گیت کار بن گئے کہ انہیں لوگ شاعر اعظم کہنے لگے۔ بعد میں انہوں نے بہت سے فلمیں بھی بنائیں۔ اُن کے 'رتن' کے لکھے گانے بے حد مقبول ہوئے۔ (انکھیاں ملا کے جیا بھرما کے چلے نہیں جانا۔ رم جھم برسیں بادر وامست ہوائیں آئیں) کہا جاتا ہے کہ اس فلم کی دھنیں خود مدھوک صاحب نے تیار کی تھیں اور اس موسیقی کی کامیابی کی بدولت نوشاد صف اول کے موسیقار بن گئے اور وہ پچیس ہزار روپے کے معاوضہ مانگنے لگے۔ انہوں نے آئی بہار، داسی، بلوا منگل، خزانچی، بنجوگ، گونج، وغیرہ کئی فلموں کے گیت لکھنے کے علاوہ فلمیں بھی ڈائرکٹ کیں۔

مدھوک ۱۹۰۲ء میں بمقام گوجرانوالہ (پاکستان سے تھا) میں پیدا ہوئے اور ۱۹۸۰ء میں ممبئی میں انتقال کر گئے۔

منوج کمار: یار کپڑا شاندار ہے (پینٹر بابو)

مہدی علی خاں (راجہ): نغمہ نگار رمکالمہ نویس راجہ مہدی علی خاں ۲۳ر ستمبر ۱۹۱۵ء کو وزیر آباد (پنجاب، پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ بی اے تک تعلیم پائی۔ اور فلموں اور ادب میں بڑا نام پیدا کیا۔ ان کی ۲۰ کے قریب کتابیں چھپ چکی ہیں۔ فلموں سے منسلک ہونے سے پہلے آل انڈیا ریڈیو سے کہانی نویس اور مکالمہ نگار کی حیثیت سے وابستہ تھے۔ پہلے پہل "دو بھائی" (۱۹۴۶ء) کے گیت لکھے جو بڑے مقبول ہوئے (میرا سندر سپنا ٹوٹ گیا۔ اور۔ یاد کرو گے اک دن ہم کو یاد کرو گے) ان کی دیگر فلمیں ہیں۔ شہید ایکٹرس، مغرور، عزت، گماشتہ، شریمتی جی، مدہوش، اُستاد پیڈرو، ان پڑھ، وہ کون تھی، میرا سایہ، نیلا آکاش، دلہن ایک رات کی، نواب سراج الدولہ، نیا پیسہ، بے خبر،، وغیرہ۔

۲۹؍جولائی ۱۹۹۶ کو دورہ قلب سے ممبئی میں وفات ہوگئی۔

مہندر دہلوی: سُن میری لیلی

نخشب جارچوی: شاعر نخشب جارچوی تقسیم ملک سے پیشتر ملک میں بڑی شہرت رکھتے تھے اور وہ پہلے نغمہ نگار تھے جو بھاری رقم لے کے گیت لکھتے رہے۔۔ اور انہوں نے کئی فلموں کے گیت لکھے جن میں زینت کی قوالی" آہیں نہ بھریں شکوے نہ کئے" کو ملک گیر مقبولیت ملی۔ نخشب کا اصلی نام اختر عباس تھا اور وہ ۱۲؍جولائی ۱۹۱۸ کو ضلع بلند شہر (اترپردیش) کے قصبہ جارچہ میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۳ء میں وہ کنور مہندر سنگھ بیدی کا خط لے کر شانتا رام کے پاس پہنچے اور فلم "پربت پہ اپنا ڈیرا ہے" کے گیت لکھے لیکن

انہیں شہرت شوکت حسین رضوی کی فلم ''زینت میں لکھی قوالی'' آہیں نہ بھریں شکوے نہ کئے'' سے ملی۔ بعدازاں انہوں نے شوکت رضوی کی اگلی فلم 'جگنو' کے لئے گیت لکھے جن میں'' یہاں بدلہ وفا کا بے وفائی کے سوا کیا ہے'' بہت مقبول ہوا۔ ان کے علاوہ انہوں نے نغمہ، زندگی یا طوفان، نتیجہ، نمونہ، پارو، آئینے ،کھلاڑی اور کمرہ نمبر ۹ کے نغمے بھی لکھے۔ نشانہ رفتار اور نغمہ کو انہوں نے پروڈیوس اور ڈائرکٹ بھی کیا۔ نخشب ۱۹۶۰ء میں بمبئی کو خیر باد کہہ کر پاکستان چلے گئے اور وہاں انہوں نے فانوس، میخانہ وغیرہ کچھ فلمیں بنائیں اور نغمے بھی لکھے۔

۲۵ر اگست کو دل کا دورہ پڑنے سے کراچی میں ان کی وفات ہوگئی۔

ندا فاضلی : ندا فاضلی بھی فلمی گیت پیش کرنے والے اُردو کے ایک اہم شاعر ہیں۔ گو انہوں نے فلموں کے لئے کم گیت لکھے مگر بہت مقبول ہوئے۔ اس رات کی صبح نہیں، سرفروش، رضیہ سلطان، یاترا



نُر۔ آپ ایسے تو نہ تھے، آہستہ آہستہ، دولت وغیرہ کئی فلموں کے گیت لکھے۔ ان کے مقبول گیتوں میں'' کبھی کسی کو مکمل جہاں نہیں (آہستہ آہستہ) سنو اک بات بولو کیا (ناخدا) آنکھیں دل کی زبان ہوتی ہیں، شامل ہیں۔ اُن کا اصل نام مقتدا حسن فاضلی تھا مگر شاعری میں انہوں نے ندا فاضلی کا نام اختیار کیا۔ ان کی تصانیف میں لفظوں کے پُل، مور ناچ، آنکھ اور خواب کے درمیان، دنیا ایک کھلونا ہے، سفر میں دھوپ تو ہوگی، کھویا سا کچھ (شعری مجموعے) ملاقاتیں (خاکے) اور دیواروں کے بیچ (خودنوشت) شامل ہیں۔ ان کی ادبی خدمات پر ساہتیہ اکادمی ایوارڈ کے علاوہ انہیں اسٹار اسکرین ایوارڈ برائے بہترین نغمہ نگاری فلم نُر (۲۰۰۳ء) اور اسی فلم کے لئے سنیما مووی ایوارڈ، نیز ساہتیہ پریشد ایوارڈ بھوپال، اور مہاراشٹر اردو اکادمی کے اعزازات عطا کئے گئے۔

نریندر شرما: یشومتی میا سے بولے نند لالہ (ستیم شوم سندرم)۔

نقش لائلپوری : شاعر ر مکالمہ نویس نقش لائل پوری کا نام ہے جسونت رائے۔ ۲۴ر فروری ۱۹۲۸ء کو لائل پور (حال فیصل آباد پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ پہلی فلم جلوتھی۔ انہوں نے متعدد فلموں کے گیت رمکالمے لکھے جیسے پینشنر، گھمنڈ، تین سردار، مست قلندر، دیوالی کی رات، رقاصہ، باز بہادر، چیتنا، کال گرل، درد وغیرہ۔ مشہور گیت: تمہارے لئے میں تو ہر موڑ پر تجھ کو دوں گا صدا (چیتنا) اُلفت کی زمانے میں ہر رسم کو ٹھکراؤ (کال گرل) اہل دل یوں بھی نبھا لیتے ہیں (درد)

نواب آرزو: میرے سپنوں کی رانی او بلے بلے بلے، اے بڑا ناز ی رہا اس کو سمجھانا (ششھ)

نور لکھنوی: محبت ہی نہ جو سمجھے، وہ ظالم پیار کیا جانے: پرچھائیں خوشی اچھی ہے نہ ملال اچھا ہے: صبح کا تارا ذرا او جانے والے، رخ سے آنچل کو ہٹا دینا: صبح کا تارہ

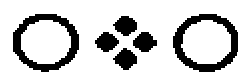
نیانی شرما: تیری تصویر بھی تم جیسی حسیں ہے لیکن (کنارے کنارے) دیکھ لی تیری خدائی، بس میرا دل بھر گیا (کنارے کنارے)

نیرج: خوشی جس نے کھوجی وہ دھن لے کے لوٹا (چا چا چا) سو پن جھرے پھول سے، میت چبھے شول سے) لکھے جو خط مجھے، وہ تیری یاد میں (کنیادان) کال کا پہیہ، گھومے بھیا (چندا اور بجلی) پھولوں کے رنگ سے، دل کی قلم سے (پریم پجاری) کیسے کہیں ہم پیار نے ہم کو کیا کیا کھیل دکھائے (شرمیلی) دھیرے سا جانا کھٹیا میں او کھٹمل (چھپا رستم)

وٹھل بھائی پٹیل: جھوٹ بولے کوا کاٹے (بابی)

ورما ملک: راج تلک، فقیرا، مان گئے استاد، سنیاسی، ان ہونی، چوری میرا نام، کسوٹی، روٹی کپڑا اور مکان نہ عزت کی چنتا، نہ فکر کوئی ایمان کی (بے ایمان) دو بے چارے، بنا سہارے، دیکھو پوچھ پوچھ کر ہارے (وکٹوریہ نمبر ۲۰۳)، چل سنیاسی مندر میں (سنیاسی)

یوگیش: چھوٹی سی بات، کہیں دور جب دن ڈھل جائے (آنند) رجنی گندھا پھول تمہارے مہکے یونہی جیون میں (رجنی گندھا)



چند اہم فلمیں

امراؤ جان: (۱۹۸۱ء) مرزا محمد ہادی رسوا کے شہرہ آفاق، اُردو ناول امراؤ جان ادا پر مبنی فلم۔

ہدایت کار رفلمساز: مظفر علی

اداکار: ریکھا (امیرن)، فاروق شیخ (نواب، سلطا) نصیر الدین جاگیردار (مولوی)، شوکت کیفی (خانم جان) بھارت بھوشن (خان صاحب) ستیش شاہ (داروغہ دلاور) سیما سیتھو (ننھی امیرن)



موسیقی: خیام

نغمہ نگار: شہریار

رننگ ٹائم: ۱۴۵

موسیقار: خیام

تصویر کشی: پروین بھٹ

اسکرین پلے: شمع زیدی

زبان: اُردو

مرزا محمد ہادی رسوا (۱۹۳۱۔۱۸۵۷ء) کا شہرآفاق اُردو ناول ''امراؤ جان ادا پہلی بار ۱۸۹۰ء میں منشی گلاب سنگھ اینڈ سنز لکھنؤ نے شائع کیا تھا اور ۱۹۷۰ء میں خوشونت سنگھ اور ایم اے حسینی کا کیا گیا انگریزی ترجمہ منظر عام پر آیا تھا۔ اس معرکتہ الآرا ناول کو اُردو میں کلاسیک کا درجہ حاصل ہے اور اس پر کئی بار فلمیں بن چکی ہیں۔ اور کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ ایک زندہ کردار ہے جسے رسوا نے اپنے ناول کا مرکز بنایا مگر کچھ محقق اس سے اتفاق نہیں کرتے۔ اس ناول سے پیشتر رسوا نے اسے اپنے ادھورے ناول ''افشائے راز'' میں بھی پیش کیا تھا مگر وہ امراؤ جان ادا کے مہذب کردار سے بہت مختلف تھا۔ اس زمانے

کے برطانوی ریکارڈ میں فضل علی نام کا ڈاکو موجود تھا اور یہ بھی اس دور کی دستاویز میں درج ہے کہ لکھنؤ کی ایک طوائف عزیزن بائی کا بیان ہے کہ اس نے مجرا رگانا امراؤ جان ادا سے سیکھا تھا۔

اس فلم کی مختصر کہانی یوں ہے کہ فیض آباد کے ایک شریف گھرانے کی معصوم بچی (سیما سیتھیو) کو ۱۸۴۰ء کے قریب اس کے باپ سے دشمنی رکھنے والا ایک پڑوسی دلاور خاں (ستیش شاہ) اغوا کر کے لکھنؤ کی ایک طوائف خانم جان (شوکت کیفی) کو بیچ دیتا ہے۔ بعد ازاں وہ رقص و سرود کی تعلیم پا کر حسین و جمیل طوائف امراؤ جان (ریکھا) بن جاتی ہے اور پنی سریلی آواز سے محفلوں کو مسحور کرتی ہے۔ وہ ایک اچھی شاعرہ بھی ہے۔ عالمِ شباب میں اسے نواب (فاروق شیخ) سے عشق ہو جاتا ہے لیکن وہ اپنے گھر والوں کی مرضی کے خلاف اس سے شادی نہیں کرتا اور بیچاری امراؤ کا دل ٹوٹ جاتا ہے۔

بعد ازاں وہ ڈاکوؤں کے سردار فیض علی (راج ببر) کے عشق میں مبتلا ہو جاتی ہے اور اس سے شادی کرنے کے ارادے سے اس کے ساتھ بھاگ جاتی ہے مگر ڈاکو پولیس سے تصادم میں مارا جاتا ہے اور وہ پھر تنہائی اور مایوسی سے دوچار ہوتی ہے۔ بعد ازاں جب انگریز لکھنؤ پر قابض ہو جاتے ہیں تو وہ وہاں سے دوسرے لوگوں کی طرح شہر چھوڑ دیتی ہے اور اتفاق سے اسی قصبے فیض آباد پہنچ جاتی ہے اور اپنے گھر کو پہچان لیتی ہے۔ اسے دیکھ کر اس کی ماں بڑی خوش ہوتی ہے مگر اس کا بھائی اسے قبول نہیں کرتا اور وہ ایک بار پھر مایوسی کے عالم میں لکھنؤ آ کر رقص و شاعری کے ماحول میں زندگی بسر کرتی ہے۔

اُردو کے اس شاہکار ناول پر مبنی اس یادگار فلم کے پروڈیوسر اور ہدایت کار مظفر علی سید ہیں جسے آج ہماری فلموں میں ایک کلاسیکل حیثیت ہو چکی ہے۔ اس کا اسکرپٹ مظفر علی، جاوید صدیقی اور شمع زیدی کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے اور اس کے گانے مشہور اُردو شاعر شہر یار کے تحریر کردہ ہیں۔ جنہیں عوام آج بھی سُن کر جھوم جھوم اُٹھتے ہیں اور آج بھی ہمارے کانوں میں اپنا رس گھولتے رہتے ہیں جیسے...... دل چیز کیا ہے آپ میری جان لیجیے...... ان آنکھوں کی مستی میں...... جب بھی ملتی ہے...... جستجو جس کی تھی...... یہ کون سی جگہ ہے...... جھولا کنے ڈالا...... اور کاہے کو بیاہی بدیس سکھی بابل مورے۔ آخر الذکر گیت حضرت امیر خسرو کی دین ہے جو صدیوں سے گایا جا رہا ہے مگر اس کی مہک آج بھی ختم نہیں ہوئی۔ اور شاید کبھی ہو گی بھی نہیں۔

اس فلم کی اہمیت و افادیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۹۸۱ء میں اسے چار نیشنل ایوارڈ سے نوازا گیا تھا جو کم ہی دیکھنے میں آیا ہے۔۔ اس فلم کی بدولت بہترین اداکاری کا ریکھا کو، بہترین موسیقی کا خیام کو، بہترین پلے بیک سنگر کا آشا بھونسلے کو اور بہترین آرٹ ڈائرکشن کا منظور کو ایوارڈ عطا کیا گیا تھا۔ اسے فلم فیئر کی جانب سے بھی دو ایوارڈ دئے گئے تھے ایک بہترین ڈائرکشن پر مظفر علی کو

اور بہترین موسیقی پر خیام کو۔اس کے علاوہ اسے اور بھی اعزازات سے نوازا گیا تھا۔

اس اس ناول پر مبنی کئی فلمیں بن چکی ہیں۔ ۱۹۵۸ء میں ایس ایم یوسف نے اسے "مہندی" کے نام سے فلمایا تھا جس میں ہیروئن جے شری تھیں اور ہیرو اجیت جو بعد میں ہندستانی سنیما میں ویلن کی حیثیت سے اُبھرے۔مگر اس فلم نے کوئی اچھا تاثر نہیں چھوڑا اور جے شری کی اداکاری میں بھی کوئی خاص دم نہیں تھا۔ پھر ۱۹۷۲ء میں پاکستان میں بھی ایک فلم اسی نام سے بنی تھی جسے حسن طارق نے ڈائرکٹ کیا تھا اور جس میں رانی اور شاہد اہم اداکار تھے۔مظفر علی کی فلم کے بعد جے پی دتا نے بھی امراؤ جان بنائی مگر مظفر علی کی فلم کا کچھ ایسا جادو تھا کہ اس میں یہ فلم اچھی ہونے کے باجود وہ تاثر نہ پیدا کرسکی جو کہ مظفر علی کی فلم میں تھا حالانکہ اس کی ڈائرکشن اور موسیقی بھی قابلِ تعریف تھی اور اس میں ایشوریہ رائے نے امراؤ جان کا رول بخوبی ادا کیا تھا مگر وہ بات نہ بن سکی جو ریکھا والی امراؤ جان کی تھی۔۲۰۰۳ء میں پاکستان میں جیو ٹی وی نے امراؤ جان ادا کو سیریل کی شکل میں پیش کیا جو بہت ہی کامیاب سیریل ثابت ہوا۔اسے رانا شیخ نے ڈائرکٹ کیا تھا اور اس کی کہانی کی اسکرپٹ معروف شاعرہ زہرہ نگاہ کی تحریر کردہ تھی۔

تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ مظفر علی کی امراؤ جان ان سب پر سبقت لے گئی تھی اور اس کی چہار جانب تعریف کی گئی تھی حالانکہ باکس آفس پر اسے زیادہ کامیابی نہیں ملی مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ اب اس فلم کو کلاسیک کا درجہ حاصل ہو گیا اور ہندوستانی سنیما کی تاریخ میں اسے سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے۔

پاکیزہ:



ہدایت کار رفلمساز رمصنف: کمال امروہوی

موسیقار: غلام محمد رنوشاد

تصویرکشی: جوزف ورچنگ(Josef Wirsching)

اداکار: مینا کماری (صاحب جان رنرگس)، راجکمار (سلیم)، اشوک کمار، (شہاب الدین) وینا (نواب جان) سپرو (حکیم صاحب) نادرہ (گوہر جان)

ایڈیٹنگ: ڈی این پال

زبان: اُردو

ٹائم: ۱۲۶ منٹ

لکھنؤ کی طوائف نرگس (مینا کماری) سے نواب شہاب الدین (اشوک کمار) کا والہانہ عشق تھا مگر وہ اپنے خاندان کی مرضی کے خلاف اس سے شادی نہیں کر پاتے۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ ایک قبرستان میں ایک بچی کو جنم دے کر مر جاتی ہے اور بعد میں نرگس کی بہن نواب جان (وینا) اس کی پرورش و پرداخت کرتی ہے۔ جوان ہونے پر وہ صاحب جان (مینا کماری) کہلاتی ہے جس کے حسن و جمال اور رقص اور سریلی آواز کے چرچے ہونے لگتے ہیں اور شہر کے کئی رئیس اس کے دیوانے ہیں مگر اتفاق سے اس کی ملاقات جنگل میں ایک فارسٹ آفیسر سلیم (راجکمار) سے ہو جاتی ہے جو اس کے حسن و معصومیت کا دیوانہ ہو جاتا ہے۔ وہ اس سے شادی کا پروگرام بناتا ہے مگر عین وقت پر صاحب جان وہاں سے چلی جاتی ہے اور پھر اپنے گانے بجانے کا پیشہ اختیار کر لیتی ہے۔ سلیم مایوسی کے عالم میں ایک دوسری لڑکی سے شادی کے لئے تیار ہو جاتا ہے اور شادی کے موقع پر رقص اور گانے کے لئے صاحب جان کو مدعو کرتا ہے اور عین اس موقع پر نواب جان شہاب الدین کو پہچان لیتی ہے اور اسے بھری محفل میں بتاتی ہے کہ صاحب جان اُس کی بیٹی ہے جو نرگس کے بطن سے پیدا ہوئی تھی۔ اس پر شہاب الدین کا بڑا بھائی گولی چلا کر اسے ہلاک کرنے کی کوشش کرتا ہے تو گولی سے اُس کا چھوٹا بھائی شہاب الدین زخمی ہو جاتا ہے اور اس کی موت واقع ہو جاتی ہے اور صاحب جان اور سلیم شہاب الدین کی خواہش کے مطابق ازدواجی رشتے میں بندھ جاتے ہے۔

اس فلم کو بننے میں بوجوہ چودہ برس کا طویل عرصہ لگ گیا۔ جب اس فلم کی شروعات ہوئی تھی تو ان ہی دنوں مینا کماری اور کمال امروہوی کی شادی ہوئی تھی۔ اس وقت اشوک کمار کو سلیم کا رول دیا گیا تھا جو ایک تاجر تھا لیکن بعد میں یہ رول راجکمار نے ادا کیا اور اسے بزنس مین کی جگہ فارسٹ آفیسر بنا دیا گیا۔ کمال اور مینا کماری کی علیحدگی کے بعد ایک مدت تک یہ فلم رکی رہی اور اسی اثنا میں موسیقار غلام محمد اور کیمرا مین جوزف ورچنگ کا بھی انتقال ہو جاتا ہے اور موسیقی کی ذمہ داری نوشاد صاحب پر آ پڑتی ہے۔ اور اس طرح کیمرہ مین بھی بدلتے رہے۔ پھر ایک عرصہ بعد نرگس اور سنیل دت نے اس فلم کے رشز دیکھے تو انہوں نے کوشش کر کے مینا کماری کو اس فلم کو مکمل کرنے میں تعاون کی اپیل کی اور وہ مان گئی۔ مگر وہ اس وقت شدید بیمار تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زیادہ تر مناظر میں وہ بیٹھی ہوئی نظر آئی اور رقص میں اس کی جگہ پدما کھنہ کو باڈی ڈبل کے طور استعمال کیا گیا اور زیادہ تر لانگ شاٹ فلمائے گئے۔ مینا کماری کی وفات سے کچھ پہلے ہی یہ فلم ریلیز ہوئی اور شروع میں اس میں تماش بینوں نے کوئی دلچسپی نہیں لی اور معلوم ہوتا تھا کہ فلم فلاپ ہو گئی مگر جلد ہی اس کے گانوں اور مکالموں نے اسے چوٹی کی فلم بنا دیا اور اس نے اپنی کامیابی کے جھنڈے گاڑ دیئے فلم اتنی پسند کی گئی کہ جب بنگلہ دیش کے قیام کے بعد بھٹو پاکستانی قیدیوں اور دیگر معاملات پر سمجھوتے کے لئے شملہ کانفرنس میں آئے تو پاکستانی صحافیوں کو دیگر فلموں کے

ساتھ یہ فلم بھی دکھائی گئی۔ کہا جاتا ہے کہ پاکستان جا کر ایک صحافی نے اس فلم کی تعریف کرتے ہوئے لکھا تھا کہ ہمارے ہاں کھڑکی توڑ فلموں کی بات کی جاتی لیکن اگر یہ فلم پاکستان میں دکھائی جائے تو کھڑکیاں ہی نہیں سنیما ہال کے دروازے بھی ٹوٹ جائیں۔

۱۹۷۱ء میں فلم فیئر ایوارڈ کے موقع پر پاکیزہ پھر خبروں میں آ گئی کیونکہ موسیقی کے لئے غلام محمد کو ایوارڈ نہ ملنے پر بطور احتجاج مشہور ویلن اور کیرکٹر ایکٹر پران نے 'بے ایمان میں اداکاری پر دیا گیا اپنا ایوارڈ ٹھکرا دیا تھا' کیونکہ ان کا خیال تھا کہ موسیقی کا ایوارڈ غلام محمد کو ملنا چاہیے تھا۔ اس فلم کے گانے کیفی اعظمی (چلتے چلتے)، مجروح سلطان پوری (انہی لوگوں نے رنجریہ کی ماری رپی کے چلے رتھارے رہو او بانکے لال رے رموراساجن سلطان گھر جائے رکون گلی گئے شیام)، کمال امروہوی (موسم ہے عاشقانہ) اور کیف بھوپالی (چلو دلدار چلو، چاند کے پار چلو رتیرِ نظر دیکھیں گے) کے تحریر کردہ تھے اور اس کی ٹائٹل موسیقی 'الاپ مورے ساجن سوتن کے گھر جائے اور اور کون گلی گئے شیام' مشہور گلوکارہ راج کماری، پروین سلطانہ، وانی جیرام نسیم بانو چوپڑا کی آواز میں پیش کی گئی تھی۔



پکار

ہدایت کار و فلمساز: سہراب مودی

اداکار: چندر موہن، نسیم بانو، صادق علی، شیلا، شاکر علی،

موسیقار: فرنینڈس رمیر صاحب

تصویر کشی: سرپوتدار

اداکار: سہراب مودی (سنگرام سنگھ)، چندر موہن (جہانگیر)، نسیم (نور جہان)، صادق علی (منگل سنگھ) شیلا (کنور)، سردار اختر (دھوبن) شاکر (اودے سنگھ) جلو، مایا دیوی،

تحریر: کمال امروہوی روشنو پنت اوندھکر رالیس امیر حیدر،

ٹائم: ۱۶۵ منٹ زبان: اُردو

یہ فلم مغل دور میں شہنشاہ جہانگیر کے زمانے سے تعلق رکھتی ہے جس میں دو راجپوت سرداروں سنگرام سنگھ اور اودے سنگھ کے بچوں کے عشق کی کہانی نیز شہزادہ سلیم (جہانگیر) اور نور جہاں کے عشق و

محبت کی کہانی اور جہانگیر کا انصاف دکھایا گیا تھا۔ کہانی کے مطابق جہانگیر کے دربار سے وابستہ دو راجپوتوں میں خاندانی دشمنی پائی جاتی ہے کہانی میں سنگرام سنگھ (سہراب مودی) کا بیٹا منگل سنگھ (صادق علی) اودے سنگھ (شاکر علی) کی بیٹی کنور (شیلا) سے عشق کرتا ہے۔ جب کنور کے بھائی کو پتہ چلتا ہے تو وہ غصے میں منگل سنگھ سے لڑنے جاتا ہے جس کے نتیجے میں وہ تلوار کے شدید زخموں سے ہلاک ہو جاتا ہے۔ جہانگیر انصاف کرنے کے لئے سنگرام سنگھ کو اپنے بیٹے منگل سنگھ کو دربار میں پیش کرنے کا حکم دیتا ہے مگر منگل سنگھ روپوش ہو جاتا ہے۔ اور کچھ مدت بعد پکڑا جاتا ہے اور اسے فیصلے تک جیل میں بند کر دیا جاتا ہے۔ اسی اثنا نور جہاں کے تیر سے ایک دھوبی ہلاک ہو جاتا ہے۔ اور تب جہانگیر دربار میں فیصلہ سناتا ہے کہ چونکہ ملکہ نے دھوبن کے شوہر کو ہلاک کیا ہے لہٰذا دھوبن بھی اس کے شوہر یعنی شہنشاہ جہانگیر کو ہلاک کر دے۔ دربار میں شور و ہلچل مچ جاتی ہے اور آخر میں دھوبن کو خوں بہا دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ہی منگل سنگھ کو بھی رہا کر دیا جاتا ہے۔ ۱۹۳۹ء میں ریلیز ہونے والی اس فلم کی کہانی اور گانے کمال امروہوی کے تحریر کردہ تھے اور اسے ابتدائی مشہور مسلم سوشل اور تاریخی فلم ہونے کا فخر حاصل ہے۔

یہ فلم ہندوستانی سنیما کی تاریخ میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسے پردۂ اسکرین پر اتنی کامیابی حاصل ہوئی کہ عوام اسے بار بار دیکھتے تھے اور اس کے کمال امروہوی کے تحریر کردہ مکالمے اتنے مقبول عام ہوئے کہ اس دور میں بچے بچے کی زبان پر تھے۔ اور اتنے یادگار کہ اس زمانے کے لوگوں کو آج بھی یاد ہیں۔ اس فلم میں نسیم بانو کا گایا ایک گیت ''زندگی کا ساز بھی کیا ساز ہے۔ بج رہا اور بے آواز ہے'' بھی بڑا مقبول ہوا۔

شعلے



ہدایت کار: رمیش سپی

پروڈیوسر: جی پی سپی

اسکرین پلے: سلیم جاوید

اداکار: دھرمیندر، سنجیو کمار، امیتابھ بچن، ہیما مالنی، جیا بہادری، امجد خان، اسرانی بچن، اسرانی، بچن،

موسیقار: آر ڈی برمن

سنیماٹوگرافی: دوارکا دویچہ، ایڈیٹنگ: ایم ایس شنڈے

تاریخ نمائش: ۱۵/اگست ۱۹۷۵ء، وقت: ۲۰۴ منٹ، زبان: ہندی

پروڈیوسر جی پی سپی اور ہدائت کار رمیش سپی کی پیش کردہ یہ ایکشن فلم اتنی اہمیت کی حامل ہے کہ اس کے ذکر کے بغیر ہندوستانی سنیما کی کوئی تاریخ مکمل ہی نہیں ہوسکتی اور ۲۰۰۲ء کے پول میں برٹش فلم انسٹی ٹیوٹ نے اسے ہندوستان کی دس سرفہرست فلموں میں سے ایک قرار دیا ہے۔

کہانی یوں ہے کہ ایک چھوٹے سے گاؤں رام گڑھ میں ایک سبکدوش پولیس مین ٹھاکر بلدیو سنگھ جیل سے بھاگے ہوئے دو نوجوان قیدیوں ویرو (دھرمیندر) اور جے (امیتابھ بچن) کو بلاتا ہے کہ وہ ڈاکو گبر سنگھ جس پر سرکار نے پچاس ہزار کا انعام رکھا ہے، پکڑنے میں اس کی مدد کریں تا کہ وہ اس سے بدلہ لے سکے کیونکہ اُس ڈاکو نے ٹھاکر کے دونوں ہاتھ کاٹ کر اسے اپاہج بنا دیا تھا۔ ٹھاکر انہیں کہتا ہے کہ اگر وہ ڈاکو گبر سنگھ کو پکڑنے میں اس کی مدد کریں گے تو پچاس ہزار سرکاری انعام کے علاوہ وہ بھی انہیں بیس ہزار روپے انعام دیں گے۔ گاؤں میں قیام کے دوران ویرو گاؤں کی ایک لڑکی بسنتی کے عشق میں گرفتار ہو جاتا ہے جو تانگہ چلا کر اپنا اور اپنی موسی کا گزارہ چلاتی ہے اور بڑی باتونی ہے۔ اُدھر جے رادھا سے پیار کرنے لگتا ہے جو ٹھاکر کے بیٹے کی بیوہ ہے۔ گبر سے ویرو اور گبر سنگھ کی مٹھ بھیڑ ہوتی ہے اور آخر کار گبر سنگھ کو پکڑ لیا جاتا ہے اور اس لڑائی میں جے اپنی جان گنوا بیٹھتا ہے۔ ویرو چاہتا ہے کہ گبر سنگھ کو ہلاک کر دے مگر ٹھاکر اُسے ایسا کرنے سے منع کرتا ہے اور اپنے کیل دار جوتوں سے گبر سنگھ کے دونوں ہاتھ توڑ دیتا اور پھر پولیس موقع واردات پر پہنچ کر گبر سنگھ کو گرفتار کر کے لے جاتی ہے۔

اس فلم کی شوٹنگ جنوبی کرناٹک کے چٹانی علاقے کے گاؤں رام نگر میں کوئی اڑھائی سال تک چلتی رہی۔ سنٹرل بورڈ آف سرٹیفکیشن نے اس کے کچھ لڑائی کے مناظر پر اعتراض کیا اور انہیں کاٹنے کے بعد اسے ۱۹۸ منٹ کے وقفے کی بنا کر ریلیز کیا گیا۔ بعد ازاں ۱۹۹۰ء میں ڈائریکٹر کی کانٹ چھانٹ والی ۲۰۴ منٹ کی فلم گھریلو میڈیا کے لئے فراہم کی گئی۔ پہلے پہل جب یہ فلم ۱۵/اگست ۱۹۷۵ء کو یوم آزادی ... کی گئی تو میڈیا میں اس کے بارے میں منفی تبصرے چھپے اور اس فلم کو زیادہ اہمیت نہیں ملی اور نتیجے میں پہلے دو ہفتوں میں اس فلم کی آمدنی بہت مایوس کن رہی۔ مگر کچھ دنوں میں تماش بینوں کے زبانی پروپیگنڈ میں اس کی اتنی تعریف کی گئی کہ تھیٹروں میں بتدریج رش بڑھنے لگا اور اس نے باکس آفس پر اتنی زبردست کامیابی حاصل کی کہ اس نے ہندوستان کے تھیٹروں میں لگاتار چلنے کا ریکارڈ توڑ دیا۔ حتیٰ کہ ممبئی کے منروا تھیٹر میں یہ لگاتار پانچ سال تک چلتی رہی۔ کہا جاتا ہے کہ آمدنی کے لحاظ سے یہ اُس وقت تک کی فلموں میں سرفہرست تھی۔ بعد ازاں اس کا ریکارڈ دل والے دلہنیا لے جائیں گے" نے

توڑا۔اس فلم نے ہندوستان بھر میں ۶۰ تھیٹروں میں گولڈن جوبلی اور ایک سو تھیٹروں میں سلور جوبلی منا کر ایک ریکارڈ قائم کیا۔

اس فلم میں آر ڈی برمن کے ترتیب دیئے گئے ساؤنڈ ٹریک الگ سے ریلیز کئے گئے۔مکالموں کی مشترکہ آمدنی نے بھی ریکارڈ توڑ دیے۔اور غالباً یہ ایسی فلم تھی جس کے کئی مکالمے زبان زد خاص و عام ہو گئے اور گبر سنگھ کا یہ مکالمہ ارے او سانبا کتنے آدمی تھے تو بچے بچے کی زبان پر تھا۔غالباً سہراب مودی کی فلم 'پکار' کے بعد یہ واحد فلم تھی جس کے مکالمے بہت مقبول ہوئے۔

اس فلم کی کہانی کا آئیڈیا سلیم جاوید جوڑی نے ڈائرکٹر پروڈیوسر جی پی سپی اور رمیش سپی کو دیا تھا جسے پہلے انہوں نے ناپسند کیا تھا لیکن بعد ازاں انہوں نے اس کہانی کو مزید ڈیولپ کرنے کو کہا اور فلم بننے کے بعد یہ ایسی ہٹ ہوئی کی غیر ملکی فلموں میں اس کی کاپی کی گئی یا اس کے مناظر پیش کئے گئے اور ہندوستانی فلموں ''میرا گاؤں میرا دیش'' اور ''کھوٹے سکے'' کو دیکھ کر بھی ایسا احساس ہوتا ہے۔

گبر سنگھ (امجد خان)، سورما بھوپالی (جگدیپ) اور جیلر (اسرانی) اس فلم کے ایسے کردار ہیں، جو زندہ جاوید بن گئے ہیں۔کہا جاتا ہے گبر سنگھ نام کا کردار اس علاقے میں پایا جانے والا ایک ڈاکو تھا جس نے ایک پولیس افسر کے کان اور ناک کاٹ کر پولیس کو متنبہ کیا تھا کہ وہ اسے پکڑنے کی کوشش نہ کرے۔ کہتے ہیں گبر سنگھ کا کردار ایل انڈیو "El Indio" سے متاثر تھا جسے ۱۹۶۵ء میں بنی سرجیو لیون (Sergio Leone) کی فلم ''اے فیو ڈالرز مور'' (A Few Dollars More) میں گیان ماریا وولنٹے (Gian Maria Volonté) نے ادا کیا تھا۔امجد خان نے اپنی اداکاری اور مکالمے بولنے کے انداز سے فلم بینوں کا دل جیت لیا۔اسی طرح سورما بھوپالی کے رول میں جگدیپ کو بھی ہمیشہ یاد کیا جاتا ہے۔اور جیلر اسرانی کا فقرہ ''ہم تو انگریزوں کے زمانے کے جیلر ہیں'' بھی کبھی فراموش نہیں ہو سکے گا۔

اس فلم نے متعدد ایوارڈ حاصل کئے۔۱۹۹۹ء میں بی بی سی نے اسے ''ملینیم کی فلم'' قرار دیا۔۲۰۰۲ء میں برٹش فلم انسٹی ٹیوٹ نے اسے ''دس ٹاپ انڈین فلموں'' میں شامل کیا۔۲۰۰۴ء میں دس لاکھ برطانوی ہندوستانیوں نے 'اسکائی ڈیجیٹل پول' کے دوران اسے عظیم ترین ہندوستانی فلم منتخب کیا۔ اس کا ملکی اور غیر ملکی فلموں پر بھی اثر پڑا اور کئی فلموں میں اس کی نقالی بھی کی گئی۔

مختصراً یہ کہ شعلے ہندوستانی سینما کی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے اور صدیاں گزر جانے پر بھی اس کا تذکرہ کیا جاتا رہے گا۔

MOTHER INDIA

مدر انڈیا

ہدایت کار،فلمساز: محبوب خان

تحریرکنندگان: محبوب خان، وجاحت مرزا، ایس علی رضا

موسیقار: نوشاد

تصویرکشی: فریدون ایرانی

اداکار: نرگس (رادھا)، سنیل دت (رادھا کا چھوٹا بیٹا۔ برجو)، راجندر کمار، (رادھا کا بڑا بیٹا رامو) راجکمار (رادھا کا شوہر شامو)، کنہیالال (ظالم ساہوکار سکھی لالہ) جلوبائی (سندر چاچی۔ رادھا کی ساس) کم کم (راموکی بیوی۔ چمپا) چنچل (سکھی لالہ کی بیٹی روپا) مقری (شمبھو، دھا کا ہمدرد پڑوسی) شیلا نائیک (شمبھو کی بیوی کملا) عذرا (چندراا سکول ماسٹر کی بیٹی) ساجد خان (ننھا برجو) سریندر (ننھا رامو)

ایڈیٹنگ: شمس الدین قادری، وقت: ۱۷۲ منٹ، تاریخ نمائش: ۲۵ر اکتوبر ۱۹۵۷ء، زبان: ہندی

محبوب خان ہندوستانی فلم انڈسٹری کے ایک اہم ستون تھے اور ان کی ہدائت میں بنی فلموں کا لوگ بڑی بے صبری سے انتظار کیا کرتے تھے الہلال ہو یا عورت، نجمہ ہو یا انمول گھڑی ہر فلم کا ایک غیر معمولی تاثر ہوتا تھا۔ اور مدر انڈیا ان کی وہ شاہکار فلم تھی جو وہ اس سے پیشتر ۱۹۴۰ء میں ''عورت'' کے نام سے بنا چکے تھے جس میں ہیروئن کا رول اُن کی اہلیہ سردار اختر نے ادا کیا اور مدر انڈیا میں نرگس نے۔ یہ گاؤں کی ایک غریب مگر باہمت خاتون کی داستان ہے جس نے مشکل حالات میں بھی اپنے آپ کو ٹوٹنے نہ دیا اور گاؤں کی ایک لڑکی کی عزت بچانے کے لئے اپنے بیٹے تک کو قربان کر دیا۔ اس فلم میں نرگس کے بیٹوں کا رول راجندر کمار اور سنیل دت نے ادا کیا تھا جبکہ پہلی فلم میں سریندر اور یعقوب نے۔

اس فلم کی کہانی کا آغاز اس وقت کی تقریب سے ہوتا ہے جب رادھا کے گاؤں میں آبیاری کے لئے تعمیر کی گئی نہر کے افتتاح کے لئے اسے مدعو کیا جاتا ہے کیونکہ وہ ''گاؤں کی ماں'' ہے اور اس وقت جب وہ نہر کا افتتاح کر رہی ہوتی ہے، اسے اپنی گزشتہ زندگی یاد آتی ہے جب اس کا بیاہ شامو سے ہوا تھا، اور اس موقع پر اس کی ساس نے سکھی لالہ سے پانچ سو روپے قرض لیا تھا جسے چکانے کے لئے اسے بڑی مصیبتوں کو سہنا پڑتا ہے۔ اسی میں اس کے گھر کا سب کچھ بک جاتا ہے اور مصائب سے تنگ آ کر اس کا

شوہر گھر سے غائب ہو جاتا اور اس کی ساس کا انتقال ہو جاتا ہے۔ ساہوکار سکھی لالہ رادھا پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کرتا کہ وہ اس سے شادی کرلے مگر وہ اس کے چنگل میں نہیں پھنستی اور ہر مصیبت کا مقابلہ بڑی پامردی سے کر کے اپنے بچوں کو پالتی ہے۔ اور بڑے ہونے پر جب سکھی لالہ کی بیٹی روپا کی شادی ہو رہی ہوتی ہے تو رادھا کا بیٹا برجو، اب ڈاکو بن چکا ہوتا، اسے بھگا کر لے جانا چاہتا ہے مگر اس کی ماں رادھا اس کا راستہ روک لیتی ہے اور جب وہ روپا کو نہیں چھوڑتا تو وہ اسے گولی سے ہلاک کر دیتی ہے۔

مدر انڈیا کا ٹائٹل امریکن رائٹر کیتھرائن میئو کی کتاب مدر انڈیا سے مستعار لیا گیا تھا جس میں ہندوستانی مذہب، سماج اور کلچر کا تمسخر اُڑایا گیا تھا اور جس میں ہندوستان کی برطانوی سامراج سے آزادی اور خود اختیاری کے مطالبے کا مذاق اُڑایا گیا تھا اور۔ اس فلم میں اس کتاب کے برعکس ہندوستانی عورت اور سماج کی صحیح تصویر پیش کی گئی ہے۔ اس میں ہندوستانی عورت کو کوئی دیومالائی کردار نہیں بلکہ ایک جیتی جاگتی آدرش وادی عورت کی شکل میں پیش کیا گیا ہے جسے عورت کی شکتی بھی کہا جاسکتا ہے جو ہر مصائب کا ڈٹ کر مقابلہ کرتی ہے اور ہر قربانی کے لئے تیار رہتی ہے۔

محبوب خان نے یہ فلم پرل بک کی ۱۹۳۱ء میں لکھی گئی کتاب ''گڈ ارتھ'' اور ۱۹۳۴ء میں لکھی کتاب 'مدر' سے متاثر ہو کر پھر ۱۹۳۷ میں اول الذکر کتاب پر اسی نام سے بنائی گئی فلم گڈ ارتھ (ہدائت کار سڈنی فرینکلن) سے متاثر ہو کر بنائی تھی۔ محبوب نے ۱۹۴۰ء میں پہلے اسے ''عورت'' کے نام سے بنایا تھا اور یہ سوویت روس میں ۱۹۲۶ء سے میں بنی ویسولوڈ پڈوو کن (Vsevolod Pudovkin) کی بنی خاموش فلم 'مدر' سے ملتی جلتی تھی۔ بابو بھائی مہتہ کی کہانی سے اخذ کر کے وجاہت مرزا اور سید علی رضا نے عورت یعنی مدر انڈیا کی اسکرپٹ تیار کی تھی۔ اس کے مکالمے بھی ان دونوں حضرات کے زورِ قلم کا نتیجہ تھے۔

مزے کی بات یہ ہے کہ ۱۹۵۵ء میں اس کی شوٹنگ کاسٹ اور اسکرپٹ کی تکمیل سے پہلے ہی شروع ہو گئی تھی۔ اُترپردیش میں باڑھ سے متاثرہ علاقوں میں جا کر کیمرہ مین فریدون ایرانی نے اس کی شوٹنگ کر لی تھی۔ اور پھر ۱۹۵۵ء میں بیس پچیس لاکھ کے بجٹ سے اس کی شروعات کی گئی تھی۔ سیلاب کے مناظر کو فلمانے کے لئے دوسوا ایکڑ زمین کو سیلاب زدہ بنایا گیا اور اس میں تین سو بیل گاڑیوں اور دوسو کسانوں کا استعمال کیا گیا۔ اسی فلم کے آگ کے مناظر فلمانے کے دوران نرگس آگ کے شعلوں میں گھر گئی تھی اور سنیل دت نے انہیں بچایا تھا اور پھر ان کا رومانس اور شادی کے واقعات منظر عام پر آئے۔

مدر انڈیا کے گیت شکیل بدایونی نے لکھے تھے اور نوشاد کی ویسٹرن کلاسیکل موسیقی اور ہندوستانی فلموں کے آرکسٹرا کے امتزاج سے وہ مسحور کن طرزیں بنائیں کہ سبھی گانے ہٹ ہو گئے اور ہر کی زبان پر تھا ..... چندریا کتتی جائے ..... نگری نگری دوارے دوارے ..... دنیا میں ہم آئے ہیں تو جینا ہی پڑے

گا...... ہولی آئی رے کاہنا...... دکھ بھرے دن بیتے رے بھیا...... پی کے گھر آج پیاری دلہنیا چلی...... او میرے لال آجاو غیرہ......

''مدر انڈیا'' ہندوستانی سنیما کی کچھ منتخب بہترین فلموں جیسے ''قسمت، مغل اعظم، شعلے، دل والے دلہنیا لے جائیں گے، ہم آپ کے ہیں کون وغیرہ میں سے ایک ہے اور اسے پردہ اسکرین پر زبردست کامیابی حاصل ہوئی تھی حتیٰ کہ اس شاہکار فلم کو آسکر ایوارڈ کے لئے بھی آفیشل طور پر بھیجا گیا تھا اور جب یہ فلم آخری دور میں صرف ایک ووٹ سے ایوارڈ پانے سے رہ گئی تو سنیل دت نے اس پر اظہار افسوس کرتے ہوئے صحیح کہا تھا کہ غالباً ہالی وڈ 'مدر انڈیا' کی روح کو نہیں پہچان پائی۔

اسے ہندوستان کی بہترین فلموں میں ہی نہیں بلکہ دنیا کی بہترین فلموں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ابھی ۲۰۰۲ء میں ایمپائر میگزین نے دنیا کی سو بہترین فلموں میں اس ہندوستانی شاہکار کو ۸۰ ویں نمبر پر رکھا ہے اور اس پر ہم جتنا بھی فخر کریں کم ہے۔

مغل اعظم

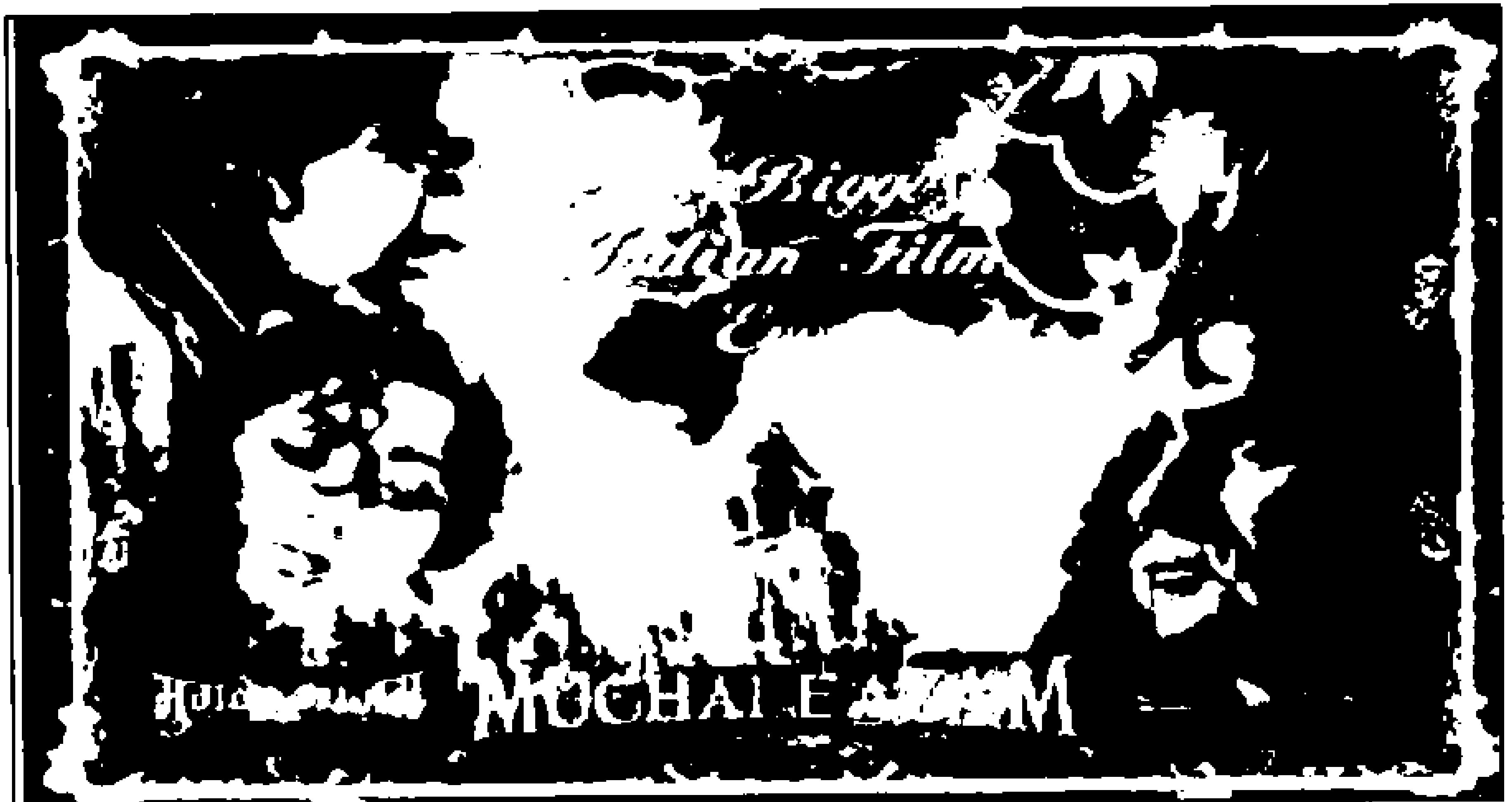
مضمون نگار: نصرت ظہیر

ہدائت کار: کے آصف (کریم الدین آصف)

پروڈیوسر: کے آصف، شپور جی پالن جی

تحریر: کمال امروہوی، کے آصف، وجاہت مرزا، اور احسان رضوی۔

اداکار: پرتھوی راج (اکبر)، دلیپ کمار، مدھوبالا (شہزادہ سلیم)، مدھوبالا (انارکلی)، درگا کھوٹے



(جودھابائی) بت تراش (کمار) اجیت (سلیم کا دوست)

موسیقی: نوشاد علی

کیمرہ مین: پی ڈی ماتھر

ایڈیٹنگ: دھرم ویر

ریلیز کی تاریخ: ۵؍اگست ۱۹۶۰ء

وقت: ۱۹۷ منٹ

زبان: اُردو؍ ہندی

ہندوستانی سنیما کے سو برس کی سب سے اہم دو چار فلمیں چنی جائیں تو ان میں 'مغلِ اعظم' ضرور شامل ہوگی اور یہ طے کرنا مشکل رہے گا کہ ہدایت کاری، کہانی کا پلاٹ، منظر نگاری، مکالمہ نویسی، موسیقی ،رقص، کاسٹیوم، فوٹوگرافی، اداکاری، صدابندی، اور فلم کے تمام تکنیکی و تخلیقی پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے کس شعبے میں پہلا مقام نہ دیا جائے۔ فلم سازی کے فن کو پورے اعتماد کے ساتھ کامیابی سے ہم کنار کر دینے والا، اس فلم کا خالق کچھ خاص پڑھا لکھا نہیں تھا، تاہم تصور کو آرٹ میں تبدیل کر دینے کی جو غیر معمولی صلاحیت اسے قدرت نے دی تھی وہ فلم کے نقادوں کو آج بھی حیرت میں ڈال دیتی ہے۔ ہندوستان میں فلموں کے فن کی تدریس سے وابستہ کوئی ادارہ ایسا نہیں ہوگا جہاں طلبا کو مختلف فلمی شعبوں میں 'مغل اعظم' کی مثالیں دے کر سبق نہ پڑھائے جاتے ہوں۔

ہدایت کا ذکر آئے گا تو بتایا جائے گا کہ کے آصف نے کس طرح اکبر بادشاہ کے دربارِ عام، انارکلی اور سلیم کے رومان، اور ایک آزاد خیال سنگ تراش کی حق گوئی کو نمایاں کرنے والے مناظر کی فلم بندی کی۔ عمدہ کہانی اور اس کے پلاٹ کی بات ہوگی تو یہ ذکر ہوگا کہ ایک افسانے کو کس طرح تاریخی حقائق میں گھول کر، بالکل یقینی اور حقیقی معلوم ہونے والی کہانی لکھی گئی۔ منظر نامہ لکھنے کی کلاس ہوگی تو اساتذہ، طلبا کو فلم کے وہ سین دکھائیں گے جہاں فلم کے کردار ہر سین کے خاتمے سے پہلے ناظرین کے لیے ایک نیا ڈرامہ اپنے پیچھے چھوڑ جاتے ہیں۔ مکالمہ نویسی کا سبق ہوگا تو طلبا کو 'مغل اعظم' کے کسی بھی منظر کے ڈائلاگ سنا کر سمجھایا جائے گا کس زبان، کس لہجے، اور کس ڈکشن سے منظر کو پر اثر بنایا گیا ہے اور اسے تقویت بخشی گئی ہے۔ پس منظر موسیقی اور نغموں کی موسیقی پہ بات چلے گی تب بھی اس فلم سے مثالیں اخذ کی جائیں گی اور بتایا جائے گا کہ کس طرح ناظرین کو سچویشن کی گہرائی میں اتارنے کے لیے پس منظر کی موسیقی کا استعمال کیا جاتا ہے اور نغمے کس طرح فلم کے بیانیے میں پیوست کیے جاتے ہیں۔ اسی طرح اداکاروں کے ملبوسات، میک اپ اور سیٹ ڈیزائننگ کو سمجھانے کے لیے بھی 'مغل اعظم' سے بہت سی

مثالیں مل جائیں گی۔ فوٹو گرافی میں ٹرالی کے استعمال اور زومنگ، کلوز اپ اور لانگ شاٹ کے لیے کیمرے کے زاویوں کے تعین جیسے امور میں بھی اس فلم سے کئی باتیں سیکھنے کو مل جائیں گی۔

کس کردار اور شخصیت کے لیے کس اداکار کا انتخاب کیا جائے، اس کی چال ڈھال کیسی ہو اور لہجہ کس طرح کا ہو یہ سمجھنے سمجھانے کے لیے تو 'مغل اعظم' سے بہتر کوئی فلم ہے ہی نہیں۔ بزرگوں کی بات جانے دیجیے، آج کی نسل کا بھی کوئی شخص مغل بادشاہ جلال الدین اکبر کا تصور کرے گا تو اسے پرتھوی راج کی شکل ذہن کے پردے پر دکھائی دے گی۔ کے آصف نے یہ دکھانا چاہا تھا کہ پرتھوی راج، جلال الدین اکبر کا کردار ادا کر رہے ہیں، لیکن تاریخ کا کوئی طالب علم اکبر اعظم کی زندگی کا مطالعہ کرے گا یا مولانا محمد حسین آزاد کی دربار اکبری پڑھے گا تو محسوس کرے گا کہ اکبر کی بول چال، چلنے پھرنے کا انداز، آواز کی گھن گرج، دربار خاص و عام میں نشست اختیار کرنے کا ڈھنگ، سب کچھ پرتھوی راج کپور جیسا نظر آ رہا ہے۔

اسی طرح قاری کو یہ بھی محسوس ہوگا کہ شہزادہ سلیم نے اکبر سے جب بھی روبرو اپنے اختلاف رائے کا اظہار کیا ہوگا تو وہ دلیپ کمار کے انداز میں بولا ہوگا۔ انارکلی جیسی کوئی کنیز واقعی اکبر کے قلعہ آگرہ میں رہی ہوگی تو وہ مدھوبالا جیسی ہی خوب صورت، سہمی ہوئی لیکن باکردار اور نڈر نظر آئی ہوگی۔ اسی طرح جودھابائی کے رول میں درگا کھوٹے، راجہ مان سنگھ کے کردار میں مراد، اس کے بیٹے کے رول میں اجیت، انارکلی کی ماں کے کردار میں جلو بائی، خاص کنیز بہار کے کردار میں نگار سلطانہ (کے آصف کی پہلی بیوی اور اپنے زمانے کی مشہور ہیروئن) اور دوسرے ایکٹر جس طرح اداکاری کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اس سے محسوس ہوتا ہے کہ ان کے حقیقی یا تصوراتی کردار ایسے ہی رہے ہوں گے۔ دراصل کے آصف اس فلم میں تاریخ کے ایک خاص دور کا خاص ماحول پیدا کرنا چاہتے تھے جس میں وہ پوری طرح کامیاب رہے ہیں۔ یہ ایسا ماحول تھا جس میں ہر کردار ایک حقیقی کردار معلوم ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ درباری گویّے میاں تان سین کے چند سیکنڈوں کے کردار کو دکھانے کے لیے انھوں نے اپنے وقتوں کے مشہور ہیرو رہ چکے سریندر کو لا بٹھایا تو لگا میاں تان سین ایسے ہی رہے ہوں گے۔ یہی نہیں تان سین کے جو دو راگ فلم میں گوائے گئے ان کے لیے بھی اس وقت کے سب سے مشہور اور محترم گائک، استاد بڑے غلام علی خاں کا پلے بیک لیا جو فلموں کے لیے گانے کو اپنی توہین سمجھتے تھے اور نوشاد صاحب کے کہنے پر انھیں منانے کے لیے کے آصف نہ صرف پنجاب میں ان کے گھر پر ملنے گئے بلکہ جب خاں صاحب نے انھیں ٹالنے کے لیے پچیس ہزار روپے ایک گانے کے لیے بطور فیس طلب کر لی تو یہ مطالبہ بھی آصف نے کسی حیل و حجت کے بغیر قبول کر لیا، جب کہ محمد رفیع اور لتا منگیشکر جیسے گلوکار بھی ان دنوں ایک گانے کا معاوضہ پانچ سو روپے سے زیادہ نہیں لیتے تھے۔ بہرکیف، خاں صاحب نے راگ سوہنی اور راگ راگیشوری پر مبنی دو

نغمے 'مغل اعظم' کے لیے گائے اور کے آصف کا جنون 'شبھ دن آیو...' اور 'پریم جوگن بن جاؤں...' کی شکل میں ہمیشہ کے لیے موسیقی کی تاریخ میں درج ہو گیا۔

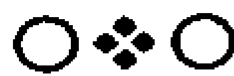
لیکن اس فلم کی سب سے خاص چیز تھی اس کے مکالمے۔ ہندوستانی سنیما کی یہ پہلی فلم ہے جس کے ڈائلاگ ایچ ایم وی نے ریکارڈ کی صورت میں پیش کیے اور تین لانگ پلے ریکارڈز پر مشتمل مکالموں کا یہ سیٹ فلم بینوں نے کافی پسند کیا۔ مغل اعظم کی کہانی خود کے آصف نے لکھی جو امتیاز علی تاج کے ڈرامے 'انارکلی' پر مبنی تھی اور جس کے حقوق کے آصف نے کافی پہلے خرید لیے تھے۔ لیکن اسکرپٹ اور مکالمے لکھنے کے لیے کے آصف نے ایک بورڈ تشکیل دیا جس میں امان اللہ خان (زینت امان کے والد)، وجاہت مرزا، کمال امروہی، احسن رضوی اور وہ خود شامل تھے۔ یہ سبھی اسکرپٹ اور ڈائلاگ کے میدان کے ماہر تھے۔ ان سب میں کام کس طرح تقسیم کیا گیا یہ تو کسی کے علم میں نہیں لیکن اتنا پتہ چلتا ہے کہ آصف ان سبھی کو بلا کر یا الگ الگ مل کر منظر نامے اور مکالموں کے تمام نکات پر بحث اور مشورہ کرتے تھے جس کے بعد آخر میں خاص طور پر مکالمے ایک ایسی صورت میں سامنے آئے جن پر کہیں سے بھی انگلی رکھنا تقریباً ناممکن تھا۔ پوری طرح چست اور درست انداز میں اردو کی شوکت الفاظ کو بروئے کار لا کر لکھے گئے ان مکالموں نے پورے ملک میں اردو زبان کے حسن و دل کشی کے ڈنکے بجا دیے۔ اہل فلم ہی نہیں اہل قلم بھی ان مکالموں میں لفظوں کے در و بست سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ فلم کے کچھ نغموں اور بعض مناظر میں ہندی زبان کے استعمال اور بعض نامعلوم وجوہ کی بنا پر مغل اعظم کے سنسر شوفکیٹ میں زبان کے طور پر ہندی کا نام درج کیا گیا لیکن درحقیقت یہ خالص اردو کی فلم تھی۔ نقاب کشائی، جنبش مکن، سجدے میں نگاہ رہے، تمام ہوش و خرد پیش بادشاہ رہے، دفتر بے معنی، حد ادب، کلغی، پیوست، تخلیہ وغیرہ جیسے اردو کے ادبی متون کے درجے کے بیسیوں مشکل الفاظ پہلی مرتبہ 'مغل اعظم' میں ہی سنائی دیے اور مکالموں کا حسن ٹھہرے۔ یہ کام وہ تھا جسے سنیما کے پردے تک لانے کا حوصلہ اردو کی چند بہترین فلمیں بنانے والے سہراب مودی 'مرزا غالب' میں اور حقیقت پسند سنیما کی عظیم ترین شخصیت ستیہ جیت رے اپنی واحد اردو فلم 'شطرنج کے کھلاڑی' میں بھی نہ کر سکے۔ مغل اعظم کے مکالموں کو ہندوستانی سنیما میں مکالمہ نگاری کا سنگ میل بلکہ ٹرننگ پوائنٹ بھی کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ یہ مکالمے صرف اپنے لفظی یا صوتی حسن کی وجہ سے ہی غیر معمولی نہیں تھے بلکہ جذبات کی متاثر کن ادائیگی کے لیے کس جگہ کس لفظ کا استعمال ہونا چاہیے اس کی بھی بہترین مثال پیش کرتے ہیں۔ فلم کے کسی بھی منظر سے کسی بھی کردار کا کوئی بھی جملہ اٹھا لیجیے، آپ اسے بدل کر اس کی جگہ اس سے بہتر کوئی جملہ وضع نہیں کر پائیں گے۔

مغل اعظم کی کہانی کا خمیر تو امتیاز علی تاج کے مشہور ڈرامے 'انارکلی' سے ہی اٹھایا گیا ہے لیکن کے

آصف نے کچھ اپنی طرف سے جوڑا بھی ہے۔ اس میں شاہی سنگ تراش کا کردار اور اس سے وابستہ کیے گئے واقعات خود ان کے اور وجاہت مرزا کے تخیل کی پیداوار معلوم ہوتے ہیں۔ سنگ تراش کے ذریعے سلطنت اور انفرادی حکومت کے خلاف احتجاج کو اپنے فن کی بنیاد قرار دینا، زندہ انارکلی کو مجسمے کی شکل میں سامنے لانا فلم کے وہ حصے ہیں جنھیں فلم بین کبھی نہیں بھول سکتا۔ وہ منظر بھی نہیں بھلایا جا سکتا جس میں سنگ تراش، جس کا نام فلم میں نہیں دیا گیا ہے، شاہی کنیز بہار کا چیلنج قبول کرتے ہوئے کہتا ہے: ''تو پھر میں ایک ایسا مجسمہ تشکیل دوں گا، جس کے سامنے انسان اپنا دل، سپاہی اپنی تلوار اور شہنشاہ اپنا تاج قدموں میں رکھ دے گا۔'' اور یہ کہتے کہتے وہ علی الترتیب ایک نامکمل بے صورت مجسمے، ایک سپاہی کے بت اور ایک شہنشاہ کی مورت پر ہاتھ رکھتے ہوئے آگے بڑھتا ہے اور کیمرے کی آنکھ کو ڈھک لیتا ہے۔ یہ منظر کردار کے جذباتی اظہار، مکالمے کے لفظی دروبست، فلم پر اپرٹی کے استعمال اور فوٹوگرافی کے زاویے میں مکمل ہم آہنگی synchronisation کی بہترین مثال ہے۔

موسیقی کے لحاظ سے بھی مغل اعظم، ہندوستانی سنیما کے سو برس کی بہترین فلموں میں شمار ہوتی ہے۔ فلم کا خاص نغمہ 'پیار کیا تو ڈرنا کیا' تھا جس کے بارے میں طرح طرح کے افسانے مشہور ہیں۔ آسکر ایوارڈ اور گرامی ایوارڈ تک پہنچنے والے ہندوستان کے پہلے فلمی موسیقار اے آر رحمٰن کی تو تمنا ہی یہ رہی ہے کہ کاش وہ اپنی زندگی میں اس جیسا کوئی نغمہ ترتیب دے سکیں۔ اس سے بھرپور فلمی نغمہ نہ تو مغل اعظم سے پہلے کبھی سنا گیا نہ اس کے بعد ترتیب دیا جا سکا ہے۔ محمد رفیع نے سنگ تراش کے بلیک میں جو احتجاجی نغمہ 'اے محبت زندہ باد' گایا تھا اس میں کورس کی صدابندی کے لیے نوشاد صاحب نے ایک سو لوگوں کا کورس استعمال کیا تھا جسے ایک ریکارڈ مانا جاتا۔

مغل اعظم اپنے وقت کی سب سے مہنگی فلم تھی، جس نے باکس آفس پر کامیابی کے تمام ریکارڈ توڑ دیے تھے۔ کہتے ہیں کہ دہلی میں فلم کی ریلیز والے دن سے ایک روز پہلے ہی شام سے گولچہ سنیما کے باہر ٹکٹ خریدنے والوں کی قطار لگ گئی تھی اور لوگوں نے وہیں فٹ پاتھ پر بستر بچھا لیے تھے۔ بعد میں بلیک اینڈ وائٹ فلموں کو جدید تکنیک سے رنگین فلم میں تبدیل کرنے کا سلسلہ بھی مغل اعظم کی 'رنگ کاری' سے ہی شروع ہوا۔ اردو زبان کے لیے ہندوستانی سنیما کے تعلق سے یہ فخر کی بات ہے کہ ملک کی پہلی بولتی فلم، عالم آرا اسی زبان میں بنائی گئی اور پہلی سب سے کامیاب فلم مغل اعظم بھی اسی کے حصے میں آئی۔ عالم آرا کا پرنٹ تو خیر آج کسی کے پاس نہیں ہے لیکن مغل اعظم آج بھی کسی سنیما ہاؤس میں دکھائی جاتی ہے تو لوگ اسے دیکھنے نکل پڑتے ہیں۔ (سہ ماہی اردو دنیا، نئی دہلی)



کچھ یادگار اُردو فلمیں



بازار (۱۹۸۲ء)

ہدائت کار اور رائٹر: ساگر سرحدی

پروڈیوسر: وجے تلواڑ

اداکار: فاروق شیخ، سمتا پاٹل نصیرالدین شاہ، سپریا پاٹھک، شبنم، بھرت کپور، اختر حسین

موسیقار: خیام

نغمہ نگار: بشر نواز، میر تقی میر، مرزا شوق، اور مخدوم محی الدین

کیمرہ مین: ایشان آریہ

ایڈیٹنگ: ایس چکرورتی

وقت: ۱۲۱ منٹ

زبان۔ ہندی/اُردو

مشہور ادیب، شاعر اور ہدائت کار ساگر سرحدی نے یہ فلم ۱۹۸۲ء میں بنائی تھی اور اسے بہت پسند بھی کیا گیا تھا اور اس کے گانے بھی عوام میں بڑے مقبول ہوئے تھے۔ اس فلم کی کہانی حقیقی واقعات پر مبنی ہے اور یہ ساگر سرحدی کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے۔ جس کا موضوع وہ غریب لڑکیاں ہیں جنہیں غریب والدین مجبوری کے عالم میں بیچ دیتے ہیں اور جنہیں امراء منکوحہ یا داشتہ بنا کر عرب ممالک میں عیاشی کے لئے لے جاتے ہیں۔ اس طرح کے واقعات حیدرآباد میں خصوصاً دیکھنے کو ملتے ہیں اور اس تجارت میں بہت سے لوگ ملوث ہیں اور ہزاروں لڑکیوں کو خرید کر باہر بھیج دیا جاتا ہے۔ مگر اس کے سدِ باب کا کوئی حل نہیں۔ اس فلم میں اداکاری پر سپریا پاٹھک کو ۱۹۸۲ء میں فلم فیئر کی جانب سے بہترین معاون اداکارہ کا اعزاز بھی دیا گیا تھا۔

اس فلم کے موسیقار خیام ہیں جنہوں نے اس کی دھنوں میں وہ جادو بھر دیا ہے کہ عوام انہیں سن کر آج بھی اپنا سر دھنتے ہیں۔ اور ان گانوں کو سدا بہار ہونے کا فخر حاصل ہے۔ کیا وجد آفریں گانے تھے :...... کروگے یاد تو ہر (بھوپندر ربشر نواز)...... دکھائی دیۓ یوں کہ بے خود کیا (لتا منگیشکر میر تقی میر) دیکھ لو آج ہم کو جی بھر کے (جگجیت کور رمرزا شوق) پھر چھڑی بات آج پھولوں کی (لتا، طلعت عزیز رمخدوم محی الدین ربشر نواز)

اس کے اولالذکر نغمے 'کروگے یاد.....' کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ جب ۱۹۹۵ء میں ساؤنڈ البم تیار کی گئی تو اس میں بھی اس گانے کو شامل کیا گیا تھا۔

سرداری بیگم

ہدایت کار: شیام بینگل

فلمساز: امت کھنہ رمہیش بھٹ

موسیقار: ون راج بھاٹیہ

تصویر کشی: سنجے دھر مانکر

کہانی اسکرین پلے: خالد محمد

مکالمے شمع زیدی

اداکار: کرن کھیر (سرداری بیگم)، سریکھا سیکری (عدبال بائی)، امریش پوری (بیم راج)

رنجیت کپور (صادق موسوی) اُترا باؤکر سمرتی مشرا (نوجوان سرداری بیگم)

ٹائم: ۱۳۵ منٹ، نمائش کا سن: ۱۹۹۶ء۔ زبان: اُردو

سرداری بیگم ہدائت کار شیام بینگل کی فلم ہے جس میں کرن کھیر، امریش پوری، رنجیت کپور اور راجیشوری سچد یوا اہم اداکار تھے۔

کہانی کا پلاٹ یوں ہے کہ اندرون شہر دہلی میں ایک خاتون مشتعل ہجوم کے ہاتھوں پھینکے گئے پتھروں سے ہلاک ہو جاتی ہے جسے محلے والے سرداری بیگم (کرن کھیر) کے نام سے جانتے ہیں اور جو مشہور مغنیہ اور طوائف تھی، اور جس کی تفتیش کے لئے پولیس بلائی جاتی ہے۔ مذہبی نوعیت اور الیکشن کی وجہ سے میڈیا کی بھی توجہ اس جانب مبذول ہوتی ہے اور ایک رپورٹر تہذیب عباسی (رجینا راجیسار یا) جنازے میں اس کے باپ کو دریافت کر لیتی ہے۔ اور وہ اس معاملے میں تفتیش کرتی جس کے دوران اسے معلوم ہوتا ہے کہ سرداری اس کی آنٹی ہے، جس سے گھر والوں نے ایک داشتہ عورت سے گانا سیکھنے

کی پاداش میں رشتہ منقطع کرلیا تھا۔

اس فلم پر جولائی ۱۹۹۷ میں کرن کھیر کو بہترین اداکاری کا نیشنل ایوارڈ ملا تھا۔ خصوصی جیوری ایوارڈ برائے بہترین معاون اداکارہ کا راجیشوری سچد یو کو ملا تھا۔ اور اردو کی بہترین فلم کا ایوارڈ ہدایت کار امت کھنہ اور مہیش بھٹ کو دیا گیا تھا۔ اس میں موسیقار ون راج بھاٹیہ کی موسیقی کو بہت سراہا گیا تھا۔ آرتی انکالیکر ٹکیکر (Arati Ankalikar-Tikekar) کو بہترین پلے بیک سنگر کا اعزاز بھی ملا تھا۔

اس فلم میں خاندانی رشتوں، نسلی اور جنسی سیاست اور سماجی امور پر روشنی ڈالی گئی ہے اور یہ فلم ایک کلاسک فلم کا درجہ رکھتی جو عام پبلک کے لئے نہیں ذہین اور باشعور طبقے کی پسندیدہ فلم ہے جس کی جتنی بھی تعریف کی جائے، کم ہے۔

گرم ھوا:

ہدایت کار: ایم سیتھو

فلمساز: ایشان آریہ/ایم سیتھو، سیوانی

تحریر: کہانی: عصمت چغتائی

اسکرین پلے: کیفی اعظمی۔ شمع زیدی

موسیقار: عزیز احمد،، بہادر خان وارثی۔

تصویرکشی: ایشان آریہ

ایڈیٹنگ: ایس چکرورتی

اداکار: بلراج ساہنی (سلیم مرزا)، فاروق شیخ (سکندر مرزا)، دینا ناتھ زتشی (حلیم) بدربیگم (سلیم کی والدہ)، شوکت کیفی (اعظمی)، گیتا سدھارتھ (امینہ مرزا)، اے کے ہنگل (اجمانی صاحب) ابو سیوانی (باقر مرزا) جلال آغا (شمشاد) جمال ہاشمی (کاظمی) راوندر رگھوونشی (سلیم مرزا کا ڈرائیور)

وقت: ۱۴۶ منٹ۔ سن نمائش: ۱۹۷۳ء۔ زبان: اُردو ہندی

مرزا ایک مسلم فیملی ہے جن کا جوتے بنانے کا کاروبار ہے اور جو آگرہ (اُتر پردیش) میں اپنے آبائی مکان میں رہتے ہیں۔ اس کی کہانی ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کے بٹوارے سے تعلق رکھتی ہے۔ اس فیملی کے سربراہ دو بھائی ہیں۔ جن میں سے بڑا بھائی سلیم (بلراج ساہنی) جوتوں کا کاروبار سنبھالتا ہے

اور چھوٹا بھائی حلیم (دیناناتھ زتشی) سیاسات کے چکروں میں پڑا رہتا ہے اور صوبائی آل انڈیا مسلم لیگ کا ایک معروف رہنما ہے جو مسلمانوں کے لئے ایک الگ ملک ''پاکستان'' کا مطالبہ کرتی ہے۔ سلیم کے دو بیٹے ہیں۔ بڑا بیٹا باقر اس کی بزنس میں مدد کرتا ہے جبکہ دوسرا بیٹا سکندر مرزا (فاروق شیخ) ایک طالب علم ہے۔ حلیم کا بیٹا کاظم سلیم مرزا کی بیٹی امینہ مرزا سے منسوب ہے۔ اگرچہ حلیم نے عوام سے وعدہ کیا ہے کہ وہ مسلمان بھائیوں کی خاطر ہندوستان میں ہی رہے گا مگر بعد ازاں وہ اپنی بیوی اور بیٹے کے ساتھ ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان جانے کا فیصلہ کر لیتا ہے کیونکہ اسے ہندوستان میں مسلمانوں کا کوئی مستقبل نظر نہیں آتا۔ سلیم اسے پاکستان جانے سے روکتا ہے اور اسے سمجھاتا ہے کہ جلد ہی ملک میں امن وامان ہو جائے گا اور پھر وہ والدہ کو کیسے چھوڑ سکتا ہے جو اپنے اجداد کا مکان چھوڑ کر جانے سے انکار کر دیتی ہیں۔ اس پر کاظم اور امینہ کی شادی کا پروگرام کھٹائی میں پڑ جاتا ہے حالانکہ کاظم وعدہ کرتا ہے کہ وہ پاکستان سے واپس آکر اس سے شادی کرلے گا۔ مسلمانوں کے ہجرت سے سلیم کا بزنس مندہ پڑ جاتا ہے کیونکہ بنک مسلمانوں کو قرضہ نہیں دیتے کہ وہ روپیہ لے کر پاکستان بھاگ جاتے ہیں، ادھر سلیم مرزا کا بہنوئی جو کہ پہلے مسلم لیگ کا حامی تھا، اندین نیشنل کانگریس جوائن کر لیتا ہے اور اس کا بیٹا شمشاد امینہ کو اپنی جانب راغب کرنے کی کوشش کرتا ہے جو کہ اپنے منگیتر کے واپس آنے کی امید لگائے بیٹھی ہے۔

حلیم مرزا کے ہجرت کرنے سے ساری جائیداد متروکہ پراپرٹی قرار دے کر سلیم مرزا کو اس مکان سے بے دخل کر دیا جاتا ہے اور ایسے حالات میں کوئی اسے کرائے پر مکان دینے کو بھی تیار نہیں ہوتا۔ اس کی بیوی اسے پاکستان ہجرت کرنے کی صلاح دیتی ہے جسے وہ قبول نہیں کرتا۔ کاظم امینہ سے شادی کرنے کے لئے انڈیا آتا ہے مگر اسے غیر قانونی رہنے اور پاکستانی ہونے کی وجہ سے گرفتار کر کے پاکستان بھیج دیا جاتا ہے۔ امینہ مایوس ہو کر خودکشی کر لیتی ہے اور سلیم مرزا بھی حالات کا مقابلہ کرتے کرتے تنگ آکر آخر کار پاکستان جانے کا فیصلہ کر لیتا ہے جبکہ سکندر مرزا اس کی مخالفت کرتا ہے اور اسے یہیں رہ کر جدوجہد کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ مگر جب وہ تانگے پر بیٹھ کر اسٹیشن کی جانب جا رہے ہوتے ہیں تو سامنے سے احتجاج کرنے والوں کا جلوس نظر آتا ہے جو ملک میں بے روزگاری اور امتیاز وتفریق کے خلاف نعرے لگا رہا ہوتا ہے۔ سکندر اس جلوس میں شامل ہو جاتا ہے اور سلیم بھی پاکستان جانے کا ارادہ بدل دیتا ہے اور تانگے والے کو واپس گھر کی طرف جانے کے لئے کہتا ہے۔ اور وہ بھی اس احتجاجی جدوجہد میں شامل ہو جاتا ہے۔

مذکورہ فلم کی شوٹنگ آگرہ میں اور کچھ فتح پور سیکری میں کی گئی ہے۔ اس کی متنازعہ فیہ کہانی کی وجہ سے لوگوں نے شوٹنگ میں رخنہ ڈالنے کے لئے مظاہرے بھی کئے تھے جس کی وجہ سے کئی مقامات پر

لوگوں کی توجہ ہٹانے کے لئے اصل شوٹنگ کے مقام کے ساتھ ساتھ کئی دوسرے مقامات پر خالی کیمرے بھی بھیجے گئے۔ چونکہ فلم کے پہلے کمرشل پروڈیوسر پبلک کی مخالفت سے گھبرا کر پیچھے ہٹ گئے تھے تب فلم فنانس کارپوریشن (اب نیشنل فلم ڈویلپمنٹ کارپوریشن) نے اس کی تکمیل میں مالی امداد بہم پہنچائی۔

اس فلم میں چند اداکاروں کو چھوڑ جیسے کہ فاروق شیخ جن کی یہ پہلی فلم تھی، زیادہ تر اداکار انڈین پیپلز تھیٹرز سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے لیڈنگ ایکٹر بلراج ساہنی تھے جو برسوں سے اس ادارے سے وابستہ رہے تھے اور اس فلم میں انہوں نے اپنے کردار میں جان پھونک دی۔ ان کی والدہ کا رول بیگم اختر کو پیش کیا گیا تھا مگر انہوں نے بوجوہ انکار کر دیا تب یہ رول بدر بیگم نے ادا کیا جو کہ پیپل منڈی میں آر ایس لال کی حویلی میں رہتی تھیں اور جنہوں نے شوٹنگ کے دوران ٹیم کی بڑی مدد کی تھی۔

ریلیز سے پیشتر سنٹرل بورڈ آف انڈیا نے اس خوف سے کہ اس فلم سے فرقہ واریت نہ بھڑک اُٹھے، آٹھ مہینے تک اس فلم کو اپنے پاس روکے رکھا تب اس فلم کے بنانے والوں نے اسے کچھ سرکاری افسروں، رہنماؤں اور صحافیوں کو دکھایا۔ بالآخر یہ فلم ریلیز کر دی گئی۔ اور آج یہ فلم حساس موضوع پر ایک یادگار فلم مانی جاتی ہے اور اس موضوع پر صرف چند اور فلموں کا نام لیا جا سکتا ہے جیسے کرتار سنگھ (۱۹۵۹ء۔ پاکستانی فلم) منوہن ڈیسائی کی چھلیا (۱۹۶۰ء)، یش چوپڑہ کی دھرم پتر، (۱۹۶۱ء) گووند نہلانی کی تمس (۱۹۸۶ء) پامیلا رکس کی ٹرین ٹو پاکستان (۱۹۹۸ء) منوج کمار کی شہیدِ محبت بوٹا سنگھ (۱۹۹۹ء) اور چندر پرکاش دویدی کی پنجر (۲۰۰۳ء)۔

اسے قومی یکجہتی کے لئے بہترین فلم کا نیشنل ایوارڈ نرگس دت اعزاز عطا کیا گیا۔ اور فلم فیئر کی جانب سے اس فلم کو تین اعزازات برائے ۱۹۷۵ء دیے گئے۔ بہترین مکالمے پر کیفی اعظمی کو، بہترین اسکرین پلے پر شمع زیدی رکیفی اعظمی کو اور بہترین کہانی پر عصمت چغتائی رکیفی اعظمی کو۔ یہ فلم عصمت چغتائی کی کہانی ''اسٹیشن ماسٹر'' پر مبنی ہے جسے کیفی اعظمی نے اپنے ڈھنگ سے پیش کیا ہے۔ بٹوارے سے متعلق اس کہانی میں یونین لیڈر کی حیثیت سے اس میں کیفی نے اپنے تجربات کو بھی شامل کیا ہے۔ اس میں تقسیم اور اس سے ہندوستانی مسلمانوں کی قابلِ رحم حالت اور ان کے مصائب کو بڑے دلپذیر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اس بٹوارے کے کارن وہ معاشی اور سماجی طور پر پچھڑ جاتے ہیں اور انہیں کئی طرح کے طعن و تشنیع کا شکار ہونا پڑتا ہے۔ ڈائرکٹر میتھیو کا اس کے بارے میں کہنا ہے کہ ''میں اس فلم گرم ہوا میں اس کھیل کا بھانڈہ پھوڑنا چاہتا ہوں جو سیاستدان کھیلتے ہیں۔ ہندوستان میں کتنے لوگ تقسیم چاہتے تھے؟ دیکھئے اس کے نتیجے میں کتنے مصائب پیدا ہوئے؟ اور فلم کے آخر میں کیفی اعظمی اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ مسائل و مصائب دونوں ممالک میں ہیں اس لئے ان سے بھاگ کر جانا بزدلی ہے

ہمیں یہیں رہ کران سے نبرد آزام ہونا چاہیے......اُن کا مقابلہ کرنا چاہیے۔

جو دور سے طوفان کا کرتے ہیں نظارہ
اُن کے لئے طوفان وہاں بھی ہے یہاں بھی
دھارے میں جومل جاؤ گے بن جاؤ گے دھارا
یہ وقت کا اعلان وہاں بھی ہے یہاں بھی

منڈی:



ہدایت کار: شیام بینیگل
کہانی: غلام عباس
اسکرین پلے: شیام بینیگل
موسیقار: ون راج بھاٹیہ
تصویرکشی: اشوک مہتہ
اداکار: شبانہ اعظمی (رکمنی بائی)، نصیرالدین شاہ (ٹنگ رس)، کل بھوشن کھربندہ (مسٹر گپتا)، سمتا پاٹل (زینت) نینا گپتا (بسنتی)، سونی رازدان (نادرہ) اوم پوری (رام گوپال) سعید جعفری (اگروال) انو کپور (ڈاکٹر) ادتیہ بھٹاچاریہ (سوشیل) انیتا کنور (پروین) سریلا مجمدار (پھول منی) ستیش کوشک (کونسلر) گیتا سدھارتھ (شانتی دیوی) پنچ کپور (شانتی دیوی کا اسسٹنٹ)

سنِ اجرا ۱۹۸۳ء۔ وقت: ۱۶۷ منٹ۔ زبان: ہندی

غلام عباس کی یہ کہانی آردو کی چند بہترین کہانیوں میں سے ہے جب یہ پہلی بار ادب لطیف لاہور میں شائع ہوئی تو قارئین کو یقین نہیں آتا تھا کہ یہ اُن کی اوریجنل کہانی ہے بلکہ اکثر سوچتے تھے کہ یہ کسی غیر ملکی کہانی کا چربہ یا ترجمہ ہے حالانکہ غلام عباس کا کہنا تھا کہ جن دنوں وہ دہلی میں آل انڈیا ریڈیو کی ملازمت میں تھے تو ایک دن جی بی روڈ سے گزرتے ہوئے اس کہانی کا پلاٹ ان کے ذہن مین آیا تھا جب کمیٹی طوائفوں کو کہیں شہر سے دور بسانے کی تجویز رکھتی تھی۔ بہرحال بالآخر سب کو یقین کرنا پڑا کہ اُردو کی یہ شاہکار کہانی غلام عباس کی بالکل اوریجنل ہے اور اس پر جتنا بھی ناز کیا جائے کم ہے۔

اسی کہانی کو شیام بینیگل نے مقامات و واقعات میں کچھ تبدیلی لاکر ''منڈی'' کی صورت میں پیش کیا اور اب اسے اُردو کی یادگار فلموں میں شمار کیا جاتا ہے۔ فلم کی کہانی یوں ہے کہ رُکمنی بائی (شبانہ اعظمی) حیدرآباد کے قحبہ خانے کے ایک کوٹھے کی میڈم ہے۔ ایک دن اسے خبر ملتی ہے کہ اس کے نئے مالک مکان مسٹر گپتا (کل بھوشن کھڑبندہ) کے بیٹے سوشیل کی شادی میئر کی بیٹی سے ہونے والی ہے۔ اسی دوران شانتی دیوی کی رہنمائی میں لوگ مطالبہ کرتے ہیں کہ قحبہ خانے کو یہاں سے ہٹا کر شہر سے کہیں دور بسایا جائے۔ مطالبہ مان لیا جاتا ہے۔ رُکمنی دیوی کو بھی کہا جاتا ہے کہ وہ بھی اپنا کوٹھا خالی کر کے اپنی عورتوں کے ساتھ وہاں چلی جائے۔ رُکمنی بائی کے سرپرستی میں بہت سے لوگ وہاں جانے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ اس دوران سوشیل اپنی منگیتر مالتی سے شادی سے انکار کر دیتا ہے کیونکہ وہ چاہتا ہے کہ رُکمنی بائی کے ساتھ رہنے والی طوائف زینت سے شادی کر لے اور اس کی زندگی سنوار دے۔

اس فلم کے نغموں کے میر تقی میر بہادر شاہ ظفر، انشاء، مخدوم محی الدین، اور سرور ڈانڈا کے زورِ قلم کا نتیجہ ہیں۔ اور اس کے چار نغموں ...... چبھتی ہے (آشا بھونسلے) زبانیں بدلتی ہیں (آشا بھونسلے) شمشیر بھری نہ مانگ غضب (پریتی ساگر) عشق کے شعلے...... (آشا بھونسلے) کو ونراج نے اپنی موسیقی سے قابلِ تحسین انداز میں سجایا ہے۔

گو یہ فلم باکس آفس پر کامیاب نہیں ہوئی مگر اردو کی کچھ عمدہ تصویروں میں اسے بھی شمار کیا جاتا ہے۔

نکاح



ہدایت کار رفلمساز: بی آر چوپڑہ

اداکار: راج ببر، دیپک پراشر، سلمہ آغا

موسیقار: روی

نغمہ نگار: حسرت موہانی رحسن کمال

تصویر کشی: دھرم چوپڑہ

سن اجرا: ۱۹۸۲ء

ایڈیٹنگ: ایس بی مانے

زبان: اُردو

ہدایت کار بی آر چوپڑہ نے نکاح کے شرعی مسئلہ کو مدِ نظر رکھ کر اس سماجی مسئلے کو پیش کیا ہے۔ اور اس سے مسلمان مرد جو ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہیں اس

کے خلاف آواز بلند کی گئی ہے۔ اس فلم کا نام پہلے "طلاق طلاق طلاق" رکھا گیا تھا جس پر کچھ مسلم سماجی اداروں نے مخالفت کی تھی جس پر اس کا نام بدل کر نکاح کر دیا گیا تاکہ کوئی بکھیڑا کھڑا نہ ہو جائے اور کسی کی دل آزاری نہ ہو۔

اس فلم کی کہانی یوں کہ حیدر (راج ببر) اور نیلوفر (سلمہ آغا) ایک ہی کالج میں پڑھتے ہیں۔ حیدر ایک اچھا شاعر بھی ہے اور وہ یہ جانے بغیر کہ نیلوفر ایک اور نوجوان وسیم سے پیار کرتی ہے جو کہ ایک نواب کا بیٹا ہے اور اس کا منگیتر بھی، اُس سے پیار کرنے لگتا ہے۔ اسی اثنا میں وسیم اور نیلوفر کی شادی ہو جاتی ہے اور اُدھر حیدر ایک معروف شاعر اور ایک میگزین کا ایڈیٹر بن جاتا ہے۔

وسیم کو ہنی مون کے دوران ایک بزنس کانٹریکٹ مل جاتا ہے اور نیلوفر پر دھیان دینے کے بجائے وہ بزنس میں کھو جاتا ہے۔ اور اس کے نتیجہ میں ان میں دوریاں پیدا ہونے لگتی ہیں۔ پھر شادی کی سالگرہ میں پارٹی کا اہتمام کیا جاتا ہے مگر وسیم پہنچ نہیں پاتا اور مہمانوں کے سوالوں سے تنگ آ کر نیلوفر مایوسی کے عالم میں پارٹی سے اُٹھ کر اپنے بیڈ روم میں چلی جاتی ہے۔ مہمان بھی اپنے آپ کو بے عزت محسوس کرتے ہیں اور پارٹی سے بغیر کھائے پیئے چلے جاتے ہیں۔ اس پر دونوں کے درمیان بحث مباحثہ ہو جاتا ہے اور غصے میں وسیم نیلوفر کو تین بار طلاق کہہ دیتا ہے۔ جس سے ان کا طلاق ہو جاتا ہے۔

مطلوقہ نیلوفر کو حیدر اپنے میگزین میں ملازمت دے دیتا ہے اور ملازمت کے دوران وہ محسوس کرتی کہ وہ اب بھی اس سے محبت کرتا ہے۔ وسیم دوبارہ نیلوفر سے شادی کرنا چاہتا ہے مگر مولوی صاحب اسے بتاتے ہیں کہ وہ اس سے شادی نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ پہلے کسی اور سے شادی کر کے طلاق نہ لے لے۔ اس دوران حیدر نیلوفر سے اپنے عشق کا اظہار کرتا ہے اور شادی کرنے کی خواہش کا اظہار کرتا ہے۔ اور پھر دونوں شادی کر لیتے ہیں۔ تب وسیم نیلوفر کو حیدر کو طلاق دے کر دوبارہ اس سے شادی کرنے کے بارے میں خط لکھتا ہے جو حیدر پڑھ لیتا ہے۔ اس پر وہ طلاق دینے کو تیار ہو جاتا ہے تاکہ وسیم اس سے دوبارہ شادی کر لے مگر اس پر نیلوفر راضی نہیں ہوتی اور ان سے سوال کرتی کہ کیا وہ عورت ہونے کے بجائے کوئی اثاثہ...... کوئی جائیداد...... کوئی پراپرٹی ہے؟ اور تب وہ اپنا فیصلہ سناتی ہے کہ وہ وسیم سے شادی کے بجائے حیدر کے ساتھ ہی رہنا چاہتی ہے۔ اور پھر وسیم اپنی نیک خواشات کا اظہار کر کے وہاں سے چلا جاتا ہے۔

یہ فلم ۱۹۸۲ء کی کامیاب و مقبول فلموں میں سے تھی، اس کے نغموں نے ملک میں دھوم مچا دی تھی اور ہر جگہ سلمیٰ آغا اور مہندر کپور کے ان گانوں کی آواز سنائی دیتی تھی...... بیتے ہوئے لمحوں کی کسک یاد تو ہو گی (مہندر کپور)...... چہرہ چھپ لیا ہے کسی نے حجاب میں (مہندر کپور۔ سلمہ آغا آشا بھونسلے) چپکے

چپکے رات دن (غلام علی)......دل کے ارماں آنسو میں بہہ گئے (سلمہ آغا)......دل کی یہ آرزو تھی کوئی دلربا ملے (مہندر کپور رسلمہ آغا)......فضا بھی ہے جواں جواں، ہوا بھی ہے (سلمہ آغا)..........

اس فلم کو فلم فیئر کے دس اعزازات کے لئے نامزد کیا گیا تھا مگر اسے دو ہی ایوارڈ مل پائے۔ پہلا ایوارڈ سلمی آغا کو اس کے گانے ''دل کے ارماں آنسوؤں میں بہہ گئے پر ملا اور دوسرا بہترین مکالموں پر ڈاکٹر اچلا ناگر کو۔

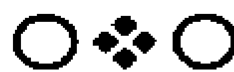
یہ فلم ناظرین نے بعض وجوہ سے بہت پسند کی اور کئی کئی بار دیکھی وجہ یہ کہ اس کے دل کش نغموں نے ناظرین پر جادو سا کر دیا تھا اور دوسرے اس کے مکالمے بھی بہت دل پر گہرا تاثر چھوڑتے تھے نیز یہ ایک ایسے مسئلے پر بنائی گئی تھی جو مسلمانوں کا ایک بہت بڑا مسئلہ ہے اور جس کی آڑ میں بعض لوگ ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہیں۔

○❖○

داداصاحب پھالکے اعزاز یافتہ فلمی ہستیاں

۱۹۶۹ء	دیویکارانی	اداکارہ (کرناٹک)
۱۹۷۰ء	بی این سرکار	فلمساز (مغربی بنگال)
۱۹۷۱ء	پرتھوی راج کپور	اداکار (پنجاب)
۱۹۷۲ء	ملک پنکج	موسیقار (مغربی بنگال)
۱۹۷۳ء	روبی مئرس (سلوچنا)	اداکارہ (مہاراشٹر)
۱۹۷۴ء	بومی ریڈی نرسمہا ریڈی	ڈائرکٹر (آندھرا)
۱۹۷۵ء	دھریندرناتھ گنگولی	اداکار۔ ہدایت کار (مغربی بنگال)
۱۹۷۶ء	کانن دیوی (بالا)	اداکارہ (مغربی بنگال)
۱۹۷۷ء	نتن بوس	سینماٹوگرافر، ہدایت کار، اسکرین رائٹر (مغربی بنگال)
۱۹۷۸ء	رائے چند بورال	موسیقار (مغربی بنگال)
۱۹۷۹ء	سہراب مودی	ہدایت کار، اداکار، فلمساز (مہاراشٹر)
۱۹۸۰ء	پی ڈی جے راج	اداکار، ہدایت کار (آندھراپردیش)
۱۹۸۱ء	نوشادعلی	موسیقار (اُترپردیش)
۱۹۸۲ء	وی ایل پرساد	ایکٹر، ہدایت کار، فلمساز (آندھراپردیش)
۱۹۸۳ء	درگاکھوٹے	اداکارہ (مہاراشٹر)
۱۹۸۴ء	ستیہ جیت رے	ہدایت کار (مغربی بنگال)
۱۹۸۵ء	وی شانتارام	اداکار، ہدایت کار، فلمساز (مہاراشٹر)
۱۹۸۶ء	ناگی ریڈی	فلمساز (آندھراپردیش)
۱۹۸۷ء	راج کپور	اداکار، ہدایت کار (مہاراشٹر)
۱۹۸۸ء	اشوک کمار	اداکار (مہاراشٹر)

۱۹۸۹ء	لتا منگیشکر	سنگر (مہاراشٹر)
۱۹۹۰ء	اکینینی ناگیشور راؤ	ہدایت کار (آندھرا پردیش)
۱۹۹۱ء	بھال جی پنڈھارکر	ہدایتکار، فلمساز، اسکرین رائٹر (مہاراشٹر)
۱۹۹۲ء	بھوپین ہزاریکا	ہدایت کار (آسام)
۱۹۹۳ء	مجروح سلطان پوری	شاعر (اُتر پردیش)
۱۹۹۴ء	دلیپ کمار (یوسف خان)	اداکار (مہاراشٹر)
۱۹۹۵ء	راج کمار	اداکار (کرناٹک)
۱۹۹۶ء	شیواجی گنیشن	اداکار (تمل ناڈو)
۱۹۹۷ء	پردیپ	شاعر (مدھیہ پردیش)
۱۹۹۸ء	بی آر چوپڑا	ہدایت کار، فلمساز (پنجاب)
۱۹۹۹ء	رشی کیش مکرجی	ہدایت کار (مغربی بنگال)
۲۰۰۰ء	آشا بھوسلے	سنگر (ہاراشٹر)
۲۰۰۱ء	لیش چوپڑا	ہدایت کار، فلمساز (پنجاب)
۲۰۰۲ء	دیو آنند	اداکار، ہدایت کار، فلمساز (پنجاب)
۲۰۰۳ء	مرنال سین	ہدایت کار (مغربی بنگال)
۲۰۰۴ء	ادور گوپالا کرشنن	ہدایت کار (کیرالہ)
۲۰۰۵	شیام بینیگل	ہدایت کار (آندھرا پردیش)
۲۰۰۶ء	تپن سنہا	ہدایت کار (مغربی بنگال)
۲۰۰۷ء	مناڈے	پلے بیک سنگر (مغربی بنگال)
۲۰۰۸ء	وی۔ کے۔ مورتی	سینماٹوگرافر (کرناٹک)
۲۰۰۹ء	ڈی۔ رام نائیڈو	فلمساز (آندھرا پردیش)
۲۰۱۰	کے بالا چندر	ہدایت کار، فلمساز، اسکرین رائٹر
۲۰۱۱	سومترا چیٹر جی	اداکار
۲۰۱۲	پران	اداکار رویلن



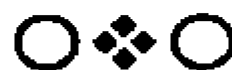
سوسال سوگیت

	گیت	آواز	سنگیت کار	گیت کار	فلم	سنہ
۱	آپ کی قسم	کشور کمار	آر ڈی برمن	آنند بخشی	آپ کی قسم	۱۹۷۴ء
۲	آپ کی نظروں نے	لتا منگیشکر	مدن موہن	راجہ مہدی علی خان	ان پڑھ	۱۹۶۲
۳	آج دل پر کوئی زور چلتا	لتا منگیشکر	لکشمی کانت پیارے لال	آنند بخشی	ملن	۱۹۶۷ء
۴	آج سوچا تو آنسو بھر	لتا منگیشکر	مدن موہن	کیفی اعظمی	ہنستے زخم	۱۹۷۳
۵	آجا رے پردیسی	لتا منگیشکر	سلیل چودھری	شیلندر	مدھومتی	۱۹۵۸ء
۶	آواز دے کہاں ہے	نور جہاں-سریندر	نوشاد	تنویر نقوی	انمول گھڑی	۱۹۴۶ء
۷	آؤ بچو تمہیں دکھائیں	پردیپ	ہیمنت کمار	پردیپ	جاگرتی	۱۹۵۴ء
۸	آہیں نہ بھریں شکوے نہ	شمشاد-نور جہاں زہرہ بائی امیر بائی	میر صاحب	نخشب جارچوی	زینت	۱۹۴۴ء
۹	آئے گا آنے والا	لتا منگیشکر	کھیم چندر پرکاش	نخشب جارچوی	محل	۱۹۴۹ء
۱۰	ابھی نہ جاؤ چھوڑ کر	محمد رفیع- آشا بھوسلے	جے دیو	ساحر لدھیانوی	ہم دونوں	۱۹۶۱ء
۱۱	اڑ جا رے پنچھی	لتا منگیشکر	سلیل چودھری	مجروح سلطان پوری	مایا	۱۹۶۱ء
۱۲	اس دنیا میں جینا ہے	لتا منگیشکر	شنکر جے کشن	حسرت جے پوری	گمنام	۱۹۶۱ء
۱۳	اک شہنشاہ نے بنوا کے	لتا-محمد رفیع	نوشاد	شکیل بدایونی	لیڈر	۱۹۶۴
۱۴	اکیلا اکیلے کہاں	محمد رفیع	شنکر جے کرشن	حسرت جے پوری	این ایوننگ ان پیرس	۱۹۶۷
۱۵	اللہ تیرو نام	لتا منگیشکر	جے دیو	ساحر لدھیانوی	ہم دونوں	۱۹۶۱ء
۱۶	او بیقرار دل	لتا منگیشکر	ہیمنت کمار	کیفی اعظمی	کہرا	۱۹۶۴ء
۱۷	او دنیا کے رکھوالے	محمد رفیع	نوشاد	شکیل بدایونی	بیجو باورا	۱۹۵۲ء
۱۸	او رے تال ملے ندی کے	مکیش	روشن	اندیور	انوکھی رات	۱۹۶۹ء
۱۹	او سجنا برکھا بہار آئی	لتا منگیشکر	سلیل چودھری	شیلندر	پرکھ	۱۹۶۰ء
۲۰	اے دل ناداں	لتا منگیشکر	خیام	جاں نثار اختر	رضیہ سلطان	۱۹۸۳ء
۲۱	اے زندگی گلے لگ جا	سریش واڈیکر	الیا راجہ	گلزار	صدمہ	۱۹۶۳ء

۲۲	اے کاتب تقدیر	کے ایل سہگل	پنکج ملک	پنڈت بھوشن	میری بہن	۱۹۴۴
۲۳	ایک لڑکی کو دیکھا تو	اودت نارائن	آر ڈی برمن	جاوید اختر	۱۹۴۲اے لو اسٹوری	۱۹۹۴ء
۲۴	اے میری زہرہ جبیں	منا ڈے	روی	ساحر لدھیانوی	وقت	۱۹۶۵ء
۲۵	اے میرے پیارے وطن	منا ڈے	سلیل چودھری	پریم دھون	کابلی والا	۱۹۶۱ء
۲۶	بابا من کی آنکھیں	کے سی ڈے	رائے چند بورال	سدرشن	دھوپ چھاؤں	۱۹۳۵ء
۲۷	بابل مورا نیہر چھوٹو	کے ایل سہگل	رائے چند بورال	واجد علی شاہ	اسٹریٹ سنگر	۱۹۳۸ء
۲۸	بالم آئے بسو مورے	کے ایل سہگل	تمر برن	کیدار شرما	دیوداس	۱۹۳۶ء
۲۹	بڑا نٹ کھٹ ہے	لتا منگیشکر	آر ڈی برمن	آنند بخشی	امر پریم	۱۹۷۲ء
۳۰	بہارو پھول برساؤ	محمد رفیع	شنکر جے کشن	حسرت جے پوری	سورج	۱۹۶۶ء
۳۱	پوچھو نہ کیسے میں نے	منا ڈے	ایس ڈی برمن	شیلندر	میری صورت تیری آنکھیں	۱۹۶۳ء
۳۲	پھر وہی رات ہے	کشور کمار	آر ڈی برمن	گلزار	گھر	۱۹۷۸ء
۳۳	پھر وہی شام	طلعت محمود	مدن موہن	راجندر کرشن	جہاں آرا	۱۹۶۴ء
۳۴	پہلے جو محبت سے انکار کیا	خورشید	کیم چندر پرکاش	ڈی این مدھوک	پردیسی	۱۹۴۱
۳۵	پیار کیا تو ڈرنا کیا	لتا منگیشکر	نوشاد	شکیل بدایونی	مغل اعظم	۱۹۶۰ء
۳۶	تجھ سے نظریں نہیں	انوپ گھوشال	آر ڈی برمن	گلزار	معصوم	۱۹۸۳
۳۷	تم نہ جانے کس جہاں	لتا منگیشکر	ایس ڈی برمن	ساحر لدھیانوی	سزا	۱۹۵۱ء
۳۸	تم بن جاؤں کہاں	کشور کمار	آر۔ ڈی۔ برمن	مجروح سلطان پوری	پیار کا موسم	۱۹۶۹ء
۳۹	تم پکارلو	ہیمنت کمار	ہیمنت کمار	گلزار	خاموشی	۱۹۷۰ء
۴۰	تم جو مل گئے ہو	محمد رفیع رلتا	مدن موہن	کیفی اعظمی	ہنستے زخم	۱۹۷۳ء
۴۱	تو کون سی بدلی میں	نور جہاں	غلام حیدر	-	خاندان	۱۹۴۲
۴۲	تو جہاں جہاں چلے گا	لتا منگیشکر	مدن موہن	راجہ مہدی علی خاں	میرا سایہ	۱۹۵۰ء
۴۳	تیری گٹھری میں لاگا چور	کے سی ڈے	رائے چند بورال	سدرشن	دھوپ چھاؤں	۱۹۳۵ء
۴۴	تیری محفل میں قسمت	لتا منگیشکر، شمشاد بیگم	نوشاد	شکیل بدایونی	مغل اعظم	۱۹۶۰ء
۴۵	تیرے بچپن کو جوانی کی دعا	لتا منگیشکر	جے دیو	ساحر لدھیانوی	مجھے جینے دو	۱۹۶۳ء
۴۶	تیرے بنا زندگی سے	لتا منگیشکر	آر ڈی برمن	گلزار	آندھی	۱۹۷۵ء
۴۷	تیرے میرے ملن کی یہ	کشور کمار رلتا	ایس ڈی برمن	مجروح سلطان پوری	ابھیمان	۱۹۷۳ء
۴۸	ٹھاڑے رہیو	لتا منگیشکر	غلام محمد	مجروح سلطان پوری	پاکیزہ	۱۹۷۲ء

۴۹	جاناتھا ہم سے دور	لتا منگیشکر	مدن موہن	راجندر کرشن	عدالت	۱۹۵۸ء
۵۰	جائیے آپ کہاں	آشا بھونسلے	او پی نیر	مجروح سلطان پوری	میرے صنم	۱۹۶۵ء
۵۱	جستجو جس کی تھی	آشا بھونسلے	خیام	شہریار	امراؤ جان	۱۹۸۱ء
۵۲	جس گلی میں تیرا گھر	مکیش	آر ڈی برمن	آنند بخشی	کٹی پتنگ	۱۹۷۱ء
۵۳	جیوتی کلش چھلکے	لتا منگیشکر	سدھیر پھڑکے	نریندر شرما	بھابھی کی چوڑیاں	۱۹۶۱ء
۵۴	جاہ برباد کرے گی	کے ایل سہگل	خمار بارہ بنکوی	نوشاد	شاہجہاں	۱۹۴۶ء
۵۵	چپکے سے	سادھنا سرگم	اے آر رحمان	گلزار	ساتھیا	۲۰۰۲ء
۵۶	چلتے چلتے، کوئی مل	لتا منگیشکر	غلام محمد	کیفی اعظمی	پاکیزہ	۱۹۷۲ء
۵۷	چلو اک بار پھر سے	مہندر کپور	روی	ساحر لدھیانوی	گمراہ	۱۹۶۳ء
۵۸	چنگاری کوئی بھڑکے	کشور کمار	ایس ڈی برمن	آنند بخشی	امر پریم	۱۹۷۲ء
۵۹	چھو کر میرے من کو	کشور کمار	راجیش روشن	آنند بخشی	یارانہ	۱۹۸۱ء
۶۰	چودھویں کا چاند ہو یا	محمد رفیع	روی شرما	شکیل بدایونی	چودھویں کا چاند	۱۹۶۰ء
۶۱	دکھ کے دن بیتت	کے ایل سہگل	تمر برن	کیدار شرما	دیوداس	۱۹۳۶
۶۲	دنیا میں غریبوں کو	شمشاد بیگم	غلام حیدر	ڈی این مدھوک	زمیندار	۱۹۴۲ء
۶۳	دکھائی دیئے یوں	لتا منگیشکر	خیام	میر تقی میر	بازار	۱۹۸۲ء
۶۴	دیکھ تیرے سنسار	پردیپ	دتا دیوجیکار رسی رامچندر	پردیپ	ناستک	۱۹۵۴ء
۶۵	ذرا سی آہٹ ہوتی	لتا منگیشکر	مدن موہن	کیفی اعظمی	حقیقت	۱۹۶۴ء
۶۶	راہوں میں چلے آؤ	لتا منگیشکر	آر ڈی برمن	مجروح سلطان پوری	انامیکا	۱۹۷۳ء
۶۷	رم جھم برسیں بادروا	زہرہ انبالے والی	نوشاد	ڈی این مدھوک	رتن	۱۹۴۴ء
۶۸	رسمِ الفت کو نبھائے	لتا منگیشکر	مدن موہن	نقش لائل پوری	دل کی راہیں	۱۹۷۳ء
۶۹	رسک بلما	لتا منگیشکر	شنکر جے کشن	حسرت جے پوری	چوری چوری	۱۹۵۶ء
۷۰	روتے روتے گزر گئی	لتا منگیشکر	ایس ڈی برمن	کیفی اعظمی	بزدل	1951
۷۱	رہیں نہ رہیں ہم	لتا منگیشکر	روشن	مجروح سلطان پوری	ممتا	۱۹۶۶ء
۷۲	زندگی کا ساز بھی	نسیم بانو	میر صاحب	کمال امروہوی رسید امیر	پکار	۱۹۳۹ء
۷۳	ساون کے نظارے ہیں	شمشاد بیگم	غلام حیدر	ولی صاحب	خزانچی	۱۹۴۱ء
۷۴	سہانا سفر اور یہ موسم	مکیش	سلیل چودھری	شیلندر	مدھومتی	۱۹۵۸ء
۷۵	سارنگا تیری یاد میں	مکیش	سردار ملک	بھرت ویاس	سارنگا	۱۹۶۰ء
۷۶	عجیب داستاں ہے یہ	لتا منگیشکر	شنکر جے کشن	شیلندر	دل اپنا اور پریت پرائی	۱۹۶۰ء

۷۷	کبھی تنہائیوں میں یوں	مبارک بیگم	سنہل بھنکر	کیدار شرما	ہماری یاد آئے گی	۱۹۶۱ء
۷۸	کبھی کبھی میرے دل میں	مکیش	خیام	ساحرلدھیانوی	کبھی کبھی	۱۹۷۶ء
۷۹	کبھی خود پہ کبھی حالات پہ	محمد رفیع	جے دیو	ساحرلدھیانوی	ہم دونوں	۱۹۶۱ء
۸۰	کچھ تو لوگ کہیں گے	کشور کمار	آر ڈی برمن	آنند بخشی	امر پریم	۱۹۷۲ء
۸۱	کس طرح بھولے گا دل	نور جہاں	شیام سندر	ولی صاحب	گاؤں کی گوری	۱۹۴۵ء
۸۲	کورا کاغذ تھا من میرا	کشور کمار، لتا	ایڈ ی برمن	آنند بخشی	آرادھنا	۱۹۶۹ء
۸۳	کوئی ہمدم نہ ملا، کوئی	کشور کمار	کشور کمار	مجروح سلطان پوری	جھمرو	۱۹۶۱ء
۸۴	کہیں دور جب دن ڈھل	مکیش	سلیل چودھری	یوگیش	آنند	۱۹۷۱ء
۸۴	گھبرا کے جو ہم سر کو	راج کماری	کھیم چند پرکاش	نخشب جارچوی	محل	۱۹۴۹ء
۸۵	لگ جا گلے سے	لتا منگیشکر	مدن موہن	راجہ مہدی علی خاں	وہ کون تھی	۱۹۶۴
۸۶	مسافر ہوں یارو	کشور کمار	آر ڈی برمن	گلزار	پریچے	۱۹۷۲ء
۸۷	مشکل ہے بہت مشکل	لتا منگیشکر	کھیم چند پرکاش	نخشب جارچوی	محل	۱۹۴۹ء
۸۸	موسم ہے عاشقانہ	لتا منگیشکر	غلام محمد	کمال امروہوی	پاکیزہ	۱۹۷۲ء
۸۹	وقت نے کیا کیا ستم	گیتا دت	ایس ڈی برمن	کیفی اعظمی	کاغذ کے پھول	۱۹۵۹ء
۹۰	وہ بھولی داستاں	لتا منگیشکر	مدن موہن	راجندر کرشن	سنجوگ	۱۹۶۱ء
۹۱	وہ شام کچھ عجیب تھی	کشور کمار	ہیمنت کمار	گلزار	خاموشی	۱۹۷۰ء
۹۲	ہر گھڑی بدل رہی	سونو نگم	شنکر احسان	جاوید اختر	کل ہو نہ ہو	۲۰۰۳ء
۹۳	ہم جی کے کیا کریں	کے ایل سہگل	نوشاد	مجروح سلطان پوری	شاہجہاں	۱۹۴۶
۹۴	ہم لائے ہیں طوفان	محمد رفیع	ہیمنت کمار	پردیپ	جاگرتی	۱۹۵۴ء
۹۵	یہ جو دیس ہے میرا	اے آر رحمان	اے آر رحمان	جاوید اختر	سودیش	۲۰۰۴ء
۹۶	یہ زندگی اسی کی ہے	لتا منگیشکر	سی رام چندر	راجندر کرشن	انارکلی	۱۹۵۳
۹۷	یہ عشق عشق ہے	محمد رفیع، منا ڈے ایس ڈی باتش سدھا ملہوترا	روشن	ساحرلدھیانوی	برسات کی رات	۱۹۶۰ء
۹۸	یہ کہاں آ گئے ہم	لتا منگیشکر	ہری پرساد چورسیا	جاوید اختر	سلسلہ	۱۹۸۱ء
			شوکمار شرما			
۹۹	یہ محلوں یہ تختوں یہ	محمد رفیع	ایس ڈی برمن	ساحرلدھیانوی	پیاسا	۱۹۵۷ء
۱۰۰	یہ میرا دیوانہ پن ہے	مکیش	شنکر جے کشن	حسرت جے پوری	یہودی	۱۹۵۸ء

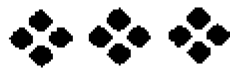


کتابیات

کتاب	مصنف	ناشر
پسِ پردہ	انیس امروہوی (۲۰۱۰ء)	تخلیق کار پبلشرز، لکشمی نگر دہلی ۔۹۲
پھالکے کے وارث	پریم پال اشک (۱۹۹۱ء)	موڈرن پبلشنگ ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی ۔۲
تحریکِ آزادی اور سنیما	پریم پال اشک ۱۹۹۸ء	مودرن پبلشنگ ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی ۔۲
دلیپ کمار ایکٹنگ کورس	فاروق ارگلی	کتاب والا ۔ دہلی
سلولائیڈ کی دنیا	پریم پال اشک (۱۹۸۶ء)	موڈرن پبلشنگ ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی ۔۲
شاہ رُخ خان	فاروق ارگلی	فرید بک ڈپو، دہلی ۔۶
عظیم فنکار: بلراج ساہنی	فاروق ارگلی	کتاب والا ۔ دہلی ۔۶
عظیم موسیقار نوشاد	فاروق ارگلی	فرید بک ڈپو، دہلی ۔۶
فلم شناسی	پریم پال اشک (۱۹۹۰ء)	موڈرن پبلشنگ ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی
فلمی معاشقے	فاروق ارگلی	کتاب والا ۔ دہلی
فلمیں کیسے بنتی ہیں (ترجمہ)	خواجہ احمد عباس؟ پریم پال اشک (۱۹۷۹ء)	نیشنل بک ٹرسٹ نئی دہلی
ملکہ جذبات: وحیدہ رحمان	فاروق ارگلی	کتاب والا ۔ دہلی
ملکہ غم: مینا کماری	فاروق ارگلی	فرید بک ڈپو، دہلی ۔۶
وہ بھی ایک زمانہ تھا	انیس امروہوی (۲۰۰۷ء)	تخلیق کار پبلی کیشنز، دہلی ۔۹۲
ہماری فلمیں اور اُردو	محمد خالد عابدی (۲۰۰۹ء)	مکتبہ عابدیہ، ۵۴۵ دل آرام ہاؤس، ہوا محل روڈ، بھوپال
ہماری فلمیں ہمارا سماج	پریم پال اشک (۱۹۰۸ء)	موڈرن پبلشنگ ہاؤس، دریا گنج نئی دہلی ۔۲
ہندوستانی سنیما کے پچاس سال	پریم پال اشک (۲۰۰۰ء)	موڈرن پبلشنگ ہاؤس، دریا گنج نئی دہلی ۔۲
ہندوستانی فلموں کا آغاز وارتقاء (۱)	ڈاکٹر الف انصاری (۲۰۱۲ء)	عرشیہ پبلی کیشنز، دلشاد گارڈن دہلی
ہندوستانی فلموں کا آغاز وارتقاء (۲)	ڈاکٹر الف انصاری (۲۰۱۲ء)	عرشیہ پبلی کیشنز، دلشاد گارڈن دہلی

رسائل خصوصی نمبر :

رسالہ	مدیر	پتہ
ماہنامہ آج کل نئی دہلی	شہباز حسین رنند کشور وکرم	پبلی کیشنز ڈویژن، پٹیالہ ہاؤس، نئی دہلی۔ ۱
ماہنامہ شمع نئی دہلی (۱۹۸۸ء) (فلم اور ٹی وی نمبر)	یونس دہلوی ؟ یونس دہلوی رالیاس دہلوی	آصف علی روڈ، اجمیری گیٹ، نئی دہلی۔
سہ ماہی تمثیل نو ۲۰۱۲ء (ہندوستانی فلمیں اور اردو)	امام اعظم	دربھنگہ اردو ادبی سرکل، محلہ گنگوارہ، پوسٹ سارا موہن پور، دربھنگہ۔ ۸۴۶۰۰۷



کچھ فلمی صحافی رادیب

کرشن چندر، سعادت حسن منٹو، خواجہ احمد عباس، راجندر سنگھ بیدی، گلزار، ابراہیم جلیس، دھرم ویر، ایس ایس منور، شکیل الرحمٰن، رفعت سروش، رضوان احمد، شوکت ہاشمی، سعید امرت، وشوا ناتھ طاؤس، پریم پال اشک، یونس دہلوی، ادریس دہلوی، انیس امروہوی، رشید انجم، فاروق ارگلی، ظہیر حسن کمال، انیس دہلوی، رحمٰن نیر، نازش انصاری، شاہد پرویز، ظہیر ناصر، عبداللہ کمال، نصرت ظہیر، خوشباش بی اے (شہزادہ تبسم)، حمید الدین محمود، امیر گوہر، شمیم زبیری، مقبول جلیس، یاسمین گوریجہ، عطا اللہ ہاشمی، فقیر حسین فقیر، الف انصاری، الیاس رشیدی، رفیق چمن، ساجد یزدانی، علی سفیان آفاقی، رضوان حیدر برنی، افضل الفت، چوہدری فضل حق، حمید الدین، خواجہ خادم حسین، خواجہ بقا اللہ، دکھی پریم نگری، شوکت تھانوی، شوکت راز، طلعت روف، غفور بٹ، نذیر اجمیری، اسد جعفری، لئیق قریشی، عطاء اللہ خاں، محمد منصور عالم، ایم قمر علیگ، اعجاز الرحمٰن، اشرف عثمانی دیوبندی، بدرالحسن، یاسمین اختر، منور حسن کمال، مظہر جمیل، خورشید اختر فرازی، غلام رسول، شاہد محمود، عقیل احمد عقیل، سردار یوسف، خواجہ احمد حسین، احمر امان، نثار انجم، تحسین اختر، چاند خاں رحمانی، خاور حسن، ،ثانیہ قیصر، ہما انور، فاریہ قیصر، پروین اختر، مشتاق جاوید، نصیر احمد صدیقی، نجمہ شریف، ابرار احمد، جیلانی خان، محمد اکرام، دلیس راج مضطر، ہما انور، عبید الرحمٰن غازی پوری، شکیلہ یعقوب، ناصر عزیز، مجیب الرحمٰن، قطب الدین خاں دوست محمد۔

تاریخ ساز دہلی کے تہذیب وتمدن اور روایات واقدار سے متعلق

اُردو اکادمی، دہلی کی چند اہم مطبوعات

نمبر شمار	کتاب کا نام	مصنف/مرتب	صفحات	قیمت
1	دہلی کی آخری شمع	مرزا فرحت اللہ بیگ/ڈاکٹر صلاح الدین	147	45/-
2	دلی والے (جلد اوّل)	ڈاکٹر صلاح الدین	357	120/-
3	دلی والے (جلد دوم)	ڈاکٹر صلاح الدین	506	130/
4	دلی والے (جلد سوم)	ڈاکٹر صلاح الدین	272	75/-
5	دلی والے (جلد چہارم)	اظہار عثمانی	340	120/-
6	دلی کا آخری دیدار	سید وزیر حسن دہلوی/سید ضمیر حسن دہلوی	74	30/-
7	قلعہ معلی کی جھلکیاں	عرش تیموری/ڈاکٹر اسلم پرویز	72	25/-
8	رسوم دہلی	سید احمد دہلوی/ڈاکٹر خلیق انجم	208	40/-
9	بزم آخر	منشی فیض الدین/ڈاکٹر کامل قریشی	124	50/-
10	سوانح دہلی	شہزادہ مرزا احمد اختر گورگانی/مرغوب حیدر عابدی	64	25/-
11	عالم میں انتخاب دلی	مہیشور دیال	531	150/-
12	دلی کی تہذیب	ڈاکٹر اشفاق مرزا	84	35/-
13	چراغ دہلی	میرزا حیرت دہلوی	536	150/-
14	دلی کی [illegible] بہار	علامہ راشد الخیری/سید ضمیر حسن دہلوی	127	40/-
15	[illegible] ایک جھلک	حکیم خواجہ سید ناصر نذیر احمد فراق دہلوی/ڈاکٹر اشفاق مرزا	109	40/-
16	دہلی اور اس کے اطراف	مولانا حکیم سید عبدالحی/ڈاکٹر صادق ذکی	134	45/-
17	دلی کے آثار قدیمہ	ڈاکٹر خلیق انجم	296	100/-
18	واقعات دارالحکومت دہلی (تین جلدوں میں)	مولوی بشیر الدین احمد، مقدمہ پروفیسر اقتدار حسین صدیقی	1760	1500/-
19	آثار الصنادید	سرسید احمد خاں، مقدمہ ڈاکٹر تنویر احمد علوی	728	240/-
20	دہلوی اردو	سید ضمیر حسن دہلوی	272	90/-
21	دلی اور آزادی	ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ	304	225/-

رابطہ: سی۔ پی۔ او۔ بلڈنگ، کشمیری گیٹ، دہلی Ph : 23863858, Fax : 23863773

ہماری مطبوعات

آدھا سچ (افسانے)	نند کشور وکرم	۱۵۰ روپے
انیسواں ادھیائے (تجزیاتی ناول)	نند کشور وکرم	۱۵۰ روپے
آوارہ گرد (افسانے)	نند کشور وکرم	۸۰ روپے
یادوں کے کھنڈر (ناول)	نند کشور وکرم	۹۰ روپے
کچھ دیکھے کچھ سنے (مضامین)	نند کشور وکرم	۹۰ روپے
میری منتخب نظمیں	ستیہ پال آنند	۳۵۰ روپے
جو نسیم خندہ چلے (نظمیں)	ستیہ پال آنند	۱۵۰ روپے
میرے اندر ایک سمندر (شاعری)	ستیہ پال آنند	۲۰۰ روپے
ستیہ پال آنند کی تیس نظمیں	بلراج کومل	۱۷۰ روپے
ستیہ پال آنند کی نظم نگاری	ڈاکٹر عبداللہ	۳۵۰ روپے
نئی صدی اور ادب (تحقیق و تنقید)	دیویندر اسر	۱۲۰ روپے
ادب کی آبرو (تحقیق و تنقید)	دیویندر اسر	۷۰ روپے
خوشبو بن کے لوٹیں گے (ناولٹ)	دیویندر اسر	۵۰ روپے
احساس (ہنس راج رہبر کی شاعری)	نند کشور وکرم	۱۰۰ روپے
شباب للت: شخصیت اور ادبی خدمات	نند کشور وکرم	۲۵۰ روپے

پبلشرز اینڈ ایڈورٹائزر

F-14/21(D) کرشن نگر دہلی 110051

Regd.No45755/85

Registered with the Registrar of Newspapers in India

ALAMI URDU ADAB 2013

Cinema Sadi Number

(The only reference journal in Urdu)

عالمی اردو ادب ۲۰۱۳ء

سینما صدی نمبر

Price: (inland) Rs.350/- (Foreign) US$20

Place of printing Sanjeev Offset, Krishan Nagar, Delhi 110051

Statement about ownership and other particulars about Form

(As required by rules of Registrar 'Act)

ملکیت فارم نمبر ۴

رجسٹریشن آف نیوز پیپرز ایکٹ کے مطابق بیان

بابت ملکیت و جملہ تفصیلات

1.	Alami Urdu Adab			عالمی اردو ادب	۱
2.	Place of publication:	F-14/21(D) Krishan Nagar, Delhi-110051	ایف ۲۱/۱۴ (ڈی) کرشن نگر دہلی ۵۱	مقام اشاعت:	۲
3.	Duration:	Half - yearly	ششماہی	وقفۂ اشاعت:	۳
4.	Printer	Nand Kishore Vikram	نند کشور وکرم	پرنٹر	۴
5.	Publisher	F-14/21(D) Krishan	ایف ۲۱/۱۴ (ڈی)	پبلشر	۵
6.	Editor	Nagar, Delhi-110051	کرشن نگر دہلی ۵۱	ایڈیٹر	۶
7.	Nationality:	Indian	ہندوستانی	قومیت:	۷
8.	Address:	F-14/21(D) Krishan Nagar, Delhi-110051	ایف ۲۱/۱۴ (ڈی) کرشن نگر دہلی ۵۱	پتہ:	۸

I Nand Kishore Vikram hereby declare that the particulars given above are true to the best of my knowledge and belief

میں اقرار کرتا ہوں کہ مندرجہ اندراجات درست اور صحیح ہیں۔

Nand Kishore Vikram (Publisher) نند کشور وکرم (پبلشر)

طابع و ناشر نند کشور وکرم نے سنجیو آفسیٹ پرنٹرز سے چھپوا کر ایف ۲۱/۱۴ (ڈی) کرشن نگر دہلی ۔۱۱۰۰۵۱ سے شائع کیا۔

Regd. No. : 45755/8

Alami Urdu Adab

CINEMA SADI NUMBER

Vol. 35 August 2013 Rs. 350/-











